اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

تفسیر روح القرآن

سُوْرَةُ صٓ (۳۸) ...... تا ...... سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ (۴۵)

(جلد: ۱۰)

مؤلف

ڈاکٹر مولانا محمد اسلم صدیقی

ایم۔اے۔پی ایچ۔ڈی

Marfat.com

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

ھُدًی لِلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

تفسیر روح القرآن

سُوْرَۃُ صٓ (۳۸) ...... تا ...... سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ (۴۵)

(جلد: ۱۰)

مؤلف

ڈاکٹر مولانا محمد اسلم صدیقی

ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب	:	تفسیر روح القرآن
مؤلف	:	ڈاکٹر مولانا محمد اسلم صدیقی
ناشر	:	ادارہ هُدٰی لِلنَّاسِ
کمپوزنگ	:	زاہد حسین
پرنٹرز	:	محمد ندیم پرنٹنگ پریس، لاہور
تاریخ اشاعت	:	جولائی 2011ء
تعداد	:	1000
قیمت	:	700 روپے

۲۹۷٫۱۲۲
ا ا لم ت
109523
جلد ۱۰

ملنے کا پتہ

۱۔ 343-مہران بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور۔ فون: 042-35426800

۲۔ ادارہ اسلامیات نئی انارکلی لاہور۔

۳۔ مکتبہ ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور۔

۴۔ ادارہ منشورات ملتان روڈ بالمقابل منصورہ لاہور۔

۵۔ ۳۔کورٹ سٹریٹ، لوئر مال لاہور۔ فون: 042-37248676-37320961
ہیڈ آفس: منصورہ ملتان روڈ لاہور۔ 042-35417074

۶۔ ادارہ البدر پبلی کیشنز 23 راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور۔
موبائل: 0300-8485030۔ فون: 042-37225030

Marfat.com

(ایک ضروری گزارش)

بعض احباب کے اصرار پر ادارہ هُدًی لِلنَّاسِ نے اس کتاب کا نام "دروس القرآن" کی بجائے "تفسیر روح القرآن" تجویز کیا ہے۔ اس کتاب کی بیشتر جلدیں چونکہ دروس القرآن کے نام سے چھپ چکی ہیں اس لئے اپنے قارئین کرام کو کسی خلطِ مبحث یا غلط فہمی سے بچانے کیلئے یہ گزارش ضروری معلوم ہوتی ہے کہ وہ مناسب سمجھیں تو اپنے پاس نسخوں میں نام کی تبدیلی کرلیں، اور اگر کہیں کتاب کے اندر سابقہ نام کا ذکر آئے تو اسے بھی نئے نام سے بدل دیں۔

Marfat.com

فہرست

(سُوْرَۃُ صٓ، سُوْرَۃُ الزُّمَرِ، سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنِ، سُوْرَۃ حٰمٓ السَّجْدَۃِ

سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی، سُوْرَۃُ الزُّخْرُفِ، سُوْرَۃُ الدُّخَانِ، سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ

سُوْرَۃُ صٓ

تعارف 25

نام 25

زمانۂ نزول 25

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 26

سُوْرَۃُ صٓ 28

آیت میں قسم اور جوابِ قسم کا تعین اور مفہوم 29

قرآن کی مخالفت کا اصل سبب 30

سابقہ مضمون کی معذب قوموں کے حالات سے تائید 31

مخالفین کے آنحضرت ﷺ کی نبوت پر اعتراضات 31

آنحضرت ﷺ کو ساحر قرار دینے کی وجہ 32

قریش کا عجیب پروپیگنڈا 33

آنحضرت ﷺ کی دعوت سے متعلق بدگمانی 33

قریش کا اپنی تاریخ سے استدلال 34

قریش کے پندار پر چوٹ 35

قریش کی رعونت کا جواب 36

گزشتہ مضمون کی مزید وضاحت 36

قریش کے لیے تنبیہ بھی اور پیش گوئی بھی 37

تاریخ سے استشہاد 37

اصحاب الایکہ کا مفہوم 38

Marfat.com

قریش کا متکبرانہ رویہ اور اس کا جواب	40
حضرت داوٗدؑ کی زندگی کا نمونہ آنحضرتؐ کے لیے بھی اور قریش کے لیے بھی	41
حضرت داوٗدؑ کی اوّابیّت کا نمونہ	43
حضرت داوٗدؑ کی مستحکم حکومت کا اصل سبب	44
حضرت داوٗدؑ کی حکمت ودانش کے اثرات	44
اصل واقعہ	45
تنازع کی تفصیل	46
حضرت داوٗدؑ کا فیصلہ	47
حضرت داوٗدؑ کا تنبہ اور اس کی تفصیل	47
سجدۂ تلاوت کے احکام	50
حضرت داوٗدؑ کی قبولیتِ توبہ	51
خلافت وحکومت کے ذمہ داروں کے لیے ہدایات	52
وقوعِ قیامت پر دلیل	55
آخرت سے انکار کا نتیجہ	57
نزولِ قرآن کا مقصد	58
حضرت سلیمانؑ کا حقیقی کمال عبدیت ہے	58
آیت کی تفسیر میں اختلاف اور نقطۂ اعتدال	60
آیت کی تفسیر میں اشکال اور ابنِ کثیر کی رائے	61
حضرت سلیمانؑ کی دعا کی صحیح مراد	64
آزمائش میں پورا اترنے پر نوازشات	65
اللہ تعالیٰ کی بڑی سے بڑی بخشش بھی اس کی دَین ہے	65
حضرت ایوبؑ کا ابتلا اور آپ کا صبر	68
تکلیف کی شیطان کی طرف نسب سے مراد	69
صبر پر اللہ تعالیٰ کا فضل	70
اہلِ دانش کے لیے سبق	71
حضرت ایوبؑ کی قسم اور اس کے کفارے کا مفہوم	72

Marfat.com

قسم سے متعلق بعض وضاحتیں 72
گزشتہ مضمون کی مزید وضاحت کے لیے چند عظیم پیغمبروں کا تذکرہ 74
ان پیغمبروں کا خاص مشن 75
مزید انبیاء کا تذکرہ اور تعارف 76
ایک اہم بات کی طرف توجہ 78
حسن مآب کی وضاحت 78
سرکشوں کا انجام 79
اہلِ جہنم کی تو تکار 80
آنحضرت ﷺ کا منصب اور مخالفین کو انذار 84
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل 84
آنحضرت ﷺ کے فریضۂ منصبی کی مزید وضاحت 85
آپؐ کے نذیر ہونے پر دلیل 86
اس واقعہ کے تذکرہ کے اسباب 87
ابلیس پر عتاب اور استفسار 88
ابلیس کی فکری کجی 89
تین قابلِ توجہ حقائق 91

☆☆☆

سُوْرَةُ الزُّمَرِ

تعارف 94
نام 94
زمانۂ نزول 94
سُوْرَةُ الزُّمَرِ 96
آنحضرت ﷺ کو تسلی اور منکرین کو تنبیہ 98
قرآنِ کریم کی حیثیت اور اس کی تعلیم کی قطعیت 99
مشرکین کے عقیدے پر تعریض 101

Marfat.com

انسان کے بگاڑ کا ایک سبب 102
گزشتہ مضمون کا تسلسل 104
لوگوں کے کفر وایمان سے اللہ تعالیٰ کی بے نیازی 106
انسان کی کمزوری 108
اسلوب کی وضاحت 109
شفاعتِ باطل کا عقیدہ حق وباطل کا امتیاز ختم کر دیتا ہے 109
غریب مسلمانوں کو تسلی 113
مخالفین سے بے نیازی 114
اعلانِ براءت 115
طاغوت کا مفہوم 117
فلاح پانے والوں کی صفات اور ان کو بشارت 118
آنحضرت ﷺ کو تسلی 118
ایک مثال سے زوال کی وضاحت 120
شرح صدر کا مفہوم 123
فیض بقدرِ استعداد پہنچتا ہے 123
قرآنِ کریم کے تعارف میں چند باتیں 124
متکبرین کی بے بسی 126
قریش کو تنبیہ 127
قرآنِ کریم کا ایک خاص اسلوب 127
توحید اور شرک کے نتائج کی تمثیل 128
نبی کریم ﷺ کو تسلی اور مخالفین کو تنبیہ 130
اللہ تعالیٰ کی عدالت کا فیصلہ 133
قرآن کی علمبرداری کرنے والوں کیلئے حیران کن انعامات 135
قریش کی ایک فطری گمراہی کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کو تسلی 136
مشرکین کا تضادِ فکر 137
آنحضرت ﷺ کو تسلی اور مشرکین سے براءت کا اعلان 138

Marfat.com

رسول پر ذمہ داری صرف اتمامِ حجت کی ہے 139
تفسیرِ مظہری کی وضاحت 142
مشرکین کی بیوقوفی پر تعجب 143
شفاعتِ حق کی وضاحت 144
انسان کی کمزوری 145
مشرکین کے رویہ کے خلاف آنحضرت ﷺ کی دعا 146
مشرکین کو ایک تنبیہ 147
ایک اور تنبیہ 147
انسانی طبیعت کے تضادات 148
ہر قوم اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرتی ہے 149
رزق و فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس پر مشاہدے سے استشہاد 150
خطاب کا مفہوم 152
غلط فہمی کا ازالہ 153
رحمت کے طلب گاروں کے لیے رہنمائی 154
گزشتہ مضمون کی وضاحت 154
مشرکین کی دروغ گوئی کا انجام 157
اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا انجام 157
خلاصۂ بحث 158
مشرکین کے رویے پر تعجب 160
شرک کا سبب اللہ تعالیٰ کی شان سے بے خبری ہے 161
گزشتہ مضمون کا تسلسل 162
حشر قائم ہونے کے بعد کا منظر 163
کفار کا انجام 165
متقین کا انجام 167
اہلِ جنت کا اظہارِ تشکر 168
حاملینِ عرش کا حال 168

Marfat.com

سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنِ

تعارف 172
نام 172
زمانۂ نزول 172
حالاتِ نزول 172
سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنِ 175
کتاب کا نزول احسان بھی ہے اور مخالفین کے لیے تنبیہ بھی 177
اس کتاب کے نزول کرنے والا علم کی نارسائی سے پاک ہے 177
پروردگار کی چند صفات کا ذکر 178
کج بحثی کرنے والوں کو تنبیہ اور ان کی بظاہر خوشحالی سے بے نیازی کی ترغیب 179
مخالفین کے انجام پر تاریخ سے استشہاد 180
اللہ تعالیٰ کا فیصلہ مسلط ہو کر رہتا ہے 181
مسلمانوں کو تسلی اور فرشتوں کو سفارشی سمجھنے والوں کو تنبیہ 182
فرشتوں کے استغفار کی مزید تفصیل 183
قیامت میں کفار پر گزرنے والی کیفیت کا ایک منظر 185
بعد از وقت اقرار 186
کفار کی درخواست کا جواب 187
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر مزید ایک دلیل 187
ایمان کے ساتھ اطاعت کا عزم بھی ضروری ہے 188
بلند و بالا پروردگار کی مرضیات کا علم صرف وحیِ الٰہی سے ہو سکتا ہے 189
اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت سب پر حاوی ہو گی 190
قیامت کامل عدل کے ظہور کا دن 191
قیامت قریب بھی ہے اور ہولناک بھی 192

Marfat.com

شفاعتِ باطلہ کی تردید 193

قریش کو سخت تنبیہ 195

گزشتہ قوموں پر عذاب کا سبب 196

گزشتہ مضمون پر تاریخ سے استشہاد 197

فرعون اور اس کے دو بڑے لیڈروں کے ذکر کا سبب 197

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا فرعونیوں پر الٹا اثر 198

فرعون اور اس کے مصاحبین کی برہمی 199

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب پر غیر متزلزل اعتماد 199

ایک مردِ مومن کی جرأت اور اس کی سرگزشت 202

مردِ مومن کا سلسلۂ کلام اور فرعون کی مداخلت 204

مردِ مومن کی جرأت واستقامت 205

یوم التَّنَادِ کا مفہوم 206

تاریخی ہٹ دھرمی پر ملامت 207

ہدایت وضلالت کے بارے میں چند وضاحتیں 207

اقتدار کی چالیں 209

ایک سوال کا جواب 210

دنیادار کا اصل مرض 213

ضابطۂ آخرت کی وضاحت 213

قوم کے بعض لوگوں کے رویے کا جواب 214

گزشتہ مضمون کا تسلسل 215

لَاجَرَمَ کی تحقیق اور خلاصۂ بحث 216

مردِ مومن کی تقریر کا اختتام 217

مخالفین کی سازشوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت 218

سُوْٓءُ الْعَذَابِ کی وضاحت 218

اہلِ جہنم کے درمیان تو تکار کا ایک منظر 219

Marfat.com

اہلِ جہنم کی آخری تدبیر اور اس کی ناکامی 220
حق و باطل کی کشمکش اور اللہ تعالیٰ کی سنت 222
ایک اشکال کا جواب 223
نصرتِ الٰہی کی وضاحت 224
خلاصہ بحث 225
ایک اشتباہ کا ازالہ اور آنحضرت ﷺ کو تسلی 226
امکانِ آخرت پر دلیل 227
اخلاقی اعتبار سے آخرت کا وجوب 228
وقوعِ آخرت کا حتمی اعلان 229
عقیدۂ آخرت کو نقصان پہنچانے والے دو سبب اور ان کا رد 229
توحید، ربوبیت اور معاد کی تفہیم کیلئے چند نشانیوں سے استشہاد 233
قوموں کی دیرینہ بیماری 234
توحید اور ربوبیت پر ایک اور دلیل 235
نتیجہ بحث 236
حتمی اعلانِ حق 237
اللہ تعالیٰ کی توحید اور ربوبیت پر انسان کے اپنے وجود سے استدلال 238
گزشتہ دلیل کا نتیجہ 239
کفار کی کٹ حجتی کا سبب 241
آخرت میں مخالفین کا انجام 242
مشرکین کا اعتراف 242
تکبر کرنے والوں کا انجام 243
آیت میں تین باتوں کی وضاحت 245
گرد و پیش میں پھیلی ہوئی نشانیوں کی طرف رہنمائی 247
ایک تنبیہ 248
عذاب دیکھ کر ایمان قبول نہیں ہوتا 249

Marfat.com

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ

تعارف 252
نام 252
زمانۂ نزول 252
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 254
سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ 256
مخالفین کا اصل ہدف 257
چند قابلِ توجہ باتیں 257
اعراض کی تفصیل 260
راہِ ہدایت کے موانع کا دور کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے 261
زکوٰۃ کا مفہوم 261
شرک اور بدعملی کا سبب انکارِ آخرت ہے 262
ایمان وعمل کے حاملین کے لیے بشارت 262
فکری تضاد کفر کا سبب ہے 264
اللہ تعالیٰ کی صفات سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر استدلال 266
استواءِ شمس سے مراد 268
اللہ تعالیٰ کا طریق تخلیق 268
ساتوں آسمانوں کی تکمیل 269
قریش کو تنبیہ 270
لفظِ رُسُل کے جمع لانے کا سبب 271
قومِ عاد اور اس کے رویے پر تنقید 272
قومِ عاد پر آنے والے عذاب کی تفصیل 273
قومِ ثمود کا رویہ اور ان پر عذاب 274
نجات پانے والے اور ان کا رویہ 275

Marfat.com

دنیا کے عذاب کے بعد آخرت کی رسوائی 277
جرائم پر اعضاء کی گواہی 278
اعضاء کی گواہی، مجرمین کی حیرت 279
تَسْتَتِرُوْنَ، تَخَافُوْنَ کے معنی میں 280
قیامت کا عذاب حتمی ہے، رویوں سے متاثر نہیں ہوگا 281
مسلسل اعراض کا نتیجہ 281
قرآنی دعوت کو بے اثر کرنے کا ایک حربہ 283
کفار کو تنبیہ اور مسلمانوں کو تسلی 284
قرآنی دعوت کو روکنے کی سزا 285
آخرت میں عوام کا اپنے لیڈروں پر غصہ 286
ایمان پر ثابت قدم رہنے والوں کو بشارت 286
صاحب ایمان لوگوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں فرشتوں کی مصاحبت حاصل ہوتی ہے 288
سب سے بہتر وہ ہے جو قول و عمل سے دین کی دعوت دیتا ہے 291
مخالفانہ ماحول میں ایک داعی کا رویہ 292
داعیانہ رویہ صبر اور بڑے نصیب کی بات ہے 293
شیطان کی اکساہٹ کا علاج 294
توحید کے راستے کی ایک غلط فہمی کا ازالہ 295
اللہ تعالیٰ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں ہے 296
توحید اور قیامت پر دلیل 297
کفر کی ایک خاص قسم الحاد ہے، اس کی تعریف اور احکام 297
ایک مغالطہ کا ازالہ 298
اس زمانے میں کفر و الحاد کی گرم بازاری 299
قرآنِ کریم جیسی عظیم کتاب کے انکار پر اظہارِ تعجب 300
آنحضرت ﷺ کو تسلی 302
ایک اعتراض اور اس کا جواب 303
ایک اور اعتراض اور اس کا جواب 306

Marfat.com

مخالفین سے بے نیازی کا اعلان 307
مشرکین کے ایک سوال کا جواب 308
گزشتہ مضمون کا تسلسل 309
مخالفین کا نفسیاتی تجزیہ 309
گزشتہ مضمون کا تسلسل 310
انسان کی غیر متوازن شخصیت کا ایک انداز 311
منکرینِ قرآن سے ایک سوال 312
قرآنِ کریم کی صداقت پر دلائل 313
معاندین کی اصل علتِ فساد 314

☆☆☆☆

سُوْرَةُ الشُّوْرٰی

تعارف 317
نام 317
زمانۂ نزول 317
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 317
سُوْرَةُ الشُّوْرٰی 320
کَذٰلِکَ کا اشارہ کس طرف ہے؟ اور آنحضرت ﷺ کو تسلی 321
گزشتہ آیت میں مذکور صفتِ عزیز کی وضاحت 323
اللہ تعالیٰ کی علوِ مرتبت اور عظمت کی یاد دہانی 323
مشرکین کو نہایت سخت تنبیہ 324
عربوں میں قرآن کی صورت میں احسان اور اتمامِ حجت کی طرف اشارہ 325
ایک شبہ کا ازالہ 327
ولی کی وضاحت اور مشرکین کے رویے پر اظہارِ تعجب 328
آنحضرت ﷺ کو تسلی اور آپ کے مرتبے کی وضاحت 331
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلائل 332

Marfat.com

جوذات خالق ہے وہی مالک بھی ہے	333
اللہ تعالیٰ حاکمِ حقیقی ہے اس لئے اس نے سب کو ایک ہی دین دیا	334
انبیاء کا فرض دین کا قیام ہے	335
اقامتِ دین کا مفہوم	335
ایک سوال کا جواب	336
ہدایت وضلالت کے اعتبار سے امتوں کا المیہ	340
ہدایت وضلالت کے حوالے سے ایک سوال اور اس کا جواب	340
آنحضرت ﷺ کو استقامت کی تلقین	341
کٹ حجتی اللہ تعالیٰ کا پسند نہیں	342
قرآن حق وباطل میں میزان ہے اس سے متعلق جواب دہی کی فکر کرو	343
قیامت سے متعلق فکری اصلاح ضروری ہے	344
نافرمانوں کو ڈھیل دینے کی حکمت	344
انسان ایک کسان ہے محنت کے مطابق پھل پائے گا	347
دینِ مشرک پر اظہارِ تعجب	348
آخرت میں ہر شخص کو اپنے اعمال سے سابقہ پیش آئے گا	349
فضل کبیر کی وضاحت	350
اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کا مفہوم	351
مخالفین کا قرآن کو افتراء قرار دینے کا جواب	353
توبہ اور اصلاح کی ترغیب	355
توبہ کی حقیقت	356
قریش کے رویے پر تنبیہ اور مسلمانوں کی فکری کوتاہی پر توجہ	356
اوپر جو کچھ فرمایا گیا اس پر دلیل	357
مخالفین کو ترہیب	358
مخالفین کے زعمِ باطل کے ابطال پر دلیل	361
دنیا کی کامیابیوں پر اترانے والوں کیلئے ایک تمثیل	362
خلاصۂ بحث	363

Marfat.com

ایمان اور توکل سے پیدا ہونے والی مزید تین خصوصیات 364
اصحابِ ایمان کی چند مزاجی خصوصیات 366
ایک اور مزاجی خصوصیت 368
انتقام کا ادب 369
ان لوگوں کے شبے کا جواب جو انتقام کو دنیاداری سمجھتے ہیں 370
حاصلِ بحث 370
ان آیات کا پس منظر 373
گزشتہ مضمون کو آگے بڑھایا جا رہا ہے 374
قیامت کے روز مشرکین کی بے بسی 375
آخری موقع دیا جا رہا ہے 375
مخالفین کی طبعی ناہمواری 376
کفار کا ایمان نہ لانا ان کی اپنی محرومی ہے 376
کفار کے ایک اعتراض کا جواب 377
آنحضرت ﷺ پر بھی وحی انہی طریقوں سے نازل ہوتی ہے 379

☆☆☆☆

سُورَۃُ الزُّخْرُفِ

تعارف 384
نام 384
زمانۂ نزول 384
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 384
سُورَۃُ الزُّخْرُفِ 388
قرآنِ کریم خود اپنی حقانیت پر دلیل ہے 389
قرآنِ کریم کا عربی میں آنا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے 390
قرآنِ کریم کے مقام کی بلندی 391
آیت کا پس منظر 391

Marfat.com

گزشتہ مضمون کی تائید تاریخ سے 393

مشرکین کے تضادِ فکر کی مثال 393

اللہ تعالیٰ کے چند ارشادات بطورِ تضمین 394

کرشمۂ ربوبیت کا بیان 395

مزید آثارِ قدرت کی طرف اشارہ 396

مشرکین کے فکری تضادات پر تنبیہ 397

مشرکین کے ذہنی افلاس کی مثال 399

لڑکیوں سے متعلق اہلِ عرب کا تصور 400

فرشتوں سے متعلق غلط تصور کی تردید 401

مشرکین کی اپنے شرک پر دلیل 401

بگاڑ کی تاریخ ہر دور میں یکساں رہی ہے 402

مشرکین کی آبا پرستی پر ملتِ ابراہیم سے تنقید 405

حضرت ابراہیمؑ کا اعلانِ براءت بعد والوں کیلئے نمونہ 407

مخالفت کی اصل علت 408

عوام کو ایک بہلاوا 408

ایک اعتراض اور اس کا جواب 409

معترضین کو جواب 410

تفاوت و درجات کی حکمتیں 410

متاعِ دنیا کی بے حقیقتی اور قریش کا اصل مرض 412

قریش کے انکار کا اصل سبب 414

گزشتہ مضمون کی وضاحت 415

دنیا کے مصاحبوں کا اصل چہرہ آخرت میں ظاہر ہوگا 416

آنحضرت ﷺ کو تسلی 417

گزشتہ مضمون کا تسلسل 418

آنحضرت ﷺ کو مزید تسلی 418

آنحضرت ﷺ اور امت ایک ذمہ داری میں شریک ہیں 419

Marfat.com

مشرکین کے دعویٰ کی تردید 420
قریش کی تنبیہ کیلئے فرعون اور حضرت موسیٰ ؑ کی سرگزشت بیان ہوئی ہے 422
اہلِ مصر کی پریشانی اور وعدہ 424
عذاب کے دور ہوتے ہی عہد توڑ دیا جاتا 424
حضرت موسیٰ ؑ کے مقابلے میں فرعون کا دعوائے برتری 425
حکمران کی ساحری 426
حضرت عیسیٰ ؑ کے حوالے سے ایک اعتراض کا جواب 429
مشرکین کی غلط فہمی کا ازالہ 430
حضرت عیسیٰ ؑ کے معجزات سے استدلال 431
حضرت عیسیٰ ؑ حکمت شریعت لے کر آئے 432
حضرت عیسیٰ ؑ کی اصل دعوت 432
رسوم پرستوں نے اختلافات پیدا کیئے 433
آنحضرت ﷺ کو تسلی 434
قیامت کے روز نفسی نفسی 434
قیامت کے روز ایمان کا رشتہ باقی رہے گا 437
جنت میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کی عزت افزائی 438
نافرمان بندوں کا انجام 439
اہلِ جہنم کی ابدی مایوسی 439
غلط فہمی کا ازالہ 440
مایوسی کی وضاحت 440
قریش کو تنبیہ 441
قریش کو فیصلہ کن عذاب کی دھمکی 442
قریش کی خفیہ سرگرمیاں 442
توحید پر ایک منفرد اسلوب 443
مخالفین کو ان کے حال پر چھوڑ دیں 444
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل 444

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سے تعلق کی نزاکتیں 445
ایک غلط فہمی کا ازالہ 445
مشرکین کے فکر و عمل میں تضاد 446
آیت کی نحوی تحقیق 446
اتمامِ حجت ہو چکا اب آپ ان سے درگزر کیجئے اور الگ ہو جایئے 447

☆☆☆☆

سُوْرَةُ الدُّخَانِ

تعارف 450
نام 450
زمانۂ نزول 450
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 450
سُوْرَةُ الدُّخَانِ 452
قسم کا مفہوم 454
قرآنِ کریم کی جلالتِ قدر 455
لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ کی وضاحت 456
آنحضرت ﷺ کی بعثت رحمت ہے 456
ایک غلط فہمی کا ازالہ 457
ایمان نہ لانے کا اصل سبب 457
مخالفین کو تہدید 458
آیت کا مفہوم 459
مخالفین کے رویئے کا نتیجہ 459
اتمامِ حجت کے طور پر قبولیتِ دعا 460
قریش اور قومِ فرعون میں مشابہت 465
فرعون کی دھمکی کا جواب 467
حضرت موسیٰؑ کی اپنے رب سے فریاد 467

Marfat.com

فریاد کی قبولیت اور حضرت موسیٰؑ کو ہدایت 468
انکارِ حق کا نتیجہ 468
سرکش حکمران عذابِ مھین ہے 470
بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان 471
بنی اسرائیل کیلئے انعامات اور آزمائشیں 472
قریش کا عقیدہ 474
انکارِ آخرت پر دلیل 474
مجرمانہ ذہنیت ہلاکت کا باعث ہے 475
آخرت اللہ تعالیٰ کی صفات کا لازمی تقاضا 476
مشرکین کی دلیل کا جواب 477
قیامت کا ہولناک دن 477
مجرموں کا حشر 479
مجرموں کے عذاب کی تفصیل 480
اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں پر انعام 481
اہلِ جنت کی مسرتوں کی تکمیل 482
اہلِ جنت کی زندگی ابدی ہے 483
قرآنِ کریم کا عربی زبان میں نزول اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے 483

☆☆☆☆

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ

تعارف 487
نام 487
زمانۂ نزول 487
سورۃ کے مطالب کا تجزیہ 487
سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ 489
سورۃ کی تمہید 490

Marfat.com

قرآنِ کریم کی دعوت کے اثبات میں آفاق وانفس کے دلائل 492
گزشتہ مضمون کے حق میں انسان کی خلقت اور ربوبیت سے استدلال 492
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قیامت کے اثبات کیلئے چندنشانیوں کا ذکر 494
آنحضرت ﷺ کو تسلی 495
ہدایت سے محروم لوگوں کے اوصاف 496
حق کو بے اثر کرنے کا حربہ 497
قرآنِ کریم کے مقابلے میں تکبر کا انجام 497
قرآنِ کریم سے متعلق قولِ فیصل اور مخالفین کا انجام 498
جملہ ہائے معترضہ کے بعد اصل مضمون کا اجرا 500
خاص کے بعد عام کا ذکر 501
مسلمانوں کو تسلی 502
ایک اصولی بات 503
بنی اسرائیل کا ذکر اور اس کا سبب 504
بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے احسانات 504
مزید ایک احسان کا ذکر 506
آنحضرت ﷺ کی بعثت کا سبب اور آپ کو ہدایات 507
یہود سے بے نیازی کی ہدایت 508
قرآنِ کریم کی اہمیت 508
آخرت کے اثبات پر ایک دلیل 509
تخلیقِ ارض وسما کا نتیجہ جزاءِ اعمال ہے 511
ہوائے نفس کے اتباع کا نتیجہ 512
منکرینِ قیامت کے دلائل اور ان کی بے وقعتی 512
قرآنِ کریم کے مقابل میں ان کی واحد دلیل 513
بعض غلط فہمیوں کا ازالہ 514
گزشتہ مضمون کا تسلسل 517
قیامت کے منکرین کا عبرتناک انجام 518

Marfat.com

دفترِ اعمال کی وضاحت 518
اہلِ ایمان کا انجام 519
کفار کا انجام 520
مخالفین کے استکبار کی تفصیل 520
مشرکین کی فکری بے مائیگی 521
قیامت کے روز اعمال کے حقیقی نتائج سے پردہ اٹھا دیا جائے گا 522
قیامت یوم الجزا ہے 522
یہ انجام ان کے اپنے کرتوتوں کی سزا ہے 523

☆☆☆☆☆

109523

Marfat.com

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ
کیاایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَۃُ صٓ

(۳۸)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَۃُ صٓ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا پہلا حرف صٓ ہے، اسی کو اس سورۃ کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول:۔ اس سلسلے میں جتنی روایات ملتی ہیں ان سے متعین طور پر یہ فیصلہ کرنا کہ اس کے نزول کا زمانہ کون سا ہے، بہت مشکل ہے۔ البتہ یہ بات تمام روایات سے معلوم ہوتی ہے کہ یہ سورۃ اس زمانے میں نازل ہوئی ہے جب قریش کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی تبلیغ ودعوت پر ردِعمل میں بہت شدت پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ یہ سوچنے لگے تھے کہ ہمیں جلد ہی اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کر لینا چاہئے، ورنہ اندیشہ ہے کہ اہلِ مکہ کا کوئی گھر اس دعوت کے اثرات سے محفوظ نہیں رہے گا۔ چنانچہ اس ردِعمل کی شدت کی وجہ سے قریش ایک سے زیادہ مرتبہ حضرت ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ وہ اپنے بھتیجے سے ان کا کوئی تصفیہ کروا دیں۔ کبھی تو انہوں نے جنابِ ابوطالب کے سامنے حالات کا نشیب و فراز رکھا۔ بتوں کی مذمت کو بہانہ بناتے ہوئے نوجوانوں کی طرف سے مختلف خطرات کا اندیشہ ظاہر کیا اور سختی سے کہا کہ آپ اپنے بھتیجے کو اس تبلیغ ودعوت سے روک دیجئے ورنہ اس کے جواب میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوطالب نے حالات کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ سے فرمایا کہ بھتیجے مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میری بوڑھی ہڈیاں جس کو اٹھا نہ سکیں۔ تو آنحضرت ﷺ نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے فرمایا کہ چچا! قریش اگر میرے دائیں ہاتھ پہ سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں اور پھر مجھ سے مطالبہ کریں کہ میں اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ ودعوت سے رک جاؤں۔ جب تک میرے کندھوں پر سر ہے میں اس ذمہ داری کو ادا کرنے سے رک نہیں سکتا۔

حالات میں مزید شدت آتی گئی، حتیٰ کہ حضرت ابوطالب بیمار ہو گئے۔ اور قریش کے سرداروں نے محسوس کیا کہ اب یہ ان کا شاید آخری وقت ہے۔ تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ چل کر شیخ سے بات کرنی چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا انتقال ہو جائے اور ان کے بعد ہم محمد (ﷺ) کے ساتھ کوئی سخت معاملہ کریں، تو عرب کے لوگ ہمیں طعنہ دیں گے کہ جب تک شیخ زندہ تھا یہ لوگ اس کا لحاظ کرتے رہے، اب اس کے مرنے کے بعد ان لوگوں نے اس کے بھتیجے پر ہاتھ ڈالا ہے۔ اس مشورے کے بعد سردارانِ قریش کی ایک بڑی تعداد حضرت ابوطالب کے پاس پہنچی۔ آنحضرت ﷺ کی تبلیغ ودعوت کے بارے میں شکایات کیں اور ساتھ ہی کہا کہ ہم آپ کے سامنے ایک انصاف کی بات پیش کرنے کیلئے آئے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ آپ اپنے بھتیجے سے کہیں کہ وہ ہمیں ہمارے دین پر چھوڑ دے اور ہم اسے اس کے دین پر چھوڑے دیتے ہیں۔ وہ جس معبود کی عبادت کرنا چاہے ہمیں اس سے کوئی تعرض نہیں۔ مگر وہ ہمارے معبودوں کی

Marfat.com

مذمت نہ کرے۔ اور لوگوں کو ہمارے معبودوں کیخلاف نہ اکسائے۔ اس شرط پر آپ ہم سے اس کی صلح کرا دیں۔ حضرت ابوطالب نے نبی کریم ﷺ کو بلایا اور آپ سے کہا کہ بھتیجے یہ تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے ہیں، ان کی خواہش ہے کہ تم ایک منصفانہ بات پر ان سے اتفاق کرلو، تا کہ تمہارا اور ان کا جھگڑا ختم ہو جائے۔ پھر انہوں نے وہ بات حضورؐ کو بتائی جو سردارانِ قریش نے ان سے کہی تھی۔
نبی کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا: چچا جان میں تو ان کے سامنے ایک ایسا کلمہ پیش کرتا ہوں جسے اگر یہ مان لیں تو عرب ان کا تابع فرمان اور عجم ان کا باج گزار ہو جائے گا۔ یہ سن کر پہلے تو سردارانِ قریش ہکا بکا رہ گئے۔ پھر بعض نے سنبھل کر کہا، کہ تم ایک کلمہ کہتے ہو، ہم ایسے دس کلمے کہنے کو تیار ہیں۔ مگر یہ تو بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ ۔ یہ سن کر وہ سب یکبارگی اٹھ کھڑے ہوئے اور اُول فول بکنے لگے۔ ان میں سے بعض باتوں کا ذکر قرآنِ کریم نے اس سورۃ کے آغاز میں کیا ہے۔
اس طرح کے واقعات چونکہ ایک سے زیادہ دفعہ پیش آئے ہیں۔ اس لئے اہلِ تفسیر نے زمانۂ نزول کے تعین میں دشواری محسوس کی ہے۔ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ ان روایات سے صرف اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ اس سورۃ کا نزول سخت کشمکش کے دور میں ہوا ہے، لیکن ٹھیک ٹھیک اس کا تعین ممکن نہیں۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

سب سے پہلے قرآنِ کریم کی اصل حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ یہ کتاب لوگوں کیلئے یاد دہانی ہے۔ جو لوگ اس کی اس حیثیت کو سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہوں گے وہ اس سے ہدایت حاصل کرنے میں ناکام نہیں ہوں گے۔ رہے قریش تو ان کا قرآنِ کریم سے فائدہ نہ اٹھانا قرآنِ کریم کی کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کی ہٹ دھرمی اور تکبر کی وجہ سے ہے۔ اور یہ کوئی پہلا موقع نہیں، جب بھی کسی قوم نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے ساتھ تکبر اور ہٹ دھرمی کا معاملہ کیا ہے، وہ بالآخر تباہ ہو کر رہی۔ اگر قریش نے اپنی روش نہ بدلی تو وہ بھی یقیناً اسی انجام کا شکار ہوں گے۔ ان لوگوں پر یہ بات شاق گزر رہی ہے کہ انہیں کے اندر کا ایک شخص اللہ تعالیٰ کے رسول کی حیثیت سے ان کو شرک کے انجام سے ڈرائے۔ چنانچہ وہ پورے جوش کے ساتھ اپنے معبودانِ باطل کی حمایت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور رسول کو ساحر اور کذاب قرار دے رہے ہیں۔ ان کیلئے یہ بات بھی عجیب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مالی لحاظ سے کمزور آدمی پر کیوں اتاری، اسے تو کسی امیر آدمی پر اتارا جانا چاہئے۔
اس کے بعد ماضی کی بعض سرکش قوموں کا حوالہ دیا گیا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے ساتھ یہی متکبرانہ روش اختیار کی اور بالآخر کیفرِ کردار کو پہنچیں۔ قریش کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت نہ دو، تم اس کی ایک ڈانٹ کی بھی تاب نہیں لا سکتے۔
اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو صبر و استقامت کی تلقین کی گئی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی کے بعض واقعات کا حوالہ دے کر ان کی بے مثال قوت و حشمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی زور دے کر یہ بات کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کو نوازا، ویسے ویسے ان کی شکر گزاری اور انابت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ دوسروں کے واقعات سے بھی متنبہ ہو کر اپنی زندگی کی اصلاح کیلئے کوشش کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و دانش بخشا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی زمین پر حق و عدل قائم کیا۔

Marfat.com

اس کے بعد فرمانبرداراور سرکش بندوں کے اس انجام کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو وہ عالمِ آخرت میں دیکھنے والے ہیں۔اوراس سلسلے میں کفار کو دو باتیں خاص طور پر بتائی گئی ہیں۔ایک یہ کہ آج جن سرداروں اور پیشواؤں کے پیچھے جاہل لوگ اندھے بن کر ضلالت کی راہ پر چلے جارہے ہیں کل وہی جہنم میں اپنے پیروؤں سے پہلے پہنچے ہوئے ہوں گے اور دونوں ایک دوسرے کو کوس رہے ہوں گے۔دوسری یہ بات بتائی گئی ہے کہ آج جن اہلِ ایمان کو یہ لوگ ذلیل وخوار سمجھ رہے ہیں، کل یہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حیرت کے ساتھ دیکھیں گے کہ ان کا جہنم میں کہیں نام ونشان تک نہیں،اور یہ خود اس کے عذاب میں گرفتار ہیں۔

اس کے بعد اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ دنیا کوئی اندھیر نگری نہیں ہے۔اس وجہ سے لازماً اس کے بعد ایک فیصلے کا دن آئے گا جس میں متقی اور فاجر دونوں اپنے اپنے اعمال کی جزاء یا سزا پائیں گے۔

خاتمہ سُورۃ میں قصہ آدم وابلیس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔اس سے مقصود قریش کو یہ بتانا ہے کہ تم اپنے تکبر اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے نبی کریم ﷺ پر ایمان لاکر ان کے سامنے جھکنے کیلئے تیار نہیں ہو۔ایسا ہی تکبر آدم کے آگے جھکنے سے ابلیس کو بھی مانع ہوا تھا۔خدا نے جو مرتبہ آدم کو دیا تھا اس پر ابلیس نے حسد کیا اور حکمِ خدا کے مقابلے میں سرکشی اختیار کر کے لعنت کا مستحق ہوا۔اسی طرح کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عطا کیا ہے،اس پر تم حسد کررہے ہو،اوراس بات کو سمجھ نہیں پارہے ہو کہ جسے اللہ تعالیٰ نے رسول مقرر کیا ہے اس کی اطاعت کرو۔اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو منذر بنا کے بھیجا ہے وہ جس بات کی خبر دے رہا ہے وہ ایک امر شدنی ہے۔اور جو لوگ تکبر کی وجہ سے اس کی تکذیب کررہے ہیں وہ ابلیس کی پیروی کررہے ہیں۔اوراسی انجام سے دوچار ہوں گے جو ابلیس اوراس کے پیروکاروں کیلئے مقدر ہے۔

Marfat.com

رُکُوْعَاتُهَا ۵	سُوْرَةُ صٓ مَکِّیَّةٌ (۳۸)	اٰیَاتُهَا ۸۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾
کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾ وَ
عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ﴿۴﴾
اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ
مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤی اٰلِهَتِکُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ﴿۶﴾
مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿۷﴾ ءَاُنْزِلَ
عَلَیْهِ الذِّکْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ بَلْ لَّمَّا
یَذُوْقُوْا عَذَابِ ﴿۸﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّکَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ﴿۹﴾
اَمْ لَهُمْ مُّلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ﴿۱۰﴾
جُنْدٌ مَّا هُنَالِکَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾ کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ
وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔیْکَةِ
اُولٰٓئِکَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ ع

Marfat.com

رکوع: ۱۔ (صٓ قسم ہے نصیحت والے قرآن کی۔ ۱) بلکہ جن لوگوں نے ماننے سے انکار کیا ہے وہی سخت تکبر اور مخاصمت میں مبتلا ہیں۔ ۲) ان سے پہلے ہم نے کتنی قومیں ہلاک کر دیں، انہوں نے اس وقت چیخ و پکار کی جب بچنے کا وقت نہ رہا۔ ۳) اوران لوگوں نے تعجب کیا کہ ایک ڈرانے والا خود ان ہی میں سے آ گیا، اور کافروں نے کہا، یہ ساحر ہے، سخت جھوٹا ہے۔ ۴) کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود کر دیا، یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔ ۵) اور سرداران قوم یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ چلو اور ڈٹے رہو اپنے معبودوں پر، بیشک یہ بات کسی اور مقصد کیلئے کہی جا رہی ہے۔ ۶) ہم نے یہ بات آخری ملت میں کسی سے نہیں سنی، یہ محض ایک من گھڑت بات ہے۔ ۷) کیا ہمارے درمیان میں سے کسی ایک شخص پر ذکر نازل کر دیا گیا؟ بلکہ یہ لوگ میرے ذکر پر شک کر رہے ہیں، بلکہ اب تک انہوں نے میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔ ۸) کیا تیرے رب کی رحمت کے خزانے جو عزیز اور وہاب ہے ان کے قبضے میں ہیں۔ ۹) کیا آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کی بادشاہی ان ہی کے اختیار میں ہے، تو پھر چاہیئے کہ وہ آسمانوں کے اندر چڑھ جائیں۔ ۱۰) جتھوں میں سے ایک جتھہ اسی جگہ شکست دیا جائے گا۔ ۱۱) ان سے پہلے نوح کی قوم عاد اور میخوں والے فرعون نے تکذیب کی۔ ۱۲) اور ثمود، قوم لوط اور ایکہ والوں نے بھی، یہ جتھے تھے۔ ۱۳) ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا، تو میرا عذاب ان پر نازل ہو کے رہا۔ ۱۴)

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ﴿۱﴾

(صٓ قسم ہے نصیحت والے قرآن کی۔ ۱)

ص حروفِ مقطعات میں سے ہے اور حروفِ مقطعات کی تشریح سورۃ البقرۃ کے آغاز میں کی جا چکی ہے۔

آیت میں قسم اور جوابِ قسم کا تعین اور مفہوم

وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ واؤ حرفِ قسم ہے اور اس کے بعد کا جملہ قسم ہے۔ اس بات کا تذکرہ متعدد دفعہ ہو چکا ہے کہ قرآنِ کریم میں بالعموم جس لفظ یا جس جملے سے قسم کھائی جاتی ہے وہ دلیل اور شاہد کا کام دیتا ہے اور اس کا مقسم علیہ دعویٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں قرآنِ کریم کی قسم کھائی گئی ہے لیکن ساتھ اس کی صفت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جس طرح سورۃ یٰسین میں قرآن کی قسم حکیم کی صفت کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ یوں تو قرآنِ کریم کسی صفت کا محتاج نہیں، آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ لیکن انسان کی فکری کوتاہی کو دیکھتے ہوئے بعض دفعہ ایسے حقائق کو بھی بعض صفات کے ساتھ ذکر کرنا پڑتا ہے جن کی طرف سے انسانی تغافل ایک معمول بن کر رہ جائے۔ قرآنِ کریم کے حجت، واضح اور ہدایت ہونے میں کسی شک یا انکار کی گنجائش نہیں۔ لیکن قرآن کے نزول کے وقت بھی اس کے انکار کرنے والوں نے کوئی کمی نہیں چھوڑی اور آج بھی دنیا میں اس کے منکرین کی کمی نہیں۔ اس لئے یہاں اس کے دلیل اور حجت ہونے کو واضح کرنے کیلئے اس کیلئے ذکر کی صفت لائی گئی ہے۔ بعض لوگوں نے ذکر کا معنی بزرگ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآنِ کریم کے بزرگ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ وہ ہر لحاظ سے سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔ لیکن بعض اہلِ علم اس کا ترجمہ نصیحت یا یاد دہانی کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم کے

Marfat.com

نصیحت ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی خیر خواہی کیلئے جو کچھ قرآنِ کریم نے کہا اور کیا ہے اس لحاظ سے اس کا کوئی ثانی نہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کا یہ فیضان کہیں رکنے والا نہیں، جب تک لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے رہیں گے وہ ان کیلئے خیر خواہی کا سامان کرتا رہے گا۔ یاد رہے نصیحت درحقیقت خیر خواہی ہی کا نام ہے۔ جہاں تک اس کی یاددہانی کا تعلق ہے وہ بھی بالکل واضح ہے۔ اس لحاظ سے وہ آدمی کے دل و دماغ کو اپیل کرتا ہے، انسانی فطرت کو پکارتا ہے کہ وہ دیکھے کہ وہ کون سے حقائق ہیں جو فطرت کے اندر رودیعت کیے گئے ہیں۔ لیکن انسان انہیں بھول چکا ہے۔ قرآنِ کریم بار بار ان کی یاد دلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایت ورحمت کے استحقاق کیلئے جو سنت اللہ ہے قرآنِ کریم اس کو بھی یاد دلاتا ہے۔ اور تکذیبِ رُسل کے نتیجے میں قوموں کو جس صورتحال سے دوچار ہونا پڑا ہے اس کی بھی یاددہانی کرائی جاتی ہے۔

وہ اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ دوبارہ جی کے اٹھنا اور اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہی کیلئے حاضر ہونا اور پھر جزاء وسزا کے مرحلوں سے گزرنا ایک ایسی حقیقت ہے جو تاریخِ انسانی کی ابتداء ہی میں انسان کو بتادی گئی تھی۔ لیکن انسان بار بار اس کو بھولتا رہا۔ قرآنِ کریم نہایت تاکید اور تکرار کے ساتھ اس کی یاد دلاتا ہے۔ اور یہ تمام کام وہ اس لئے کرتا ہے کہ اس کی صفت ذِی الذِّکْرِ ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس قسم کا مقسم علیہ کون ہے؟ اور قرآنِ کریم کو یہاں بطور دلیل کے پیش کیا گیا ہے تو دعویٰ کیا ہے؟ آیتِ قرآنی کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ دعویٰ الگ سے ذکر نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہ دعویٰ یا مقسم علیہ قسم کے اندر ہی مضمر ہے۔ اور یہ طریقہ یعنی مقسم علیہ کا قسم کے اندر مضمر ہونا قرآنِ کریم کے اسلوب کیلئے اجنبی نہیں، بلکہ جہاں بھی قسم کی نوعیت ایسی ہو کہ مقسم علیہ ذکر کئے بغیر قسم سے مترشح ہو رہا ہو تو عموماً وہاں مقسم علیہ کو قسم کے اندر مضمر کر دیا جاتا ہے۔ یہاں قسم کے الفاظ پر غور کیجئے کہ جس قرآن کی قسم کھائی گئی ہے اسے یاددہانی والا قرآن کہا گیا ہے۔ یعنی یہ کتاب ایسی ہے جو یاددہانیوں سے بھرپور ہے۔ اور وہ یاددہانیاں اس بات پر شاہد ہیں کہ آج قریش کو جن باتوں کی تذکیر کی جارہی ہے وہ بالکل ناقابلِ انکار ہیں۔ اگر قریش ان کو نہیں مان رہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو دین ان کے سامنے پیش کیا جارہا ہے اس میں کوئی خلل ہے۔ یا آنحضرت ﷺ ان کے سامنے تبلیغ ودعوت میں کوئی کمی کر رہے ہیں بلکہ اس کا سبب محض ان کی انانیت اور مخاصمت جاہلانہ نخوت اور ہٹ دھرمی ہے۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲

(بلکہ جن لوگوں نے ماننے سے انکار کیا ہے وہی سخت تکبر اور مخاصمت میں مبتلا ہیں۔ ۲)

قرآن کی مخالفت کا اصل سبب

پیشِ نظر آیتِ کریمہ اوپر کی بات کی تائید کر رہی ہے۔ یعنی قرآنِ کریم جو نصیحت اور یاددہانیوں سے معمور ہے اس سے اگر لوگ نصیحت حاصل نہیں کر رہے اور اسے ماننے سے انکار کر رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآنِ کریم کی تذکیر میں کوئی کمی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا انکار کرنے والے تکبر اور مخاصمت میں مبتلا ہیں۔ اور یہ بات واضح ہے کہ بڑی سے بڑی نصیحت بھی اس شخص پر کوئی اثر نہیں کرتی جس کی انانیت اور ہٹ دھرمی اس کی پوری شخصیت کا احاطہ کر چکی ہو۔ آدمی کی ذات کا خول اتنا شدید ہوتا ہے کہ عموماً نصیحت اس میں راستہ بنانے سے معذور رہتی ہے۔

Marfat.com

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾

(ان سے پہلے ہم نے کتنی قومیں ہلاک کردیں، انہوں نے اس وقت چیخ وپکار کی جب بچنے کا وقت نہ رہا۔ ۳)

سابقہ مضمون کی معذب قوموں کے حالات سے تائید

قریش اور دیگر لوگوں کو یہ بتایا جارہا ہے کہ جب بھی کوئی قوم انانیت کے گنبد سے باہر نہیں نکلتی اور تکبر اور ہٹ دھرمی حق اور صحیح بات کو قبول کرنے کے راستے میں حائل ہوجاتی ہے تو پھر ایسی قوم کے زندہ رہنے کے امکانات ختم ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ اس کی وضاحت کیلئے پہلی معذب قوموں کے حالات بیان کئے گئے اور بتایا گیا کہ ہم نے کتنی ایسی قومیں ہلاک کرڈالیں جو ان سے پہلے گزری ہیں صرف اس بات پر کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو ماننے سے انکار کردیا اور جب عذاب کا کوڑا ان کے سر پر برسا تو پھر انہوں نے چیخ وپکار کی، اللہ تعالیٰ کی رحمت کو پکارا، اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کی۔ لیکن پھر ان کی ایک نہ سنی گئی۔ کیونکہ استغفار اور توبہ اور ایمان لانے کی کوشش اس وقت تک بار آور ہوتی ہے جب تک اللہ تعالیٰ کا عذاب نہیں آتا۔ اور جب عذاب آجاتا ہے تو پھر بچنے اور مفر کا کوئی راستہ باقی نہیں رہ جاتا۔ قریش کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم بڑی تیزی سے وقت ضائع کرتے جارہے ہو۔ وہ وقت دور نہیں جب تم فریاد کروگے لیکن سننے والا کوئی نہیں ہوگا۔

لَاتَ اصل میں لَا ہے۔ البتہ اس کے ساتھ ''ت'' کا اضافہ کردیا گیا ہے جس طرح ثُمَّ اور رُبَّ پر بھی ''ت'' کا اضافہ کردیا جاتا ہے۔ البتہ ایسی صورت میں یہ وقت کی نفی کیلئے خاص ہوجاتا ہے اور یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

وَعَجِبُوْا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۴﴾

(اور ان لوگوں نے تعجب کیا کہ ایک ڈرانے والا خود ان ہی میں سے آگیا، اور کافروں نے کہا، یہ ساحر ہے، سخت جھوٹا ہے۔ ۴)

مخالفین کے آنحضرت ﷺ کی نبوت پر اعتراضات

قریش اور دیگر مخالفین آنحضرت ﷺ کے دعویٰ نبوت کا انکار کرتے ہوئے مختلف طریقے اختیار کرتے تھے تاکہ حتی الامکان لوگوں کو آپ کی شخصیت سے متاثر ہونے کا موقع نہ دیں اور آپ کی بات کو زیادہ سے زیادہ غیر معتبر ٹھہرائیں۔ کبھی تو وہ آپ کی نبوت کا صاف صاف انکار کرتے۔ اور قرآنِ کریم نے متعدد مواقع پر اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور کبھی آپ کے دعویٰ نبوت پر تعجب کا اظہار کرتے اور لوگوں کے قریب ہوکر ان کو اعتماد میں لیتے ہوئے یہ کہتے کہ یارو! باقی باتیں تو چھوڑو، ہمیں تو اس بات پر تعجب ہورہا ہے کہ آخر ہم انسانوں میں سے ایک انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے منذر بن کر کیسے آگیا۔ اللہ تعالیٰ کا منذر ہونا اس کا وائسرائے ہونے کے مترادف ہے۔ تو کیا اتنا بڑا منصب انسانوں میں سے ایک انسان کو دے دیا جائے گا۔ کہاں اللہ تعالیٰ کی ذات اور کہاں انسان ذرہ ناچیز۔ وہ اس کی پیغام بری کا حق کیسے ادا کرسکتا ہے۔ بشر ایک حقیر مخلوق کا نام ہے اور نبوت اللہ تعالیٰ کی نمائندگی ہے۔ اس لئے اس سے بڑھ کر تعجب کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ زمین پر رینگنے والے ایک انسان کو کائنات اور عرش وکرسی کے مالک کا نمائندہ سمجھ لیا جائے۔ چلئے اگر اس بات کو بھی گوارا کرلیا جائے تو اس سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے

Marfat.com

کہ ہم میں سے ایک عام آدمی جو اپنی کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اس کا کوئی خاص حوالہ نہیں۔ وہ یتیم پیدا ہوا، بچپن میں بکریاں چراتا رہا اور مالی لحاظ سے ابھی سنبھلنے نہ پایا تھا کہ اس کے سر پر نبوت کا تاج رکھ دیا گیا۔ کیا نبوت کوئی ایسا گیا گزرا منصب ہے کہ وہ ایک نہایت نادار اور بے حیثیت آدمی کے سر پر سجادیا جائے۔ اگر یہ منصب دینا ہی تھا تو کیا مکہ اور طائف کے سرداروں میں سے کسی کا انتخاب نہیں کیا جاسکتا تھا۔

قریش کا اظہارِ تعجب اپنی جگہ لیکن حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے کہ جن باتوں کی وجہ سے ان کو تعجب پیدا ہوا ہے وہ باتیں تو حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر انسانوں کی اصلاح کیلئے کسی آسمانی مخلوق کو رسول بنا کر بھیجا جاتا تو وہ انسانوں کی اصلاح کیسے کرسکتی۔ کیونکہ ہر جنس اپنی ہم جنس کی ضروریات کو سمجھتی ہے۔ انسانوں کی رہنمائی کیلئے اگر انسان کے علاوہ کوئی اور مخلوق بھیجی جاتی وہ یقیناً انسانی حالات، جذبات اور ضروریات سے بے خبر ہوتی تو انسان کی رہنمائی کیسے کرتی۔ اور اگر انسانوں میں سے کسی اجنبی آدمی کو رسول بنا کر بھیجا جاتا تو اہلِ مکہ اس کی صداقت کو کیسے جانتے، انہیں کیسے خبر ہوتی کہ یہ شخص بھروسے کا آدمی ہے یا نہیں، انہیں اس کی سیرت و کردار کے بارے میں کیسے اطمینان ہوتا۔

آنحضرت ﷺ کو ساحر قرار دینے کی وجہ

دوسری بات اس آیت میں یہ کہی گئی ہے کہ یہ شخص پیغمبر نہیں بلکہ ساحر ہے۔ آنحضرت ﷺ کو مخالفین کا ساحر قرار دینا درحقیقت اس وجہ سے تھا کہ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ جو شخص اس پیغمبر پر ایمان لے آتا ہے ہزار کوشش اور اذیت کے باوجود وہ ایمان سے منہ نہیں پھیرتا۔ اسے کسی تعلق کے کٹ جانے اور کسی نقصان پہنچنے کی پرواہ نہیں ہوتی۔ باپ کو بیٹا اور بیٹے کو باپ چھوڑ دیتا ہے، بیوی شوہر سے الگ ہوجاتی ہے اور شوہر بیوی سے جدا ہوجاتا ہے۔ ہجرت کی نوبت آئے تو دامن جھاڑ کر وطن سے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ کوئی بھی قیامت گزر جائے وہ شخص اپنے ایمان سے کبھی منحرف نہیں ہوتا، یہ جادو نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس شخص نے کسی کے سامنے کبھی زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا۔ لیکن وہ جس کلام کو کلامِ خداوندی کہہ کر پیش کرتا ہے اس کی معجزانہ فصاحت و بلاغت انسان کو مسحور کر کے رکھ دیتی ہے۔ قرآنِ کریم کا پیش کردہ نظامِ زندگی ہر طرح کے اختلاف سے پاک ہے۔ اس کی پیشگوئیاں وقت کے ساتھ ساتھ اپنی صداقت منوا چکی ہیں۔ وہ ان تمام باتوں کے جواب میں صرف ایک ہی بات کہتے تھے کہ یہ شخص بہت بڑا جادوگر ہے۔ اس شخص کے کلام میں جو تاثیر و تذکیر ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس پر آسمان سے وحی اترتی ہے بلکہ یہ کلام کا جادوگر ہے۔ اس وجہ سے اس کی باتیں دلوں پر اثر کرتی ہیں۔

اور تیسری بات اس آیت میں یہ کہی گئی ہے کہ یہ شخص پیغمبر نہیں بلکہ کذاب ہے جس کا معنی ہے جھوٹا، لپاٹیا اور لاف زن۔ یعنی یہ شخص کلام کا جادوگر ہی نہیں بلکہ عوام پر اپنی دھونس جمانے کیلئے نبوت کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ یعنی وہ جو کچھ کہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر نازل ہوتا ہے۔ وہ اس کی طرف سے منذر ہو کر آیا ہے۔ لیکن یہ سب باتیں جھوٹی ہیں، یہ اپنے ہر دعوے میں جھوٹ بول رہا ہے۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کیلئے ایک رسول بھیجا، ان کی تنبیہ و تذکیر کیلئے ایک منذر کو مبعوث کیا، ان کیلئے ایک یاددہانی کرنے والی کتاب نازل فرمائی، لیکن وہ غرور اور تکبر کے مارے ہوئے لوگ اس بات پر تعجب کر رہے ہیں کہ ان ہی جیسا ایک بشر ان کے پاس انذار کیلئے کیسے آگیا۔ اور وہ اپنی رعونت اور تکبر میں نہ جانے اللہ تعالیٰ کے رسول کو کیا کیا کہہ رہے ہیں۔

Marfat.com

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾

(کیااس نے تمام معبودوں کوایک معبود کردیا، یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔ ۵)

قریش کا عجیب پروپیگنڈا

قریش اور دیگر مخالفین کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بعد سب سے زیادہ جس چیز پر اعتراض تھا وہ آپ کی توحید کی دعوت تھی۔ آپ پوری قوت سے ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، اس کی صفات اور اس کے حقوق میں واحد اور یکتا قرار دیتے تھے۔ نہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق ہے اور نہ اس کے سوا کوئی غیر مشروط مطاع ہے۔ جس طرح وہ اپنی ذات میں یکتا ہے اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے۔ اور اس کی ذات وصفات کے تقاضوں کے طور پر جو حقوق اس کیلئے لازم ہیں ان میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ مخالفین کیلئے یہ دعویٰ نہ صرف نا قابلِ قبول بلکہ بہت تکلیف دینے والا تھا۔ کیونکہ ہر قبیلے نے اپنا ایک الگ خدا بنا رکھا تھا۔ اور ہر قبیلہ اپنے بت کے ساتھ اندھی بہری عقیدت رکھتا تھا۔ کعبۃ اللہ میں سینکڑوں بتوں کے ہونے کا سبب یہی تھا کہ ہر قبیلے نے اپنا بت وہاں رکھا ہوا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ کا یہ گھر تمام خداؤں کا تیرتھ ثابت ہو۔ اور سارے قبائل والہانہ کھنچے چلے آئیں۔ قریش ان کی اس عقیدت اور محبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قبائل کی عصبیت کو بھڑکانے کیلئے یہ زہریلا پروپیگنڈا کرتے تھے کہ اس شخص نے تمام معبودوں کو ختم کر کے ایک معبود بنا ڈالا ہے۔ اس سے زیادہ عجیب بات اور کیا ہوسکتی ہے۔ اور معبود بھی اس نے وہ رکھا ہے جس کو وہ خود معبود مانتا اور اس کی پوجا کرتا ہے، دوسرے تمام معبودوں کی خدائی اس نے ختم کردی ہے۔ اور یہ ایک ایسی حرکت ہے جس کا سراغ ہم اپنے آباؤ اجداد میں بھی نہیں پاتے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے اس آیت کے آخر میں ''عجاب'' کا لفظ استعمال کیا۔ کیونکہ ''عجاب'' کے اندر عجیب کے مقابلے میں مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی توحید اور واحدنیت ایک ایسی بات تھی کہ جس سے زیادہ عجیب بات اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی۔ اس طرح سے قریش نے تمام قبائل میں ایک طرح سے آگ لگانے کی کوشش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ﴿۶﴾

(اور سردارانِ قوم یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ چلو اور ڈٹے رہو اپنے معبودوں پر، بیشک یہ بات کسی اور مقصد کیلئے کہی جارہی ہے۔ ۶)

آنحضرت ﷺ کی دعوت سے متعلق بدگمانی

ہم سورۃ کے تعارف میں یہ بات عرض کرچکے ہیں کہ ایک موقع پر سردارانِ قوم حضرت ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے کہ آپ اپنے بھتیجے سے ہمارے معاملات کا تصفیہ کرادیں۔ آخر انہوں نے تجویز یہ پیش کی کہ آپ اپنے بھتیجے کو پابند کریں کہ وہ ہمارے خداؤں کی مذمت نہ کریں تو ہم اس کی عبادت پر کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔ وہ اپنے پروردگار کی جیسے چاہے عبادت کرے، ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ اسی طرح اسے بھی اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور کس کس بت کے بارے میں ہمارے کیا

Marfat.com

تصورات ہیں۔ چنانچہ یہی بات حضرت ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھی۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں تم سب لوگوں کے سامنے ایک کلمہ پیش کرتا ہوں اگر تم اسے قبول کرلو تو تم عرب کے مالک ہو جاؤ گے اور عجم تمہارے سامنے جھک جائے گا۔ قریش کے سرداروں نے پوچھا، وہ کلمہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا لآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ۔ یہ سن کر وہ بہت برہم ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اس مجلس سے نکل گئے کہ یہاں سے چلو اور اپنے خداؤں کی عبادت پر جمے رہو۔ یہ بظاہر تو بڑی سادہ سی بات کہہ رہا ہے، حقیقت میں اس کا مطلب کچھ اور ہے۔ اس کے پیشِ نظر یہ ہے کہ کسی طرح آنحضرت ﷺ کو بطور مطاع کے قبول کرلیا جائے۔ اس کی حکمرانی کا قلادہ اپنے گلے میں ڈال لیا جائے۔ اور اس طرح سے وہ رفتہ رفتہ ہمارا حکمران بن جائے۔ محض ایک کلمے کے قبول کرلینے سے عرب وعجم کا مطیع ہو جانا محض ایک سخن سازی ہے، حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنی حکومت کیلئے راستہ صاف کیا جا رہا ہے۔

مَاسَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۚ (۷)

(ہم نے یہ بات آخری ملت میں کسی سے نہیں سنی، یہ محض ایک من گھڑت بات ہے۔ ۷)

قریش کا اپنی تاریخ سے استدلال

قریش اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی کا وارث سمجھتے تھے۔ اور ساتھ ہی انہیں ان کی اولاد ہونے پر بھی فخر تھا۔ قرآنِ کریم نے ان کے ان ہی مزعومات کی بنا پر بطورِ خاص ملتِ ابراہیمی کی تاریخ بیان فرمائی۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کا جو گھر تعمیر کیا اور قریش کو جس کے متولی ہونے پر ناز تھا اور اسی کی وجہ سے انہیں بے شمار فوائد حاصل تھے۔ اس گھر کی تعمیر کے مقاصد کو خصوصی طور پر بیان کرتے ہوئے یہ بات واضح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو توحید کا مرکز بنایا تھا۔ اور اسی گھر میں کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے نبی آخرالزماں ؐ کی تشریف آوری اور اپنی اولاد میں سے ایک امتِ مسلمہ کے برپا کرنے کی دعائیں مانگی تھیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والے اسی دعا کا ثمر ہیں اور یہ گھر اسی توحید کا مرکز ہے جس کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے صاحبزادے نے محنت فرمائی تھی۔ اور پھر قرآنِ کریم نے جابجا اس بات کو واضح کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد چاہے وہ حضرت اسحاق علیہ السلام سے ہو یا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے انہیں توحید ہی کا وارث بنایا گیا تھا۔ اس حوالے سے قریش کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ ملتِ ابراہیمی کا تو وارث ہونے کا دعویٰ کریں لیکن ملتِ ابراہیمی کی اساس اور اس کی علامت یعنی توحید کو ماننے سے انکار کردیں۔ لیکن قریش کسی طرح بھی اس کو ماننے کو تیار نہیں تھے۔ وہ بار بار یہ بات کہتے تھے کہ اگر ملتِ ابراہیمی کی اصل شناخت توحید ہوتی تو ہمارے قریب کے زمانے میں یعنی ملتِ ابراہیمی کے آخری دور میں جو ہمارے آباؤ اجداد گزرے ہیں یا ہمارے قریب ملکوں میں جن دوسرے مذاہب کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا ہے، کسی نے بھی ہم سے یہ نہیں کہا کہ انسان صرف ایک اللہ رب العالمین کو مانے اور دوسرے کسی کو نہ مانے۔ آخر ایک اکیلے خدا پر کون اکتفا کرسکتا ہے۔ بے شمار آستانے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں سے مرادیں مانگی جارہی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اپنے تصرفات کے ذریعے لوگوں کی مرادیں پوری کررہے ہیں۔ اب یہ ہمیں ایک نئی بات سنائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں اور اس کی خدائی میں کسی کا حصہ نہیں۔ اور پوری کی پوری خدائی بس ایک اللہ ہی کیلئے ہے، ہم اس بات کو کیسے تسلیم کرلیں۔ یہ تو محض ایک من گھڑت بات معلوم ہوتی ہے۔

Marfat.com

ءَ اُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِىْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ﴿۸﴾

(کیا ہمارے درمیان میں سے اسی ایک شخص پر ذکر نازل کر دیا گیا؟ بلکہ یہ لوگ میرے ذکر پر شک کر رہے ہیں، بلکہ اب تک انہوں نے میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔ ۸)

قریش کے پندار پر چوٹ

مشرکینِ مکہ کو جس طرح اسلام کے تصورِ توحید کا شدت سے انکار تھا اسی طرح انہیں یہ بات بھی گوارا نہ تھی کہ وہ نبی کریم ﷺ کی رسالت کو تسلیم کریں۔ وہ اپنے جاہلانہ تصورات کے پیشِ نظر رسالت اور بشریت میں تضاد سمجھتے تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ انسانوں میں اللہ تعالیٰ کی پیغام بری کیلئے کسی فرشتے کو آنا چاہیے، انسان اس قابل کہاں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے پیغام وصول کر سکے اور انسانوں تک پہنچائے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ان کا اعتراض ایک اور پہلو سے بھی تھا، وہ یہ کہ چلئے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بشر رسول ہو سکتا ہے، لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ جس آبادی میں اللہ تعالیٰ کا رسول اٹھایا جائے وہ آبادی کا سب سے غریب آدمی ہو۔ کیونکہ نبوت و رسالت ایک بہت معزز منصب ہے۔ اس منصب پر کسی بڑے رئیس کو اگر فائز کیا جائے تو یہ سمجھا جائے گا کہ واقعی ایک بڑی عزت سے اس آدمی کو نوازا گیا ہے جو پہلے بھی عزت کے بہت سے انتسابات رکھتا ہے۔ وہ دولت مند ہے، بارسوخ ہے، قبائل میں اس کا بے پناہ احترام ہے، اس کی بات سنی جاتی ہے، اسے معاشرے میں ایک بڑی حیثیت اور عظمت حاصل ہے۔ لیکن جس شخص کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہ ہو، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ دولت مندوں اور معززین کی موجودگی میں اس شخص کو اس منصب پر فائز کر دیا جائے۔ یہ وہ اعتراض ہے جو وہ بار بار پیش کرتے تھے۔ انہیں یہ بات تسلیم تھی کہ آپ سیرت و کردار میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ آپ شہر بھر میں نہایت نیک نام ہیں، لیکن چونکہ آپ منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا نہیں ہوئے، اس لئے نبوت کے کسی طرح بھی اہل نہیں ہیں۔ یہ درحقیقت اسی پندار اور تکبر کا اظہار تھا جس کا اس سورۃ کے آغاز میں فِىْ عِزَّةٍ کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ پروردگار نے اس کے جواب میں فرمایا کہ درحقیقت انہیں آنحضرت ﷺ کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ آپ کی راست بازی کے قائل رہے ہیں۔ انہیں اگر شبہ ہے تو وہ دراصل میرے ذکر کی وجہ سے ہے۔ میں نے ان کو نصیحت کرنے کی خدمت جب آپ کے سپرد کی تو یہ آپ کی صداقت پر شک کرنے لگے، حالانکہ وہ اس سے پہلے آپ کی راست بازی کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ حقائق کو سمجھ بوجھ کر ماننے کے عادی نہیں ہیں۔ انہیں یا تو منفعت کی زبان سمجھ میں آتی ہے اور یا طاقت اور شدت کی زبان۔ انہیں بار بار آنحضرت ﷺ نے ان کی تکذیب کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا ہے۔ لیکن وہ اسے محض ہوائی بات سمجھ رہے ہیں۔ لیکن اس وقت انہیں ماننے بغیر چارہ نہیں ہوگا جب عذاب کا کوڑا ان کے سروں پر برسے گا۔ لیکن اس وقت ان کا ایمان انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ﴿۹﴾ۚ

(کیا تیرے رب کی رحمت کے خزانے جو عزیز اور وہاب ہے ان کے قبضے میں ہیں۔ ۹)

Marfat.com

قریش کی رعونت کا جواب

سابقہ آیتِ کریمہ میں قریش اور دیگر مخالفین نے آنحضرت ﷺ کو نبوت دیئے جانے پر جو اعتراض کیا تھا پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ یعنی ان لوگوں کا یہ کہنا کہ نبوت اور رسالت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور اور بہت بڑے منصب ہیں۔ ان کا اہل اگر کوئی ہوسکتا ہے تو صرف وہ شخص ہوسکتا ہے جو لوگوں کی نگاہ میں عزت سے دیکھا جاتا ہو۔ اور جس کے سر پر دولت کا تاج ہو اور جسے انسانی معاشرے میں بڑی قدر و منزلت حاصل ہو۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت سہی، لیکن اس کا مستحق کون ہے؟ کیا وہ شخص جس کا فیصلہ مکے کے اصحابِ ثروت کریں یا اس کے فیصلے کا اختیار پروردگارِ عالم کو ہے۔ اگر انہیں اصرار ہے کہ نبوت کیلئے ہمارے معیار کو تسلیم کیا جانا چاہئے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے دراصل ان کی تحویل میں دے دیئے گئے ہیں۔ اب ان خزانوں سے جو چیز بھی نکلے گی ان کے اختیار سے نکلے گی۔ حالانکہ کوئی مجہول شخص بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے قبضے میں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو عزیز ہے یعنی سب پر غالب ہے، کوئی اس کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ اور وہ وہاب ہے یعنی اس قدر عطا کرنے والا ہے کہ اس کے خزانوں میں کبھی کمی نہیں ہوتی۔ وہ بلا شرکت غیرے ہر چیز پر مالک اور متصرف ہے۔ وہ اپنی عطا و بخشش میں کسی کے زیرِ اثر نہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے زمین کے خزف ریزے بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نبوت و رسالت اور علم و حکمت کی بادشاہی بخشتا ہے۔ کیونکہ جو عزیز ہوگا اس پر کوئی اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ اور جو وہاب ہوگا اس کی عطا و بخشش کسی کی پابند نہیں ہوسکتی۔

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۟ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ﴿۱۰﴾

(کیا آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کی بادشاہی ان ہی کے اختیار میں ہے،
تو پھر چاہئے کہ وہ آسمانوں کے اندر چڑھ جائیں۔ ۱۰)

گزشتہ مضمون کی مزید وضاحت

گزشتہ آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے یہ اسی کی مزید تفصیل ہے۔ یعنی اگر انہیں اصرار ہے کہ نبوت کے بارے میں فیصلے ان کی مرضی اور اختیار کے مطابق ہونے چاہئیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت ان کے ہاتھ میں ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان بھی ان ہی کی فرمانروائی ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر انہیں چاہئے کہ آسمانوں پر چڑھ جائیں اور اللہ تعالیٰ کے عرش پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں، تاکہ فرمانروائی کے منصب پر قبضہ کر کے وہ تمام کائنات میں اپنی مرضیات کو مسلط کرسکیں۔ پھر وہ جسے چاہیں نبوت کے منصب پر فائز کریں۔ اور جس پر چاہیں وحی کا نزول ہو۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرسکتے تو پھر انہیں اپنی حدود کو پہچان کر اس کے مطابق بات کرنی چاہئے۔ انہیں اس بات سے انکار نہیں ہوگا کہ وہ زمین پر بسنے والے بندے ہیں، خدا نہیں۔ لیکن جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ بندگی نہیں، خدائی ہے۔

یاد رہے اسباب سے مراد اسباب السموات ہے۔ اور یہ لفظ کسی چیز کے اطراف اور متعلقات کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ ہم نے ترجمے میں اسی کو ملحوظ رکھا ہے۔

Marfat.com

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾

(جتھوں میں سے ایک جتھہ اسی جگہ شکست دیا جائے گا۔ ۱۱)

قریش کے لیے تنبیہ بھی اور پیش گوئی بھی

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی بھی ہے اور قریش اور دیگر مخالفین کیلئے ایک تنبیہ بھی ہے۔ هُنَالِكَ سے شاید مکہ معظمہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ یہ سورۃ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے اور قریش کی یہ تمام مجہول باتیں اور ان کی تمام تعلیاں اسی شہر کی داستان ہیں۔ چنانچہ قصہ زمین برسر زمین کے طور پر پروردگار انہیں وارننگ دے رہے ہیں کہ تم اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کرو، ورنہ وہ دن دور نہیں جب اسی شہر میں جو تمہاری رعونتوں کا مرکز ہے تم اپنی ساری رعونتوں اور تکبروں سمیت شکست خوردہ لشکر کی طرح اللہ تعالیٰ کے رسول کے سامنے کھڑے ہوگے اور نہایت لجاجت کے ساتھ اس سے اپنی زندگی کی بھیک مانگو گے۔ اور جس پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو آج تم حقیر سمجھ رہے ہو انہیں کے سامنے تم غلاموں کی طرح کھڑے کئے جاؤ گے۔ اور تمہاری قسمتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے رسول کے ہاتھوں میں ہوں گی۔ ایمان لانے والے عزت کی علامت ہوں گے اور کفر کے بڑے بڑے سردار غلاموں کی طرح سر جھکائے کھڑے ہوں گے۔ آج ہی فیصلہ کرلو تمہیں کس طرف کھڑے ہونا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ وَ قَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ الْـَٔيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾

(ان سے پہلے نوح کی قوم عاد اور میخوں والے فرعون نے تکذیب کی۔ ۱۲) اور ثمود، قوم لوط اور ایکہ والوں نے بھی، یہ جتھے تھے۔ ۱۳) ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا، تو میرا عذاب ان پر نازل ہو کے رہا۔ ۱۴)

تاریخ سے استشہاد

قریش کو تنبیہ کرتے ہوئے انہیں تاریخ کا آئینہ دکھایا گیا ہے کہ تم جس روش پر چل رہے ہو اور جس طرح تم نے ہمارے پیغمبر کی تکذیب کو اپنا طرزِ عمل بنالیا ہے تمہیں خوب معلوم ہے کہ تم سے پہلے بڑی بڑی قومیں حکومت و ریاست کی ہیبت وقوت کے باوجود صرف اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئیں اور انہیں دنیا سے مٹا دیا گیا کہ جو رسول ان کی طرف آئے تھے ان پر ایمان لانے کی بجائے انہوں نے ان کی تکذیب کر ڈالی۔ یہ قومیں تمہاری جانی پہچانی ہیں، تم اپنے تجارتی اسفار میں ان علاقوں سے گزرتے ہو جہاں ان کے کھنڈرات بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کھنڈرات سے ان کی وسعتِ اقتدار اور قوت و ہیبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن وہ اپنی تمام تر قوت و ہیبت اور ٹھاٹ باٹھ کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچ سکے۔ کیونکہ پروردگار تکذیبِ رُسل کے جرم کو کبھی معاف نہیں فرماتا۔ ان میں قومِ نوح اور قومِ عاد، قومِ ثمود اور قومِ لوط کو بغیر کسی لاحقہ کے ذکر کیا ہے۔ لیکن فرعون کی وسعتِ اقتدار اور غیر معمولی قوت کی طرف اشارہ کرنے کیلئے ذُو الْاَوْتَادِ کا لاحقہ لگایا

Marfat.com

گیا ہے۔ اوتاد، وتد کی جمع ہے اور وتد میخ یا خیمے کو کہتے ہیں۔ اور ذُو الْاَوْتَادِ کا معنی ہوگا میخوں والا یا خیموں والا۔ درحقیقت اس کا معنی تو میخوں والا ہے، لیکن اس کا اطلاق خیموں پر بھی ہوتا ہے۔ فرعون کو میخوں والا اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے کثیر التعداد لشکر جہاں بھی ٹھہرتے تھے وہاں ہر طرف خیموں کی میخیں ہی میخیں ٹھکی نظر آتی تھیں اور اگر اس کا معنی خیمے کیا جائے تو مفہوم پھر بھی وہی رہتا ہے کہ اس کے لشکر کی تعداد چونکہ بہت زیادہ تھی، وہ جہاں بھی پڑاؤ ڈالتا، اس کا لشکر چونکہ خیموں میں ٹھہرتا تھا تو دور تک خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے۔ اور یا اسے ذُو الْاَوْتَادِ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ ایک ظالم شخص تھا، وہ جس سے ناراض ہوتا تھا اس کے جسم میں میخیں ٹھونک کر اس کو عذاب دیتا تھا۔ ممکن ہے کہ میخوں سے مراد اہرامِ مصر ہوں جو زمین کے اندر میخوں کی طرح ٹھکے ہوئے ہیں۔

اصحاب الایکہ کا مفہوم

آیت میں اصحاب الایکہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد اصحابِ مدین ہیں۔ ایکہ کا معنی جنگل کے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدین کے پاس کوئی بہت بڑا جنگل ہوگا، اس وجہ سے مدین کو ایکہ بھی کہا جاتا ہے۔ تو جس طرح تکذیبِ رُسل کے نتیجے میں مذکورہ قوموں پر عذاب آیا، اسی طرح اہلِ مدین بھی اس عذاب کی گرفت میں آئے۔ کیونکہ وہ بھی اس جرم میں برابر کے شریک تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جن قوموں کا ہم نے ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئیں یہ کوئی چھوٹی موٹی قومیں نہیں تھیں بلکہ یہ انسانوں کے بڑے بڑے جتھے تھے۔ یہ اپنے غلط عقائد پر نہایت استقامت کے ساتھ جمے ہوئے تھے۔ اور افرادی قوت کے ساتھ ساتھ دیگر وسائل میں بھی خودکفیل تھے۔ فوجوں کی کثرت کی وجہ سے وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ با ایں ہمہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچ سکے۔ ان کی رعونت اور تکبر ان کیلئے پناہ نہ بن سکے۔ اور آج تاریخ میں ان کے نام کے سوا کوئی بات زندہ نہیں۔ اور تکذیبِ رُسل کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل ہو کر رہا۔ قریش کے لوگو! تم بھی اسی جرم کا ارتکاب کر رہے ہو۔ سوچ لو، اس عذاب سے تم کیسے بچ سکتے ہو۔

وَ مَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا
رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ
وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ
يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَ
شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ
نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ

Marfat.com

قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ
وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِىْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ وَّ
تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِىَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِىْ فِى
الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا
مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِىْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ
خَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ السجدة فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ
حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ
النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ
الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ ع

رکوع: ۲۔ (اور یہ لوگ بس ایک ڈانٹ کے منتظر ہیں جس کے بعد کوئی ڈھیل نہیں۔ ۱۵) اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! روزِ حساب سے پہلے ہی ہمارا حصہ ہمیں جلدی سے دے دے۔ ۱۶) اے پیغمبران باتوں پر صبر کیجئے جو یہ لوگ کہتے ہیں اور ان کے سامنے ہمارے بندے داؤد زور وقوت والے کا حال بیان کیجئے، بیشک وہ اللہ کی طرف بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا۔ ۱۷) بیشک ہم نے پہاڑوں کو اس کے ساتھ مسخر کر رکھا تھا، وہ شام وصبح اس کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ ۱۸) اور پرندے سمٹ آتے، سب اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ ۱۹) ہم نے اس کی سلطنت مضبوط

Marfat.com

کردی تھی اور اس کو حکمت اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ ۲۰) کیا آئی ہے تمہارے پاس خبر ان فریقوں کی جبکہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں گھس گئے۔ ۲۱) جبکہ وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ ان سے گھبرایا، وہ بولے ڈریئے نہیں ہم دو فریق معاملہ ہیں۔ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، پس آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے، کوئی بے انصافی نہ کیجئے، اور ہمیں سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کیجئے۔ ۲۲) بیشک یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ۹۹ دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے، پس میرے اس بھائی نے کہا کہ یہ بھی میرے حوالے کر دے اور جھگڑے میں اس نے مجھے دبا لیا۔ ۲۳) حضرت داؤد نے کہا کہ تمہارے بھائی نے تمہاری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کا مطالبہ کر کے تمہارے اوپر ظلم کیا ہے اور بیشتر شرکاء اسی طرح ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، بجز ان لوگوں کے جو ایمان رکھتے اور عملِ صالح کرتے ہیں اور وہ بہت تھوڑے ہیں اور حضرت داؤد نے گمان کیا کہ ہم نے اس کو آزمایا، تو اس نے اپنے رب سے استغفار کیا اور سجدے میں گر گیا اور توبہ کی۔ ۲۴) تو ہم نے اس کا وہ قصور معاف کر دیا، اور بیشک اس کیلئے ہمارے پاس تقرب کا مقام ہے اور اچھا انجام ہے۔ ۲۵) اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، تو لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، اور خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی، جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کیلئے سخت سزا ہے، بوجہ اس کے کہ انہوں نے روزِ حساب کو بھلائے رکھا۔ ۲۶)

وَمَا يَنظُرُ هَـٰٓؤُلَآءِ إِلَّا صَيْحَةً وَٰحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ﴿١٥﴾ وَقَالُوا۟ رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ ٱلْحِسَابِ ﴿١٦﴾

(اور یہ لوگ بس ایک ڈانٹ کے منتظر ہیں جس کے بعد کوئی ڈھیل نہیں۔ ۱۵) اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! روزِ حساب سے پہلے ہی ہمارا حصہ ہمیں جلدی سے دے دے۔ ۱۶)

قریش کا متکبرانہ رویہ اور اس کا جواب

پہلی آیت میں قریش کے اس رویئے کا ذکر ہے جو ان کے انکارِ حق اور اصرارِ باطل سے پیدا ہوا ہے۔ اور دوسری آیت میں ان کے اس طنطنہ اور غرور کی طرف اشارہ ہے جس کی وجہ سے ان کی زبانوں پر ایسے الفاظ آ گئے ہیں جو کوئی شخص بھی اس وقت تک نہیں کہہ سکتا جب تک کہ غرور اس کی عقل پر غالب نہ آ جائے۔ پہلی آیت میں ان کے طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کے رسول انہیں حق کی طرف بلاتے ہیں اور بار بار انہیں ایمان لانے کی ترغیب دیتے ہیں تو وہ بجائے ایمان لانے کے آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور جب آپ انہیں تنبیہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں تو وہ بجائے عذاب سے ڈرنے کے عذاب کا مطالبہ شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے اس رویئے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ انہیں خوب معلوم ہے کہ پہلی قوموں پر عذاب آ چکا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ڈانٹ یا ایک دھماکے نے ان کا کام تمام کر دیا۔ اور پھر انہیں سنبھلنے کی مہلت

Marfat.com

نہیں ملی، یہ بھی شاید یہی چاہتے ہیں۔ ''فواق'' دراصل اس وقفے کو کہتے ہیں جو اونٹنی کا دودھ ایک دفعہ سونت لینے کے بعد دوبارہ تھنوں میں دودھ اترنے تک ہوتا ہے۔ یہ ایک محدود وقت ہے جسے ڈھیل کیلئے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کا خیال شاید یہ ہے کہ عذاب آنے کے بعد ہمیں سنبھلنے کا موقع دیا جائے گا، حالانکہ عذاب خاتمے کا نام ہے، سنبھلنے کا موقع دینے کا نہیں۔

دوسری آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ قریش کی اندھی رعونت کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی تکذیب کے سلسلے میں جب انہیں بتایا گیا کہ پہلی قومیں اسی جرم کی پاداش میں تباہ کی گئی ہیں تو وہ بجائے اس کے کہ انہیں اپنے انجام کی فکر ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر تلافی کی کوشش کرتے، وہ اس کے بالکل برعکس منہ پھاڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اگر یہ پیغمبر اپنی دعوت میں سچا ہے تو جس عذاب سے ہمیں ڈرایا جارہا ہے یا جس عذابِ قیامت کا ذکر کیا جارہا ہے اسے قیامت تک اٹھا رکھنے کی بجائے دنیا ہی میں ہم پر نازل کردیا جائے۔ قریش کے اسی طرح کے مطالبے کا ذکر سورۃ الانفال میں بھی کیا گیا ہے۔ ممکن ہے یہ عذاب ہی کا مطالبہ ہو جس سے آنحضرت ﷺ انہیں ڈراتے تھے۔ اور یا اس سے جنگِ بدر کی فتح وشکست کا تعلق ہو جس کیلئے جنگِ بدر کے ارادے سے نکلنے سے پہلے بیت اللہ کے پردے پکڑ کر ابوجہل نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی۔ دونوں صورتوں میں ان کی رعونت اور ہٹ دھرمی کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی جاہلیت پر کس قدر اڑے ہوئے تھے اور حق کیلئے کس طرح ان کے دلوں کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ سورۃ الانفال میں فرمایا گیا ہے کہ وَاِذْقَالُوا اللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَالْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِئْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ ''اور جبکہ انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہی حق ہو، تیرے پاس سے تو ہم پر پتھر برسادے آسمان سے یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر نازل کر۔''

اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ ۚ اِنَّہٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾

(اے پیغمبر ان باتوں پر صبر کیجئے جو یہ لوگ کہتے ہیں اور ان کے سامنے ہمارے بندے داؤد زور وقوت والے کا حال بیان کیجئے، بیشک وہ اللہ کی طرف بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا۔ ۱۷)

حضرت داؤدؑ کی زندگی کا نمونہ آنحضرتؐ کے لیے بھی اور قریش کے لیے بھی

اس سے پہلے سورۃ الانبیاء، نمل اور سبا میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے واقعات کسی حد تک تفصیل کے ساتھ گزر چکے ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ کسی بھی بڑی شخصیت کے واقعات کو واقعات کے طور پر یا تاریخ کے انداز میں بیان نہیں کرتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور اس کے مقرب بندے چونکہ انسانی زندگی کیلئے نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے بطورِ نمونہ اور بطورِ ہدایت ان کی زندگی کے واقعات میں سے ان واقعات کو ذکر کیا جاتا ہے جو سلسلۂ کلام میں جاری بحث کی ضرورت کا تقاضا ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی کے واقعات کے سلسلے میں بھی دیگر انبیاء کی طرح یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ پیشِ نظر سلسلۂ بیان میں دکھایا گیا ہے کہ قریش تکبر اور نخوت میں مبتلاء ہو کر اللہ تعالیٰ کے آخری رسول کی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے انتہائی تعنت اور نخوت کا ثبوت دیتے ہوئے آپ پر طرح طرح کے الزامات لگا رہے ہیں اور آپ کی دعوت کو روکنے کیلئے ہر طرح کی اذیت رسانی سے کام لیا جارہا ہے۔ آپ اور صحابہ کرام ان کی اس یاوہ گوئی سے سخت انقباض میں ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعات سے ایک طرف نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا

Marfat.com

مقصود ہے کہ دیکھئے حضرت داؤد علیہ السلام باوجود اس کے کہ انتہائی طاقت اور قوت رکھنے والے تھے لیکن وہ اپنے مخالفوں کی دلآزار باتوں پر برہم یا پریشان ہونے کی بجائے انتہائی صبر اور بردباری سے کام لیتے تھے۔ اور جب بھی فیصلہ کرنے کا وقت آتا تو لوگوں کے حد درجہ ناگوار رویئے کے باوجود نہایت عدل اور ہمدردی کے ساتھ ان کے معاملات کا فیصلہ فرماتے تھے۔ بلکہ دوسروں کے واقعات سے اپنے لئے سبق حاصل کرنا اور نصیحت اخذ کرنا ان کی طبیعت کا حیرت انگیز واقعہ تھا۔ آپ بھی ان کی زندگی کے ان واقعات سے تسلی حاصل کریں۔ اور آپ کے صحابہ کو بھی اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ یہی وہ رویہ ہے جو بالآخر کامیابیوں کی ضمانت بنتا ہے۔

دوسری طرف قریش کو بھی ان واقعات سے سبق دینا مقصود ہے کہ تم ہمارے بندے داؤد کو دیکھو، وہ کس قدر دولت وحشمت کے مالک اور کس قدر مناصب واقتدار پر فائز تھے۔ بایں ہمہ غرور واستکبار انہیں چھو کر بھی نہ گیا تھا۔ وہ ہر معاملے میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ ایک تم ہو کہ ان کے مقابلے میں تمہاری دولت وحشمت اور تمہارا اقتدار نہ ہونے کے برابر ہے۔ لیکن اس معمولی حیثیت میں تمہیں غرور و استکبار نے اندھا کر دیا ہے۔ تم بھی اگر اپنے لئے عافیت چاہتے ہو تو حضرت داؤد علیہ السلام کے رویئے سے سبق سیکھو۔

آیتِ کریمہ میں ''اُذْکُرْ'' کے لفظ سے شاید متذکرہ بالا دونوں مفہوموں کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ان لوگوں کو بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے حالات پڑھ کر سنایئے اور خود بھی ان کو یاد کیجئے تاکہ آپ بھی ان واقعات کو دیکھ کر تسلی حاصل کریں اور قریش ان واقعات کو پڑھ کر اگر چاہیں تو سبق حاصل کریں۔

ذَا الْاَیْدِ اس کا لفظی معنی تو ہاتھوں والا ہے، لیکن عربی زبان میں ہی نہیں بلکہ دیگر زبانوں میں بھی اسے قوت وقدرت کیلئے استعارے کے طور پر بولا جاتا ہے۔ آیتِ کریمہ میں بھی یہی معنی مقصود معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بڑی قوتوں کے مالک تھے اور جتنی بھی انسانی خیال میں قوتیں قابلِ قدر ہو سکتی ہیں ان میں سے کوئی ایسی نہ تھی جو ان کو عطا نہ کی گئی ہو۔ مثلاً آپ جسمانی طاقت میں بھی بے مثال تھے اور اس کا مظاہرہ انہوں نے جالوت سے جنگ کے موقع پر کیا تھا۔ حالانکہ جالوت غیر معمولی قدآور جنگجو اور بہادر شخص تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام اس وقت بکریاں چرانے والے ایک نوعمر چرواہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے جالوت کو بری طرح شکست دی اور قتل کر دیا۔ آپ فوجی اور سیاسی طاقت کے مالک تھے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے اس وقت کی مخالف مشرک قوموں کو شکست دے کر ایک مضبوط اسلامی سلطنت قائم کر دی۔ اخلاقی طاقت میں بھی آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بادشاہی عطا کی، لیکن آپ ہمیشہ فقیر بن کر رہے، ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور اس کے حدود کی پابندی کرنے والے تھے۔ حضرت ابوالدرداء سے امام بخاری نے اپنی تاریخ میں یہ روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر آتا تو آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے کَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ ''وہ سب سے زیادہ عبادت گزار آدمی تھے۔''

اِنَّـهٗ اَوَّابٌ وہ اپنے رب کی طرف بہت رجوع ہونے والے بندے تھے۔ اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کی خشیت وانابت کا اندازہ ہوتا ہے کہ معاملہ انفرادی ہو یا اجتماعی، حالتِ سکون کا ہو یا حالتِ اشتعال کا، معاملہ غم کا ہو یا خوشی کا، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے تھے۔ حالانکہ حکومت واقتدار ہر صاحبِ اقتدار کو خود پرستی کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ بلکہ اقتدار اس وقت تک نامکمل سمجھا جاتا ہے جب تک اس کے سامنے بے اختیار سر جھکنے نہیں پاتے۔ گویا تکبر اور غرور اس جلنے والی آگ کا ایسا ایندھن ہے جس کے بغیر اقتدار کا چولھا روشن نہیں ہوتا۔ لیکن وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور اس کی طرف رجوع ہونے والے بندے تھے۔

Marfat.com

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾
وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾

(بیشک ہم نے پہاڑوں کو اس کے ساتھ مسخر کر رکھا ہے، وہ شام وصبح اس کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ ۱۸) اور پرندے سمٹ آتے، سب اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ ۱۹)

حضرت داوٗدؑ کی اوّابیت کا نمونہ

اس سے پہلے کی آیت کے آخر میں فرمایا کہ وہ اپنے رب کی طرف بڑے رجوع ہونے والے بندے تھے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ان کی اسی صفت کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ ان کی اوّابیت کا حال یہ تھا کہ وہ صبح و شام دامنِ کوہ میں بیٹھ کر اپنے رب کی تسبیح کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے وقت میں کیسی برکت دی تھی کہ دن بھر لوگوں کے معاملے سنتے اور انہیں انصاف دیتے، ملک بھر سے آئی ہوئی اطلاعات سے متعلق فیصلے کرتے، مخالف قوتوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی اس لئے وقتاً فوقتاً جہاد کا فرض بھی انجام دیتے۔ ایک بہت بڑی آبادی کے حکمران ہونے کی وجہ سے معاملات و تنازعات کا ہجوم ہوتا، لیکن آپ نہایت احسن طریق سے ان سے عہدہ برآ ہوتے۔ ان تمام مصروفیات کے باوجود صبح بھی اور شام بھی جب خلقِ خدا سو رہی ہوتی آپ پہاڑوں کے دامن میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو لحنِ داؤدی عطا فرمایا تھا اس سے زبور کے منظوم نغمے چھیڑتے تو پہاڑ بھی ان کی ہمنوائی کرتے اور اڑتے ہوئے پرندے بھی آپ کے اردگرد اتر آتے اور جھنڈ کے جھنڈ جمع ہو کر آپ کے سُر میں اپنے سُر ملاتے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ جانے ان کے پرسوز لحن میں کیسی تاثیر اور تسخیر رکھی تھی کہ اردگرد کی پوری فضاء ان کی صدائے بازگشت سے گونج اٹھتی۔

بعض لوگوں نے اسے تاویل کے خراد پر چڑھانے کی کوشش کی ہے اور بعض لوگوں نے الفاظ کے طوطے مینا اڑائے ہیں۔ لیکن وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ یہاں ایک عظیم پیغمبر کا تذکرہ ہو رہا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے جن عظیم نعمتوں سے نوازا ہے اس کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ نہ جانے جن لوگوں کو اس صورتحال کی قبولیت سے انکار ہے کیا وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بدگمان ہیں یا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے معجزات کے منکر ہیں۔ رہیں ان کی تاویلیں تو وہ اگر آیت کے الفاظ ہی پر غور کریں تو وہ تاویلیں الفاظ کا بھی ساتھ نہیں دیتیں۔ صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ خود پروردگار کا ارشاد ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم اسے سمجھتے نہیں۔ اب اگر حضرت داؤد علیہ السلام کو وہ قوتِ سماعت دے دی گئی جو پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیحات کو سن اور سمجھ سکتی تھیں تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے۔ اور یا ان کی تسبیح و تحمید کو اللہ تعالیٰ نے وہ پذیرائی بخشی کہ پہاڑ اور جانور بھی اس میں شریک کر دیئے گئے اور ایک غیر معمولی بات پیدا کر دی گئی تو اس میں بھی حیرانی کی بات کیا ہے۔ دکھانا تو صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی اوّابیت کو وہ پذیرائی عطا فرمائی کہ پورا ماحول ان کی برکت سے اس صفت سے موصوف ہو گیا اور ہر طرف سے تسبیح و تحمید کی آوازیں گونجنے لگیں۔

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾

(ہم نے اس کی سلطنت مضبوط کر دی تھی اور اس کو حکمت اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ ۲۰)

Marfat.com

حضرت داؤدؑ کی مستحکم حکومت کا اصل سبب

اوپر آیت ۱۷ میں ذَا الْاَیْدِ کے لفظ سے حضرت داؤد علیہ السلام کی قوت وصولت کو بیان کیا گیا تھا۔ اس آیتِ کریمہ میں اسی کی وضاحت ہے کہ ہم نے داؤد کو جو ہیبت وصولت عطا کی تھی اس کا سبب یہ تھا کہ ہم نے انہیں ایک مستحکم حکومت سے نوازا تھا۔ اور اس حکومت کے استحکام کیلئے ہم نے ان کو حکمت بھی عطا کی تھی اور فصلِ خطاب سے بھی بہرہ ور فرمایا تھا۔ یعنی ایسا نہیں کہ غیر معمولی طریقے سے ہم نے انہیں حکومت تو دے دی ہو لیکن وہ کما حقہ اس کو چلانے پر قادر نہ ہوں۔ ہم نے اس صلاحیت سے بھی انہیں مالا مال کیا تھا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ انسانوں کے شیرازے کو باندھ کے رکھنا، ان کے معاملات میں خرابی پیدا نہ ہونے دینا، انسانوں کو طبقات میں تقسیم ہونے سے بچانا، وسائلِ زندگی کی منصفانہ تقسیم اور ہر شخص تک سستا انصاف پہنچنا، کمزور آدمی کو جرأت دلانا اور مضبوط آدمی کو حدود میں رکھنا، خیر اور بھلائی کی قوتوں کو توانا کرنا اور شر اور فساد کے سوتوں کو خشک کرنا کیونکر ممکن ہوتا ہے۔ ہر معاملے کو گہرائی تک جانچنا اور وقت سے پہلے اٹھنے والے طوفانوں کا اندازہ کرنا اور اس کے سامنے بند باندھنا یہ وہ حکمت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو بہرہ ور فرمایا تھا اور ساتھ ہی دوسری چیز یہ بھی عطا فرمائی تھی کہ وہ ہر بات کی کنہ تک اترنے اور ہر معاملے کی حقیقت کو جاننے اور پھر اس کو پورے دلائل کے ساتھ مخاطب تک پہنچانے اور فیصلے کی صورت دینے کی بھی انہیں پوری قدرت حاصل تھی۔ پیچیدہ سے پیچیدہ معاملے کی حقیقت ان پر پنہاں نہ رہتی تھی۔ اور مشکل سے مشکل بات کو پانی کر دینا ان کیلئے بہت آسان بات تھی۔ وہ ہر بات کو دوٹوک انداز میں بیان کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل وفہم میں کمال بخشا تھا اسی طرح ان کو اعلیٰ درجے کی قادر الکلامی بھی عطا فرمائی تھی۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ
فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ
وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾

(کیا آئی ہے تمہارے پاس خبر ان فریقوں کی جبکہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں گھس گئے۔ ۲۱) جبکہ وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ ان سے گھبرایا، وہ بولے ڈریئے نہیں ہم دو فریقِ معاملہ ہیں۔ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، پس آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے، کوئی بے انصافی نہ کیجئے، اور ہمیں سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کیجئے۔ ۲۲)

حضرت داؤدؑ کی حکمت ودانش کے اثرات

اوپر کی آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کی حکمت ودانش، آپ کی عبادت وریاضت، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آپ کا والہانہ عشق آپ کی مضبوط حکومت، آپ کا عدل وانصاف اور اس حوالے سے بات کی تہ تک پہنچنا اور پھر نہایت سلیقے سے فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت جیسی خوبیوں کو بیان کرنے کے بعد ایک ایسا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے جس سے آپ کی تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کا اظہار ہوتا ہے۔

Marfat.com

اس واقعہ کو پڑھ کرفوری طور پر جو تأثرات ذہن میں ابھرتے ہیں ان میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت داؤدعلیہ السلام عدل وانصاف میں جس غیر معمولی طریقے پر عامل تھے ان میں سب سے پہلی بات یہ تھی کہ آپ کی نگاہ میں امیر اور غریب میں کوئی فرق نہ تھا۔کوئی غریب شخص اگر اپنا ایک جائز حق رکھتا تھا تو اس کی غربت اس کیلئے کمزوری کا باعث نہ تھی۔اور کوئی امیر شخص بغیر حق کے اگر کسی چیز کا دعویدار تھا تو اس کی امارت اس کیلئے معاون نہیں بن سکتی تھی۔ان کی عدالت سے ہر شخص کو بے لاگ انصاف ملتا تھا۔

دوسری بات یہ محسوس ہوتی ہے کہ ان کے مسلسل عادلانہ رویئے سے لوگوں میں ایک ایسا اعتماد پیدا ہو گیا تھا کہ ہر شخص چاہے وہ کیسا ہی ظلم کا ستایا ہوا ہو آپ کی عدالت میں پہنچ کر اور بے جھجک اپنا معاملہ آپ کے سامنے رکھ کر مطمئن ہو جاتا تھا کہ اب میرے حق کے ملنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔اس اعتماد نے لوگوں میں ایک ایسی جسارت پیدا کر دی تھی کہ وہ وقت اور بے وقت آپ سے انصاف کے حصول کیلئے آپ کے پاس پہنچ جاتے تھے۔وقت چاہے آپ کے آرام کا ہوتا یا آپ کی عبادت کا، انہیں ہرگز اس بات کا خیال نہ ہوتا کہ ایسے بے وقت جانے سے آپ ناراض ہو سکتے ہیں۔بلکہ انہیں خیال یہ تھا کہ جتنا ایک حق کا طلبگار اپنے حق کیلئے بے چین ہوتا ہے حضرت داؤدعلیہ السلام حقدار کو حق پہنچانے میں اس سے زیادہ بے چین ہوتے ہیں۔

اور تیسری بات جو نہایت حیران کن ہے وہ یہ تھی کہ آپ کو دوسروں کے معاملات سنتے ہوئے اگر کبھی اپنی کسی کوتاہی پر تنبہ ہو جاتا تو آپ استغفار کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنے میں تاخیر نہیں کرتے تھے۔چنانچہ ان نکات کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم اس واقعہ کو دیکھتے ہیں جو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے تو اس واقعہ کی اصل روح سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آتی۔

چند مشکل الفاظ کی تشریح

هَلْ اَتٰـکَ کا اسلوبِ خطاب ہمیشہ واحد کیلئے نہیں بلکہ جمع کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔اور دوسری یہ بات کہ جب کسی واقعہ کی خبر اس اسلوب سے دی جاتی ہے تو بالعموم اس کی اہمیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

اَلْـخَـصْـمِ فریق، مقابل اور دشمن کے معنی میں بولا جاتا ہے۔یہ لفظ لفظی اعتبار سے واحد ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے واحد اور جمع دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

اِذْتَسَوَّرُوا الْـمِحْرَابَ، تَسَوُّرٌ کے اصل معنی تو دیوار پر چڑھنے کے ہیں، لیکن کبھی کبھی یہ داخل ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔لیکن یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے یہ دونوں معنی کو متضمن ہے۔یعنی اس میں چڑھنا اور داخل ہونا دونوں معنی شامل ہیں۔

اَلْمِحْرَابَ اس کا معنی محل بھی ہوتا ہے اور محل کا کوئی کمرہ بھی۔بعض دفعہ ہر عمارت کے سامنے کے حصے پر بھی محراب کا اطلاق ہوتا ہے۔

اصل واقعہ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک معاملے میں دو فریقوں کا آپس میں جھگڑا ہوا، دونوں میں سے ایک امیر آدمی ہے اور دوسرا غریب۔غریب نے امیر سے کہا کہ تم جس بات کیلئے مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہو، بہتر ہے ہم اس کا فیصلہ حضرت داؤدعلیہ السلام سے کروالیں۔اس نے ممکن ہے عدالت کا وقت گزر جانے کا عذر کیا ہو۔لیکن غریب آدمی نے حضرت داؤدعلیہ السلام کے مزاج کو جانتے ہوئے اصرار کیا کہ کوئی بات نہیں ہم کسی وقت بھی ان کے پاس پہنچ جائیں، ہمیں ان سے انصاف ضرور ملے گا۔چنانچہ دونوں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایسے وقت میں آپ کے

Marfat.com

پاس پہنچے جو وقت آپ کی عبادت کیلئے مخصوص تھا۔ فصلِ مقدمات کا وقت گزر چکا تھا۔ صدر دروازے پر پہرہ داروں نے انہیں اس ناوقت محل کے اندر داخل ہونے سے روکا۔ لیکن یہ کسی طرح پہرہ داروں کی نظر بچا کر کسی دوسری طرف سے محل میں جا گھسے اور اچانک حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے جا پہنچے۔ ان کا اس طرح دیوار پھاند کر ناوقت حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچنا یقیناً ایک خطرے کی گھنٹی تھی۔ اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام ان کو دیکھ کر گھبرائے۔ آپ نے خیال کیا کہ یہ کوئی ڈاکو ہیں اور یا میرے دشمن ہیں۔ لیکن داخل ہونے والوں نے ان کو اطمینان دلایا کہ ہم دشمن نہیں ہیں آپ ہم سے کوئی اندیشہ نہ کریں، بلکہ ایک مقدمہ ہم آپ کے پاس لے کے آئے ہیں اور ہم دونوں مقدمہ کے فریق ہیں۔ اس مقدمے میں ہم میں سے ایک نے دوسرے سے زیادتی کی ہے اس لئے آپ ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیں۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی طبعی فیاضی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ آپ فیصلہ میں کسی طرح کی طرفداری اور ناانصافی نہ کریں، بلکہ صراطِ مستقیم کی طرف ہمیں رہنمائی بخشیں۔ اگرچہ ان لوگوں نے ڈاکوؤں کی طرح محل میں گھس کر اور ناوقت آپ کے پاس پہنچ کر اور حد سے بڑھی ہوئی بے باکی سے گفتگو کر کے اچھے اخلاق کا ثبوت نہیں دیا تھا بلکہ ان میں سے ہر بات سزا کی طالب تھی۔ لیکن حضرت داؤد علیہ السلام نے ان میں سے کسی بات کا نوٹس نہیں لیا، آپ فوراً ان کے معاملے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾

(بیشک یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ۹۹ دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے، پس میرے اس بھائی نے کہا کہ یہ بھی میرے حوالے کر دے اور جھگڑے میں اس نے مجھے دبا لیا۔ ۲۳)

تنازع کی تفصیل

ان دونوں کے درمیان جو تنازع چل رہا تھا یہ اس کی تفصیل ہے۔ جس فریق کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی اس نے اپنا بیان دیتے ہوئے کہا کہ یہ جو میرے ساتھ دوسرا فریق ہے یہ میرا بھائی ہے، بھائی کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرا دینی بھائی ہے یا ہم ایک ہی جگہ کے رہنے والے ہیں یا ہماری برادری ایک ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اس کے پاس ۹۹ دنبیاں ہیں۔ یعنی یہ ایک امیر آدمی ہے اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے اور اس کا مطالبہ یہ ہے کہ اپنی ایک دنبی بھی اس کے حوالے کر دوں۔ میں نے جب اسے اپنی دنبی دینے سے انکار کیا تو اس نے مجھ سے جھگڑا شروع کر دیا۔ اور اب حال یہ ہے کہ یہ جھگڑے میں مجھ پر غالب آ گیا ہے۔ یعنی یا تو اس نے اپنی امارت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اتنے حمایتی پیدا کر لئے ہیں کہ وہ سب اس کی تائید کرتے ہیں اور یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زورِ بیان میں اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اس نے دلائل کے زور سے مجھے خاموش کر دیا ہے۔ اب ہم آپ کے پاس آئے ہیں کہ آپ ہمارے درمیان بے لاگ فیصلہ فرمائیں۔

Marfat.com

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾

(حضرت داؤد نے کہا کہ تمہارے بھائی نے تمہاری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کا مطالبہ کر کے تمہارے اوپر ظلم کیا ہے اور بیشتر شرکاء اسی طرح ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، بجز ان لوگوں کے جو ایمان رکھتے اور عملِ صالح کرتے ہیں اور وہ بہت تھوڑے ہیں اور حضرت داؤد نے گمان کیا کہ ہم نے اس کو آزمایا، تو اس نے اپنے رب سے استغفار کیا اور سجدے میں گر گیا اور توبہ کی۔ ۲۴)

حضرت داؤدؑ کا فیصلہ

حضرت داؤد علیہ السلام نے مظلوم فریق کا بیان سن کر اور دوسرے فریق کی خاموشی سے اندازہ فرما لیا کہ زیادتی اس دولت مند فریق نے کی ہے اور پھر بے لاگ فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اس شخص نے تمہاری دنبی کو اپنی دمبیوں میں ملا لینے کا مطالبہ کر کے تمہارے اوپر ظلم کیا ہے۔ اور ساتھ ہی اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ بیشتر شرکاءِ معاملہ ہمیشہ کمزور فریق پر ظلم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں اس بات کا خیال نہیں ہوتا کہ جو شخص نادار ہے اس کی ناداری کا علاج کیا جائے۔ بلکہ انہیں فکر اپنی دولت کو بڑھانے کی ہوتی ہے۔ چاہے اس کی امارت دوسرے کی ناداری پر اٹھانی پڑے۔ البتہ اس ظلم اور زیادتی سے صرف وہ لوگ بچتے ہیں جن کے پاس ایمان اور عملِ صلاح کی پونجی ہوتی ہے۔ اور انہیں یقین ہے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر بات کی جواب دہی کرنی ہے۔ اور ایسے لوگ انسانوں میں بہت زیادہ نہیں بہت تھوڑے ہیں، اسی لئے ظلم کا سلسلہ کہیں رکنے میں نہیں آتا۔ اس کے بعد ایک نہایت حیران کن بات آیتِ کریمہ میں فرمائی گئی ہے کہ جیسے ہی حضرت داؤد علیہ السلام نے معاملے کے دونوں فریقوں کا فیصلہ سنایا، فوراً اس آئینہ میں انہیں اپنے کسی عمل کی جھلک دکھائی دی اور محسوس کیا کہ کسی حد تک اس سے ملتی جلتی بات مجھ سے بھی صادر ہوئی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''اوّاب'' بنایا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس تعلق میں بادشاہت بھی حائل ہونے میں نہیں آتی۔ چنانچہ جیسے ہی انہیں اپنے کسی عمل کا استحضار ہوا تو وہ فوراً اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک گئے۔ اور استغفار و توبہ کیلئے سجدے میں گر پڑے۔

حضرت داؤدؑ کا تنبہ اور اس کی تفصیل

سوال یہ ہے کہ وہ کیا بات تھی جس نے حضرت داؤد علیہ السلام کو پریشان کر دیا۔ قرآنِ کریم نے اس کی کوئی وضاحت نہیں کی اور اسے اپنے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے درمیان ایک راز ہی رہنے دیا۔ اسے دیکھتے ہوئے اس سے ہٹ کر اور کوئی بات صحیح نہیں ہو سکتی کہ جس بات کو اللہ تعالیٰ نے راز رکھا ہے ہمیں کیا حق ہے کہ ہم اس کی کھوج کرید کے پیچھے پڑیں۔ اس لئے خیال اور گمان کے گھوڑے دوڑانے کی بجائے ہمیں اس واقعہ کی روح کو اور حضرت داؤد علیہ السلام کے طرزِ عمل کو اپنے لئے روشنی کا سامان بنانا چاہئے۔

Marfat.com

اس لئے حافظ ابنِ کثیر جیسے محقق اور مفسر نے اپنی تفسیر میں اسی پر عمل کرتے ہوئے واقعہ کی تفصیلات سے خاموشی اختیار کی ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ یہ سب سے زیادہ محتاط اور سلامتی کا راستہ ہے۔ اسی لئے علمائے سلف سے منقول ہے کہ اِبْهَمُوْا مَا اَبْهَمَهُ اللّٰهُ ''یعنی جس چیز کو اللہ نے مبہم چھوڑا ہے تم بھی اسے مبہم رہنے دو۔'' البتہ دوسرے مفسرین نے روایات و آثار کی روشنی میں اس امتحان اور آزمائش کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے ہم اسے معارف القرآن سے نقل کر رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک عامیانہ روایت تو یہ مشہور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر ایک مرتبہ اپنے ایک فوجی افسر اوریا کی بیوی پر پڑ گئی تھی جس سے ان کے دل میں اس کے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور انہوں نے اوریا کو قتل کرانے کی غرض سے اسے خطرناک ترین مشن سونپ دیا جس میں وہ شہید ہو گیا اور بعد میں آپ نے اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ اس عمل پر تنبیہ کرنے کیلئے یہ دو فرشتے انسانی شکل میں بھیجے گئے۔

لیکن یہ روایت بلاشبہ ان خرافات میں سے ہے جو یہودیوں کے زیرِ اثر مسلمانوں میں بھی پھیل گئی تھیں۔ یہ روایت دراصل بائیبل کی کتاب سموئیل دوم باب ۱۱ سے ماخوذ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بائیبل میں کھلم کھلا حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے معاذ اللہ اوریا کی بیوی سے نکاح سے قبل ہی زنا کا ارتکاب کیا تھا اور ان تفسیری روایتوں میں زنا کے جزء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس اسرائیلی روایت کو دیکھا اور اس میں سے زنا کے قصے کو نکال کر اسے قرآنِ کریم کی مذکورہ آیتوں پر چسپاں کر دیا حالانکہ یہ کتاب سموئیل ہی سرے سے بے اصل ہے۔ اور یہ روایت قطعی کذب و افتراء کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے تمام محقق مفسرین نے اس کی سخت تردید کی ہے۔

حافظ ابن کثیر ؒ کے علاوہ علامہ ابن جوزی، قاضی ابوالسعود، قاضی بیضاوی، قاضی عیاض، امام رازی، علامہ ابوحیان اندلسی، خازن، زمحشری، ابن خرم، علامہ خفاجی، احمد بن نصر، ابوتمام اور علامہ آلوسی وغیرہ نے بھی اسے کذب و افتراء قرار دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

''بعض مفسرین نے یہاں ایک قصہ ذکر کیا ہے جس کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔ آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں کوئی ایسی بات ثابت نہیں جس کا اتباع واجب ہو، صرف ابن ابی حاتم ؒ نے یہاں ایک حدیث روایت کی ہے مگر اس کی سند صحیح نہیں ہے۔''

غرض بہت سے دلائل کی روشنی میں جن کی کچھ تفصیل امام رازی ؒ کی تفسیر کبیر اور ابن جوزی ؒ کی زاد المسیر وغیرہ میں موجود ہے یہ روایت تو اس آیت کی تفسیر میں قطعاً خارج از بحث ہو جاتی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی ؒ نے اس آزمائش اور لغزش کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ مقدمہ کے یہ دو فریق دیوار پھاند کر داخل ہوئے اور طرزِ مخاطبت بھی انتہائی گستاخانہ اختیار کیا کہ شروع ہی میں حضرت داؤد علیہ السلام کو انصاف کرنے اور ظلم نہ کرنے کی نصیحتیں شروع کر دیں، اس انداز کی گستاخی کی بنا پر کوئی عام آدمی ہوتا تو انہیں جواب دینے کے بجائے الٹی سزا دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ امتحان فرمایا کہ وہ بھی غصہ میں آ کر انہیں سزا دیتے ہیں یا پیغمبرانہ عفو و تحمل سے کام لے کر ان کی بات سنتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت داؤد علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے، لیکن اتنی سی فروگزاشت ہوگئی کہ فیصلہ سناتے وقت ظالم کو خطاب کرنے کے بجائے مظلوم کو مخاطب فرمایا جس سے ایک گونہ جانبداری مترشح ہوتی تھی مگر اس پر فوراً تنبہ ہوا اور سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ (بیان القرآن)

بعض مفسرین نے لغزش کی یہ تشریح کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعا علیہ کو خاموش دیکھا تو اس کا بیان سنے بغیر صرف مدعی کی بات سن کر اپنی نصیحت میں ایسی باتیں فرمائیں جن سے فی الجملہ مدعی کی تائید ہوتی تھی حالانکہ پہلے مدعا علیہ سے پوچھنا چاہئے تھا کہ اس کا موقف کیا ہے؟ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ ارشاد اگرچہ صرف ناصحانہ انداز میں تھا اور ابھی تک مقدمہ کے فیصلے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ تاہم ان جیسے جلیل القدر پیغمبر کے شایان شان نہیں تھا۔ اسی بات پر آپ بعد میں متنبہ ہو کر سجدہ ریز ہوئے۔ (روح المعانی)

بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنا نظم اوقات ایسا بنایا ہوا تھا کہ چوبیس گھنٹے میں ہر وقت گھر کا کوئی نہ کوئی فرد عبادت، ذکر اور تسبیح میں مشغول رہتا تھا، ایک روز انہوں نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ پروردگار! دن اور رات کی کوئی گھڑی ایسی نہیں گزرتی جس میں داؤد کے گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی آپ کی عبادت، نماز اور تسبیح و ذکر میں مشغول نہ ہو، باری تعالیٰ نے فرمایا کہ داؤد! یہ سب کچھ میری توفیق سے ہے اگر میری مدد شامل حال نہ ہو تو یہ بات تمہارے بس کی نہیں ہے، اور ایک دن میں تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دوں گا۔ اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ وقت حضرت داؤد علیہ السلام کے مشغول عبادت ہونے کا تھا۔ اس ناگہانی قضیہ سے ان کے اوقات کا نظم مختل ہو گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام جھگڑا چکانے میں مشغول ہو گئے، آلِ داؤد علیہ السلام کا کوئی اور فرد بھی اس وقت عبادت اور ذکرِ الٰہی میں مصروف نہ تھا۔ اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو تنبہ ہوا کہ وہ فخریہ کلمہ جو زبان سے نکل گیا تھا، یہ مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔ اس لئے آپ نے استغفار فرمایا اور سجدہ ریز ہو گئے۔ اس توجیہ کی تائید حضرت ابن عباسؓ کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے جو مستدرک حاکم میں صحیح سند کے ساتھ منقول ہے۔ (احکام القرآن)

ان تمام تشریحات میں یہ بات مشترک طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ مقدمہ فرضی نہیں بلکہ حقیقی تھا اور صورتِ مقدمہ کا حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش یا لغزش سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کے برخلاف بہت سے مفسرین نے اس کی ایسی تشریح فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مقدمہ کے یہ فریقین انسان نہیں بلکہ فرشتے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا تھا کہ وہ ایسی فرضی صورتِ مقدمہ پیش کریں جس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی لغزش پر تنبہ ہو جائے۔

چنانچہ ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اوریا کو قتل کرانے اور اس کی بیوی سے نکاح کر لینے کا وہ قصہ تو غلط ہے لیکن حقیقت حال یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں کسی شخص سے یہ فرمائش کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا کہ ''تم اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کا نکاح مجھ سے کر دو۔'' اس زمانے میں اس فرمائش کا عام رواج بھی تھا۔ اور یہ بات خلافِ مروت بھی نہ سمجھی جاتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسی بنا پر اوریا سے یہی فرمائش کی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دو فرشتے بھیج کر

Marfat.com

آپ کو تنبیہ فرمائی۔اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بات صرف اتنی تھی کہ اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا ہوا تھا،حضرت داؤد علیہ لسلام نے بھی اسی عورت کو اپنا پیغام دے دیا،اس سے اوریا کو بہت رنج ہوا۔اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کیلئے یہ دو فرشتے بھیجے اور ایک لطیف پیرایہ میں اس لغزش پر تنبیہ فرمائی۔قاضی ابویعلیٰ ؒ نے اس توجیہہ پر قرآنِ کریم کے الفاظ وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ سے استدلال فرمایا ہے،وہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ معاملہ محض خطبہ (منگنی) کے سلسلہ میں پیش آیا تھا۔اور ابھی حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے نکاح نہیں فرمایا تھا۔ (زادالمسیر لابن الجوزی ؒ۔ص ۱۱۶۔ج ۷)

اکثر مفسرین نے ان آخری دو تشریحات کو ترجیح دی ہے اور ان کی تائید بعض آثار صحابہ سے بھی ہوتی ہے۔(ملاحظہ ہو روح المعانی،تفسیر ابی السعود،زادالمسیر تفسیر کبیر وغیرہ) لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس آزمائش اور لغزش کی تفصیل نہ قرآنِ کریم سے ثابت ہے نہ کسی صحیح حدیث سے۔اس لئے اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ اوریا کو قتل کروانے کا جو قصہ مشہور ہے وہ غلط ہے لیکن اصل واقعہ کے بارے میں مذکورہ بالا تمام احتمالات موجود ہیں اور ان میں سے کس ایک کو قطعی اور یقینی نہیں کہا جاسکتا،لہٰذا سلامتی کی راہ وہی ہے جو حافظ ابن کثیر ؒ نے اختیار کی کہ جس بات کو اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا ہے،ہم اپنے قیاسات اور اندازوں کے ذریعہ اس کی تفصیل کی کوشش نہ کریں جبکہ اس سے ہمارے کسی عمل کا تعلق نہیں۔اس ابہام میں بھی یقیناً کوئی حکمت ہے،لہٰذا صرف اتنے واقعہ پر ایمان رکھا جائے جو قرآنِ کریم میں مذکور ہے،باقی تفصیلات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا جائے۔

سجدۂ تلاوت کے احکام

وَخَرَّ رَاکِعًا وَّاَنَابَ ''حضرت داؤد سجدے میں گر گئے اور توبہ کی۔'' یہ آیتِ سجدہ ہے۔امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک اس آیت کو پڑھنے سے سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔امامِ شافعی کہتے ہیں کہ یہ آیتِ سجدہ نہیں بلکہ آیتِ توبہ ہے۔یعنی اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ کا ذکر ہے۔اس سلسلے میں جتنی روایات احادیث میں آئی ہیں ان سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ اس آیت پر سجدہ کیا۔البتہ ایک موقع پر فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے توبہ کے طور پر سجدہ کیا تھا،ہم شکر کے طور پر سجدہ کرتے ہیں۔اس سے امامِ شافعی نے یہ سمجھا ہے کہ اس سے سجدے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔لیکن حضرت عبداللہ ابنِ عباس کی ایک روایت جسے مجاہد نے نقل کیا ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے لہٰذا آپ ان کے طریقے کی پیروی کریں۔''اس آیت میں لوگوں سے مراد انبیائے کرام ہیں۔حضرت داؤد علیہ السلام بھی ایک نبی تھے۔انہوں نے اگر اس موقع پر سجدہ کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی ان کی اقتداء میں سجدہ کیا ہے تو آیت کے الفاظ کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔بہر حال امام ابوحنیفہ اور امامِ شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے درمیان اس آیت پر سجدہ کرنے کے معاملے میں اختلاف ہے لیکن ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے اس سے یہ بات بہر حال واضح ہوتی ہے کہ اس آیت پر سجدہ کرنا بہتر ہے۔

Marfat.com

اس آیت میں رکوع کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی جھکنے کے ہیں لیکن اکثر مفسرین نے اس سے مراد سجدہ لیا ہے۔اسی بناء پر امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ آیتِ سجدہ سن کر یا پڑھ کر آدمی سجدے کی بجائے صرف رکوع بھی کر سکتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے رکوع کا لفظ استعمال کر کے سجدہ مراد لیا ہے تو معلوم ہوا کہ رکوع سجدے کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔البتہ اس سلسلے میں فقہاء نے کچھ وضاحتیں کی ہیں ان کا پیشِ نظر رہنا ضروری ہے۔

۱۔ رکوع میں سجدہ صرف اس وقت ادا ہوگا جبکہ آیتِ سجدہ تلاوت کرنے کے فوراً بعد یا زیادہ سے زیادہ دو تین آیتیں مزید تلاوت کر کے رکوع کر لیا جائے۔اور اگر آیتِ سجدہ کے بعد کھڑے کھڑے طویل قرأت کی تو سجدہ رکوع میں ادا نہیں ہوگا۔ (بدائع)

۲۔ یہ ضروری ہے کہ سجدے کی آیت نماز میں پڑھی گئی ہو۔نماز سے باہر تلاوت کرنے میں رکوع سے سجدہ ادا نہیں ہوتا۔اس لئے کہ رکوع صرف نماز میں عبادت ہے،نماز سے باہر مشروع نہیں۔ (بدائع)

۳۔ اگر سجدۂ تلاوت رکوع میں ادا کرنے کا خیال ہو تو رکوع میں جاتے وقت سجدۂ تلاوت کی نیت کر لینی چاہئے۔ورنہ اس رکوع سے سجدہ ادا نہیں ہوگا۔ (بدائع)

۴۔ افضل بہر حال یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت کو نماز کے فرض رکوع میں ادا کرنے کی بجائے مستقل سجدہ کیا جائے۔اور سجدہ سے اٹھ کر ایک دو آیتیں تلاوت کر کے پھر رکوع میں جائیں۔ (بدائع)

فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٢٥﴾

(تو ہم نے اس کا وہ قصور معاف کر دیا،اور بیشک اس کیلئے ہمارے پاس تقرب کا مقام ہے اور اچھا انجام ہے۔ ۲۵)

حضرت داوٗدؑ کی قبولیتِ توبہ

حضرت داوٗد علیہ السلام کو دوسروں کی غلطیوں کے آئینہ میں اپنی غلطی کا احساس پیدا ہو گیا اور اس پر انہوں نے بے ساختہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکا دیا اور توبہ کیلئے ہاتھ پھیلا دیئے۔تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پھر ہم نے اس کا وہ قصور معاف کر دیا۔اس سے یہ ایک بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام سے جو قصور سرزد ہوا تھا وہ یقیناً ایسا ضرور تھا جس پر توبہ کی ضرورت پڑتی ہے۔کیونکہ صغائر عبادات اور دوسری نیکیوں سے معاف ہو جاتے ہیں۔لیکن کبائر توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔اور مزید یہ فرمایا کہ اس توبہ اور انابت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کا مقام و مرتبہ پہلے سے دوچند کر دیا۔انہیں پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں تقرب کا مقام حاصل تھا اب اس میں اور اضافہ ہو گیا۔اور آپ کے بہتر انجام میں اللہ تعالیٰ نے اور بہتری پیدا فرمائی۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام سے سرزد ہونے والا قصور بیشک کبائر میں شامل ہونے کے قابل کیوں نہ ہو اس میں سرکشی اور سرتابی کا عنصر ہرگز شامل نہیں تھا۔اگر ایسا ہوتا تو آپ کے مقامِ تقرب میں کمی ہونے کا امکان تھا،اضافہ کا نہیں۔

Marfat.com

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾

(اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، تو لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، اور خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی، جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کیلئے سخت سزا ہے، بوجہ اس کے کہ انہوں نے روزِ حساب کو بھلائے رکھا۔ ۲۶)

خلافت وحکومت کے ذمہ داروں کے لیے ہدایات

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ ساتھ حکومت وسلطنت کی ذمہ داریاں بھی تفویض کی تھیں۔ اس لئے پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ایسے تمام لوگوں کیلئے جنہیں حکومت وسیاست سے واسطہ پڑتا ہے اور وہ اس حوالے سے کسی ذمہ دار منصب پر فائز ہوتے ہیں انہیں چند بنیادی باتوں کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ وہ ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے کسی غلطی کا ارتکاب نہ کرنے پائیں۔

یاد رہے کہ یہاں جن ذمہ داریوں کا ذکر فرمایا گیا ہے ان کا تعلق صرف حضرت داؤد علیہ السلام سے نہیں بلکہ ہر اس شخصیت سے ہے جسے اللہ تعالیٰ حکومت وسلطنت کی ذمہ داریوں سے گراں بار کرتا ہے۔ چاہے وہ نبوت کے مقامِ رفیع پر فائز ہو یا نہ ہو۔ یہاں بطورِ خاص ان ہدایات کا ذکر شاید اس لئے کیا گیا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس لئے انہیں ایسے ہدایات کی کیا ضرورت ہے جو خواہشاتِ نفس یا گناہ کے ارادے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس میں بتانا یہ مقصود ہے کہ نبی یا غیر نبی کیلئے معیار ایک ہی ہے اور جواب طلبی بھی ایک جیسی ہوگی۔ یہ الگ بات ہے کہ نبی چونکہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے اس لئے پروردگار اسے کسی ایسے کام میں ملوث نہیں ہونے دیتا جو شانِ نبوت کیخلاف ہو۔ تاہم انہیں اس طرح کی ہدایات دینا ہدایات کی اہمیت کو واضح کرنا ہے۔ اور دوسرے حکمرانوں کو پوری طرح ان کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

پہلی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے اور ان انسانوں میں جو اللہ تعالیٰ کے نبی یا رسول ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ خود انہیں اپنی طرف سے اپنا خلیفہ نامزد کر دیتے ہیں۔ لیکن دوسرے لوگ اس منصب پر فائز ہونے کیلئے لوگوں کے انتخاب اور اعتماد کے محتاج ہیں۔ وہ جس شخص کو بھی حکومت اور سلطنت کی ذمہ داریوں اور ہدایت وارشاد کی گراں باریوں کیلئے منتخب کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوں گے۔ البتہ جو ذمہ داری خلیفہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نبیوں پر عائد ہوتی ہے وہی غیر نبی پر بھی عائد ہوتی ہے۔ خلیفہ ہونے کے حوالے سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ کا اصل مالک رب ذوالجلال ہے۔ انسان اس کی نیابت وخلافت میں اس کے احکام کو اس کے بندوں پر نافذ کرنے کا مجاز اور پابند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین نے ہمیشہ اس

Marfat.com

نکتے پر زور دیا کہ ہم حکمران ہونے کے باوجود مقنن یعنی قانون بنانے والے نہیں بلکہ منفذ یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون کو نافذ کرنے والے ہیں۔حضرت عمر فاروق ؓ بار بار اس بات کو دہراتے تھے کہ جب تم دیکھو کہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجائے اپنے احکام کی طرف تمہیں بلاتا ہوں تو تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم مجھے معزول کر دو۔کیونکہ میں تمہارا بادشاہ نہیں بلکہ تمہارا امیر اور اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوں۔اس سے یہ بات مبرہن ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کا حاکم شوریٰ یا اسمبلی اسلامی قانون کی تشریح یا تدوین تو کر سکتی ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی شریعت خاموش ہے اس میں قانون سازی بھی کر سکتی ہے۔لیکن انہیں مطلقاً قانون سازی کا اختیار نہیں۔

دوسری بات اس آیتِ کریمہ میں یہ فرمائی گئی ہے کہ اسلامی ریاست کا بنیادی کام اقامتِ حق ہے۔حکومت پر لازم ہے کہ وہ اپنے انتظامی معاملات اور تنازعات کے تصفیہ میں حق و انصاف سے کام لے۔وہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کرے جو ان میں اپنی حیثیت کا شعور، اپنے مقصدِ زندگی سے وابستگی، اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق کی شناخت، انسانوں میں باہمی مساوات، وسائلِ رزق سے انتفاع کا برابر حق اللہ تعالیٰ کی شریعت کا مکمل احترام اور اس کی بالادستی کا گہرا احساس، اسلامی اصولوں کی مکمل پاسداری اور جزئیات کو طے کرنے کیلئے اسلامی مزاج اور اسلامی بصیرت کی بجا آوری کو سب سے پہلی ترجیح قرار دے۔

تیسری ہدایت جس پر اس آیتِ کریمہ میں سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانی کی پیروی سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے۔کیونکہ یہ وہ سمِ قاتل ہے جس کے مہلک اثرات سے نہ فرد محفوظ رہتا ہے نہ معاشرہ اور ملک۔اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہر فرد کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف جاگزیں ہو جائے اور اس کا دل و دماغ کبھی آخرت کی فکر سے بیگانہ نہ ہو۔یوں تو اسلام کسی بھی ذمہ داری کے سپرد کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ شخص اس ذمہ داری کو ادا کرنے کا اہل بھی ہے یا نہیں۔البتہ وہ سب سے زیادہ زور اس بات پر دیتا ہے کہ کوئی شخص اگر علم میں کمزور ہے تو دوسروں کے علم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔اگر اصابتِ رائے میں کمی ہے تو ذہین و فطین مشیر اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔لیکن اگر اس کے اندر فکرِ آخرت کی بجائے دنیا طلبی کی ہوس ہے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی بجائے موہوم مستقبل کے خدشات ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر انسانوں سے ڈرتا ہے اور اسے آخرت سے زیادہ دنیا بنانے کا شوق ہے تو ایسا شخص نفسِ انسانی کی وسیسہ کاریوں سے کبھی نہیں بچ سکتا۔اور وہ شخص ہرگز اس قابل نہیں کہ اسے اسلامی خلافت کے منصب پر فائز کیا جائے۔لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات پر توجہ دینے سے بھی انکار کرتے ہیں اور ان کی اپنی ترجیحات اسلامی ترجیحات سے یکسر مختلف ہیں ایسے لوگوں کیلئے دنیا ہی میں سخت ترین عذاب ہے اور ایسی تلخ زندگی ہے جس میں کانٹوں کے سوا اور کچھ نہیں۔کیونکہ یہ لوگ بالکل بھول گئے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب کیلئے بھی پیش ہونا ہے۔چنانچہ خلفائے راشدین میں انہی ہدایات کے نتیجے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی زندگیوں پر حکومت کے اثرات نہیں بلکہ فقر و درویشی کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ٹھیک کہا کسی نے:

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

Marfat.com

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۭ ۲۷ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ
كَالْفُجَّارِ ۲۸ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ۲۹ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۭ ۳۰ اِذْ
عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِىِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۙ ۳۱ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ
الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّىْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۳۲ رُدُّوْهَا عَلَىَّ ۭ فَطَفِقَ
مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۳۳ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى
كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۳۴ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِىْ وَهَبْ لِىْ مُلْكًا لَّا
يَنْۢبَغِىْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۳۵ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ
تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۙ ۳۶ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ
غَوَّاصٍ ۙ ۳۷ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ۳۸ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ
اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۳۹ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۴۰

رکوع: ۳۔ (اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں، فضول پیدا نہیں کیا، یہ تو ان لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر کیا ہے، تو ان لوگوں کیلئے جنہوں نے کفر کیا، بربادی ہے جہنم کی آگ سے۔ ۲۷) کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور ان کو جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یکساں کر دیں گے، کیا ہم

Marfat.com

متقیوں کو فاجروں جیسا بنادیں گے۔ ۲۸) یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تا کہ یہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور عقل رکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔ ۲۹) اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا، کیا خوب بندہ تھا، بیشک وہ اپنے اللہ کی طرف بہت ہی رجوع کرنے والا تھا۔ ۳۰) اس وقت کو یاد کرو جب شام کے وقت حضرت سلیمان کے سامنے اصیل اور عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے۔ ۳۱) تو اس نے کہا کہ میں نے دوست رکھا ہے مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد کی وجہ سے یہاں تک کہ سورج پردے میں چھپ گیا۔ ۳۲) انہیں میرے پاس واپس لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ ۳۳) اور ہم نے سلیمان کو بھی آزمایا اور ڈال دیا اس کے تخت پر ایک دھڑ، پھر اس نے رجوع کیا۔ ۳۴) حضرت سلیمان نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے معاف فرما دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کیلئے سزاوار نہ ہو، بے شک تو بڑا ہی بخشنے والا ہے۔ ۳۵) تو ہم نے تابع کر دیا اس کیلئے ہوا کو، جو اس کے حکم سے نرمی کے ساتھ چلتی تھی، جدھر وہ پہنچنا چاہتا تھا۔ ۳۶) اور سرکش جنوں کو بھی ہم نے اس کے تابع کر دیا ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور۔ ۳۷) اور بہت سے دوسرے جنوں کو جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ۳۸) یہ ہماری بے حساب بخشش ہے، پس احسان کر دیا روک لو۔ ۳۹) یقیناً اس کیلئے ہمارے پاس تقرب کا مقام اور بہترین مرجع ہے۔ ۴۰)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾

(اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں، فضول پیدا نہیں کیا، یہ تو ان لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر کیا ہے، تو ان لوگوں کیلئے جنہوں نے کفر کیا، بربادی ہے جہنم کی آگ سے۔ ۲۷)

وقوعِ قیامت پر دلیل

حضرت داؤد علیہ السلام کی سرگزشت سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور ان کی راہ پر چلنے والے لوگ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری اور قیامت کے دن کی جوابدہی سے لرزاں اور ترساں رہتے تھے۔ اپنی زندگی میں کبھی انہیں اگر اس بات کا خیال بھی ہو گیا کہ ہم سے کوئی لغزش ہوگئی ہے تو وہ فوراً اللہ تعالیٰ کے سامنے گر پڑتے اور اپنی لغزشوں سے توبہ کرتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں اور اس کے تمام نیک بندوں نے اپنے قول و عمل سے دنیا کے سامنے یہ بات واضح کی کہ صالح زندگی کی ضمانت صرف اس بات میں ہے کہ آدمی کو آخرت کی فکر ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا یقین رکھتا ہو اور ہمیشہ اس بات سے خوفزدہ رہے کہ میرے ایک ایک لمحے اور ایک ایک عمل کو اللہ تعالیٰ دیکھتا اور میرے نامۂ عمل میں محفوظ کر رہا ہے اور قیامت کے دن

Marfat.com

اسی کے مطابق مجھ سے معاملہ کیا جائے گا۔ یہ وہ یقین تھا جس نے انسانی زندگی میں دل و دماغ کے احساسات سے لے کر عمل اور اس کے ارادے تک ایک ایسی پاکیزگی پیدا کر دی تھی جو اس تصور کے بغیر کسی اور طرح ممکن نہ تھی۔ چنانچہ اس سرگزشت اور اس سے حاصل ہونے والے اسباق کو ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ عام انسانوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان کے سامنے اس حقیقت کو واضح فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے نبیوں کے ذریعے لوگوں میں آخرت کے تصور کو کیوں عام کرنے کی کوشش کی۔ اور یا یوں کہہ لیجئے کہ انسانوں کیلئے آخرت کا دن کیوں لازم ٹھہرایا جس میں ہر انسان اپنے رب کے حضور حاضر ہو کر اپنی زندگی کے ایک ایک عمل کا حساب پیش کرے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ دنیا ایک بالکل باطل کارخانہ اور ایک کھلنڈرے کا کھیل ہے جس میں نیکی اور بدی، خیر و شر اور حق و باطل میں کوئی امتیاز ہی نہیں۔ اس کے پیدا کرنے میں نہ کوئی حکمت کارفرما ہے اور نہ اس کا کوئی مقصد ہے۔ ظاہر ہے کہ پروردگار کے حوالے سے ایسی سوچ بھی اختلالِ دماغ کے سوا اور کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک حکیم ہے اور حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس نے انسان کو جس طرح بے پایاں صلاحیتیں دے کر پیدا کیا اور اس کیلئے ربوبیت کا وسیع دسترخوان بچھایا۔ اس کی صلاحیتوں کو فروغ دینے کیلئے وسیع امکانات کا دروازہ کھولا۔ اس کو صرف حواس ہی عطا نہیں کئے بلکہ جوہرِ عقل طلب و جستجو اور تحقیق و تسخیر کی بے پایاں قوتوں سے بھی نوازا۔ تو کیا یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو محض اس سے ایک کارِ عبث انجام دینا تھا۔ محض اسے ایک تفریح چاہیے تھی جس کیلئے کائنات کا کھلونا بنایا گیا۔ ایسا ہرگز نہیں، یہ دنیا نہ تو کوئی باطل کارخانہ ہے اور نہ کسی کھلنڈرے کا کھیل ہے۔ اور نہ اس کو باطل پیدا کیا گیا ہے۔ بلکہ اس کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور اس حق کے ظہور کیلئے قیامت کا دن مقرر کیا جس میں ہر شخص اپنی نیکی کا صلہ پائے گا اور جس نے بدی کمائی ہوگی وہ اس کی سزا بھگتے گا۔ اسی لئے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا گیا اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ”کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کر دیا ہے اور تم ہماری طرف پلٹائے جانے والے نہیں ہو۔“ البتہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے یعنی جو اس دنیا کو بازیچۂ اطفال سمجھتے ہیں اور جو آخرت کے منکر ہیں ان کے نزدیک یہ دنیا ہی سب کچھ ہے۔ وہ اس دنیا میں کئے جانے والے ہر عمل کو دنیا تک ہی محدود سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہیں کی خوشیاں اور یہیں کے غم حاصلِ زندگی ہیں۔ کوئی دوسری زندگی آنے والی نہیں جس میں انسان کو اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی پڑے۔ ان کا گمان یقیناً یہ ہے کہ یہاں کی کسی نیکی کی کوئی جزاء نہیں اور کسی برائی کی کوئی سزا نہیں۔ یعنی نیکی اور بدی کے درمیان سرے سے کوئی امتیاز ہی نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی اس طرح گزارتے ہیں کہ جس میں انہیں جزاء اور سزا کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کا انجام دوزخ کی ہلاکی کے سوا اور کچھ نہیں۔ وہ یقیناً جہنم میں جھونکے جائیں گے۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۡ
اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

(کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور ان کو جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یکساں کر دیں گے، کیا ہم متقیوں کو فاجروں جیسا بنا دیں گے۔ ۲۸)

Marfat.com

آخرت سے انکار کا نتیجہ

یہ نتیجہ ہے آخرت سے انکار کرنے والوں کی فکر کا، کہ اگر ان کی اس بات کو مان لیا جائے کہ دنیا میں جس شخص نے نیکی کی اس کا کوئی صلہ نہیں، اور جس نے برائی کی اس کی کوئی سزا نہیں۔ کیونکہ دنیا میں ہر نیکی کی جزاء نہیں ملتی۔ اور ہر برائی کی سزا ممکن نہیں ہوتی۔ کتنے ایسے بڑے بڑے مجرم ہیں جو کبھی گرفت میں نہیں آتے۔ اور اگر گرفت میں آ جائیں تو قانون ان کے اثر ورسوخ کے سامنے بے بس ہو کے رہ جاتا ہے۔ اور کتنے ایسے خلقِ خدا کی بھلائی کے کام کرنے والے لوگ ہیں جنہیں کبھی دنیا میں تعریف سے یاد نہیں کیا جاتا۔ اور اگر کوئی نیکی چھپا کر کی گئی ہے تو اہلِ دنیا اس کے کرنے والے سے باخبر تک نہیں ہوتے۔ اور کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک مجرم اپنے جرم میں پکڑا بھی جاتا ہے لیکن جرم کے مطابق اسے سزا دینا عدالت کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ اس نے کوئی پٹڑی اکھاڑ دی، سینکڑوں انسان حادثے کا شکار ہو گئے، بم بلاسٹ کر دیا، کئی جانیں ضائع ہو گئیں، عدالت اسے زیادہ سے زیادہ ایک جان کے بدلے میں پھانسی پر لٹکا سکتی ہے، باقی جانوں کی قیمت کون ادا کرے گا؟ جو لوگ آخرت کو تسلیم کرتے ہیں ان کیلئے تو اطمینان کی بات یہ ہے کہ یہاں اگر جزاء نہ ملی تو ہم اس کے طالب ہی کہاں ہیں، ہمیں تو آخرت میں جزا ملنی چاہئے۔ اور اگر مجرموں کو یہاں سزا نہیں ملی تو کوئی بات نہیں، آخرت میں جس عدالت سے واسطہ پیش آنے والا ہے اس کی نگاہوں سے کسی کا جرم مخفی نہیں۔ نہ کوئی مجرم اس کے اختیار کو چیلنج کر سکتا ہے۔ ہر کوئی اس کے سامنے بے بس ہوگا اور اپنے انجام کو پہنچے گا۔ لیکن آخرت کے منکرین کے پاس اس مشکل کا کوئی حل نہیں کہ اگر نیکی کی جزاء نہیں تو پھر دنیا میں نیکی کا اور محرک کیا ہے؟۔ آخر لوگ نیکی اور بھلائی کیلئے کیوں قربانی دیں گے اور کیوں تکلیفیں اٹھائیں گے۔ اور اگر آخرت کی سزا نہیں تو پھر دنیا کی سزاؤں سے بے نیاز لوگ آخر کس کے ڈر سے جرائم چھوڑیں گے۔ پھر تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دنیا ایک اندھیر نگری ہے اور اس کا کوئی حکمران نہیں۔ اور اگر کوئی حکمران ہے اور وہ نیک اور بد دونوں کے ساتھ ایک ہی جیسا سلوک کرتا ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل بے بس اور بے خبر ہے اور یا نہایت احمق اور ناانصاف ہے۔ ظاہر ہے یہ دونوں باتیں اللہ کریم کیلئے تصور میں بھی نہیں لائی جاسکتیں کیونکہ وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ قرآنِ کریم میں بعض دوسرے مقامات پر بھی نہایت واضح انداز میں اس مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ''کیا گمان کر رکھا ہے ان لوگوں نے جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا کہ ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ان کا جینا اور ان کا مرنا برابر کر دیں گے، برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔''

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

(یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تا کہ یہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور عقل رکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔ ۲۹)

Marfat.com

نزولِ قرآن کا مقصد

آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ انہی حقائق کی یاددہانی اور تفہیم کیلئے ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب اتاری ہے۔ اور اس کتاب کا وصف یہ ہے کہ یہ مبارک ہے۔ برکت کا لفظ اضافے کیلئے بولا جاتا ہے اور جب کتابِ ہدایت کیلئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد لغوی طور پر بھی افزائشِ خیر و سعادت ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی کتابیں انسانوں کو خیر و سعادت پر قائم کرنے کیلئے آتی ہیں جس سے ان کی دنیا بھی بنتی ہے اور آخرت میں بھی سرخروئی نصیب ہوتی ہے۔ اور کتاب کے ذریعے وہ اصول دیئے جاتے ہیں جو انسانی زندگی کی ترقی، افزائش اور بہتری کیلئے سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی، اور اجتماعیت کا تعلق کسی بھی شعبہ زندگی سے ہو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہر مقام پر رہنمائی دیتی اور انسان کی معنوی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔ وہ نہ تو انسانی زندگی میں مصنوعی اضافہ ہونے دیتی ہے جس سے غلط فہمیوں کو راستہ ملے۔ اور نہ زندگی کو ان راستوں پر نکلنے دیتی ہے جہاں انسانیت حیوانیت کے دائرے میں داخل ہو جائے۔ انسان کیلئے صراط مستقیم کھولنا، پھر اس پر چلنے کی ترغیب دینا اور راہ کی مشکلات کو آسان بنانا اور قدم قدم پر نگرانی بھی کرنا اور رہنمائی بھی دینا یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا وہ عمل ہے جس نے اس کو مبارک بنا دیا ہے۔ لیکن اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کتاب کی رہنمائی کو قبول کرنے اور اس پر ایمان لانے والے اس کی آیات پر غور و فکر کریں۔ یعنی اپنے ہوش و خرد کو دوسرے ذرائع کے حوالے کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر غور و فکر کرنے کا ذریعہ بنائیں۔ وہ جیسے جیسے تدبر کے عمل کو جاری رکھیں گے ویسے ویسے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حکمتیں ان پر کھلتی جائیں گی اور عقل کی سیرابی کی ضرورت بھی پوری ہوتی جائے گی۔ اور دوسرا کام یہ ہے کہ عقل والے صرف غور و فکر ہی نہ کریں بلکہ وہ اس سے نصیحت اور یاددہانی حاصل کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب بیک وقت عقل کو جلا بھی بخشتی ہے اور دل کو نور بھی مہیا کرتی ہے۔ عقل کی پیدا کردہ الجھنوں کا حل بھی اس میں موجود ہے اور دلوں کی بے تابیوں اور بے قراریوں کیلئے تسکین بھی اسی کتاب میں ہے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ؕ ﴿۳۰﴾

(اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا، کیا خوب بندہ تھا، بیشک وہ اپنے اللہ کی طرف بہت ہی رجوع کرنے والا تھا۔ ۳۰)

حضرت سلیمانؑ کا حقیقی کمال عبدیت ہے

حضرت داؤد علیہ السلام کی سرگزشت کے بعد اب حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر شروع کیا جا رہا ہے۔ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کی کسی خوبی اور بڑائی کو ذکر کرنے اور ان کے کسی کمال کا حوالہ دینے سے پہلے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا تھا۔ اس سے شاید اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ سلیمان درحقیقت حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادات، اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بے پناہ اشتغال، اپنے فیصلوں میں خلقِ خدا کے ساتھ عدل و احسان اور ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف انتہا درجے کے رجوع کے صلے کے طور پر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔

Marfat.com

دوسری بات اس آیت سے جونمایاں ہوتی دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شہرت ان کے خوارق وعجائب کی وجہ سے ہے۔قرآنِ کریم نے بھی جابجا ان کا ذکر کیا ہے اور تورات نے بھی اس کے ذکر میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض لوگوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا نبی ماننے کے باوجود ساحر قرار دے دیا اور آپ کے تمام کمالات کو عطائے خداوندی کی بجائے سحر کا نتیجہ سمجھا۔اس لئے پروردگار نے اس گمراہی کے تدارک کیلئے ان کے کسی کمال کو ذکر کرنے کی بجائے ان کی جو حقیقت میں سب سے بڑی صفت تھی اس کا ذکر فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بہترین عبد تھے۔یعنی ان کے کمالات اپنی جگہ،ان کا اعتراف یقیناً ہم پر لازم ہے،لیکن ان کی اصل عظمت یہ ہے کہ وہ تمام کمالات رکھتے ہوئے بھی عبدیت کے اعلیٰ نمونہ تھے۔اور یہی انسان کا اصل جوہر اور مقصدِ زندگی ہے۔اسی کو پیدا کرنے اور نمایاں کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے نبی دنیا میں تشریف لاتے رہے۔لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہوگا کہ ان کی عبدیت کی شہادت ان کے اعمال تو دے ہی رہے تھے،پروردگار نے بھی دی۔اور شاید اس سے بڑا کمال اور کوئی نہ ہو کہ آقا اپنے بندے کے بارے میں یہ کہے کہ وہ بہت خوب بندہ ہے۔پھر اسی کمال کو مزید مبرہن کرنے کیلئے ارشاد فرمایا کہ سلیمان بہترین بندہ تو تھے ہی اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر وہ اوّاب بھی تھے،ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے والے۔اگر کبھی وہم بھی ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے لو لگانے اور اس کی یاد دل میں اتارنے یا اس کے کسی حکم کی تعمیل میں ذرہ بھر بھی کوتاہی ہوئی ہے تو وہ بے ساختہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گر پڑتے تھے۔اس لحاظ سے وہ اپنے والد ماجد کا ہو بہو عکس تھے۔کیونکہ ان کی تعریف میں بھی پروردگار نے یہی لفظ استعمال فرمایا ہے۔اور ایک بندے کی اس سے بڑی بندگی اور کیا ہوسکتی ہے جو اسے اپنے آقا کے اور قریب کردے کہ وہ اپنی ذراسی غفلت پر بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح ڈھیر ہوجائے کہ اس وقت تک سر نہ اٹھائے جب تک کہ قبولیت کی ٹھنڈک دل میں اتر نہ جائے۔ماہر القادری نے بالکل ٹھیک کہا:

اس دل پہ خدا کی رحمت ہو جس دل کی یہ حالت ہوتی ہے
اک بار خطا ہو جاتی ہے سو بار ندامت ہوتی ہے

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

(اس وقت کو یاد کرو جب شام کے وقت حضرت سلیمان کے سامنے اصیل اور عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے۔ ۳۱) تو اس نے کہا کہ میں نے دوست رکھا ہے مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد کی وجہ سے یہاں تک کہ سورج پردے میں چھپ گیا۔ ۳۲) انہیں میرے پاس واپس لاؤ،پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ ۳۳)

Marfat.com

آیت کی تفسیر میں اختلاف اور نقطۂ اعتدال

گزشتہ رکوع میں حضرت داؤد علیہ السلام کی سب سے بڑی صفت اوابیّت کو بیان فرمایا گیا۔ اور پھر اس پر ایک مثال بیان فرما کر ان کی اس حیثیت کو مستحکم کر دیا گیا۔ اس رکوع میں ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اس طرح پیش کیا گیا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالکل اپنے والد ماجد کے کمالات کا عکس ہیں۔ جس طرح ان کا سب سے بڑا وصف اوّاب ہونا تھا، اسی طرح بیٹا بھی اسی کمال کا حامل تھا۔ اور پھر ان کے اوّاب ہونے کی مثال بیان کی گئی ہے تاکہ ان کی سیرت کا یہ پہلو نمایاں ہو سکے۔

مفسرین نے پیشِ نظر آیاتِ کریمہ میں بیان کردہ وصف کیلئے مختلف تعبیریں اختیار کی ہیں جو آیات کے الفاظ سے مترشح ہوتی۔ اور بعض روایات سے مؤید ہوتی ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک آیات کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے معائنہ میں اس قدر مشغول ہوئے کہ عصر کی نماز قضاء ہوگئی یا کوئی وظیفہ جو اس وقت پڑھا کرتے تھے وہ چھوٹ گیا۔ آپ کو جیسے ہی احساس ہوا تو آپ نے گھوڑوں کو واپس لانے کا حکم دیا اور اس تغافل کی تلافی کیلئے تمام گھوڑوں کو ذبح کر ڈالا کہ ان کی وجہ سے یادِ الٰہی میں خلل واقع ہوا ہے۔

ان مفسرین نے تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ سے سورج کا غروب ہونا مراد لیا ہے۔ اور اس میں ایسی کوئی بات نہیں جسے قبول کرنا مشکل ہو۔ کیونکہ الشّمس جو "توارت" کا فاعل ہے وہ یہاں محذوف ہے۔ اور عربی میں مشہور و معروف چیزوں کیلئے فعل کو اس طرح لانا ایک معمول کی بات ہے۔ البتہ اس تفسیر پر بعض لوگوں نے دو اعتراضات وارد کئے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ گھوڑوں کے معائنے میں اس طرح کھو جانا کہ عصر کی نماز ہی ذہول کا شکار ہو جائے، یقیناً حُبِ مال اور حُبِ دنیا پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ گھوڑے بھی دنیا کے مال و متاع میں شامل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسول سے مال کی محبت میں ایسی وارفتگی، قبول کی جانے والی بات نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا مزاج ہر لحاظ سے اعتدال کی تصویر ہوتا ہے۔ نہ اس پر نسیان کا غلبہ ہوتا ہے اور نہ اشتغال کا۔ چنانچہ اس کا جواب دیتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ خود آیتِ کریمہ میں اس آیت کا جواب موجود ہے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے قرآنِ کریم کی زبان میں یہ فرمایا کہ میں نے مال کی محبت کو صرف اپنے رب کی یاد کی وجہ سے دوست رکھا ہے۔ یعنی یہ گھوڑے چونکہ جہادی گھوڑے ہیں جن کی زندگیوں کا مقصد اعلائے کلمۃ الحق ہے، اس لئے ان سے محبت کلمۂ حق سے محبت کرنے کے مترادف ہے۔ جو یقیناً دنیا سے محبت نہیں بلکہ دین سے محبت کا نتیجہ ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب احساس ہوا کہ میں گھوڑوں کی محبت میں اس طرح کھو گیا کہ عصر کی نماز قضا ہوگئی۔ تو آپ نے ان تمام گھوڑوں کو ذبح کر ڈالا۔ یہ بلاشبہ ضیاعِ مال ہے، جس کا عام آدمی کیلئے بھی کوئی جواز نہیں، چہ جائیکہ اس کا ارتکاب ایک اللہ کے رسول سے ہو۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ درحقیقت غلبۂ حال سے مغلوبیت کا ایک واقعہ ہے اور شدید احساس میں ایسا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ حضرت عمر فاروق ؓ ایسے ہی غلبۂ حال سے مغلوب ہو کر نبی کریم ﷺ کے انتقالِ پُرملال کا اس وقت تک انکار کرتے رہے جب تک حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کے سامنے قرآنِ پاک کی آیت نہیں پڑھی۔ اور ویسے بھی علامہ سیوطی نے معجم طبرانی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے عن ابی بن کعب عن النبی ﷺ فی قوله فطفق مسحا بالسوق و الاعناق قال قطع سوقها و اعناقها بالسیف علامہ سیوطی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ اس حدیث مرفوع کی وجہ سے اس تفسیر کو یقیناً ایک

Marfat.com

اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ جن آئمہ تفسیر نے اس سے اختلاف کیا ہے ان میں حضرت ابن عباسؓ جیسے ترجمان القرآن بھی موجود ہیں تو پھر اس حدیث کے بارے میں یقیناً یہ سمجھا جائے گا کہ اس حدیث کا حسن ہونا علامہ سیوطی کی رائے تو ہے لیکن دوسرے اہلِ علم اس سے اختلاف کرتے ہیں، ورنہ وہ کبھی اس سے مختلف تفسیر نہ کرتے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے جو تفسیر منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جب وہ گھوڑے معائنہ کیلئے پیش کیے گئے جو جہاد کیلئے تیار کیے گئے تھے تو حضرت سلیمان علیہ السلام انہیں دیکھ کر اس قدر مسرور ہوئے کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے ان گھوڑوں سے جو محبت اور تعلقِ خاطر ہے وہ دنیا کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے پروردگار ہی کی یاد کی وجہ سے ہے، کیونکہ یہ جہاد کیلئے تیار کیے گئے تھے۔ جب وہ گھوڑے ریس میں دوڑتے ہوئے آپ کی نگاہوں سے روپوش ہو گئے تو آپ نے حکم دیا کہ انہیں دوبارہ سامنے لایا جائے۔ چنانچہ جب وہ دوبارہ سامنے آئے تو آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی یہ تفسیر زیادہ قرینِ صواب معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ قرآنِ مجید کے الفاظ سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔ اس میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جس کی توجیہ کرنے کی ضرورت پیش آئے اور جس مقصد کیلئے یہ مثال دی گئی ہے وہ بھی اس سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ بتلانا صرف یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کیسے بہترین بندے تھے۔ وہ ہر وقت اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے اور حتی المقدور لو لگانے والے تھے۔ ہم نے انہیں کیسی عظیم نعمتوں سے نوازا، اقتدار کی بلندیوں تک پہنچایا اور حکومت و ریاست کو ہر طرح کی قوت اور ہیبت سے مستحکم کیا۔ بایں ہمہ اسے دنیا اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی۔ اپنے عظیم جہادی دستے کو دیکھ کر بھی اسے اللہ تعالیٰ ہی کی یاد آئی اور اسی کے دین کی سربلندی کو ہمیشہ اپنی ترجیح بنایا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾

(اور ہم نے سلیمان کو بھی آزمایا اور ڈال دیا اس کے تخت پر ایک دھڑ، پھر اس نے رجوع کیا۔ ۳۴)

آیت کی تفسیر میں اشکال اور ابنِ کثیر کی رائے

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عبدیت، اوابیت اور انابت الی اللہ کی ایک اور مثال بیان فرمائی گئی ہے۔ اس سے بتانا صرف یہ مقصود ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود اس کے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے دور کے سب سے بڑے حکمران تھے۔ شوکت اور طاقت ان کے نام کا لاحقہ ہو کر رہ گئی تھیں۔ بڑے سے بڑا دشمن ان کے نام اور عظمت سے گھبراتا تھا۔ لیکن جب بھی ان سے کوئی لغزش ہوئی تو جیسے ہی متنبہ ہوا تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک گئے۔ ان کا تمام تر جاہ و جلال دین کے دشمنوں کیلئے تھا، اپنے رب کے سامنے وہ عبدیت اور انابت کی بہترین تصویر تھے۔ لیکن اس آیتِ کریمہ میں اس لغزش کو اتنے ملفوف انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کا کھولنا چنداں آسان نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مقام قرآنِ مجید کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے۔ حتمی طور پر اس کی کوئی تفصیل بیان کرنے کیلئے ہمیں کوئی یقینی بنیاد نہیں ملتی۔ تفصیلات نہ قرآنِ کریم میں موجود ہیں اور نہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہیں۔ اس لئے بعض محقق مفسرین مثلاً حافظ ابنِ کثیر جیسے لوگوں کا رجحان یہاں بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم نے جس بات کو مجمل چھوڑا ہے اس کی تفصیلات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس اتنی بات پر ایمان رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کسی

Marfat.com

آزمائش میں مبتلا کیا تھا جس کے نتیجے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انابت وعبدیت پہلے سے بھی بڑھ گئی۔اور اللہ تعالیٰ سے آپ کی اولیّت اور زیادہ مستحکم ہوگئی۔اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب بڑے سے بڑا اللہ تعالیٰ کا رسول بھی آزمائش سے ماورا نہیں تو ہم کس شمار و قطار میں ہیں۔اور اگر کبھی ایسی کسی آزمائش سے سابقہ پڑ ہی جائے تو ایک بندے کی بندگی کا کمال یہ ہے کہ وہ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اس سے معافی مانگے، استغفار کرے اور اس طرح سے اپنے رب کو راضی کرلے۔

یہ عافیت کا وہ راستہ ہے جس کی طرف علامہ ابنِ کثیر نے رہنمائی فرمائی ہے۔لیکن تجسس پسند طبیعتیں اس پر اکتفا نہیں کرتیں۔اس لئے اس آیت کی تفسیر میں بھی لوگوں نے اپنے اپنے طریقے سے تفصیلات مہیا کرنے کی کوشش کی۔ایک گروہ کا کہنا یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے یہ قصور ہوا تھا کہ ان کے محل میں ان کی ایک بیوی چالیس دن تک بت پرستی کرتی رہی اور وہ بے خبر رہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک شیطان ان کی انگوٹھی چرانے میں کامیاب ہوگیا۔اور یہی وہ انگوٹھی تھی جس کی بدولت وہ جن وانس اور ہواؤں پر حکومت کرتے تھے۔چنانچہ انگوٹھی ہاتھ سے جاتے ہی آپ کا سارا اقتدار جاتا رہا۔اور چالیس دن تک آپ دربدر کی ٹھوکریں کھاتے رہے اور وہ شیطان آپ کی تصویر اختیار کئے آپ کے تخت پر بیٹھا حکومت کرتا رہا۔آپ کی کرسی پر ایک دھڑ ڈال دینے سے مراد یہی شیطان ہے جو آپ کے تخت پر براجمان ہو کر حکومت کے اختیارات استعمال کرتا رہا۔آخر کار سلطنت کے اعیان واکابر اور علماء کو اس شیطان کی کارروائیوں سے شبہ ہوا تو انہوں نے اس شیطان کے سامنے تورات کھول کر رکھی اور وہ ڈر کر بھاگ نکلا۔بھاگتے ہوئے انگوٹھی اس نے سمندر میں پھینک دی جسے ایک مچھلی نے نگل لیا۔پھر اتفاق سے وہ مچھلی حضرت سلیمان علیہ السلام کو مل گئی۔اس کا پیٹ چاک کرنے پر وہ انگوٹھی نکل آئی۔بس اس کا ہاتھ آنا تھا کہ جن وانس سب سلام کرتے ہوئے آپ کے سامنے آحاضر ہوئے۔یہ وہ افسانہ ہے جو اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا جاتا ہے جو سراسر خرافات پر مشتمل ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام کے تمام کمالات اور آپ کے تمام اختیارات کسی انگشتری کا کرشمہ نہ تھے بلکہ وہ سراسر اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کی عنایت تھی۔اللہ تعالیٰ نے کسی جن یا شیطان کو یہ طاقت عطا نہیں فرمائی کہ انبیائے کرام کی شکل اختیار کرکے خلقِ خدا کو گمراہ کرتا پھرے۔یہ سراسر اسرائیلی تصورات اور خرافات ہیں۔یوں تو انہوں نے ہر پیغمبر کے بارے میں ایسی لایعنی باتیں اپنی کتابوں میں لکھی ہیں جنہیں کوئی ایسا شخص جو آسمانی کتابوں کے مزاج سے واقف ہے اور تاریخِ مذاہب پر اس کی نظر ہے باور نہیں کرسکتا۔لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں یہود نے بطورِ خاص ایسی ایسی باتیں لکھی ہیں کہ جن سے ان کے خبثِ باطن کا اندازہ ہوتا ہے۔علامہ ابنِ کثیر ایسی ہی روایات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ (اہلِ کتاب میں ایک جماعت ایسی ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبی نہیں مانتی، پس ظاہر یہ ہے کہ یہ جھوٹے قصے انہیں لوگوں نے گھڑے ہیں) (تفسیر ابنِ کثیر ص ۳۶۔ج ۴)۔لہٰذا اس قسم کی روایات کو ان قرآنی آیات کی تفسیر کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

بخاری اور مسلم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپؑ نے ایک ہی رات میں اپنی تمام بیویوں کے پاس اس ارادے سے جانے کی قسم کھائی کہ ہر بیوی سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرے گا۔مگر آپ نے اس پر ان شاءاللہ نہیں کہا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی سے ایک ادھورا بچہ پیدا ہوا، جسے کسی خادم نے جا کر آپ کے تخت پر رکھ دیا۔یہ گویا آپ کیلئے تنبیہ تھی کہ آپ نے چونکہ اس کام کرنے سے پہلے ان شاءاللہ نہیں کہا، اس لئے اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ بات پسند نہیں آئی۔اور یہ ادھورا بچہ دراصل آپ کی فروگزاشت پر تنبیہ تھا۔

Marfat.com

بعض اہلِ تفسیر نے اس واقعہ کو پیشِ نظر آیتِ کریمہ کی تفسیر کے طور پر پیش کیا۔ ان مفسرین میں بعض بڑے نام بھی شامل ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ کو اس آیت کی تفسیر قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ جتنی روایات میں آیا ہے ان میں کہیں اس بات کی کوئی علامت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو زیرِ بحث آیت کی تفسیر میں ذکر فرمایا ہو۔ امام بخاری نے بھی یہ حدیث کتاب الجہاد، کتاب الانبیاء اور کتاب الایمان والنذور وغیرہ میں تو متعدد طریقوں سے نقل کی ہے۔ لیکن کتاب التفسیر میں سورۃ صٓ کی تفسیر کے تحت اسے کہیں ذکر نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی نصیحت کے ضمن میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ جیسے دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعدد واقعات بھی آپ نے وقتاً فوقتاً بیان فرمائے ہیں۔ اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ یہ واقعہ محض ایک واقعہ ہے، کسی آیت کی تفسیر نہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرامؓ سے ایسی کوئی بات منقول نہیں جسے اس آیت کی تفسیر کہا جا سکے۔ آئمہ تفسیر نے جتنی باتیں کہی ہیں وہ سب قیاسی ہیں۔ امامِ رازی نے قیاس سے کام لیتے ہوئے ''جسد'' سے خود حضرت سلیمان علیہ السلام کو مراد لیا ہے اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ آپ شدید بیماری کے باعث اس قدر لاغر ہو گئے تھے کہ جب ان کو تخت پر لا کر بٹھایا گیا تو وہ ایک ادھورا دھڑ سا معلوم ہو رہے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت دی۔ لیکن متذکرہ بالا آیت کے الفاظ اس کا ساتھ نہیں دیتے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کوئی قصور سرزد ہوا تھا، اس قصور پر آپ کو تنبیہ اس شکل میں فرمائی گئی کہ آپ کے تخت پر ایک ''جسد'' لا کر ڈالا گیا۔ اور جب آپ کو اپنے قصور کا احساس ہوا تو آپ نے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اپنے قصور کی معافی مانگی۔

بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ اس آیت سے بعد کی آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہی ہے اور پھر ایسی حکومت کی استدعا کی ہے کہ جیسی حکومت پھر کسی اور کو نہ ملے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ ان کے بعد ان کا بیٹا جانشین ہو۔ اور حکومت و فرماں روائی آئندہ انہیں کی نسل میں باقی رہے۔ کیونکہ وہ زمانہ بادشاہوں اور ملوک کا زمانہ تھا۔ عوام کے اقتدار کا ابھی کوئی تصور پیدا نہیں ہوا تھا۔ مذہب نے صرف یہ کیا کہ حکمرانوں کو اللہ تعالیٰ کا نائب قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو نافذ کرنا اور لوگوں کے تنازعات میں حق اور انصاف کے مطابق فیصلے کرنا اور کسی بھی معاملے میں اپنی پسند و ناپسند اور خواہشِ نفس کو دخیل نہ ہونے دینا اور اختیارات اور بیت المال کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھ کر بندوں کے اس میں حقوق ادا کرنا جیسی ہدایات دے کر بادشاہوں کو اللہ تعالیٰ کا سایہ بنا دیا تھا۔ وقت کے چلن کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں بھی اولاد کی حکومت کی آرزو پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کو ان کے حق میں فتنہ قرار دیا۔ اور اس پر وہ اس وقت متنبہ ہوئے جب ان کا ولی عہد ایک ایسا نالائق نوجوان بن کر اٹھا کہ جس کے طور اطوار یہ بتانے کیلئے کافی تھے کہ وہ اپنے والد ماجد اور اپنے جدِ امجد کی سلطنت کو چند دنوں میں تباہ کر کے رکھ دے گا۔ قرآنِ کریم نے اسی نالائق بیٹے کو یہاں ''جسد'' قرار دیا ہے۔ اور آپ کو احساس دلا دیا کہ آپ جس بیٹے کے اقتدار کی تمنا رکھتے ہیں وہ ایک کندۂ ناتراش ہے۔ تب حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنی غلطی پر تنبہ ہوا اور آپ نے اپنی خواہش سے رجوع کر لیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر درخواست کی کہ بس یہ بادشاہی مجھ ہی پر ختم ہو جائے، میں اپنے بعد اپنی نسل میں بادشاہی جاری رکھنے کی تمنا سے باز آیا۔ یاد رہے کہ یہ تفسیر بھی محض قیاسی تفسیر ہے اسے اس آیت کی یقینی اور حتمی تفسیر قرار دینا مشکل ہے۔ لیکن جس مقصد کیلئے یہ واقعات لائے جا رہے ہیں وہ بالکل واضح ہے کہ انسان جب بھی کسی مصیبت یا آزمائش میں مبتلا ہو تو اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح پہلے سے زیادہ رجوع الی اللہ کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔

Marfat.com

قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ﴿۳۵﴾

(حضرت سلیمان نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے معاف فرمادے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کیلئے سزاوار نہ ہو، بے شک تو بڑا ہی بخشنے والا ہے۔ ۳۵)

حضرت سلیمانؑ کی دعا کی صحیح مراد

اس آیتِ کریمہ سے پہلی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جیسے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنی فروگزاشت پر تنبہ ہوا تو آپ نے فوراً اپنے رب کی طرف رجوع کیا اور بے ساختہ پکار اٹھے کہ الٰہی مجھ سے جو بھی قصور ہوا ہے مجھے اپنے فضل و کرم سے معاف فرمادیجئے۔ میرے دل میں اگر اولاد کی حکومت کی خواہش پیدا ہوئی تھی تو میں اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور اس پر استغفار کرتا ہوں۔ البتہ دشمنانِ دین کی سرکوبی اور علائے کلمۃ الحق کیلئے مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو کسی اور کیلئے سزاوار نہ ہو۔ بعض اہلِ تفسیر نے بعدی سے غیری مراد لیا ہے کہ ایسی سلطنت مجھے عطا فرمائی جائے کہ میرے سوا کوئی اور شخص اس کا سزاوار نہ ہو۔ یعنی میرے اپنے زمانے میں بھی سلطنت کے رعب و دبدبہ میں بینظیر سمجھا جاؤں اور کسی دشمن کو بھی میرے ملک کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ ہو۔ اور بعض اہلِ تفسیر نے بعدی سے میرے بعد ہی مراد لیا ہے کہ میرے بعد بھی کسی کو ایسی عظیم الشان حکومت حاصل نہ ہو۔ چنانچہ واقعہ بھی یہی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی آج تک کسی بھی بڑے سے بڑے حکمران کو وہ جاہ و جلال نصیب نہ ہو سکا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو حاصل تھا۔ کیونکہ دنیا میں کوئی حکمران ایسا نہیں گزرا جس نے پرندوں پر حکومت کی ہو، جنات جس کیلئے مسخر کر دیئے گئے ہوں اور ہوائیں اس کے حکم کے مطابق چلتی ہوں۔

اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ "بے شک تو سب سے بڑا بخشنے والا ہے" اصل زور اس آخری جملے پر ہے کہ میں تیرا عاجز بندہ ہوں، میں ایسا کوئی استحقاق نہیں رکھتا جس کے حوالے سے میں آپ سے کوئی درخواست کرسکوں۔ تو نے پہلے بھی جو دیا وہ سراسر عطا اور بخشش تھی۔ اور اب بھی جو عطا فرمائے گا وہ صرف تیری دین ہوگی۔ اور اسی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ میں جو ایک غیر معمولی حکومت کیلئے ہاتھ پھیلا رہا ہوں تو اس سے مقصود نہ اپنی ذات کی نمود ہے نہ اظہارِ تفاخر، بلکہ مقصود ان مقاصدِ عالیہ کو حاصل کرنا ہے جن کی ذمہ داری تو نے اپنے رسولوں پر ڈالی ہے۔ پروردگار نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو جو کچھ عطا فرمایا اگلی آیات میں اس کی طرف اشارات فرمائے گئے ہیں۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾

(تو ہم نے تابع کر دیا اس کیلئے ہوا کو، جو اس کے حکم سے نرمی کے ساتھ چلتی تھی، جدھر وہ پہنچنا چاہتا تھا۔ ۳۶) اور سرکش جنوں کو بھی ہم نے اس کے تابع کر دیا ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور۔ ۳۷) اور بہت سے دوسرے جنوں کو جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ۳۸)

Marfat.com

آزمائش میں پورا اترنے پر نوازشات

حضرت سلیمان علیہ السلام جب آزمائش میں پورے اترے اور انہوں نے اپنی عبدیت، اولیّت اور انابت کو پوری طرح ثابت کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حکومت کی طاقت اور ہیبت میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ ہواؤں پر آپ کو ایسا تصرف بخشا جو اس سے پہلے کسی کو حاصل نہ ہوا تھا۔ اسی وجہ سے آپ کی بحری قوت آپ کے زمانے کی سب سے بڑی بحری قوت اور آپ کا بحری بیڑہ اپنے زمانے کا سب سے طاقتور بیڑہ تھا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ انہیں نہ کبھی ہوا کی کمی کا مسئلہ درپیش ہوتا، نہ اس کی شدت کا، وہ سخت سے سخت طوفانی ہواؤں کا بھی نہایت کامیابی سے مقابلہ کرتے۔ ہوا کیسی بھی زوردار ہوتی وہ ہمیشہ ان کیلئے بادِ موافق بن کر چلتی۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ انبیاء میں جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا کو مسخر کرنے کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اَلرِّيْحَ عَاصِفَةً یعنی بادِ تند کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور پیشِ نظر آیت میں تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً (وہ اس کے حکم سے نرمی کے ساتھ چلتی تھی) کے الفاظ آئے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض پایا جاتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بادِ تند ہو یا بادِ نرم، اس کا کام یہ ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ضرورت کے مطابق ان کے تجارتی بیڑوں میں اپنی ڈیوٹی انجام دے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جہاں کا بھی قصد کرتے تھے وہ بے روک ٹوک فصل و موسم کا انتظار کیے بغیر ان کے حسب حال اپنی خدمت انجام دیتی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے سفر کیلئے جیسے چاہتے اس کو سازگار بنا لیتے۔

اس کے ساتھ ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں شریر جنوں کو بھی پابند کر دیا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو جنات آپ پر ایمان لا چکے تھے وہ تو ایمان کی وجہ سے آپ کے تابع فرمان تھے، لیکن جو آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے انہیں آپ کیلئے مسخر کر دیا گیا تھا۔ آپ ان سے جس طرح کی خدمت چاہتے تھے، لیتے تھے۔ ان میں نہایت ماہر معمار بھی تھے اور غوطہ خور بھی۔ معماروں کو بلند عمارتیں اٹھانے پر لگایا گیا تھا اور غوطہ خور سمندر سے قیمتی جواہر اور موتی نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ رہے باقی جنات جو ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے ایمانی ثقافت و تربیت سے محروم تھے، انہیں مختلف کاموں کیلئے ریزرو فورس کی حیثیت سے زنجیروں میں باندھ کر رکھا گیا تھا تاکہ انہیں عندالضرورت استعمال کیا جا سکے۔ یہ ضروری نہیں کہ ان کی زنجیریں لوہے کی ہوں بلکہ وہ اپنی تخلیقی ہیئت کے مطابق جس طرح کی بیڑیوں میں باندھے جا سکتے تھے انہیں بیڑیوں سے انہیں باندھا جاتا تھا۔

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾

(یہ ہماری بے حساب بخشش ہے، پس احسان کرو یا روک لو۔ ۳۹) یقیناً اس کیلئے ہمارے پاس تقرب کا مقام اور بہترین مرجع ہے۔ ۴۰)

اللہ تعالیٰ کی بڑی سے بڑی بخشش بھی اس کی دین ہے

خاتمۂ کلام پر پروردگار نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے یہ فرمایا کہ تسخیر عناصر اور شیاطین کا قبضے میں دینا یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں جو آپ کی امیدوں اور توقعات سے کہیں بڑھ چڑھ کے ہیں۔ آپ نے کبھی خواب و خیال میں بھی اس کا تصور نہیں کیا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام پر کوئی قدغن نہیں۔ وہ اگر چاہے تو بے حساب بھی نوازتا ہے۔ البتہ ایک بات ضرور ہے کہ وہ بڑی سے بڑی

Marfat.com

بخشش پر بھی یہ تصور دیتا ہے کہ یہ ہماری عطا، ہماری بخشش اور ہمارا کرم ہے، لینے والا پیغمبر بھی کیوں نہ ہو وہ اس استحقاق کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے مزید یہ فرمایا کہ ہمارے یہ انعام واکرام کی بارش ایسی نہیں جس میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوسکے، بلکہ یہ سب کچھ آپ کے اختیار میں دے دیا ہے، آپ اس کے مالک ہیں، آپ کو اس پر پورا حقِ ملکیت حاصل ہے، آپ جسے چاہیں عطا کریں اور جس سے چاہیں ہاتھ روک لیں۔ آپ کے حقِ ملکیت کو کوئی چیلنج نہیں کرسکے گا۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ دنیا میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر عطا و بخشش کی جو بارش ہوئی ہے وہ تو یقیناً بے مثال ہے لیکن یاد رہے کہ آپ نے یہ سب کچھ پا کر جب خودسری اور استکبار کا رویہ اختیار نہیں کیا بلکہ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کے انعامات بڑھتے گئے، ویسے ویسے آپ کی عاجزی اور نیازمندی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ مقامِ قرب عطا فرمایا اور وہ بہترین مرجع دیا جس کا ظہور قیامت کے دن ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جس طرح استکبار سب سے مکروہ اور مبغوض عمل ہے، اسی طرح جو بندہ بڑائی اور عظمت کے سارے اسباب رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق ادا کرتا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے بچھتا چلا جاتا ہے اسے وہ مقامِ قرب عطا ہوتا ہے جس کا تصور بھی اس بندے کے نزدیک شاید مشکل ہو۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ
وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَ
وَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾
وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ
نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾
وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ
وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ
مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ
فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾

Marfat.com

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾
هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾
هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ هٰذَا
فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ
لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ
قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى
رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ
الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ ع

رکوع: ۴۔ (اور ہمارے بندے ایوب کا ذکر کرو جب اس نے اپنے رب سے فریاد کی کہ شیطان نے مجھے سخت تکلیف اور عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ ۴۱) (ہم نے اسے حکم دیا) کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کا بھی ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا بھی۔ ۴۲) اور ہم نے بخشے اسے اس کے اہل و عیال اور ان کے مانندان کے ساتھ اور بھی، اپنی طرف سے رحمت کے طور پر، اور عقل و فکر رکھنے والوں کیلئے درس کے طور پر۔ ۴۳) (اور ہم نے اس سے کہا) اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا لے، پھر اس سے مار دے اور اپنی قسم نہ توڑ، ہم نے اس کو نہایت صابر پایا، بہت خوب بندہ، بے شک اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا۔ ۴۴) اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا ذکر کرو جو قوت اور بصیرت رکھنے والے تھے۔ ۴۵) اور ہم نے انہیں امتیاز دیا ایک چنی ہوئی بات کا، اور وہ دارِ آخرت کی یاد تھی۔ ۴۶) اور وہ یقیناً ہمارے نزدیک برگزیدہ اور نیک بندوں میں سے ہیں۔ ۴۷) اور ذکر کرو اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل کا، ان میں سے ہر ایک اخیار میں سے تھے۔ ۴۸) یہ یاد دہانی ہے، بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے یقیناً بہترین ٹھکانہ ہے۔ ۴۹) ہمیشہ رہنے والی جنتیں جن کے دروازے ان کیلئے کھولے ہوئے ہوں گے۔ ۵۰) ان میں وہ تکیے لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے، اور بہت سے میوے اور مشروبات طلب کرتے ہوں گے۔ ۵۱) اور ان کے پاس شرمیلی ہم سن حوریں ہوں گی۔ ۵۲) یہ ہیں وہ چیزیں جنہیں حساب کے دن عطا کرنے کا تم سے

Marfat.com

وعدہ کیا گیا تھا۔ ۵۳) یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ ۵۴) یہ (تو ہے متقیوں کا انجام) اور بے شک سرکشوں کیلئے بدترین ٹھکانا ہوگا۔ ۵۵) یعنی جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے، پس کیا ہی بری قیام گاہ ہے۔ ۵۶) یہ ہے (اصل آرام گاہ، لیکن اب) وہ مزہ چکھیں کھولتے ہوئے پانی اور پیپ لہو۔ ۵۷) اور اسی قبیل کی دوسری چیزوں کا۔ ۵۸) یہ ایک لشکر تمہارے ساتھ گھسا چلا آ رہا ہے، خدا کی مار ان پر، یہ تو دوزخ میں پڑنے والے ہیں۔ ۵۹) (وہ سن کر) کہیں گے بلکہ تم، تم پر خدا کی مار، تمہیں نے ہمارے لئے یہ سامان کیا، کیسی بری ہے یہ جائے قرار۔ ۶۰) پھر وہ کہیں گے اے ہمارے رب، جن لوگوں نے ہمیں اس انجام کو پہنچانے کا بندوبست کیا، ان کو جہنم میں دُگنا عذاب دیجئے۔ ۶۱) اور وہ آپس میں کہیں گے کیا بات ہے، ہم ان لوگوں کو کہیں نہیں دیکھتے جنہیں ہم دنیا میں اشرار میں سے شمار کرتے تھے۔ ۶۲) کیا ہم نے یونہی ان کو مذاق بنایا تھا یا ان سے نگاہیں چوک رہی ہیں۔ ۶۳) بے شک اہلِ دوزخ کا آپس میں جھگڑا اور تو تکار واقعی حق اور امرِ واقعی ہے۔ ۶۴)

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۗ ﴿۴۱﴾

(اور ہمارے بندے ایوب کا ذکر کرو جب اس نے اپنے رب سے فریاد کی کہ شیطان نے مجھے سخت تکلیف اور عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ ۴۱)

حضرت ایوبؑ کا ابتلا اور آپ کا صبر

نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو ہر طرح کے حالات میں صبر و شکر اور ناگفتہ بہ حالات میں بہتری اور کامیابی کا یقین پیدا کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے آئندہ چند انبیائے کرام کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے، جس سے اندازہ ہوگا کہ انہوں نے کیسے نامساعد حالات میں صبر و شکر سے کام لیا اور مایوس ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ہی بہتری اور کامیابی کی امید رکھی۔ اور جب بھی مصائب نے حد درجہ آزردہ کیا اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے کا خطرہ پیدا ہوگیا تو اللہ تعالیٰ ہی سے رجوع کیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات بدلے، تکلیفیں دور فرمائیں اور فضل و انعام سے اس طرح نوازا کہ ان کا دولت و ثروت کا وہ زمانہ جو خواب و خیال ہو کر رہ گیا تھا عود کر آیا۔ ان میں سے پہلا واقعہ حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تذکرہ قرآنِ کریم میں اس سے پہلے بھی سورۃ النساء، سورۃ الانعام اور سورۃ الانبیاء میں گزر چکا ہے۔ اور ہم وہاں بقدرِ علم گزارشات پیش کر چکے ہیں۔ لیکن یہاں بھی تقریبِ فہم کیلئے چند باتیں پیشِ خدمت ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی شخصیت کا ذکر چونکہ قرآنِ کریم نے ایک سے زیادہ مرتبہ کیا ہے تو اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ان کے تاریخی شخصیت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ رہی یہ بات کہ ان کا وطن کیا تھا، کس قوم سے تعلق رکھتے تھے، قرآنِ کریم چونکہ اس طرح کی تفصیلات سے سروکار نہیں رکھتا اس لئے اس بارے میں کوئی حتمی بات کہنا مشکل ہے۔ کیونکہ جدید محققین میں سے کوئی انہیں اسرائیلی قرار دیتا ہے، کوئی مصری اور کوئی عرب۔ حضرت وہب بن منبہؒ نے انہیں حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے عیسو کی نسل سے قرار دیا ہے۔ لیکن ان کی اس اطلاع کا مرجع کیا ہے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ ان کے زمانے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض انہیں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے زمانے

Marfat.com

کا آدمی قرار دیتے ہیں۔ اور بعض انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے بھی پہلے کی شخصیت سمجھتے ہیں۔ لیکن ان سب قیاسات کی بنیاد اس سفرِ ایوب یا صحیفۂ ایوب پر ہے جو بائیبل کے مجموعۂ کتبِ مقدسہ میں شامل ہے۔ لیکن خود اس صحیفے کا حال یہ ہے کہ اس کے مضامین میں تضاد ہے اور اس کی بیان کردہ تفصیلات قرآنِ مجید کے بیان سے اس حد تک مختلف ہیں کہ انہیں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ قرآنِ کریم نے انہیں انتہائی صابر و شاکر، عبدیت کا پیکر اور اوّاب قرار دیا ہے۔ اور سفرِ ایوب سے قدم قدم پر ان کی بے صبری، ناشکری، اللہ تعالیٰ کی ذات پر بے اعتمادی اور ایک ٹوٹی ہوئی شخصیت کا اظہار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآنِ کریم تو انہیں ایک نمونے کی شخصیت کے طور پر پیش کرتا ہے، اگر ان کی شخصیت کی یہ صفات ہوتیں تو قرآنِ کریم انہیں کبھی بیان نہ کرتا۔ اس لئے کہ وہ تعمیرِ کردار کی کسی ضرورت کو پورا نہ کر سکتی تھیں۔ قرآنِ کریم کے بعض اشارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل ہی میں سے تھے۔ انہوں نے زندگی کے بہت سے انقلابات دیکھے، لیکن وہ ہر دور میں اور ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے انتہائی صابر و شاکر بندے ثابت ہوئے۔ اسی لحاظ سے ان کو یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

تکلیف کی شیطان کی طرف نسبت سے مراد

پہلی ہی آیت میں اس ابتلاء اور آزمائش کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت ایوب علیہ السلام مبتلاء کر دیئے گئے تھے۔ اور یہ آزمائش اس حد تک سنگین اور تکلیف دہ تھی کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے پروردگار سے اس تکلیف کی فریاد تو کی لیکن تکلیف کا انتساب پروردگار کی طرف نہیں کیا، بلکہ یہ کہا کہ مجھے شیطان نے سخت تکلیف اور عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس سے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو وسوسہ اندازی اور گمراہ کرنے کی بہت سی قوتیں عطا کی ہیں لیکن یہ اختیار اسے نہیں دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندے کو بیمار ڈال دے اور اسے جسمانی اذیتوں میں مبتلاء کر کے بندگی اور راستی کی راہ سے ہٹنے پر مجبور کرے۔ اس لئے یہاں تکلیف اور عذاب کی جو نسبت کی گئی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ بعض اہلِ علم نے اس کا صحیح مطلب بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہاں جس تکلیف کا ذکر ہے وہ، وہ جسمانی تکلیف نہیں جس میں حضرت ایوب علیہ السلام مبتلاء تھے۔ بلکہ وہ روحانی، دماغی اور نفسیاتی تکلیف تھی جس میں شیطان وسوسہ اندازی کے ذریعے انہیں مبتلاء کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بار بار اس طرح کی باتیں آپ کے ذہن میں ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تو رحیم و کریم ہے، وہ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا اور تم ہمیشہ اس بات کا تذکرہ کرتے رہے ہو، تو آخر تمہارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے یہ اگر ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ اور کبھی انہیں زمانۂ تکلیف کے دراز ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت سے مایوس کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور اس طرح آپ کے دل میں ناشکری کے بیج بوتا تھا۔ اور کبھی یہ کہہ کر ان کے ہاتھ سے دامنِ صبر کو چھڑانے کی کوشش کرتا تھا کہ یہ محض کتابی باتیں ہیں، حقیقت وہ ہے جس کا تم سامنا کر رہے ہو۔ یہ ہیں وہ تکلیف دہ خیالات جن کی شکایت حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے کی ہے۔

بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ بندے کو جو آزمائشیں پیش آتی ہیں وہ پیش تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آتی ہیں لیکن ان کے پیش آنے میں ایک اہم عامل شیطان بھی ہوا کرتا ہے۔ مشیت اور قدرت کے پہلو سے وہ آزمائشیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ اور سبب کے پہلو سے شیطان کی طرف۔ اسی پہلو کے حوالے سے حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی تکلیف کو شیطان کی طرف منسوب کیا۔ چونکہ سفرِ ایوب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام بہت مالدار آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی دولت و ثروت عطا فرمائی تھی۔ جانوروں کے ریوڑ، نوکروں کی فوج، کاروبار کرنے والے کارکنوں کا وسیع حلقہ اور دور تک پھیلی ہوئی زرعی زمینیں آپ کے قبضے میں تھیں۔ شیطان اور اس

Marfat.com

کے کارندوں کو اس سے حسد پیدا ہوا اور انہوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی عبادت و ریاضت اور اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری وہ اس وجہ سے ہے کہ انہیں دنیا کا کوئی غم نہیں۔ وہ ایک فارغ آدمی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کریں گے تو اور کیا کریں گے، مزہ تو جب ہے کہ سب کچھ ان سے چھن جائے اور وہ نادار و مفلس ہونے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ دکھانے کیلئے اور شیطانی پروپیگنڈے کو ختم کرنے کیلئے حضرت ایوب علیہ السلام کو دولت و ثروت کی ہر چیز سے محروم کر دیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ نانِ شبینہ تک کے محتاج ہو گئے۔ لیکن ان کی عبادت و ریاضت اور شکرگزاری میں کوئی کمی نہ آئی۔ تو حاسدوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ان کی شکرگزاری کا پتہ تو جب چلے جب وہ اپنی صحت وقوت بھی کھو بیٹھیں اور پھر بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔ چنانچہ پروردگار نے ان کی اس بات کو غلط ثابت کرنے کیلئے حضرت ایوب علیہ السلام کو جسمانی آزار میں مبتلاء کر دیا۔ ایک طرف بے سروسامانی اور تنگدستی، اور دوسری طرف غائت درجہ کی جسمانی اذیت۔ راکھ کے ڈھیر پر بیٹھے ٹھیکرا لے کر جسم کو کھجلاتے رہتے، لیکن کبھی زبان پر حرفِ شکایت نہ آیا۔ ہر طرح کے حالات میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا۔ آخر اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگئی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ صابر و شاکر لوگ کیسے ہوتے ہیں۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾

(ہم نے اسے حکم دیا) کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کا بھی ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا بھی۔ ۴۲)

صبر پر اللہ تعالیٰ کا فضل

جب آپ نے آزمائشوں میں ثابت قدمی دکھائی اور مایوس ہونے کی بجائے برابر اپنے رب کو پکارتے رہے اور ادھر شیطان کے ایجنٹوں کا پراپیگنڈا بھی ناکام ہو گیا اور لوگوں میں یہ بات نہ چل سکی کہ ایوب (علیہ السلام) اس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں کہ وہ نہایت تومند اور خوشحال آدمی ہیں۔ آپ نے جب نادار اور بیمار ہو کر بھی اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا تو لوگوں کو اس حقیقت کا یقین آ گیا۔ تب اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ضرور ہے لیکن لاوارث نہیں چھوڑتا۔ اور آزمائش کبھی اتنی دراز بھی نہیں ہوتی کہ جو رسوائی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین پر پاؤں مارو۔ ممکن ہے اس کیلئے قریب ہی کوئی جگہ مقرر کر دی گئی ہو۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ جیسے ہی تم پاؤں سے ٹھوکر لگاؤ گے تو وہیں سے ایک چشمہ جاری ہو جائے گا جس سے ٹھنڈا پانی اُبلے گا۔ وہ پینے کے کام بھی آئے گا اور غسل کرنے کے بھی۔ پانی پینے سے اندر کی تمام خرابیاں ختم ہو جائیں گی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کسی سخت جلدی مرض میں مبتلاء تھے۔ اس لئے اس پانی سے غسل کرنے کا حکم دیا تاکہ غسل کرنے سے جلد کی تمام بیماریاں ختم ہو جائیں اور آپ کا پورا جسم جس طرح سر سے پاؤں تک پھوڑا بن چکا تھا غسل کرنے اور پانی کے بہنے سے درست ہوتا چلا جائے گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو صحت عطا فرمائی۔ بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ پاؤں کی ٹھوکر سے کسی چشمے کا جاری ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ندیوں اور نالوں کے کنارے زمین کی بالائی سطح کے ذرا نیچے پانی کے سوتے دبے ہوتے ہیں جو بعض دفعہ پاؤں کی ٹھوکر سے یا تھوڑا بہت کریدنے سے جاری ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی یہاں بھی ہوا ہوگا۔ لیکن یہ بات دل کو لگتی نہیں۔ اس لئے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا مکان کسی

Marfat.com

ندی کے کنارے پر نہیں تھا۔آپ اپنے وقت کے امیر ترین آدمی تھے یقیناً کسی اچھے شہر میں امراء کی بستی میں آپ کی رہائش ہوگی۔آپ کا سب کچھ چھن گیا لیکن آپ سے چھت تو نہیں چھینی گئی۔اسی چھت کے نیچے آپ کو زمین پر پاؤں مارنے کا حکم دیا گیا اور اس سے چشمہ پھوٹ نکلا۔یہ یقیناً ایک معجزہ تھا اور معجزے ہی کے طور پر قرآنِ کریم نے اس کو ذکر کیا ہے۔اگر یہ معمول کی بات ہوتی تو غیر معمولی طور پر ذکر کرنے کی ضرورت کیا تھی۔اور اس میں اللہ تعالیٰ کے احسان اور رحمت کے ظہور کی کیا صورت تھی؟

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾

(اور ہم نے بخشے اسے اس کے اہل وعیال اور ان کے مانند ان کے ساتھ اور بھی، اپنی طرف سے رحمت کے طور پر، اور عقل وفکر رکھنے والوں کیلئے درس کے طور پر۔ ۴۳)

دولت وثروت کی بہتات ہو اور حالات اچھے ہوں تو اجنبی بھی اپنے ہو جاتے ہیں اعزہ واقرباء کا بھی ہجوم رہتا ہے۔اور احباب کی بھی رونق لگی رہتی ہے۔لیکن جب دن پھر جاتے ہیں اور حالات بگڑ جاتے ہیں تو آہستہ آہستہ اپنے بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

اہلِ دانش کے لیے سبق

حضرت ایوب علیہ السلام کی بے سروسامانی جب حد سے بڑھ گئی اور صحت نے جواب دے دیا تو آہستہ آہستہ گھر کے نوکر چاکر رخصت ہو گئے، مہمانوں نے آنا چھوڑ دیا۔معلوم ہوتا ہے کہ آزمائش کا یہ زمانہ خاصہ طویل رہا۔اس لئے بہت سے بچھڑ گئے اور بہت سے بچھڑ گئے۔آپ کی بیوی کے سوا آپ کے پاس کوئی نہ رہا۔لیکن جیسے ہی اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا تو سب بچھڑے ہوئے واپس آنے لگے۔خدم وحشم کی بھر مار ہو گئی۔بعض اہلِ علم کا کہنا تو یہ ہے کہ آپ کی جو اولاد موت کا شکار ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں از سر نو زندہ کر دیا۔لیکن اگر یہ بات نہ بھی ہو تو یہ تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اولاد عطا فرمائی۔اور جو کچھ پہلے عطا کر رکھا تھا اس سے بڑھ کر عطا فرمایا۔اور یہ صرف اس لئے کیا تاکہ لوگوں پر یہ راز کھل جائے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ ہی کے ہو کے جیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آستانے سے کبھی الگ نہیں ہوتے۔ایک وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نوازشات بارش کی طرح ان پر برستی ہیں۔اور دوسری یہ بات بتانا مقصود ہے کہ اس میں عقلمندوں کیلئے غور وفکر کا سامان بھی موجود ہے وہ یہ کہ حالات تو بدلتے رہتے ہیں لیکن بنیادی اقدار کبھی نہیں بدلتیں۔حالات اچھے ہوں تو انسان میں کبھی سرکشی نہیں آنی چاہئے۔اسے کبھی یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ میرے پاس جو کچھ ہے یہ میرے دست وبازو کی محنت اور دماغی رعنائی کا نتیجہ ہے۔بلکہ ہمیشہ اسے یہ احساس رہنا چاہئے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔وہ جس طرح دینے پر قادر ہے اسی طرح چھین لینے پر بھی قادر ہے۔اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے تو مجھے اس پر شکر گزار رہنا چاہئے۔اور اگر اللہ نہ کرے یہ سب کچھ مجھ سے چھن جائے تو تب بھی اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔تقدیر کی بھلائی اور برائی سراسر اللہ وحدہ لاشریک کے اختیار میں ہے۔وہ چاہے تو اچھے حالات کو بگاڑ دے اور چاہے تو برے حالات کو سنوار دے۔ٹھیک کہا بہادر شاہ ظفر نے:

ظفر آدمی نہ اسے جانئے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

Marfat.com

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

(اور ہم نے اس سے کہا) اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا لے، پھر اس سے مار دے اور اپنی قسم نہ توڑ، ہم نے اس کو نہایت صابر پایا، بہت خوب بندہ، بے شک اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا۔ ۴۴)

حضرت ایوبؑ کی قسم اور اس کے کفارے کا مفہوم

اس آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے کوئی قسم کھائی تھی۔ بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ آپ کے دل میں کوئی ایسا خیال گزرا تھا جو صبر اور انابت الی اللہ کے خلاف تھا۔ اس پر پریشان ہو کر اپنے نفس کو سزا دینے کیلئے آپ نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں اپنے آپ کو سو کوڑے ماروں گا۔ لیکن حضرت ابنِ عباسؓ سے جو روایت مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی بیوی کی ایک بات پر ناراض ہو کر اسے سو قمچیاں مارنے کی قسم کھائی تھی۔ اور یہی بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت دے دی تو اب انہوں نے اپنی قسم پوری کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن حالتِ مرض کا غصہ چونکہ جا تا رہا تھا اس لئے آپ پریشان ہو گئے کہ اگر میں قسم پوری کرتا ہوں تو ناحق ایک بے گناہ کو سزا کی تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔ اور اگر اسے سزا سے بچاتا ہوں تو ایک گناہ کا ارتکاب ہوگا جو کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مشکل سے نکالا اور یہ فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں اتنے سینکوں کا ایک مٹھا لو جتنے کوڑے مارنے کی آپ نے قسم کھائی ہے اور پھر ایک ہی دفعہ اپنی بیوی کو اس کی ایک ضرب لگا دو، بشرطیکہ ہر تنکے اور سینک کا کوئی نہ کوئی حصہ مضروبہ کو چھو جائے تاکہ تمہاری قسم بھی پوری ہو جائے اور اسے کوئی خاص تکلیف بھی نہ پہنچے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ایوب علیہ السلام کیلئے خصوصی احسان تھا۔ کیونکہ آپ نے سالہا سال تک ناقابلِ برداشت اذیتیں برداشت کی تھیں لیکن کبھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور نہ کبھی زبان پر حرفِ شکایت آیا۔ آپ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے صابر و شاکر بندے بنے رہے۔ بیماری کی شدت میں آپ نے ایک تکلیف دہ قسم کھالی، تو اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے ایک آسان راستہ نکال دیا۔ کیونکہ اس کی واقعی صورت پر عمل کرنا نہایت مشکل تھا۔ نہ تو آپ اس کے مالی فدیئے کے متحمل تھے اور نہ آپ اس کیلئے ابھی اتنے صحت مند ہوئے تھے کہ کفارے کے روزے رکھ سکتے۔ اور مزید یہ کہ اگر اس عفیفہ کو کوڑے لگائے جاتے یا قمچیاں ماری جاتیں تو یہ بھی عجیب بات ہوتی کیونکہ وہی ایک جانِ ناتواں تھی جس نے نہ آپ کا ساتھ چھوڑا اور نہ آپ کی خدمت میں کمی کی۔

شریعت میں چونکہ اس چیز کا اہتمام ہے کہ اگر کسی حکم کی تعمیل اس کی اصلی صورت میں متعذر ہو تو اس کی تعمیل شبہی صورت میں کی جائے اور اسے اس کا قائم مقام بنا دیا جائے۔ یہاں بھی اسی اصول پر عمل کیا گیا۔

قسم سے متعلق بعض وضاحتیں

اس آیت میں حضرت ایوب علیہ السلام کو جو رعایت دی گئی فقہاء کرام میں اس کے بارے میں اختلاف ہوا۔ بعض فقہاء اسے حضرت ایوب علیہ السلام کی خصوصیت سمجھتے ہیں۔ ان فقہاء میں امامِ مالک بھی شامل ہیں۔ کسی دوسرے کیلئے اس جواب کے قائل نہیں لیکن دوسری رائے یہ ہے کہ یہ آپ کی خصوصیت نہیں، دوسرے لوگ بھی اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کی رائے یہی ہے۔ لیکن

Marfat.com

ان فقہاء نے دو شرطیں ضروری سمجھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر تمام قمچیوں یا سینکوں کا ایک گٹھا بنا کر ایک ہی دفعہ مارا جائے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ اس شخص کے بدن پر جسے یہ سزا دی جا رہی ہے ہر قمچی طولاً یا عرضاً ضرور لگ جائے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس سے کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہو۔ اگر اتنے ہلکے سے قمچیاں بدن کو لگائی گئیں کہ بالکل تکلیف نہ ہوئی تو قسم پوری نہ ہوگی۔

نبی کریم ﷺ نے بیماروں پر حد جاری کرتے ہوئے اس رعایت سے فائدہ اٹھایا ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص نے حضرت سعید بن سعد بن عبادہ سے روایت نقل کی ہے کہ قبیلہ بنی ساعد میں ایک شخص سے زنا کا ارتکاب ہوا اور وہ ایسا مریض تھا کہ بس ہڈی اور چمڑہ رہ گیا تھا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ''کھجور کا ایک ٹہنا لو جس میں سو شاخیں ہوں اور اس سے بیک وقت اس شخص کو مار دو۔'' دوسری کتبِ حدیث میں بھی اس کی تائید کرنے والی کئی حدیثیں موجود ہیں۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کیلئے اگر اس رعایت سے فائدہ اٹھایا جائے (اور اسے شرعی حیلہ قرار دیا گیا ہے) تو وہ جائز ہے۔ البتہ اس طرح کے حیلوں کی اس وقت اجازت ہے جبکہ انہیں شرعی مقاصد کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ اور اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ کسی حقدار کا حق باطل کیا جائے یا کسی صریح فعلِ حرام کو اس کی روح برقرار رکھتے ہوئے اپنے لئے حلال کر لیا جائے تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے۔ مثلاً زکوٰۃ سے بچنے کیلئے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال کے ختم ہونے سے ذرا پہلے اپنا مال بیوی کی ملکیت میں دے دیتے ہیں اور پھر کچھ عرصہ بعد بیوی شوہر کی ملکیت میں منتقل کر دیتی ہے۔ اور جب اگلا سال ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے تو پھر شوہر بیوی کو ہبہ کر دیتا ہے۔ اس طرح کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ ایسا کرنا چونکہ مقاصدِ شریعہ کو باطل کرنے کی ایک کوشش ہے اس لئے حرام ہے۔ اور شاید اس کا وبال ترکِ زکوٰۃ کے وبال سے زیادہ بڑا ہو۔ (روح المعانی)

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی بات کی قسم کھالی اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بات نامناسب ہے تو اسے قسم پر عمل کرنے کی بجائے وہی کام کرنا چاہئے جو اس کیلئے مناسب ہو۔ اور یہ مناسب بات پر عمل کرنا ہی اس کا کفارہ ہے۔ اور اس کی تائید میں ایک روایت بھی پیش کی جاتی ہے۔ لیکن اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس نے کسی نامناسب بات کی قسم کھالی ہے تو اسے اپنی قسم پوری کرنے کی بجائے مناسب بات پر عمل کرنا چاہئے۔ البتہ اسے اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہئے۔ اور اگر مناسب بات پر عمل کرنا ہی قسم کا کفارہ ہوتا تو پروردگار حضرت ایوب علیہ السلام کو سینکوں کے گٹھے کے ذریعے قسم پوری کرنے کا حکم نہ دیتا۔ آنحضرت ﷺ کے ایک ارشاد سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث پہلی حدیث کیلئے ناسخ ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ ''جو شخص ایک قسم کھالے، پھر بعد میں اس کی رائے یہ ہو کہ اس قسم کے خلاف عمل کرنا زیادہ بہتر ہے تو اسے چاہئے کہ وہ وہی کام کرے جو بہتر ہو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔''

آیت کے آخر میں حضرت ایوب علیہ السلام کی جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہی ہیں جن کا ذکر حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام کے حوالے سے کیا گیا۔ شاید کہنا مقصود یہ ہے کہ یہ ایک سونے کی زنجیر ہے جس کی یہ مختلف کڑیاں ہیں۔ یا ایک قافلۂ حق ہے جس کے یہ مختلف افراد ہیں۔ یا ایک کہکشاں ہے جس کے یہ مختلف ستارے ہیں۔ لیکن ان کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ کسی حال میں بھی چاہے وہ خوشی کا موقع ہو یا غم کا ان کا تعلق اپنے اللہ سے کمزور نہیں ہوتا۔ وہ بلند مقامات پر فائز ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کے بہترین عبد ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جاہ و جلال بھی دیتا ہے اور قرب و کمال بھی۔ لیکن ان کی اصل شان اوّابیت ہوتی ہے جو ان کی زندگی کے ہر لمحے پر غالب رہتی ہے۔

Marfat.com

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿٤٥﴾

(اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا ذکر کرو جو قوت اور بصیرت رکھنے والے تھے۔ ۴۵)

گزشتہ مضمون کی مزید وضاحت کے لیے چند عظیم پیغمبروں کا تذکرہ

جس مقصد کو نمایاں کرنے کیلئے حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت ایوب علیہم السلام کا تذکرہ کیا گیا، اسی حوالے سے چند عظیم پیغمبروں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اسرائیلی سلسلۂ رشد و ہدایت کے اصلی ستون ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو اپنے دور کی دنیا میں امامت کا منصب حاصل رہا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے بیٹے اور حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے پوتے ہیں۔ انہوں نے ان علاقوں میں جہاں ان کو مبعوث کیا گیا تھا ہدایت اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ اور پھر انہی سے بنی اسرائیل کا سلسلہ چلا اور صدیوں تک رشد و ہدایت کا عَلَم انہی کے ہاتھ میں رہا۔ انہی میں پیغمبر پیدا ہوتے رہے اور انہی سے توحید کی امانت اس وقت کی دنیا کو میسر آتی رہی۔ اور وہ اپنے علم اور عمل کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی عبدیت اور اوّابیت کے بہترین ترجمان تھے۔ ان کی جس نمایاں صفت نے ان کی زندگیوں کو دوسروں کیلئے مشعلِ راہ بنایا وہ یہ تھی کہ وہ ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔ ایدی، ید کی جمع ہے جس کا معنی ہے ہاتھ۔ اس سے عموماً قدرت وقوت مراد لی جاتی ہے۔ اور ابصار سے نگاہیں مراد لی جاتی ہیں۔ لیکن یہاں قوت وقدرت سے مراد عام قوت وقدرت نہیں بلکہ قوتِ عمل اور اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کیلئے مطلوب قوت مراد ہے۔ اور نگاہ سے مراد آنکھوں کی بینائی نہیں بلکہ دل کی بصیرت ہے۔ ان کی زندگی کا ہر فیصلہ اس بات پر گواہ ہے کہ وہ آنکھوں سے دیکھ کر نہیں بلکہ بصیرت کی نگاہ سے فیصلہ کرتے تھے۔ لوگوں کی نگاہ ہمیشہ اسباب پر رہتی ہے لیکن وہ مسبب الاسباب کی رضا کو دیکھتے تھے۔ اور جہاں تک قوتِ عمل کا تعلق ہے انہیں نہایت بدتر حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر چلنا اور حالات کے مطابق فریضۂ نبوت کو ادا کرنا ہرگز گراں نہ تھا۔ وہ فقیر ہو کر بڑے سے بڑے امیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے تھے، بڑے سے بڑا آستانہ اور طاقت اور توانائی کا مرکز انہیں اپنے سامنے جھکانے پر قادر نہ تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح وہ جنگلی غذاؤں سے پیٹ بھرتے تھے۔ لیکن بڑے سے بڑے حکمران کے دربار میں حق گوئی سے انہیں کوئی نہ روک سکتا تھا۔ طاقت کے سرچشموں سے معاملہ کرتے ہوئے معلوم ہوتا تھا کہ ان سے بڑا طاقتور کوئی نہیں۔ دنیا اپنی ساری قوتوں کے باوجود کبھی انہیں ڈرانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ حالات کے تیور دیکھ کر ہر آدمی یہ اندازہ کر سکتا تھا کہ ان کی جلائی ہوئی شمع زیادہ دنوں تک چل نہ سکے گی۔ لیکن وہ بصیرت کی نظر سے جانتے تھے کہ حق ہمیشہ غالب رہنے کیلئے آتا ہے۔ بظاہر مغلوب دکھائی دیتا ہے لیکن وہ مغلوب کبھی نہیں ہوتا۔ ان کی یہی وہ صفت ہے جس نے قافلۂ حق کو ہمیشہ توانائی بخشی ہے۔

اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٤٦﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٧﴾

(اور ہم نے انہیں امتیاز دیا ایک چنی ہوئی بات کا، اور وہ دارِ آخرت کی یاد تھی۔ ۴۶) اور وہ یقیناً ہمارے نزدیک برگزیدہ اور نیک بندوں میں سے ہیں۔ ۴۷)

Marfat.com

ان پیغمبروں کا خاص مشن

پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں متذکرہ انبیائے کرام کی ایک اور صفت کو بیان کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی برگزیدگی اور ان کے ممتاز ہونے کی اصل وجہ تھی کہ ان کی ساری فکر و سعی کا محور و مدار اور حاصل فکرِ آخرت کے سوا کچھ نہ تھا۔ آیت میں ذِکْرَی الدَّارِ خالصتاً سے بدل واقع ہوا ہے اور دار سے مراد دارِ آخرت ہے۔ اس سے دو باتوں کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو یہ کہ وہ دنیا کو اپنا مقصدِ زندگی نہیں بلکہ اپنی ضرورت سمجھتے تھے۔ اور ضرورت بقدرِ ضرورت اور بوقتِ ضرورت حاصل کی جا سکتی ہے۔ جسم و جان کی تمام توانائیاں اور قلب و دماغ کی تمام رعنائیاں اس کیلئے وقف نہیں کی جا سکتیں۔ زندگی کا مقصد ایسی چیز ہے جس سے زندگی میں کبھی فراغت نہیں ہوتی۔ یہ زندگی کا سفر بھی ہے اور زندگی کا ہدف بھی۔ کبھی زندگی کا سروسامان مقصد کے حصول کیلئے قربان ہوتا ہے۔ اور کبھی خود زندگی اس قربان گاہ کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔ یہ دونوں صورتیں انسان کی کامیابی کی ہیں۔ کیونکہ اگر وہ سب کچھ مقصد کی خاطر لٹانے میں کامیاب رہا تو تب بھی اس نے کامیابی پالی۔ اور اگر زندگی مقصد کے کام آ گئی تو تب بھی وہ اپنی کامیابی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

دوسری بات جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آیت میں آخرت کیلئے صرف الدار کے لفظ کا استعمال یہ بتاتا ہے کہ دنیا سرے سے انسان کا گھر ہی نہیں بلکہ یہ ایک گزرگاہ ہے یا ایک مسافر خانہ ہے جس سے آدمی کو بہرحال رخصت ہو جانا ہے، اصل گھر وہی آخرت کا گھر ہے۔ دنیا آخرت کی تیاری کیلئے دی گئی ہے۔ اس میں آدمی کو اسی طرح ٹھہرنا ہے جس طرح ایک مسافر ایک مہمان خانے میں ٹھہرتا ہے۔ اس کا قیام وہاں مستقل نہیں ہوتا بلکہ اس کی نظر اپنے سفر اور اپنی منزل کی طرف رہتی ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ ''دنیا میں اس طرح رہ جیسے ایک اجنبی رہتا ہے یا مسافر رہتا ہے۔'' آنحضرت ﷺ کے گھر کی بے سروسامانی کو دیکھ کر جب حضرت عمر فاروقؓ نے تاسف کا اظہار کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے دنیا کی دلچسپیوں سے کیا کام، میں تو ایک مسافر ہوں ذرا ستانے کیلئے ٹھہر گیا ہوں۔

اس دنیا میں رہتے ہوئے ایک مومن کی فکر دنیا کو سنوارنے کی نہیں بلکہ آخرت کو سنوارنے کی ہے۔ وہ دنیا کو سنوارتا ہے لیکن ساتھ یہ احتیاط کرتا ہے کہ اس سے آخرت اجڑنے نہ پائے۔ لیکن آخرت کی قیمت پر دنیا کے سنوارنے میں نہ وقت برباد کرتا ہے نہ سرمایہ ضائع کرتا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کی تعلیم دینے کیلئے اللہ تعالیٰ کے نبی دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔

دارِ فانی کی سجاوٹ پر نہ جا
نیکیوں سے اپنا اصلی گھر سجا

دوسری آیت میں فرمایا کہ یہی ہمارے نزدیک برگزیدہ اور نیک لوگ ہیں جو دنیا میں رہ کر بھی ہماری یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ وہ غذا حاصل کرتے ہیں تو دل میں غذا عطا کرنے والے کی یاد ہوتی ہے۔ وہ رزق کے حصول کیلئے محنت کرتے ہیں لیکن دل رازق کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ وہ بڑے سے بڑے منصب پر فائز ہونے کے بعد بھی اس بات کو کبھی نہیں بھولتے کہ یہ منصب ایک امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس لئے دیا ہے تاکہ خلقِ خدا کے حقوق ادا کرو لیکن آخرت میں اس ذمہ داری کے حوالے سے جواب دہی کرنا ہوگی۔ انہیں تخت پر دیکھ کر بھی کوئی شخص یہ نہیں سمجھتا تھا کہ حکمرانی ان کے نفس اور ان کی ذات کو بالا بلند کرنے کیلئے ہے۔ بلکہ انہیں دیکھ کر یہ تصور اور پختہ ہو جاتا تھا:

Marfat.com

ان کی حکومت سے ہے فاش، یہ رمزِ غریب
سلطنتِ اہلِ دیں فقر ہے شاہی نہیں

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٨﴾

(اور ذکر کرو اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل کا، ان میں سے ہر ایک اخیار میں سے تھے۔ ۴۸)

مزید انبیاء کا تذکرہ اور تعارف

جس سلسلۃ الذہب کی عظیم کڑیاں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام تھے، اسی سلسلہ کے قابلِ فخر ارکان حضرت اسماعیل، حضرت الیسع اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام بھی تھے۔ ان میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تو معروف شخصیت تھے۔ البتہ باقی دو بزرگ شخصیتوں کا ذکر قرآنِ کریم میں صرف دو مرتبہ آیا ہے لیکن کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔ صاحب تفہیم القرآن نے ان پر دو مختصر نوٹ لکھے ہیں ہم انہیں یہاں نقل کر رہے ہیں:

قرآن مجید میں ان کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورۃ انعام آیت ۸۶ میں۔ دوسرے اس جگہ۔ اور دونوں مقامات پر کوئی تفصیل نہیں ہے بلکہ صرف انبیائے کرام کے سلسلے میں ان کا نام لیا گیا ہے۔ وہ بنی اسرائیل کے اکابر انبیاء میں سے تھے۔ دریائے اردن کے کنارے ایک مقام ابیل محولہ (Abel Meholan) کے رہنے والے تھے۔ یہودی اور عیسائی ان کو الیشع (Elisha) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام جس زمانے میں جزیرہ نمائے سینا میں پناہ گزین تھے ان کو چند اہم کاموں کیلئے شام و فلسطین کی طرف واپس جانے کا حکم دیا گیا جن میں سے ایک کام یہ تھا کہ حضرت الیسع کو اپنی جانشینی کیلئے تیار کریں۔ اس فرمان کے مطابق جب حضرت الیاس علیہ السلام ان کی بستی پر پہنچے تو دیکھا کہ یہ بارہ جوڑی بیل آگے لئے زمین جوت رہے ہیں اور خود بارہویں جوڑی کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے ان کے پاس سے گزرتے ہوئے ان پر اپنی چادر ڈال دی اور وہ کھیتی باڑی چھوڑ کر ساتھ ہو لئے۔ (سلاطین، باب ۱۹، فقرات ۱۵ تا ۲۱)۔ بائبل کی کتاب ۲ سلاطین میں باب ۲ سے ۱۳ تک ان کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شمالی فلسطین کی اسرائیلی سلطنت جب شرک و بت پرستی اور اخلاقی نجاستوں میں غرق ہوتی ہی چلی گئی تو آخر کار انہوں نے یاہو بن یہوسفط بن نمسی کو اس خانوادۂ شاہی کے خلاف کھڑا کیا جس کے کرتوتوں سے اسرائیل میں یہ برائیاں پھیلی تھیں اور اس نے نہ صرف بعل پرستی کا خاتمہ کیا بلکہ اس بدکردار خاندان کے بچے بچے کو قتل کر دیا۔ لیکن اس اصلاحی انقلاب سے بھی وہ برائیاں پوری طرح نہ مٹ سکیں جو اسرائیل کی رگ رگ میں اتر چکی تھیں اور حضرت الیسع کی وفات کے بعد تو انہوں نے طوفانی شکل اختیار کر لی، یہاں تک کہ سامریہ پر اشوریوں کے پے در پے حملے شروع ہو گئے۔

Marfat.com

ذوالکفل کا لفظی ترجمہ ہے ''صاحبِ نصیب'' اور مراد ہے اخلاقی بزرگی اور ثوابِ آخرت کے لحاظ سے صاحبِ نصیب، نہ کہ دنیوی فوائد و منافع کے لحاظ سے۔ یہ ان بزرگ کا نام نہیں بلکہ لقب ہے۔ قرآن مجید میں دو جگہ ان کا ذکر آیا ہے اور دونوں جگہ ان کو اسی لقب سے یاد کیا گیا ہے، نام نہیں لیا گیا۔

مفسرین کے اقوال اس معاملہ میں بہت مضطرب ہیں کہ یہ بزرگ کون ہیں، کس ملک اور قوم سے تعلق رکھتے ہیں، اور کس زمانے میں گزرے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ حضرت زکریا علیہ السلام کا دوسرا نام ہے (حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے کیونکہ ان کا ذکر ابھی آگے آ رہا ہے) کوئی کہتا ہے یہ حضرت الیاس علیہ السلام ہیں، کوئی یوشع بن نون کا نام لیتا ہے، کوئی کہتا ہے یہ الیسع ہیں، (حالانکہ یہ غلط ہے، سورۃ ص میں ان کا ذکر الگ کیا گیا ہے اور ذوالکفل کا الگ)، کوئی انہیں حضرت الیسع علیہ السلام کا خلیفہ بتاتا ہے اور کسی کا قول ہے کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے تھے جو ان کے بعد نبی ہوئے اور ان کا اصلی نام بشر تھا۔ آلوسی نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ ''یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ حزقیال (حزقی ایل) نبی ہیں جو بنی اسرائیل کی اسیری (۵۹۷ ق م) کے زمانے میں نبوت پر سرفراز ہوئے اور نہر خابور کے کنارے ایک بستی میں فرائض نبوت انجام دیتے رہے۔''

ان مختلف اقوال کی موجودگی میں یقین واعتماد کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ فی الواقع یہ کون سے نبی ہیں۔ موجودہ زمانے کے مفسرین نے اپنا میلان حزقی ایل نبی کی طرف ظاہر کیا ہے لیکن ہمیں کوئی معقول دلیل ایسی نہیں ملی جس کی بنا پر یہ رائے قائم کی جاسکے۔ تاہم اگر اس کیلئے کوئی دلیل مل سکے تو یہ رائے قابلِ ترجیح ہوسکتی ہے، کیونکہ بائبل کے صحیفۂ حزقی ایل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع وہ اس تعریف کے مستحق ہیں جو اس آیت میں کی گئی ہے یعنی صابر اور صالح۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو یروشلم کی آخری تباہی سے پہلے بخت نصر کے ہاتھوں گرفتار ہو چکے تھے۔ بخت نصر نے عراق میں اسرائیلی قیدیوں کی ایک نو آبادی دریائے خابور کے کنارے قائم کر دی تھی جس کا نام تل ابیب تھا۔ اسی مقام پر ۵۹۴ ق م میں حضرت حزقی ایل نبوت کے منصب پر سرفراز ہوئے جبکہ ان کی عمر 30 سال تھی اور مسلسل 22 سال ایک طرف گرفتارِ بلا اسرائیلیوں کو اور دوسری طرف یروشلم کے غافل وسرشار باشندوں اور حکمرانوں کو چونکانے کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس کارِ عظیم میں ان کے انہماک کا جو حال تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ نبوت کے نویں سال ان کی بیوی جنہیں وہ خود ''منظورِ نظر'' کہتے ہیں، انتقال کر جاتی ہیں، لوگ ان کی تعزیت کیلئے جمع ہوتے ہیں اور یہ اپنا دکھڑا چھوڑ کر اپنی ملت کو خدا کے اس عذاب سے ڈرانا شروع کر دیتے ہیں جو اس کے سر پر تلا کھڑا تھا۔ (باب ۲۴۔ آیات ۱۵۔۲۷)۔ بائبل کا صحیفۂ حزقی ایل ان صحیفوں میں سے ہے جنہیں پڑھ کر واقعی یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ الہامی کلام ہے۔

هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٩﴾

(یہ یاددہانی ہے، بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے یقیناً بہترین ٹھکانہ ہے۔ ۴۹)

Marfat.com

ایک اہم بات کی طرف توجہ

چند عظیم القدر انبیائے کرام کے ذکر کے بعد نہایت اہم بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسانی کمزوری یہ ہے کہ عظیم شخصیتوں کے تذکروں سے وہ محظوظ تو ہوتا ہے لیکن سبق بہت کم سیکھتا ہے۔ بڑے لوگوں کے واقعات سن لینا بجائے خود ایسی نیکی ہے جس پر اکتفا کرلیا جاتا ہے۔ اور یا یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ بڑے لوگ تھے ان کی باتیں بھی بڑی ہیں، ان کے کارنامے بھی بڑے ہیں۔ ہم اگر ان کی نقل کرنا بھی چاہیں تو ہمارے لئے ممکن نہیں۔ اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یہ محض ماضی کے قصے نہیں بلکہ تمہارے لئے درسِ موعظت اور زندگی کے عظیم سبق ہیں۔ ان کی زندگیوں، ان کے کارناموں اور ان کے اعمالِ حسنہ کو دیکھ کر تمہیں اندازہ ہونا چاہئے کہ جس راستے پر ہمیں چلنے کا حکم دیا گیا ہے اس راستے کے مینارۂ نور یہ ہیں۔ اور یہ وہ مشعلیں ہیں جن کی روشنی میں ہم زندگی کا سفر طے کر سکتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑی بات جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ نہایت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے لوگ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقویٰ اور خشیت اس راستے کے وہ لازمی اوصاف ہیں جو اللہ تعالیٰ کے تقرب کی ضمانت ہیں۔ اور نجات کی کامیاب صورت ہیں۔ انہی اوصاف کے باعث پہلے لوگوں کو اچھا ٹھکانا یعنی حسنِ مآب نصیب ہوا۔ اور ہر دور میں یہ دولت انہی کے دم سے ملے گی۔

جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ
وَّشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ
الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾

(ہمیشہ رہنے والی جنتیں جن کے دروازے ان کیلئے کھولے ہوئے ہوں گے۔ ۵۰) ان میں وہ تکیے لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے، اور بہت سے میوے اور مشروبات طلب کرتے ہوں گے۔ ۵۱) اور ان کے پاس شرمیلی ہم سن حوریں ہوں گی۔ ۵۲) یہ ہیں وہ چیزیں جنہیں حساب کے دن عطا کرنے کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ۵۳) یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ ۵۴)

حسن مآب کی وضاحت

گزشتہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کیلئے بہترین ٹھکانا ہے۔ پیشِ نظر آیت میں اس ٹھکانے کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ وہ ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں جنہیں قرآنِ کریم جنّات سے تعبیر کرتا ہے۔ ان کی ممتاز صفت یہ ہے کہ وہ دنیا کے باغات کی طرح مرجھانے اور فنا ہونے والے نہیں ہوں گے، انہیں اللہ تعالیٰ ابدیت عطا فرمائے گا۔ ان باغات میں متقین کی عزت افزائی کا عالم یہ ہوگا کہ ان کے پہنچنے سے پہلے ان باغات کو آراستہ کیا جائے گا۔ استقبال کرنے والے مقرر کر دیئے جائیں گے۔ جس طرح کسی معزز مہمان کی آمد پر پہلے ہی سے دروازے کھول کر راستوں پر خوش آمدید کہنے والے کھڑے کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی

Marfat.com

طرح ان کیلئے بھی دروازے پہلے سے ہی کھول دیئے گئے ہوں گے۔ استقبال کرنے والے نہایت مسرت وابتہاج کے ساتھ انہیں خوش آمدید کہیں گے۔ جنت میں پہنچنے سے پہلے ان کی مسندیں آراستہ ہو چکی ہوں گی۔ اور سامانِ ضیافت پیش کرنے کیلئے نوکر چاکر مستعد کھڑے ہوں گے۔ اہلِ جنت جب وہاں غیر معمولی اور حیران کن پھل اور مشروبات دیکھیں گے تو ان کی اشتہا اور طلب بڑھے گی، تو وہ نہایت بے تکلفی سے ہر قسم کے میوے اور مختلف قسم کے مشروبات خدام سے طلب کریں گے۔

مجلسی زندگی کے ساتھ ساتھ ان کی پرائیویٹ اور عائلی زندگی بھی خوشیوں سے معمور ہوگی۔ شرم وحیاء کے پیکر، باغیرت اور ایک شریف آدمی کیلئے سب سے زیادہ اطمینان بخش اور مسرت انگیز کوئی چیز اگر ہو سکتی ہے تو وہ باحیاء اور شرمیلی نازنین ہے جسے قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور ان خوشیوں کی تکمیل کیلئے مزید یہ فرمایا گیا کہ وہ باحیاء نازنینیں اپنے شوہروں کی ہم سن ہوں گی۔ عمر کی یکسانی، جذبات کی یکسانی کو پیدا کرتی ہے۔ اور جذبات کی یکسانی مشترکہ خوشیوں کی ضمانت دیتی ہے۔ اور آخر میں فرمایا کہ یہ وہ نعمتیں ہیں اصحابِ ایمان سے جن کا دنیا میں بار بار وعدہ کیا گیا تھا۔ اور آج مزید اطمینان اور خوشی کیلئے یہ بھی یاد دلایا جائے گا کہ یہ ہمارا وہ رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا جبکہ دنیا میں کسی خوشی کو قرار نہ تھا اور کسی نعمت کو دوام نہ تھا۔ لیکن یہاں نہ صرف ہر نعمت ابدیت لئے ہوئے ہے بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾

یہ (تو ہے متقیوں کا انجام) اور بے شک سرکشوں کیلئے بدترین ٹھکانا ہوگا۔ ۵۵) یعنی جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے، پس کیا ہی بری قیام گاہ ہے۔ ۵۶)

سرکشوں کا انجام

متقیوں کو عطا کی جانے والی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد سرکشوں اور خودسروں کے انجام کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ طاغیوں کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ اشرافِ قریش ہیں جو تکبر اور مخالفت میں بالکل اندھے ہو چکے تھے اور اس سورۃ کے آغاز ہی میں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ بات بات پر آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑاتے اور بات بات پر جھگڑا کرتے تھے اور مسلمانوں میں سے کسی کو خاطر میں لانے کیلئے تیار نہ تھے۔ ان کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ ان کا انجام اور ان کا ٹھکانا بہت برا ہوگا۔ اور پھر اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ جس سے بڑھ کر بدترین ٹھکانا اور کوئی نہیں۔ جو ایک نظر بھی اسے دیکھ لے وہ یقیناً اسے بدترین قیام گاہ قرار دے گا۔

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ۭ

یہ ہے (اصل آرام گاہ، لیکن اب) وہ مزہ چکھیں کھولتے ہوئے پانی اور پیپ لہو۔ ۵۷)
اور اسی قبیل کی دوسری چیزوں کا۔ ۵۸)

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ انہیں جہنم میں داخل کرنے سے پہلے ابتدائی مہمانی کے طور پر ان چیزوں کے چکھنے کا حکم دیا جائے گا، یعنی انہیں سیر ہو کر کھانا جہنم کے اندر ملے گا، لیکن ابھی نُزُل یعنی اولین مہمانی کے طور پر حمیم اور غساق کا مزہ چکھو۔ جس طرح گھر میں آنے والے مہمان کو ابتدائی مہمانی کے طور پر کوئی ٹھنڈا یا گرم مشروب اور ان کے لوازمات میں سے کچھ کھانے کو دیا جاتا ہے، لیکن اصل کھانا کھانے کے وقت پیش کیا جاتا ہے۔ یہ تعریض کے انداز میں ان کی مہمانی کی جا رہی ہے کہ جہنم میں تمہارے ساتھ کیا گزرتی ہے، یہ تو وہاں جا کر اندازہ ہو جائے گا، لیکن اس کا کچھ اندازہ ابھی سے کر لو، کہ تمہیں چکھنے یعنی کھانے اور پینے کو حمیم اور غساق دیا گیا ہے۔ حمیم ایسے کھولتے ہوئے پانی کو کہتے ہیں جس سے انتڑیاں جل اٹھتی ہیں اور غساق اگرچہ اہلِ لغت کے نزدیک انتہائی سرد چیز اور انتہائی بدبودار چیز پر بھی بولا جاتا ہے، لیکن اس کا معروف معنی پیپ، لہو یا کچ لہو ہے جو زخمی جسم سے بہتا ہے۔ اندازہ کیجئے کہ ان کی اولین مہمانی ہی کس قدر تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوگی۔ مزید فرمایا کہ ان دو چیزوں کا نام تو ضروری تعارف کیلئے دیا گیا ہے۔ اسی قبیل کی دوسری مختلف النوع نفرت انگیز چیزیں بھی ہوں گی جو ذکر کے لائق نہیں۔ لیکن انہیں ان سے بھی واسطہ پڑے گا۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۗ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾

(یہ ایک لشکر تمہارے ساتھ گھسا چلا آ رہا ہے، خدا کی مار ان پر، یہ تو دوزخ میں پڑنے والے ہیں۔ ۵۹)

اہلِ جہنم کی تو تکار

کفر کے سرغنوں اور لیڈروں کا حال بیان کرنے کے بعد اب بتایا جا رہا ہے کہ انہیں بتایا جائے گا کہ جو لوگ ہمیشہ تمہارے پیروکار بنے رہے اور تمہاری لیڈری بھی ان کے بل بوتے پر چلتی رہی وہ بھی تمہاری طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں، ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو تمہارا انجام ہونے والا ہے۔ چنانچہ جیسے ہی اِن کی نظر اُن پر پڑے گی تو بجائے ان سے کسی ہمدردی کے اظہار کے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے کہ خدا غارت کرے انہیں، ان کا ستیاناس ہو، ان کیلئے کوئی خوش آمدید نہیں، یہ بھی جہنم میں داخل ہونے والے ہیں۔ جس انجام سے ہم دوچار ہو رہے ہیں ان کا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۨ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۗ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾

(وہ سن کر) کہیں گے بلکہ تم، تم پر خدا کی مار، تمہیں نے ہمارے لئے یہ سامان کیا، کیسی بری ہے یہ جائے قرار۔ ۶۰)

ان لیڈروں کی بات جیسے ہی ان کے پیروکاروں کے کانوں میں پڑے گی وہ غصے میں بے قابو ہو جائیں گے، دانت پیس کر جواب دیں گے کہ یہ تم، خدا کی مار تم پر، یہ بات کہہ رہے ہو، تمہیں نے یہ سب کچھ کیا۔ آج جس انجام سے ہم دوچار ہونے والے ہیں اس کا سامان تم نے آگے بھیجا۔ ذرا غور کیجئے، اس فقرے میں مبتداء کا اعادہ کیا گیا ہے اور دونوں مبتداؤں کے درمیان جملہ معترضہ لایا گیا ہے۔ پورے فقرے سے غصہ ابلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ پھر بے بسی سے سرتاپا حسرت بن کر ان کی زبان سے نکلے گا کہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے جس کا تم نے ہمارے لئے سامان کیا۔

Marfat.com

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾

(پھر وہ کہیں گے اے ہمارے رب، جن لوگوں نے ہمیں اس انجام کو پہنچانے کا بندوبست کیا،
ان کو جہنم میں دُگنا عذاب دیجئے۔ ٦١)

اب نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ آج ان کے ساتھ کسی قسم کی تلخی کا کوئی فائدہ نہیں، انہوں نے ہماری عاقبت تباہ کی ہے، ہم تو تباہ ہو ہی گئے ہیں لیکن ہماری عاجزانہ درخواست یہ ہے کہ آپ ان کو دُگنا عذاب دیجئے، ایک ان کی اپنی گمراہی کا اور ایک دوسروں کو گمراہ کرنے کا۔ اس سے ہمارے عذاب میں کوئی تخفیف تو نہیں ہوگی لیکن ہمیں اتنی راحت ضرور ملے گی کہ جن لوگوں نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ان کو اس کی سزا مل گئی۔ ان آیات میں پروردگار نے ان کی درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن قرآنِ کریم میں بعض دیگر آیات میں اس کا جواب منقول ہے کہ پروردگار ارشاد فرمائیں گے کہ تم دونوں کو دونا عذاب دیا جائے گا، کیونکہ ہم نے حق و باطل میں امتیاز کرنے کی صلاحیت دونوں کو بخشی تھی۔ نہ تم نے اس سے کام لیا اور نہ انہوں نے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور تمہیں بھی گمراہ کیا۔ اس لئے ان کو دُونا عذاب دیا جائے گا۔ اور تمہیں دُگنا عذاب اس لئے دیا جائے گا کہ تم نے بجائے عقل سے کام لینے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی بات ماننے کے ان لوگوں کے پیچھے چلے جو خود گمراہ تھے۔ جس طرح کسی کو گمراہ کرنا جرم ہے، اسی طرح عقل سے کام نہ لے کر گمراہ کی پیروی کرنا بھی تو جرم ہے۔

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾

(اور وہ آپس میں کہیں گے کیا بات ہے، ہم ان لوگوں کو کہیں نہیں دیکھتے جنہیں ہم دنیا میں اشرار میں سے شمار کرتے تھے۔ ٦٢) کیا ہم نے یونہی ان کو مذاق بنایا تھا یا ان سے نگاہیں چوک رہی ہیں۔ ٦٣)

پھر اچانک انہیں خیال آئے گا کہ ہم تو دنیا میں یہ کہا کرتے تھے کہ جس پروردگار نے ہمیں دنیا کی دولت اور سربلندی سے سرفراز کیا ہے وہ یقیناً ہم سے خوش ہے۔ اور ہمیں اس کی رضا حاصل ہے۔ اس رضا کا لازمی نتیجہ ہے کہ اگر قیامت آ ہی گئی تو بجائے سزا کے ہمیں وہاں بھی نوازا جائے گا۔ اور یہ مسلمان جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے مقبول و منظور بندے سمجھتے ہیں۔ یہ جس طرح دنیا میں پامال اور مجبور ہیں قیامت کے دن بھی یہ بدترین عذاب کا شکار ہوں گے اور آج جس طرح سے انہوں نے ہمارے دیوتاؤں کی توہین کی ہے اور ہماری قومی وحدت کا شیرازہ بکھیر دیا ہے اس جرم میں مزید پکڑے جائیں گے۔ اس لحاظ سے ہم ان کا مذاق اڑاتے تھے اور ان کو اشرار میں شمار کرتے تھے۔ لیکن آج ہم یہاں انہیں کہیں نہیں دیکھ رہے۔ اس کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ وہ لوگ اشرار میں سے نہیں بلکہ اخیار میں سے تھے، اور ہم نے بلاوجہ ان کا مذاق بنا رکھا تھا۔ اور یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہیں کہیں ہوں گے لیکن ان سے ہماری نگاہیں چوک رہی ہیں اور وہ ہمیں کہیں نظر نہیں آ رہے۔

Marfat.com

اِنَّ ذٰلِکَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾

(بے شک اہلِ دوزخ کا آپس میں جھگڑا اور تو تکار واقعی حق اور امرِ واقعی ہے۔ ٦٤)

آیاتِ بالا میں اہلِ دوزخ کی جس باہمی تو تکار اور جھگڑے کا ذکر فرمایا گیا ہے اسے کوئی شخص زیبِ داستان نہ سمجھے، یہ ایک حقیقت امرِ واقعی ہے۔ قیامت کے دن ایسا ہی ہوگا۔ آج جو لوگ حق کی مخالفت میں مختلف کردار ادا کر رہے ہیں، کوئی رہنمائی کا فرض انجام دے رہا ہے کوئی سپوٹ کر رہا ہے۔ جب قیامت میں اپنے انجام کو دیکھیں گے تو ایک دوسرے پر اس کی ذمہ داری ڈالیں گے۔ اور دونوں ایک دوسرے کو برا بھلا کہیں گے۔ لیکن یہ جھگڑا اور باہمی لڑائی ان کے کسی کام نہیں آئے گی، دونوں اپنے بدترین ٹھکانوں کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّ

مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾
مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَيَّ
اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا
مِّنْ طِيْنٍ ﴿٧١﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ
سٰجِدِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ
وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ
بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ
مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿٧٧﴾ ۖ
وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٧٨﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ
يُبْعَثُوْنَ ﴿٧٩﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٨١﴾

Marfat.com

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾
قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ﴿٨٤﴾ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ
أَجْمَعِينَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾
إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ﴿٨٨﴾

رکوع: ۵۔ (کہہ دیجئے کہ میں تو بس خبردار کردینے والا ہوں اور کوئی حقیقی معبود نہیں، مگر اللہ، جو یکتا ہے اور سب کو کنٹرول کرنے والا ہے۔ ٦٥) وہی رب ہے آسمانوں اور زمین کا، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، غالب اور بخشنے والا۔ ٦٦) اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ وہ ایک عظیم خبر ہے۔ ٦٧) اور تم اس سے اعراض کر رہے ہو۔ ٦٨) مجھے ملاءِ اعلیٰ کی کچھ خبر نہ تھی، جب وہ جھگڑ رہے تھے۔ ٦٩) یہ تو بس اس وجہ سے مجھے وحی کی جاتی ہے کہ میں ایک نذیرِ مبین ہوں۔ ٧٠) اس وقت کو یاد کرو جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ ٧١) تو جب میں اس کو درست کردوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔ ٧٢) پس تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ ٧٣) بجز ابلیس کے، اس نے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور وہ کافروں میں سے ہوگیا۔ ٧٤) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! کس چیز نے تجھے اس چیز کو سجدہ کرنے سے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، یہ تو نے تکبر کیا یا تو اونچے درجے کی ہستیوں میں سے ہے۔ ٧٥) اس نے جواب دیا میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو آپ نے مٹی سے پیدا کیا۔ ٧٦) حکم ہوا: تو یہاں سے نکل جا، بے شک تو مردود ہے۔ ٧٧) اور بے شک تیرے اوپر جزاء کے دن تک میری لعنت ہے۔ ٧٨) ابلیس نے کہا: اے میرے رب! مجھے اس وقت تک کیلئے مہلت دے دے، جب یہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ ٧٩) پروردگار نے فرمایا: تجھ کو مہلت دی گئی۔ ٨٠) وقتِ معین تک کیلئے۔ ٨١) اس نے کہا تیری عظمت کی قسم، میں ان سب کو بہکا کر رہوں گا۔ ٨٢) بجز تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے خاص کرلیا ہے۔ ٨٣) ارشاد ہوا، پس حق یہ ہے اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں۔ ٨٤) کہ میں تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے جہنم کو بھر دوں گا۔ ٨٥) اے نبی! کہہ دیجئے کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی عوض نہیں مانگتا، اور نہ میں کوئی بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔ ٨٦) یہ تو ایک نصیحت ہے تمام جہاں والوں کیلئے۔ ٨٧) اور تھوڑی مدت ہی گزرے گی کہ تم اس کی دی ہوئی خبر کو جان لو گے۔ ٨٨)

Marfat.com

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۚ ﴿٦٥﴾

(کہہ دیجئے کہ میں تو بس خبردار کر دینے والا ہوں اور کوئی حقیقی معبود نہیں، مگر اللہ، جو یکتا ہے اور سب کو کنٹرول کرنے والا ہے۔ ٦٥)

آنحضرت ﷺ کا منصب اور مخالفین کو انذار

یہاں سے خاتمۂ سورۃ کی آیات شروع ہو رہی ہیں۔ اس میں نبی کریم ﷺ کی اصل حیثیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ گزشتہ رکوع میں جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید پر مخالفین نے اعتراضات کئے، اسی طرح آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت پر بھی جا بجا سوالات اٹھائے۔ اور قرآنِ کریم نے وہیں ان کا جواب بھی دیا۔ یہاں پھر اسی مضمون کا اعادہ کرتے ہوئے اسلوب میں بھی تبدیلی کی گئی ہے اور دلائل میں بھی۔ نہایت حکیمانہ انداز میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اے پیغمبر ان لوگوں سے کہئے کہ تم میری نبوت و رسالت کا انکار کر کے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے ہو بلکہ درحقیقت اپنے انجام کی طرف سے بے اعتنائی کا شکار ہو رہے ہو۔ میں تو صرف اس لئے آیا ہوں تاکہ تمہیں خبردار کروں کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار نہ کیا اور اسی کو الٰہ مان کر باقی سب معبودوں کے انکار پر اپنے افکار و اعمال کی بنیاد نہ رکھی تم دنیا میں بھی خطرے کی زد میں ہو اور آخرت میں بھی بڑی سخت صورتحال پیش آنے والی ہے۔ اس لئے میری نصیحت پر کان دھرو اور اس بات پر یقین پیدا کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے اور پوری کائنات کو وہ تنہا کنٹرول کرنے والا ہے۔ قہار کا معنی وہ نہیں جو اردو میں استعمال ہوتا ہے بلکہ عربی میں اس کا معنی کنٹرول کرنا ہے۔ اور قہار کنٹرول کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اور یہ بات اس لئے فرمائی گئی ہے کہ مشرکین کو بالعموم یہ اشکال تھا کہ جس طرح بڑے سے بڑا شہنشاہ بھی تنہا اپنی مملکت کا نظام چلانے سے قاصر ہے اسے لازماً درجہ بدرجہ عمالِ حکومت کا تقرر کرنا پڑتا ہے، وہ اپنے اپنے دائرۂ کار میں نظمِ مملکت چلاتے ہیں اور درجہ بدرجہ شہنشاہ تک اس کی رپورٹ پہنچاتے ہیں۔ یہی حال پروردگارِ عالم کا بھی ہے۔ وہ کائنات کا نظام تنہا نہیں چلاتا بلکہ اس نے اپنے اختیارات مختلف قوتوں کے سپرد کر رکھے ہیں اور ان کی مدد سے کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ وہ قہار ہے، اسے کسی اور کی مدد کی ہرگز ضرورت نہیں۔ اس کا علم بھی بے حد و بے کنار ہے اور اس کی قدرت بھی لاانتہاء ہے۔ وہ واحد و یکتا ہونے کے باوجود اپنی ہر مخلوق کے قریب ہے جب کوئی اسے پکارنے والا پکارتا ہے وہ اس کی پکار سنتا اور اس کا جواب دیتا ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾

(وہی رب ہے آسمانوں اور زمین کا، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، غالب اور بخشنے والا۔ ٦٦)

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر مزید دلیل قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ وہی آسمانوں، زمینوں اور ان دونوں کے درمیان کی تمام مخلوقات کا خالق اور مالک اور روزی رساں ہے۔ ہر مخلوق کی ضرورتیں اس کے سامنے کھلی رہتی ہیں۔ وہ کسی مخلوق کی نہ کسی ضرورت سے بے خبر ہوتا ہے نہ اس کے احساسات سے۔ جو اسے پکارتا ہے اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہے۔ ایسی ذات جو پوری کائنات کی مالک ہو اور اس کی ہر چھ

Marfat.com

مخلوق کو روزی پہنچانے والی ہو اور کسی مخلوق کی کوئی ضرورت اور کوئی احساس اس کے علم سے باہر نہ ہو، اس کے سوا کوئی اور اِلٰہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ وہ دنیا میں اس لئے گرفت نہیں فرماتا کیونکہ وہ غفار ہے۔ لیکن اتمامِ حجت کے بعد بعض دفعہ گرفت بھی فرماتا ہے۔ لیکن قیامت کا دن چونکہ جزاء اور انصاف کا دن ہے اس لئے وہاں سب سے جواب طلبی کرے گا اور اس وقت یہ بات کھل جائے گی کہ وہ سب پر غالب اور زبردست ہے کوئی اس کے حکم اور گرفت سے باہر نہیں۔ دوسرا اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ عزیز ہے یعنی کسی حال میں کوئی شخص بھی اس کی گرفت سے باہر نہیں۔ وہ ہر چیز پر غالب اور مقتدر ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ غفار بھی ہے۔ اس لئے جو اس کی رحمت و مغفرت کے حقدار ہوں گے ان پر بہت بخشنے والا ہے۔ کوئی ذات ایسی نہیں جو اس کے جود و کرم پر پہرہ بٹھا سکے اور کسی کو اس کی بخشش سے محروم کر سکے۔ ان دونوں صفات کو جب ملا کر دیکھیں تو اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح کوئی نافرمانی اور سرتابی کرنے والا اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا اسی طرح اس کے فرماں بردار بندوں کو کسی ظلم یا ناانصافی کا کوئی اندیشہ نہیں۔ آدمی کا ایمان و عمل اللہ تعالیٰ کے فضل کے لیے سب سے بڑی سفارش ہے جو سفارشی لوگوں نے فرض کر رکھے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ ﴿٦٧﴾ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ﴿٦٨﴾

(اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ وہ ایک عظیم خبر ہے۔ ۶۷) اور تم اس سے اعراض کر رہے ہو۔ ۶۸)

آنحضرت ﷺ کے فریضۂ منصبی کی مزید وضاحت

نبی کریم ﷺ کی حیثیت اور آپ کے فریضۂ منصبی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے پیغمبر! ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہیں جس بات سے انذار کر رہا ہوں وہ کوئی معمولی بات نہیں، بلکہ اس کے اقرار و انکار پر تمہاری دنیا و آخرت کی کامیابی و ناکامی کا انحصار ہے۔ کیونکہ جیسے پہلے رکوع میں کہا گیا کہ تمہارے لئے یہ بات نہایت اچنبھے کی ہے کہ تمہیں یہ کہا جائے کہ تم نے جو متعدد معبود اور اِلٰہ بنا رکھے ہیں، یہ سب غلط ہیں، اِلٰہ صرف ایک ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ اور ان کے درمیان رہنے والی تمام مخلوقات کا رب ہے۔ تو تمہیں یہ بات ہضم نہیں ہوتی اور تم اسے بہت عجیب بات اور خطرناک بات سمجھتے ہو۔ حالانکہ اس کائنات کی حقیقت معرضِ خطر میں پڑ جاتی ہے اگر اس کے خالق و مالک کا فیصلہ نہ کیا جائے۔ اس کے خالق و مالک اور اِلٰہ کی وحدانیت ہی اس کائنات کے وجود کی وہ حقیقی توجیہ ہے جس سے کائنات کی ایک ایک چول ٹھیک بیٹھ جاتی ہے۔ ورنہ بے شمار سوالات ہیں جن کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔ اسی طرح انسان کے زمین پر خلیفہ ہونے اور اس کی زندگی کا ایک مقصد متعین ہونے اور پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے تصور کو قبول کرنے پر انسان کی تمام تر زندگی کا دارومدار ہے اور اسی سے اس کی دنیا و آخرت میں ایک رابطہ پیدا ہوتا ہے اور اسی سے اس کی زندگی کو ٹھیک نہج اور منزل ملتی ہے۔ اور اس کیلئے ایک صراطِ مستقیم کا تصور واضح ہوتا ہے۔ اندازہ کیجئے اگر اس کا انکار کر دیا جائے تو یہ کتنے بڑے خطرے کی بات ہے۔ لیکن حیرانی یہ ہے کہ تم مسلسل اس سے اعراض کر رہے ہو۔ تم نے شرک کو اپنا مذہب بنا رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات کو نہ جانے کہاں کہاں تقسیم کر رکھا ہے، اپنی زندگی کو بے مقصد ٹھہرا کر اپنے آپ کو شترِ بے مہار کا درجہ دے رکھا ہے۔ دنیا ہی کو اپنی زندگی کا حاصل قرار دے کر اپنی قوتِ تسخیر پر پہرے بٹھا رکھے ہیں اور اپنی ذات کو بلندیوں سے اتار کر حیوان کی سطح پر محدود کر دیا ہے۔ اس کے جو خطرناک نتائج دنیا و آخرت میں نکلنے والے اور نکل رہے ہیں میں تمہیں اس سے خبردار کرنے کیلئے آیا ہوں۔

Marfat.com

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ ۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾

اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾

(مجھے ملاءِ اعلیٰ کی کچھ خبر نہ تھی، جب وہ جھگڑ رہے تھے۔ ۶۹) یہ تو بس اس وجہ سے مجھے وحی کی جاتی ہے کہ میں ایک نذیرِ مبین ہوں۔ ۷۰)

آپؐ کے نذیر ہونے پر دلیل

آپ کے نذیرِ مبین ہونے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جو تمہیں ایسی بڑی بڑی خبریں دے رہا ہوں جس پر تمہاری دنیا و آخرت میں کامیابی کا دارومدار ہے تو اس سے تمہیں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ میں یہ سب باتیں اپنی طرف سے بنا کر تمہیں مرعوب کرنے کیلئے ایسا کر رہا ہوں۔ اس سے پہلے اہلِ دوزخ کی باہمی تو تکار کی میں نے جو خبر تمہیں دی ہے وہ محض کوئی افسانہ نہیں جسے میں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری اصلاح کیلئے مبعوث کیا ہے اور مجھے تمہاری طرف نذیرِ مبین بنا کر بھیجا ہے۔ کیونکہ میرے بعد کوئی اور نبی اور رسول آنے والا نہیں۔ میں اہلِ دنیا کو پوری طرح آگاہ کرنے کیلئے آیا ہوں کہ اگر انہوں نے ان حقائق کو تسلیم نہ کیا تو وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اسی وجہ سے یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہیں اور میں ایک نذیرِ مبین کی حیثیت سے لوگوں تک ان باتوں کو پہنچاتا ہوں۔

اہلِ عرب کی یہ عادت تھی کہ جب ان میں سے کسی شخص کو اچانک یہ خبر ہوتی کہ کوئی قبیلہ ان پر شب خون مارنے والا ہے یا کوئی بڑی فوج ان پر حملہ آور ہو رہی ہے تو وہ اپنے قبیلے یا اپنی قوم کو تباہی سے بچانے کیلئے سرپٹ اپنی سواری پر دوڑ پڑتا۔ اگر اونٹ پر سوار ہوتا تو اونٹ کی ناک چیر دیتا، اپنے کپڑے پھاڑ دیتا اور انتہائی دہشت ناک آواز میں لوگوں کو اس خطرے کی طرف متوجہ کرتا۔ ایسے شخص کو نذیرِ عریان کہا جاتا تھا یعنی ننگا ڈرانے والا۔ قرآنِ کریم چونکہ نہایت مہذب اور سنجیدہ کتاب ہے اس لئے اس نے عریان کو مبین سے بدل دیا ہے۔ مفہوم اس کا وہی ہے کہ جس طرح وہ ڈرانے والا انتہائی بے چینی، بے کلی اور پوری قوت سے چیخ چیخ کر اپنی قوم کو خطرے سے آگاہ کرتا ہے، میں بھی تمہیں آنے والے خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ یہ میرا اپنا احساس ہے بلکہ میں یہ اس لئے کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی وحی مجھ پر اترتی ہے اور اس کی وجہ سے میں اس خطرے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر آنحضرت ﷺ نے اپنی قوم سے جب یہ اطمینان حاصل کر لیا کہ وہ آپ کو انتہائی سچا انسان سمجھتی ہے اور آپ کی ہر خبر پر یقین رکھتی ہے تب آپ نے فرمایا:

کہا گر مری بات یہ دلنشیں ہے
تو سمجھو خلاف اس میں اصلاً نہیں ہے
کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا

Marfat.com

پھر اس کی تائید میں فرمایا کہ ملاءِ اعلیٰ میں جب پروردگار نے آدم کو خلیفہ بنانے کا اظہار فرمایا تو فرشتوں نے اس پر بعض سوالات کئے پروردگار نے نہایت شفقت سے اس کا جواب ارشاد فرمایا۔ قرآنِ کریم نے شفقت ہی کے انداز میں فرشتوں کے سوالات کو اختصام سے تعبیر جس کا ہم عام طور پر جھگڑے سے ترجمہ کرتے ہیں۔ لیکن دنیا میں اس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ ان بتایئے کہ میں یہ پورا واقعہ تمہارے سامنے بیان کر رہا ہوں تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ میری طرف یہ باتیں وحی کی جاتی ہیں۔ کیونکہ میرے نذیرِ مبین ہونے کیلئے ان باتوں کا جاننا ضروری ہے تاکہ میں تمہیں ان کے نتائج سے آگاہ کرسکوں۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾

(اس وقت کو یاد کرو جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ ۷۱) تو جب میں اس کو درست کر دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔ ۷۲) پس تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ ۷۳) بجز ابلیس کے، اس نے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ ۷۴)

اس بات کی تائید میں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ پر وحی کی جاتی ہے، حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا ماجرا بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ ماجرا پیچھے بھی ایک سے زیادہ مرتبہ گزر چکا ہے اور وہاں پوری طرح اس کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے، بالخصوص سورۃ البقرۃ میں اس کے ایک ایک جزو کی وضاحت گزر چکی ہے اس لئے یہاں ہر بات کی وضاحت کی ضرورت تو نہیں البتہ یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ واقعہ یہاں کیوں لایا گیا ہے۔

اس واقعہ کے تذکرہ کے اسباب

اس واقعہ کو یہاں لانے کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت کی مخالفت کی سب سے بڑی وجہ آنحضرت ﷺ کا توحید پر اصرار تھا۔ لیکن مشرکین کسی طرح بھی اپنے مشرکانہ رویئے کو چھوڑنے کیلئے تیار نہ تھے۔ وہ بہت سی مخلوقات میں عظمت و قوت کے مظاہر کو دیکھتے ہوئے اپنے آپ کو ان سے پست سمجھتے تھے اس لئے ان کے سامنے جھکتے، استمداد کرتے اور بندگی بجالاتے تھے۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے یہ واقعہ لا کر بتایا گیا ہے کہ تم حضرت آدم کی اولاد ہو۔ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے پاکیزہ اور سب سے عزت والے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے سامنے جھکنے کا حکم دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے جدِ امجد ملائکہ کے مسجود ہیں۔ اس لحاظ سے تمہیں ملائکہ پر بھی برتری حاصل ہے۔ رہیں باقی مخلوقات ان کا درجہ تو بہت بعد میں ہے۔ تو جب تم ملائکہ یا دوسری مخلوقات کے سامنے جھکتے ہو، انہیں اپنا مرجع و ماویٰ بنا کر اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو تو تم کس قدر غلطی کا ارتکاب کرتے ہو۔ کیا مسجود کبھی اپنے ساجد کے سامنے جھکتا ہے۔ کیا بہتر کہتر کے سامنے بندگی بجالاتا ہے۔ تم کس قدر غلط فیصلے کرتے ہو۔

Marfat.com

دوسری وجہ اس واقعہ کو لانے کی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت کو تسلیم نہ کرنے کی ایک بہت بڑی وجہ مخالفین کے ہاں یہ تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ نبوت کا تاج اس شخص کے سر پر رکھنا چاہئے جو دولت وثروت کے لحاظ سے معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو۔ ہم لوگ اور ہمارے سردار چونکہ دولت وثروت میں بہت بڑھے ہوئے ہیں اور نبوت کا دعویٰ کرنے والا دولت وثروت دونوں سے تہی دامن ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ شخص جسے معاشرے میں عزت وعظمت حاصل ہے اور جسے اس کی امارت کے باعث بڑا آدمی سمجھا جاتا ہے وہ اس غریب اور نادار آدمی کو نبی تسلیم کرلے جسے معاشرے میں کوئی حیثیت حاصل نہیں۔ اس واقعہ کا آئینہ دکھا کر قریش سے کہا جارہا ہے کہ تم بھی تکبر اور نخوت میں مبتلاء ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے رسول کی نبوت پر ایمان لانے کیلئے تیار نہیں ہو۔ اور یہی وہ گھمنڈ اور استکبار ہے جس نے ابلیس کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے جھکنے سے روک دیا۔ اور اس کی پاداش میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا مستحق ٹھہرا۔ تم بھی اسی راستے پر چل کر اور ابلیس کی سنت کو دہرا کر یقیناً اس انجام کی طرف بڑھ رہے ہو جو ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والوں کا ہوا ہے۔ تم خود اندازہ کرسکتے ہو کہ تمہارا یہ رویہ کس قدر غلط ہے۔

قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا مَنَعَکَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسۡتَکۡبَرۡتَ اَمۡ کُنۡتَ مِنَ الۡعَالِیۡنَ ﴿۷۵﴾

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! کس چیز نے تجھے اس چیز کو سجدہ کرنے سے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، یہ تو نے تکبر کیا یا تو اونچے درجے کی ہستیوں میں سے ہے۔ ۷۵)

ابلیس پر عتاب اور استفسار

اللہ تعالیٰ نے ابلیس پر عتاب فرماتے ہوئے سجدہ نہ کرنے کا سبب پوچھا اور ساتھ ہی یہ بات بھی واضح فرمائی کہ جس ذات کو تمہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا تم نے صرف اس کی ذات کو دیکھا اور ان بنیادی عناصر پر توجہ کی جس سے اس کا قالب تیار ہوا تھا۔ لیکن تم نے یہ نہ دیکھا کہ اسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے۔ یہ ایک محاورہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اسے خاص اہتمام سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو اس کے شرف اور کرامت پر دلالت کرتا ہے جبکہ تم اور باقی مخلوقات تخلیق کے عام طریقے کے مطابق وجود میں آئے ہو۔ تمہیں اس سے یہ بات سمجھ لینا چاہئے تھی کہ یہ نئی بننے والی مخلوق یقیناً اپنے اندر وہ فضیلت رکھتی ہے جو دوسری مخلوقات کو حاصل نہیں۔ لیکن اس قدر نمایاں حقیقت کو نظرانداز کرنے کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں کہ یا تو تم نے تکبر سے کام لیا ہے جو انتہائی قابلِ نفرت خصلت ہے۔ اور یا تم اپنے آپ کو اونچے درجے کی کوئی چیز سمجھتے ہو۔

قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ ؕ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ ﴿۷۶﴾

(اس نے جواب دیا میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو آپ نے مٹی سے پیدا کیا۔ ۷۶)

Marfat.com

ابلیس کی فکری کجی

ابلیس نے جواب دیا کہ میرے سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں اس سے بہتر اور برتر ہوں۔اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے، اور آگ مٹی سے افضل ہے۔ کیونکہ آگ کی سرشت میں بلندی کی طرف اٹھنا اور پرواز کرنا ہے۔اور مٹی کی فطرت میں پستی کی طرف گرنا ہے۔تو بلندی پستی کے سامنے کیسے جھک سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ ابلیس نے اپنی برتری کی بنیاد صفات پر نہیں بلکہ صرف نسب اور خاندان پر رکھی ہے۔ حالانکہ برتری صفات سے ملتی ہے، نسب اور خاندان سے نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ نے اگر اپنی قدرت سے مٹی کے ایک لوندے سے اپنا ایک شاہکار تیار کر دیا تو اس کا اس لئے انکار کر دیا جائے کہ وہ مٹی سے تیار ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ غلط بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اور یہی وہ منطق ہے جو اشراف قریش نبی کریم ﷺ اور آپ کے غریب ساتھیوں کے مقابلے میں پیش کرتے تھے کہ اگر نبوت کیلئے کسی کو منتخب کرنا ہی تھا تو ہم میں سے کسی کو منتخب کیا جاتا۔ محمد (ﷺ) جیسا بے مایہ آدمی کس طرح اس کا سزاوار ہو سکتا ہے۔ اور اب اگر وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے تو ہم اسے کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿٧٧﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٧٨﴾

(حکم ہوا: تو یہاں سے نکل جا، بے شک تو مردود ہے۔ ۷۷) اور بے شک تیرے اوپر جزاء کے دن تک میری لعنت ہے۔ ۷۸)

رجیم کا معنی مردود، پھینکا ہوا اور دھتکارا ہوا کیا جاتا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم نے سورۃ الاعراف میں اسی مفہوم کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔ فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ''پس نکل جا، تو ذلیل ہستیوں میں سے ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ابلیس کے مردود ہونے میں ذلیل ہونا بھی شامل ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ملے جو ابلیس کو برا نہ کہتا ہو اور اس سے نفرت نہ کرتا ہو۔

سوال یہ ہے کہ ابلیس کو کہاں سے نکلنے کا حکم دیا گیا تھا۔ بعض اہلِ علم نے بات کو لپیٹتے ہوئے کہا کہ جس جگہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے آگے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا اور جہاں ابلیس نے حکم سے سرتابی کی، وہی جگہ مراد ہے۔ لیکن اکثر آئمہ تفسیر اس سے جنت مراد لیتے ہیں کہ اس سے پہلے یہ فرشتوں کے ساتھ جنت ہی میں رہتا تھا، پھر وہاں سے اسے نکال دیا گیا۔

یہ جو فرمایا گیا ہے کہ یوم الجزاء تک تجھ پر میری لعنت ہوگی، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ یوم الجزاء کے بعد اس پر لعنت نہ ہوگی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یوم الجزاء تک تو اس پر لعنت اس حکم عدولی کی وجہ سے ہوگی جو اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے کی ہے اور اس کے بعد وہ اپنے ان کرتوتوں کی سزا بھگتے گا جو تخلیقِ آدم کے وقت سے لے کر قیامت تک اس سے سرزد ہوں گے۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٧٩﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٨٠﴾
اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٨١﴾

(ابلیس نے کہا: اے میرے رب! مجھے اس وقت تک کیلئے مہلت دے دے، جب یہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ ۷۹) پروردگار نے فرمایا: تجھ کو مہلت دی گئی۔ ۸۰) وقتِ معین تک کیلئے۔ ۸۱)

Marfat.com

قیامت تک لعنت کی سزا سننے کے بعد ابلیس نے گمان کیا کہ شاید اس کی مہلتِ عمل ختم کی جا رہی ہے جبکہ وہ دل میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ میرے جنت سے نکلنے اور میرے تمام مناصب سے محروم ہونے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیئے جانے کا سبب چونکہ آدم ہوئے ہیں، اس لئے جب تک میں زندہ ہوں میں اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور اس طرح سے میں آدم اور اس کی اولاد سے انتقام لینے کی کوشش کروں گا۔ اس لئے اس نے فوراً پروردگار سے درخواست کی کہ اسے اس دن تک کیلئے مہلت دی جائے جس دن لوگ اپنے اعمال کے حساب کیلئے اٹھائے جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت دے دی۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾

(اس نے کہا تیری عظمت کی قسم، میں ان سب کو بہکا کر رہوں گا۔ ۸۲) بجز تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے خاص کر لیا ہے۔ ۸۳)

جیسے ہی اسے مہلت ملی اور اسے اطمینان ہو گیا کہ اب میں اپنی انتقامی کارروائی میں آزاد ہوں تو اس نے نہایت طنطنہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عزت وعظمت کی قسم کھا کر کہا کہ اب میں ان سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ میں ان میں سے ہر ایک کو بہکاؤں گا اور یہ میرے بہکانے کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ بجز ان لوگوں کے جنہیں تو نے بندگی کیلئے خاص کر لیا ہے۔ اس طرح سے میں یہ ثابت کر دوں گا کہ میرا آدم کو سجدہ نہ کرنا کوئی غلط فیصلہ نہ تھا۔ وہ اس عزت وشرف کا ہرگز اہل نہ تھا جو اسے عطا کر دیا گیا۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾

(ارشاد ہوا، پس حق یہ ہے اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں۔ ۸۴) کہ میں تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے جہنم کو بھر دوں گا۔ ۸۵)

شیطان کے چیلنج کے جواب میں پروردگار نے ارشاد فرمایا اور نہایت بے نیازی سے فرمایا کہ تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ تم سب کو گمراہ کر کے چھوڑو گے، تو میں تم سے یہ کہتا ہوں اور تم خوب جانتے ہو کہ یہی بات حق ہے اور میں ہمیشہ حق ہی کہتا ہوں کہ میں تمہیں بھی اور تمہاری پیروی کرنے والوں کو بھی جہنم میں ڈالوں گا اور ایسے ہی لوگوں سے جہنم کو بھروں گا۔ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ میں تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے جہنم کو بھروں گا تو اس سے مراد صرف ابلیس نہیں بلکہ پورا گروہِ شیاطین جو اس کے ساتھ مل کر نوعِ انسانی کو گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے، مراد ہے۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾

(اے نبی! کہہ دیجئے کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی عوض نہیں مانگتا، اور نہ میں کوئی بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔ ۸۶) یہ تو ایک نصیحت ہے تمام جہاں والوں کیلئے۔ ۸۷) اور تھوڑی مدت ہی گزرے گی کہ تم اس کی دی ہوئی خبر کو جان لو گے۔ ۸۸)

Marfat.com

تین قابلِ توجہ حقائق

بڑے سے بڑا کام کرنے والوں اور عظیم سے عظیم شخصیتوں کیلئے سب سے بڑی رکاوٹیں تین ہوتی ہیں۔ایک یہ کہ ہر کام کرنے والے کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ شخص جو اتنی جان مار کر کام کر رہا ہے اور اتنی مخالفتیں برداشت کر رہا ہے اور اس نے اسے زندگی کی سب سے بڑی ترجیح بنا رکھا ہے یقیناً اس کا اس میں کوئی نہ کوئی مفاد ہے۔اسے کہیں نہ کہیں سے اس کا معاوضہ ملتا ہے۔اور دوسری یہ بات کہ ہر کام کرنے والے کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ صرف اپنی ذاتی شہرت اور اپنی ذات کی بڑائی اور اپنے آپ کو ناگزیر ثابت کرنے کیلئے وہ ایسی باتوں کا دعویٰ کر رہا ہے جن کا اس سے کسی طرح کا تعلق نہیں۔جیسے ہی اسے اس بات کا احساس ہوا کہ اب وہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے تو پھر وہ کبھی بھول کر بھی ان باتوں کا نام نہیں لے گا۔دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ اصل میں اس شخص کے دو چہرے ہیں، حقیقت کچھ اور ہے اور ظاہر کچھ اور۔

اور تیسری یہ بات کہ وہ اپنی بات کو قبول نہ کرنے کے نتیجے میں جن خدشات کا اظہار کرتا ہے اور اپنی بات کے وقوع پذیر ہونے کو جس حتمی انداز میں پیش کرتا ہے یہ سراسر دعوے ہیں، انہیں شاید کبھی تعبیر نہ مل سکے۔یہی تینوں باتیں نبی کریم ﷺ کے بارے میں بھی کہی جاتی تھیں۔ان تین آیتوں میں ان ہی تین باتوں کا جواب دیا گیا ہے اور جواب بھی آنحضرت ﷺ سے دلوایا گیا ہے کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں جو دعوت تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں میں اس پر تم سے کسی صلہ کا طالب نہیں ہوں کہ تم نے اس کی قدر نہ کی تو میں صلہ سے محروم رہ جاؤں گا۔میں تو اس عظیم کام کیلئے اپنا وقت، اپنا کاروبار، اپنا سرمایہ، اپنے تعلقات، اپنی قرابتداریاں، غرضیکہ سب جھونک چکا ہوں۔اگر اس میں کسی مفاد اور صلے کی آمیزش ہوتی تو میں یہ قربانیاں کبھی نہ کرتا۔اس لئے تمہیں یکسو ہو جانا چاہئے کہ یہ ایک فریضہ ہے جسے میں ادا کر رہا ہوں اور فرائض صلے کی امید پر ادا نہیں کئے جاتے۔

دوسری یہ بات کہ میں نے یہ بارِ گراں خود اپنی خواہش سے نہیں اٹھایا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ایک ذمہ داری ہے جسے میں ادا کر رہا ہوں۔میری چالیس سالہ زندگی اس پر گواہ ہے کہ مجھ سے کبھی کسی شخص نے اس مقصد کے حوالے سے ایک لفظ تک نہیں سنا تھا۔اور اپنے آپ کو آگے بڑھانے کیلئے کبھی کسی نے میرے اندر اس کی بو تک نہیں سونگھی تھی۔اب جبکہ چالیس سال کی عمر کے بعد جوانی کے ولولے سرد ہو گئے ہیں اور اپنی ذات کیلئے کچھ کر گزرنے کی خواہشیں بھی دم توڑ گئی ہیں تو کیا اس عمر میں، میں بہ تکلف اپنے آپ کو اس انداز میں پیش کروں گا جو درحقیقت میں نہیں ہوں تو یہ سوچ سراسر حماقت کے سوا کچھ نہیں۔

اور تیسری یہ بات کہ میں جس طرح محکم انداز میں اور پورے اعتماد کے ساتھ اپنی دعوت پیش کر رہا ہوں اور جس طرح یقین کے ساتھ آنے والی ہر بات کی خبر دے رہا ہوں اگر آج اس کو نہیں مانا جائے گا تو وہ وقت دور نہیں کہ ان میں سے ہر بات ہو کر رہے گی اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ اللہ تعالیٰ کا دین غالب آ کر رہے گا۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَۃُ الزُّمَرِ

(۳۹)

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوۡرَۃُ الزُّمَرِ

(۳۹)

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الزُّمَرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام الزُّمَر ہے۔ یہ اس سورۃ کی آیات ۷۱ اور ۷۳ سے ماخوذ ہے۔ اسم چونکہ اپنے مسمیٰ کی شناخت ہوتا ہے اس لحاظ سے اس نام کا معنی یہ ہوگا کہ وہ سورۃ جس میں یہ لفظ الزُّمَرِ آیا ہے۔

زمانۂ نزول:۔ ہر سورۃ کے زمانۂ نزول کے بارے میں کوئی قطعی رائے دینا ممکن نہیں، کیونکہ ہر سورۃ کے بارے میں نہ کوئی محکم قرینہ پایا جاتا ہے اور نہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات میں واضح طور پر اس کی وضاحت ملتی ہے۔ اگر حدیث میں کسی سورۃ کے زمانۂ نزول کے بارے میں کوئی روایت مل جائے تو پھر زمانے کے تعین میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ ورنہ مفسرین کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ سورۃ کے مندرجات سے اندازہ کرنے کی کوشش کریں کہ اس سورۃ کا زمانۂ نزول کیا ہوگا۔ روح المعانی نے بعض روایات کے حوالے سے تصریح کی ہے کہ یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی ہے جب حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھی ہجرتِ حبشہ کی تیاری کر رہے تھے۔ ممکن ہے ان روایات کی سند کمزور ہو، لیکن اس سورۃ میں ایک ایسی آیت آتی ہے جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ وہ آیت ہے وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ۔ اس آیت کے سیاق وسباق اور نفسِ مضمون پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی ہے جب مسلمانوں کیلئے قریشِ مکہ کی ایذا رسانیاں ناقابلِ برداشت ہوتی جارہی تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ زمانہ شدید کشمکش کا زمانہ تھا۔ آنحضرت ﷺ پورے جوش وجذبہ سے اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دے رہے تھے اور اپنی شخصیت کا سارا سرمایہ اس میں کھپائے دے رہے تھے۔ اور قریشِ مکہ یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ اس نوزائیدہ صداقت اور قوت کو پھیلنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ مسلمانوں کو ایمان کی حفاظت اور استقامت کیلئے ہجرت کی طرف توجہ دلائی گئی تاکہ مخالفتوں کی اس بھٹی سے نکل کر وہ سکھ کا سانس لے سکیں اور ایک نئے معاشرے کی تعمیر کر سکیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے دین کیلئے نئے نئے امکانات پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اس وقت کے حالات کے تقاضوں کے مطابق اس سورۃ میں مسلمانوں کی تربیت کیلئے عقیدہ وعمل کی جس قوت کی ضرورت تھی اسے اس سورۃ میں کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ اور قریش کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا کی جارہی تھیں ان کا بھی پوری طرح سدِ باب فرمایا گیا ہے۔ اہلِ مذہب میں دین ہمیشہ پوجاپاٹ کے معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کو ہمیشہ نہایت محدود معنی میں لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے پروردگار نے عبادت کے مسئلے کو کھول کر بیان کیا اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کو اس کا جز قرار دیا اور بطورِ اصول یہ بات واضح کر دی گئی کہ ہر طرح کی مکمل بے میل اطاعت اور ہر طرح کی

Marfat.com

بندشوں سے آزاداور ہرطرح کے تحفظات سے پاک اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔اسی میں کجی پیدا ہونے کی وجہ سے انسانی زندگی میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پھران خرابیوں کوایک ایک کرکے بیان بھی فرمایا گیا ہے اوراس کا ازالہ بھی کیا گیا ہے۔اور مسلمانوں کوحوصلہ دلانے کیلئے ان پر یہ بات واضح کی گئی کہ یقیناً آج تمہیں جوتکلیفیں پہنچ رہی ہیں انہیں برداشت کرنا آسان نہیں،لیکن تمہیں یقین ہونا چاہئے کہ اس کا اجروثواب بہت بڑا ہے جوتمہارے حساب وکتاب کے پیمانوں میں سمانہیں سکتا۔

قریش کوسخت تنبیہ کی گئی ہے کہ تم ہمارے رسول کی مخالفت یہ سمجھ کرمت کروکہ یہ ایک لاوارث دین ہے جس کے قبول یا عدمِ قبول سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اللہ تعالیٰ عزیز بھی ہےاور حکیم بھی۔یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ تمہاری آج تک گرفت نہیں کی گئی۔لیکن تم اس کی گرفت سے باہر نہیں ہو۔اس کا دین چونکہ دنیا کی اصلاح کیلئے آیا ہے اس لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ ناکامی اس کا مقدر بنے۔وہ وقت کے ساتھ ساتھ تمہارے اندرنفوذ کرتا جارہا ہے۔تم بظاہراس کی گرفت سے آزادہو،لیکن حقیقت میں تم اپنے ہولناک انجام کی طرف بڑھ رہے ہو۔اگرتمہیں اپنی عاقبت عزیز ہےتواپنی زندگی کی روش بدلواوراللہ تعالیٰ کے دین کوقبول کرکے اپنی عاقبت بنالو۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ۷۵	سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ (۳۹)	رُكُوْعَاتُهَا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۱) اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (۲) اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ
وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى
اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۥ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ (۳) لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا
لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (۴)
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ
النَّهَارَ عَلَي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ
اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (۵) خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ
مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ
فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (۶) اِنْ
تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۣ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ

Marfat.com

تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۗ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ
مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۷﴾
وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً
مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ
عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴿۸﴾
اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا
رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۗ
اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾

رکوع: ۱۔ (یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ زبردست اور حکیم کی جانب سے۔ ۱) بے شک ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے، پس آپ اللہ ہی کی بندگی کریں، اس کیلئے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ ۲) خبردار کہ اطاعت خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں، اللہ ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور ناشکرا ہو۔ ۳) اگر اللہ کسی کو بیٹا بنانے کا ارادہ کرتا تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا، وہ اس سے پاک ہے، وہ اللہ واحد ہے سب پر قابو رکھنے والا۔ ۴) اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر ڈھانکتا ہے، اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے، ہر ایک وقتِ مقرر کی پابندی کے ساتھ چلا جا رہا ہے۔ یاد رکھو وہ زبردست ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔ ۵) اسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا، اور اتاریں اس نے تمہارے لئے چوپایوں کی آٹھ قسمیں، وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کرتا ہے ایک خلقت کے بعد دوسری خلقت میں تین تین باریک پردوں کے اندر، یہی اللہ تمہارا رب ہے، اسی کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تم کدھر سے پھرائے جا رہے ہو۔ ۶) اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے لیکن وہ اپنے بندوں

Marfat.com

کیلئے کفر کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لئے پسند کرتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تمہارے رب ہی کی طرف تمہاری واپسی ہے تو وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو، وہ تو سینوں کے بھیدوں کو بھی جاننے والا ہے۔ ۷) جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے صرف اسی کی طرف متوجہ ہو کر، پھر جب اس کا رب اسے اپنی نعمت سے نواز دیتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے اس مصیبت کو جس کیلئے پہلے پکارتا رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کے ہمسر ٹھہرانے لگتا ہے تاکہ اس راہ سے لوگوں کو گمراہ کرے، اے پیغمبر کہہ دیجئے کچھ دنوں اپنے کفر کا فائدہ اٹھالو، تم یقیناً آگ والوں میں سے ہو۔ ۸) کیا وہ شخص جو عاجزی کرنے والا ہے شب کے اوقات میں اپنے رب کے آگے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کی حالت میں، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے (اور دوسرا جو ان صفات سے عاری ہے کیا یہ دونوں یکساں ہو جائیں گے) ان سے پوچھئے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہیں، نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔ ۹)

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①

(یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ زبردست اور حکیم کی جانب سے۔ ۱)

آنحضرت ﷺ کو تسلی اور منکرین کو تنبیہ

اس کتاب کو تھوڑا تھوڑا دھیرے دھیرے نازل کیا گیا ہے جو اس کے خصوصی اہتمام پر بھی دلالت کرتا ہے اور اس بات پر بھی کہ مخالفین کے رویئے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ دعوت کی ضرورت میں بھی تبدیلی آتی ہے، جس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ بدلے ہوئے حالات میں نئی ہدایت، نئی رہنمائی اور نئے احکام دیئے جائیں۔ اور مخالفین کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کا بروقت جواب دیا جائے اور مخالفت سے جو ایک نفسیاتی فضا پیدا ہوتی ہے اس میں حوصلہ دینے کیلئے نئی نصیحت کا نزول ہو۔ چنانچہ ان حقائق کی طرف اشارہ کرنے کیلئے تنزیل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس میں یہ بھی تاثر دیا گیا کہ اس کلام کے لکھنے والے یا مرتب کرنے والے نبی کریم ﷺ نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کیلئے نازل ہوا ہے۔ اس کی تبلیغ و دعوت آنحضرت ﷺ پر ایک فریضہ ہے جس کی ادائیگی کیلئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ ذمہ دار ٹھہرائے گئے ہیں۔ اور چونکہ اس کا مقصد انسانوں کی ہدایت ہے اس لئے قریش اور دیگر مخالفین کو اس کا نزول چاہے کتنا ہی برا لگے وہ ایک اٹل حقیقت ہے جسے ٹالا نہیں جاسکتا۔ اور جس ذات نے اسے اتارا ہے وہ عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ نبی کریم ﷺ اس ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے کیسے بھی ناموافق حالات سے دوچار ہوں اس میں ناکامی اور مایوسی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس ذات عزیز نے اسے اتارا ہے اس کے ارادوں میں کوئی حائل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح مخالفین کو بھی یہ یقین رکھنا چاہئے کہ چونکہ اس کا نازل کرنے والا عزیز ہے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کی نازل کردہ کتاب کی مخالفت کے انجام سے دیر تک مامون نہیں رہ سکتے۔ انہیں ایک نہ ایک دن اپنی مخالفت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کرنا پڑے گی۔ رہی یہ بات کہ اس سلسلے میں مزاحمتیں پیش آرہی ہیں اور آئندہ بھی آئیں گی تو انہیں خدا کی حکمت پر محمول کرنا چاہئے۔ کیونکہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر وجود میں نہیں آتی اور اس کا ہر کام حکمت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

اِنَّـآ اَنۡزَلۡنَـآ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِاللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّـہُ الدِّیۡنَ ﴿۲﴾ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ
الۡخَالِصُ ؕ وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَـآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَـآ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی ؕ اِنَّ
اللّٰہَ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ فِیۡ مَاہُمۡ فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ۬ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ ہُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ ﴿۳﴾

(بے شک ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے، پس آپ اللہ ہی کی بندگی کریں، اس کیلئے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ ۲) خبردار کہ اطاعت خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں، اللہ ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور ناشکرا ہو۔ ۳)

قرآنِ کریم کی حیثیت اور اس کی تعلیم کی قطعیت

گزشتہ آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے نزول کی ضرورت واہمیت واضح کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح فرمادی کہ چونکہ اس کا نازل کرنے والی ایک ایسی ذات ہے جو عزیز اور حکیم ہے۔ اس لئے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ مخالفت اور استہزاء سے اس کتاب کا نزول رک جائے گا اور اذیت رسانیوں سے اس کی دعوت روک دی جائے گی، اسے بہر حال اترنا بھی ہے اور انسانوں کی ہدایت کیلئے وہ کام بھی کرنا ہے جس کیلئے اسے نازل کیا گیا ہے۔ اب پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اس کتاب کے نزول کا وہ اصل مقصد بیان کیا گیا ہے جس کے فقدان کے باعث انسان کی قسمت بگڑ گئی ہے اور بر و بحر میں فساد پھیل گیا ہے۔ دنیا میں اصلاح کے نام سے بہت سی آوازیں اٹھتی رہی ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایسی دعوت کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوئی جو سراسر حق ہو۔ دنیا نے ہمیشہ اس میں شرک اور غیر اللہ کی بندگی کی آمیزش کرنے کی کوشش کی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ایک ایسی کتاب نازل کی جائے جو قولِ فیصل بن کر آئے اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کا فیصلہ حتمی اور یقینی ہو۔ چنانچہ اسی یقینی اور حتمی بات کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں، دین کو اس کیلئے خالص کردیں۔ لوگوں نے حق کے تصور کو جس طرح بگاڑا اس بگاڑ کی سب سے بڑی صورت یہ رہی ہے کہ عبادت کے تصور کو بالکل بگاڑ کر رکھ دیا۔ اور اسی طرح دین کو بھی اس کے اصلی مفہوم سے بیگانہ کردیا۔ اس لئے اس کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا کہ عبادت اپنے صحیح مفہوم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کیلئے سزاوار نہیں۔ کیونکہ عبادت دو تصورات کا مجموعہ ہے ایک ہے پوجا اور پرستش اور دوسرا ہے عاجزانہ اطاعت اور فرماں برداری۔ اور چونکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اس لئے اس سے وہ عبادت مراد ہے جس کا تعلق پوجا اور پرستش سے بھی ہے اور عاجزانہ اطاعت اور فرماں برداری سے بھی۔ لیکن عام معنوں میں یہ لفظ ہمیشہ غلامی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ اس کا مادہ عبد ہے اور یہ لفظ ہمیشہ حر کے متضاد کے طور پر ہمیشہ استعمال ہوتا ہے۔ غلامی کے لفظ پر جب ہم غور کرتے ہیں اور اس کے استعمالات کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کا مفہوم چار تصورات سے مکمل ہوتا ہے اور ان چار تصورات کے مجموعے پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلا تصور یہ ہے کہ غلامی وہ طرزِ زندگی ہے جس میں غلام کو حقِ ملکیت حاصل نہیں ہوتا۔ وہ اپنی صلاحیتوں، توانائیوں اور مشقتوں سے جو کچھ حاصل کرتا ہے اس کا مستحق اس کا آقا ہوتا ہے اور وہی اس کا مالک کہلاتا ہے۔

Marfat.com

دوسرا تصور یہ ہے کہ غلام اپنی مرضی کا مالک نہیں ہوتا۔ وہ کسی کام سے متعلق اپنی مرضی کا اظہار نہیں کرسکتا۔ نہ اپنی ذات سے متعلق وہ فیصلہ کرنے کا مجاز ہے اور نہ اپنی ذات سے باہر کوئی رائے دے سکتا ہے۔ اس کا کام اپنے آقا کے فیصلوں اور اس کی مرضی پر سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔

اور تیسرا تصور یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے نصب العین کے تعین کا حق نہیں رکھتا۔ وہ اپنی زندگی کو کس مقصد کے مطابق گزارے اور اپنے آپ کو کس قالب میں ڈھالے اس کے فیصلے کا اسے کوئی حق نہیں۔ اس کا آقا اس کیلئے جو نصب العین طے کردے وہ اس کے مطابق زندگی گزارنے کا پابند ہے۔

چوتھا تصور یہ ہے کہ اس کا آقا اسے جس حال میں رکھے اسے اس پر شکایت کا کوئی حق نہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ اپنی ضروریات کا اظہار کرسکتا ہے لیکن آقا کے فیصلوں پر اعتراض اور شکایت نہیں کرسکتا۔

عبادت کا یہی مفہوم ہے کہ انسان درحقیقت اللہ تعالیٰ کا غلام ہے۔ ایمان کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی غلامی کو قبول کرنا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی غلامی بھی شامل ہے اور اس کی اطاعت بھی شامل ہے۔ لیکن گمراہ قوموں نے اولاً تو اس تصور کو قبول ہی نہیں کیا اور اگر قبول کیا بھی ہے تو صرف اس حد تک کہ بندے کو اپنے اللہ کی پرستش کرنی چاہیے، یعنی اسے اللہ کی پوجا پاٹ کرنی چاہیے، اس کی عبادت کرنی چاہیے، اس سے مناجات کرنی چاہیے، اسی سے دعائیں مانگنی چاہئیں۔ یعنی اپنی پرائیویٹ زندگی میں اس سے تعلق قائم کرنا چاہیے۔ رہی پبلک زندگی، معاشرتی، معاشی، عدالتی، سیاسی، ثقافتی اور حکومتی حوالوں سے اس کی زندگی آزاد ہے، وہ اپنے فیصلے خود کرنے کا مجاز ہے۔ اس غلط فہمی کے ازالے کیلئے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تمہاری اطاعت بھی خالص اسی کیلئے ہو۔ کسی دوسری اطاعت کی اس پر پرچھائیں بھی نہ پڑے۔ غیر مشروط اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے سزاوار ہے۔ اور پھر اس پر دلیل دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو کہ خالص دین یعنی اطاعت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کیلئے ایک ایسا بیجا تصور ہے جسے عقل قبول نہیں کرسکتی۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ خالق اور پروردگار کوئی اور ہو اور عبادت کا حقدار کوئی اور ہو۔ اور اسی طرح عبادت کا حقدار کوئی اور ہو اور اطاعت کا حق کسی اور کو دے دیا جائے۔ یہ ایک ایسا تضاد ہے نہ عقل کے پاس اس کے جواز کی کوئی دلیل ہے اور نہ دنیا کے مسلمات میں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ کل بھی دنیا نے اس معاملے میں ٹھوکر کھائی اور آج کی بھی روشن خیال تہذیب اور آج کا علم و دانش کا پیکر انسان نہ صرف یہ ٹھوکر کھا رہا ہے بلکہ اسے اس بات پر اصرار ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق انسان کا ایک پرائیویٹ تعلق ہے، اس کی پبلک لائف اور عملی زندگی سے اس کا کوئی رشتہ نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب انسان عبادت گاہ میں جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوتا ہے اور جب وہ عبادت گاہ سے نکل کر زندگی کے دوسرے دوائر میں داخل ہوتا ہے تو پھر وہ اپنے نفس یا شیطان کا بندہ بن جاتا ہے۔ اس فکری اور عملی تضاد سے بچانے کیلئے واضح طور پر فرمایا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا غلام ہے اور غلامی صرف پرستش کا نام نہیں بلکہ پرستش اور اطاعت دونوں کا نام ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کی ہو، اس میں کسی اور کی لاگ تک نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم اپنا مال دیتے ہیں اس لئے کہ ہمارا نام بلند ہو، کیا اس پر ہمیں کوئی اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے پوچھا! اگر اللہ تعالیٰ کے اجر اور دنیا کی ناموری دونوں کی نیت ہو؟ تو آپ نے فرمایا: ان اللہ تعالیٰ لایقبل الا من اخلص له "اللہ تعالیٰ کوئی عمل بھی قبول نہیں کرتا جب تک وہ خالص اسی کیلئے نہ ہو۔ اس کے بعد حضور نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

Marfat.com

مشرکین شرک کے جواز کیلئے ہمیشہ سے یہ دلیل دیتے چلے آئے ہیں کہ جن قوتوں کو ہم نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کارساز بنا رکھا ہے انہیں وہ خدا سمجھ کر پرستش نہیں کرتے بلکہ ہم تو اس لئے ان کی عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اتنی بلند ہے کہ جس تک ہماری رسائی نہیں ہوسکتی۔ ہم ان بزرگ ہستیوں کو ذریعہ بناتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ تک ہماری دعائیں اور التجائیں پہنچادیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اپنی کتاب میں واضح طور پر ان باتوں کی تردید فرمادی ہے اور اس بات میں کوئی اخفاء نہیں رہنے دیا کہ جس طرح عبادت اللہ تعالیٰ کیلئے ہے اسی طرح اطاعت بھی اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی اطاعت میں کوئی شریک ہے۔ لیکن جو لوگ اب بھی اسے قبول کرنے کیلئے تیار نہیں تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے لوگوں کا فیصلہ فرمائے گا۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی واضح فرمائی کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے متمتع ہو کر اس کی ناشکری کرتے ہیں اور شرک کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرکے جھوٹ بولتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یہ جھوٹ باندھتے ہیں کہ اس نے فلاں اور فلاں کو اپنا شریک بنا رکھا ہے۔ ایسے جھوٹے اور ناشکرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ
سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۴﴾

(اگر اللہ کسی کو بیٹا بنانے کا ارادہ کرتا تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا،
وہ اس سے پاک ہے، وہ اللہ واحد ہے سب پر قابو رکھنے والا۔ ۴)

مشرکین کے عقیدے پر تعریض

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی نہ کسی کو شریک کیا ہے ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد فرض کی ہے۔ وہ مشرکین عرب میں بھی تھے اور یہود و نصاریٰ میں بھی۔ اس آیتِ کریمہ میں ان کے عقیدے پر تعریض کی گئی ہے کہ مشرک لوگ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ٹھہرائے ہوئے شرکاء کو اللہ تعالیٰ کے یہاں تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اولاد کا عقیدہ اختیار کیا ہے کیونکہ ان کا خیال یہ ہے کہ اولاد قرب کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ حالانکہ اگر وہ تھوڑا سے تدبر سے کام لیتے تو انہیں اندازہ ہوتا کہ اس سے بڑھ کر حماقت اور سفاہت کی بات اور کوئی نہیں۔ کیونکہ اولاد کیلئے چند باتوں کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

1- باپ اور بیٹے کا ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ باپ کسی اور جنس سے ہو اور بیٹا کسی اور جنس سے تعلق رکھتا ہو۔ اس بات کو تسلیم کر لینے کے بعد خود بخود یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور وحدہ لاشریک ہے۔ وہ کسی جنس کا فرد نہیں۔ اگر اس کیلئے بیٹا فرض کیا جائے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ بیٹا لازمی طور پر اپنے باپ کا ہم جنس ہونا چاہئے۔ تو جسے ہم اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیں گے وہ اللہ تعالیٰ کا ہم جنس ہونے کی وجہ سے یقیناً اپنے اندر خدائی صفات رکھتا ہوگا۔

Marfat.com

2- باپ کے اندر بیٹے کی طلب دو وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ایک تو اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ میں فانی ہوں، میرے بعد کسی کو تو میرے نام کو زندہ رکھنے کا ذریعہ ہونا چاہئے۔اور وہ ظاہر ہے بیٹا ہی ہوسکتا ہے۔تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بیٹا تسلیم کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کو فانی ماننا پڑے گا۔اور یہ سراسر کفر اور خلافِ عقل ہے۔ بیٹے کی طلب کیلئے دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ باپ اپنے آپ کو محتاج سمجھتا ہے۔اور اس کی یہ احتیاج مرورِ ایام کے ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔حتیٰ کہ ایک وقت آتا ہے جب وہ بیٹے کو اپنی لاٹھی سمجھتا ہے۔کیونکہ بڑھاپا اسے اس قدر لاغر کر دیتا ہے کہ وہ سہارے کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا۔اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ اگر پروردگار صاحبِ اولاد ہے تو یقیناً ایک دن اس پر ایسا وقت آئے گا جب وہ کائنات کو سنبھالنے کے قابل نہیں ہوگا اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات کے خلاف ہے۔

3- اولاد بیوی کے بغیر پیدا نہیں ہوتی۔اس لئے اولاد ماننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کیلئے بیوی بھی تسلیم کرنا پڑے گی۔اور بیوی کو اپنے شوہر کا ہم جنس ہونا چاہئے۔اس لئے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کی بیوی اس کی ہم جنس ہے، یعنی وہ بھی خدا ہے حی اور لایموت ہے۔اسی طرح میاں بیوی میں ازدواجی تعلق قائم ہونا بھی ضروری ہے۔کیونکہ اولاد کا کوئی تصور ازدواج کے بغیر ممکن نہیں۔اندازہ کریں کہ جو انتہائی احمق شخص اللہ کریم کے بارے میں ایسے تصورات رکھتا ہے وہ اس پروردگار کو یکتا اور یگانہ ہستی کیسے قرار دے سکتا ہے۔

ان تمام مقدمات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد کا ہونا ممکن نہیں ہے۔تو پھر ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلوقات میں سے جس مخلوق کو چاہے اپنے لئے بیٹے کے طور پر منتخب فرمالے۔لیکن اس صورت میں ایک بہت بڑی قباحت لازم آتی ہے کہ بیٹے کے طور پر جسے بھی انتخاب کیا جائے گا وہ یقیناً مخلوقات میں سے ہونے کی وجہ سے ایک مخلوق ہوگا۔تو اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ خالق اور بیٹا مخلوق، آخر اس میں کیا تک ہے۔اس لئے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک ہے، کوئی دوسرا اس کا ہم جنس نہیں ہوسکتا، اس کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے، وہ سب کا سنبھالنے والا ہے، اسے کسی سہارے کی ضرورت کیا ہے، اس پر کبھی کمزوری یا اضمحلال طاری نہیں ہوگا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۵﴾

(اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر ڈھانکتا ہے، اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے، ہر ایک وقتِ مقرر کی پابندی کے ساتھ چلا جارہا ہے۔یاد رکھو وہ زبردست ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔ ۵)

انسان کے بگاڑ کا ایک سبب

انسانوں میں شرک کے پیدا ہونے اور جاری رہنے کے جو اسباب ہیں ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نیکی اور بدی کے معیارات پر پورا اترنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق زندگی گزارنا یہ انسان کیلئے بہت مشکل ہے۔قدم قدم پر خواہشات کی گرفت اور مفادات کی ہوس آدمی کو غلط کام کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچنے کیلئے اگر کوئی آسان اور یقینی صورت ہوسکتی ہے تو وہ صرف

Marfat.com

ہے کہ کچھ قوتوں کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارشی تسلیم کیا جائے اور ان کی سفارش کے بھروسے پر زندگی گزاری جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ یہ ہمارے سفارشی ہمیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالیں گے۔اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو حق کے ساتھ یعنی ایک مقصد کے ساتھ پیدا فرمایا۔اس کے ہر کام میں حکمت ہے اور حکیم کا کوئی کام کبھی بھی بے مقصد نہیں ہوتا۔بڑے بڑے اجرامِ فلکی جن پر ہمارے بیشتر زندگی کے معاملات کا دارومدار ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی مقصد دے کر پیدا کیا ہے اور وہ اسی مقصد کی تکمیل میں شب و روز اپنا فرض انجام دے رہے ہیں۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی مخلوق بھی ایسی نہیں جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے کوئی وظیفۂ حیات مقرر نہ کیا ہو۔اس کے باوجود انسان کا یہ سمجھنا کہ اس کے اعمال و عقائد کچھ بھی ہوں۔وہ کاروبارِ حیات میں مفید ثابت ہوا ہو یا نقصان دہ،بس اگر اس نے اپنے کچھ سفارشی بنا رکھے ہیں تو پھر اسے عاقبت کا کوئی اندیشہ نہیں ہونا چاہئے۔یہ تصور اگر ایک طرف باقی تمام مخلوقات کے اسلوبِ حیات سے بالکل ہٹا ہوا ہے تو دوسری طرف اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں خیر و شر،نیکی اور بدی،ایثار اور خودغرضی،خیر خواہی اور بدخواہی،ذہنی بالیدگی اور ذہنی پراگندگی،قلب کی پاکیزگی اور قلب کا انتشار سب برابر ہوں۔ایک خوش خصال آدمی بھی اسی نظر سے دیکھا جائے جیسے ایک بدخصلت اور ایک بدمعاش آدمی کو دیکھا جاتا ہے۔جبکہ یہ تصور اللہ تعالیٰ کی صفات،تاریخ مذاہب اور انسانی اقدار کے یکسر خلاف ہے اور کوئی عقلِ سلیم اسے باور نہیں کرسکتی۔اس صورتحال کو قبول کرنے کا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق ضرور ہے،لیکن نہ اس کے پاس قدرت ہے اور نہ اختیار۔نہ اس کے پاس بے پایاں علم ہے اور نہ انسانوں کی بھلائی کا کوئی تصور۔چنانچہ اسی کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تخلیق کے بعد کائنات سے لاتعلق نہیں ہوگئی بلکہ وہ روز و شب کے اختلاف اور زمین کی گردش کے ایک ایک مرحلے پر اپنی گرفت رکھتا ہے۔اور اپنی حکمت کے مطابق اس نظامِ عالم کو چلا رہا ہے۔مزید فرمایا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ سورج کی گرمی سے اہلِ زمین کے چولہے جل رہے ہیں،اسی کے اثرات سے بارشیں برس رہی ہیں،اسی کی تپش سے غلے پکتے اور انسانی غذا کا سروسامان ہوتا ہے اور چاند کی حلاوت سے پھلوں میں گداز اور مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔اس کے علاوہ اور بھی بے شمار انسانی مفادات ہیں جو ان دونوں سے وابستہ ہیں۔لیکن یہ دونوں کُرّے اپنی عظمت اور وسعت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسخر کر رکھے ہیں اور اس کے مقرر کردہ نظام الاوقات کے مطابق گردش کر رہے ہیں۔مجال نہیں کہ ان کی پابندیِ اوقات میں منٹ اور سیکنڈ کا بھی فرق پیدا ہو جائے۔آخر میں فرمایا کہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ اللہ تعالیٰ عزیز بھی ہے اور غفار بھی۔اگر وہ کسی بھی انسانی گروہ کو عذاب دینا چاہے تو کوئی طاقت اس کی مزاحمت نہیں کرسکتی۔اس کے اذن کے بغیر نہ کوئی اس کے ہاں رسائی حاصل کرسکتا ہے اور نہ کسی کے لئے کوئی سفارش کرسکتا ہے۔اور ساتھ ہی ساتھ اس میں یہ کرم بھی ہے کہ لوگ گستاخیوں پر گستاخیاں کرتے ہیں لیکن وہ ان کو سزا دینے میں کبھی تعجیل سے کام نہیں لیتا بلکہ مہلت پہ مہلت دیئے جاتا ہے۔حالانکہ عزیز ہونے کی وجہ سے وہ ہر چیز پر غالب ہے لیکن غفار ہونے کی وجہ سے وہ لوگوں کو سزا دینے میں کبھی جلدی نہیں کرتا۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٦﴾

Marfat.com

(اسی نے تم کوایک جان سے پیدا کیا، پھراسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا، اور اتاریں اس نے تمہارے لئے چوپایوں کی آٹھ قسمیں، وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کرتا ہے ایک خلقت کے بعد دوسری خلقت میں تین تین باریک پردوں کے اندر، یہی اللہ تمہارا رب ہے، اسی کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تم کدھر سے پھرائے جا رہے ہو۔ ٦)

گزشتہ مضمون کا تسلسل

یہ گزشتہ مضمون کا تسلسل ہے۔ گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کی وضاحت کیلئے زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر فرمایا اور کائنات کا نظام چلانے کی دلیل کے طور پر شب و روز پر اپنی گرفت اور اپنی قدرت کا اظہار فرمایا۔ اور اسی کی مزید وضاحت کیلئے شمس و قمر کی تسخیر کو بطور دلیل پیش کیا۔ اب بعض مزید دلائل کو پیش یا افادہ حقائق کے طور پر پیش فرمایا جا رہا ہے کہ زمین و آسمان کی وسعتوں کو تم کیا جانو، البتہ تمہیں یہ تو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تم سب کو ایک نفس سے پیدا فرمایا، پھر اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر اسی جوڑے سے نسلِ انسانی اس طرح زمین پر پھیلی کہ آج زمین کا کوئی گوشہ اس سے خالی نظر نہیں آتا۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ زمین مختلف بر اعظموں میں تقسیم ہے۔ جغرافیائی تقسیم نے انسانوں کو الگ الگ شناخت بخشی ہے اور پھر ان کے رنگ و آہنگ میں بھی قابلِ ذکر تفاوت پایا جاتا ہے۔ با ایں ہمہ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ زمین کے ہر گوشے میں پیدا ہونے والا انسان مرد و عورت کی شکل میں اس تناسب کے ساتھ پیدا کیا جا رہا ہے کہ کبھی کسی خطے میں یہ سوال پیدا نہیں ہوا کہ مرد و عورت دونوں میں سے کسی کو اتنی بڑی تعداد میں پیدا کر دیا گیا ہے کہ ان دونوں میں بری طرح تناسب بگڑ کے رہ گیا ہے۔ ان دونوں میں معمولی افرادی تفاوت تو بہت ساری حکمتوں پر دلیل ہے، البتہ ایسا تفاوت جو تناسب اور ازدواجی زندگی کیلئے تباہ کن ثابت ہو، کسی خطے میں ظہور پذیر نہیں ہوا۔ سوال یہ ہے کہ آدم کا پیدا ہونا اور پھر اسی کی جنس سے نوعِ انسانی کا ایک تناسب کے ساتھ ظہور پذیر ہونا یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ثمر ہے اور اسے تم بھی تسلیم کرتے ہو۔ تو پھر تم نے دوسرے معبود کیلئے گنجائش کہاں سے پیدا کر لی۔

صفتِ تخلیق کے بعد صفتِ ربوبیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس نے تمہیں یونہی پیدا کر کے نہیں چھوڑ دیا بلکہ تمہاری تخلیق کے ساتھ ہی اس نے تمہاری ربوبیت یعنی پرورش کا سامان بھی کیا۔ اس کیلئے جہاں اس نے زمین میں قوتِ روئیدگی رکھی اور آسمان سے بارش کے برسنے کا انتظام کیا اور سورج اور چاند کو غلہ پکانے اور پھلوں میں مٹھاس پیدا کرنے کی ذمہ داری سونپی، وہیں اس نے ایسے چار پائے بھی پیدا کیے جن پر ترقی کے دور سے پہلے تمہارے معاش کا انحصار تھا۔ ان سے مراد وہ پالتو چوپائے ہیں جو اہلِ عرب میں معروف تھے اور جن پر ان کی معیشت کا بہت حد تک دار و مدار تھا۔ ان سے مراد چھوٹے چوپایوں میں بھیڑ بکری اور بڑے چوپایوں میں اونٹ اور گائے تھے۔ اور انعام کا لفظ انہی پر بولا جاتا ہے۔ انہیں یہاں ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ سے تعبیر فرمایا۔ ازواج کا لفظ جوڑے کیلئے بھی آتا ہے اور جوڑے کے ایک فرد کیلئے بھی۔ یہاں دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ان کو اگر نر و مادہ میں تقسیم کر دیا جائے تو ان کی تعداد آٹھ ہو جاتی ہے۔ عرب انہیں کا دودھ پیتے تھے، انہیں کی اُون سے کپڑا بنتے تھے، انہیں کے چمڑوں سے جوتے، خیمے اور بعض دوسری چیزیں بنائی جاتی تھیں۔ انہیں کا گوشت ان کی خوراک کا اہم حصہ تھا۔ چنانچہ ان کی افادیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کی تخلیق کو اَنْزَلَ لَكُمْ سے تعبیر کیا ہے۔ لوہے کیلئے بھی

Marfat.com

یہی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ یہ دونوں اپنی افادیت میں چونکہ سب سے پیش پیش ہیں اس لئے بجائے یہ کہنے کہ ہم نے اسے پیدا کیا، یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لئے نازل کیا۔ اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنی ربوبیت کا دسترخوان بچھا دیا۔

خلق اور ربوبیت کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی قدرت، کاریگری اور اپنے احاطۂ علم کا ذکر فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس طرح پیدا فرماتا ہے کہ پانی کی ایک بوند رحمِ مادر میں داخل ہوتی ہے اور پھر وہ ایسے حیرت انگیز طریقے سے تبدیلیوں کے مراحل طے کرتی ہے کہ اگر یہ تجربہ ہمارے سامنے نہ ہو تو کبھی کسی انسان کی عقل اس کو ماننے کیلئے تیار نہ ہو۔ قرآنِ کریم نے سورۃ المومنون میں ان مختلف مراحل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ

''پھر ہم نطفہ کو خون کی پھٹکی کی شکل میں کر دیتے ہیں اور خون کی پھٹکی کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیتے ہیں، پھر لوتھڑے میں ہڈیاں پیدا کر دیتے ہیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیتے ہیں، پھر اس کو نئی خلقت میں کر دیتے ہیں۔''

غور فرمایئے کہ پانی کی ایک بوند کا پیٹ کے اندران تبدیلیوں کے مراحل سے گزرنے کے بعد ایک ایسی مخلوق میں تبدیل ہو جانا جو کل کو کائنات کا گلِ سرسبد بننے والا ہے، کس قدر حیرت انگیز ہے۔ اور اس پر بھی مزید تعجب اس بات پر ہے کہ یہ اتنا بڑا کام اور قدرت کا غیر معمولی ظہور اور اللہ تعالیٰ کے بے پایاں علم کا منہ بولتا ثبوت کسی روشنی میں وجود پذیر نہیں ہوتا بلکہ یہ سب کچھ تاریکی کے تین پردوں میں ہوتا ہے کہ سب سے پہلے پیٹ کی تاریکی، پھر رحمِ مادر کی تاریکی اور پھر اس جھلی کی تاریکی جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے اور اسے مشیمہ کہتے ہیں۔ کیا یہ اس بات کی کافی شہادت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر جلی و خفی چیز کو محیط ہے۔

آخر میں فرمایا کہ جس ذات کی تخلیق ربوبیت اور بے پایاں علم کی یہ شانیں ہیں وہی تمہارا اللہ ہے اور وہی تمہارا رب ہے۔ یعنی وہی تمہارا آقا ہے، وہی تمہارا حاکم اور مالک ہے۔ کائنات کی ہر چیز اسی کی ملکیت اور تمام زمین و آسمان پر اسی کی بادشاہی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اور اس کے معبود ہونے پر جتنے دلائل دیئے گئے ہیں، ان میں سے کسی دلیل میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ ہر ایک دل میں اتر جانے والی اور دماغ کیلئے نہایت سہل اور سادہ۔ تو پھر کچھ سمجھ نہیں آتی کہ تمہاری عقلوں کو کیا ہو جاتا ہے۔ یعنی ایسے حقائق دیکھنے اور سننے کے بعد عقل کیلئے کسی اور سمت جانے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لیکن اچانک یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ان باتوں کے سننے والے ان باتوں کو قبول کرنے کی بجائے اچانک دوسری طرف چل پڑتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی باگ کسی اور کے ہاتھ میں دے رکھی ہے اور وہ انہیں باگ سے پکڑے جدھر چاہتا ہے لئے پھرتا ہے۔ چنانچہ اسی حیران کن نتیجے کی طرف توجہ دلانے کیلئے یہاں تُصْرَفُوْنَ مجہول کا صیغہ لایا گیا ہے تاکہ سلسلۂ ہدایت و ضلالت کا مسافر یہ سمجھنے کی زحمت کر سکے کہ میں ایک عقل و شعور رکھنے والا آدمی ہوں، لیکن کس قدر بدنصیبی کی بات ہے کہ چند گمراہ کرنے والوں کے ہاتھوں میں اس قدر بے بس ہو چکا ہوں کہ کبھی اپنی عقل کو استعمال کرنے کا موقع نہیں پاتا۔ اس سے ممکن ہے کہ مخالفین میں وہ لوگ جو طبقۂ خواص سے تعلق نہیں رکھتے وہ غور و فکر کرنے اور آزادانہ اختیار کو استعمال کرتے ہوئے صراطِ مستقیم کی دولت کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

Marfat.com

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ ۫ وَلَا یَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۷﴾

(اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے لیکن وہ اپنے بندوں کیلئے کفر کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لئے پسند کرتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تمہارے رب ہی کی طرف تمہاری واپسی ہے تو وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو، وہ تو سینوں کے بھیدوں کو بھی جاننے والا ہے۔ ۷)

لوگوں کے کفر وایمان سے اللہ تعالیٰ کی بے نیازی

نہایت محکم دلائل سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت، اس کی وحدانیت، اس کی ربوبیت اور اس کی حاکمیت کو واضح کرنے کے بعد جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ سننے والے اللہ تعالیٰ کے انتہائی شکر گزار رہوں، لیکن اگر وہ ان سب کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کفر کرتے ہیں یعنی اس کی ناشکری کرتے ہیں، اس کے ماننے سے انکار کرتے ہیں، اس کے احکام بجالانے میں لیت ولعل کرتے ہیں تو پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی خدائی میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اس کی خدائی کا تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے کوئی تعلق نہیں۔ تم مانو تو بھی وہ خدا ہے اور نہ مانو تب بھی وہ خدا ہے اور رہے گا۔ اس کی فرمانروائی اپنے زور پر چل رہی ہے کسی کے ماننے یا نہ ماننے سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **یاعبادی لوان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی افجرقلب رجل منکم مانقص من ملکی شیئا** ''اے میرے بندو اگر تم سب کے سب اگلے اور پچھلے انسان اور جن اپنے میں سے کسی فاجر سے فاجر شخص کے دل کی طرح ہو جاؤ تو تب بھی میری بادشاہی میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔'' لیکن یہ بات یاد رکھو کہ تمہارے کفر اور ناشکری سے اس کی الوہیت میں تو کوئی کمی نہیں آتی لیکن تمہاری زندگی معرضِ خطر میں پڑ جاتی ہے، تمہارے وجود کا جواز ختم ہو جاتا ہے، تمہاری عبدیت شیطنت کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ تمہارے کفر اور ناشکری کو اللہ تعالیٰ برداشت تو فرمائے گا لیکن وہ اسے پسند نہیں کرتا۔ یعنی جب گرفت کا وقت آئے گا تو تم اپنے کفر کی پاداش میں پکڑے جاؤ گے اور قیامت کے روز اس سزا کے مستحق ٹھہرو گے جو پروردگار نے کافروں کیلئے مقدر کر رکھی ہے۔

اس سے ہمیں ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بعض اعمال کو برداشت تو کرتا ہے لیکن وہ انہیں پسند نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں جو نظام نافذ ہے اس میں فی الجملہ انسان کو آزادی حاصل ہے، وہ جو چاہے کرے اس کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہیں۔ لیکن اس کے افکار واعمال کے دو حصے ہیں ایک وہ ہے جسے شریعت نے جائز قرار دیا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہے اور دوسرا وہ ہے جس سے شریعت نے روکا ہے اور اسے کسی طرح کی سندِ جواز حاصل نہیں۔ یہ وہ افکار واعمال ہیں جنہیں وقوع پذیر ہونے سے پروردگار نہیں روکتا لیکن قیامت کے دن اس پر سزا دے گا۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا وابستہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے چاہے وہ

Marfat.com

جائز ہو یا ناجائز، صحیح ہو یا غلط وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہوتا ہے۔ یعنی اس کے ہونے پر اس کی طرف سے ایک عام اجازت حاصل ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ کوئی پابندی نہیں۔ لیکن اگر شریعت میں اس کی اجازت نہیں دی گئی تو اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں شامل نہیں ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشیت اور چیز ہے اور رضا اور چیز ہے۔ اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ اگر ایک شخص حرام خوری کے ذریعے اپنا رزق حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے یعنی وہ سمگلنگ کرتا ہے، رشوت لیتا ہے، چوری کرتا ہے، ڈاکہ ڈالتا ہے، غبن کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے انہیں ذرائع سے رزق عطا فرمائے گا۔ یہ ہے اس کی مشیت۔ مگر مشیت کے تحت چور یا ڈاکو یا رشوت خوار کو رزق دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ چوری، ڈاکے اور رشوت کو اللہ تعالیٰ پسند بھی کرتا ہے۔ یہی بات یہاں بھی ارشاد فرمائی گئی ہے کہ تمہاری بندگی کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ۔ لیکن اگر تم شکر کے بجائے کفر کا رویہ اختیار کرو تو ہم تمہیں زبردستی روک کر مومن نہیں بنائیں گے اور شکر ادا کرنے پر مجبور نہیں کریں گے۔ البتہ یہ رویہ پروردگار کو پسند نہیں کہ تم بندے ہو کر اپنے خالق و پروردگار سے کفر کرو۔ مختصر یہ کہ جزا و سزا کی تمام تر سکیم کا دارومدار اسی رضا اور عدمِ رضا پر ہے۔ اور انسان کی فی الجملہ آزادی کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں مزید ایک بات فرمائی گئی ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ یعنی ہر شخص کی ذمہ داری اس کے اپنے اوپر ہے، دوسرا اس کی طرف سے جواب دہی کرنے والا نہیں بنے گا۔ یہ دراصل مشرکین کی دو طرح کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ جس طرح ہم سورۃ العنکبوت میں پڑھ چکے ہیں کہ جب کوئی نوجوان اسلام قبول کرتا تھا تو سارے خاندان میں پریشانی کی ایک لہر دوڑ جاتی تھی۔ خاندان کے بزرگ اکٹھے ہوتے تو سختی کی بجائے ابتداء میں نرمی سے کام لیتے۔ اور یہ کہتے کہ ہماری روایت یہ ہے کہ ہمیشہ فیصلے خاندان کے بزرگوں کی رائے سے ہوتے رہے ہیں، تم نے اپنی زندگی کی روش بدلنے کا فیصلہ کیا ہے تو یہ فیصلہ تمہیں تنہا نہیں بلکہ بزرگوں کی رائے سے کرنا چاہئے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اسلام اس قابل نہیں کہ اسے فکر و عمل کا ضابطہ سمجھ کر اپنی زندگی کا رویہ بنا لیا جائے اور زندگی کو یکسر تبدیل کر دیا جائے۔ رہی یہ بات کہ تمہیں گمان یہ ہے کہ قیامت آئے گی اور اس میں جواب دہی کرنا پڑے گا۔ تو ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ اگر ایسا ہوا تو اس کی ذمہ داری ہم اپنے سر لے لیں گے اور تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچنے دیں گے۔ اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے فکر و عمل کیلئے جواب دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عقل اور قوتِ امتیاز بخشی ہے اور فی الجملہ ایک آزادی عطا فرمائی ہے۔ اس لئے وہ شخصی طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے، کوئی دوسرا اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔

دوسری غلط فہمی ان کی یہ تھی کہ کوئی شخص کیسی بھی بدتر زندگی گزار کے جائے اسے سزا کا کوئی اندیشہ نہیں، کیونکہ اس کے دیوی دیوتا اس کی وکالت و شفاعت کر کے اسے خدا کی پکڑ سے بچا لیں گے۔ گویا کہ اس شفاعت کے غلط عقیدے نے انہیں جواب دہی کے تصور سے بالکل بے فکر بنا رکھا تھا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ کیونکہ تم سب کی واپسی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہونے والی ہے وہاں کوئی شخص بھی جواب دہی سے نہیں بچے گا، ہر شخص کے سامنے اس کے اعمال کا پورا دفتر رکھ دیا جائے گا اور پروردگار چونکہ ہر شخص کے دل کے بھیدوں سے بھی واقف ہے اس لئے اسے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ نہ وہاں کوئی یہ کہنے کی جرأت کر سکے گا کہ میں فلاں کے بارے میں جو کچھ جانتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے بھی بڑھ کر ہے۔ تو اس طرح سے ہر شخص اپنے اعمال کی پاداش میں پکڑا جائے گا۔

Marfat.com

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴿۸﴾

(جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے صرف اسی کی طرف متوجہ ہو کر، پھر جب اس کا رب اسے اپنی نعمت سے نواز دیتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے اس مصیبت کو جس کیلئے پہلے پکارتا رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کے ہمسر ٹھہرانے لگتا ہے تاکہ اس راہ سے لوگوں کو گمراہ کرے، اے پیغمبر کہہ دیجئے کچھ دنوں اپنے کفر کا فائدہ اٹھالو، تم یقیناً آگ والوں میں سے ہو۔ ۸)

انسان کی کمزوری

سیاقِ کلام قرینہ ہے اس بات کا کہ یہاں انسان سے مراد، ناشکرا انسان ہے جس نے ناشکری کی وجہ سے کفر یا شرک کا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ ایسا انسان جن شخصی کمزوریوں کا شکار ہوتا ہے ان میں سے ایک کمزوری یہ ہے کہ اس کی زندگی کا مجموعی رویہ اس کی خواہشِ نفس کے تابع ہوتا ہے۔ وہ ہر وہ کام کرتا ہے خواہشِ نفس جس کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس فطرت پر انسان کو پیدا کیا ہے وہ فطرت دب کے رہ جاتی ہے۔ عام معمول کی زندگی میں اسے کبھی سر اٹھانے کا موقع نہیں ملتا۔ البتہ جب کوئی بڑی آفت یا مصیبت آ پہنچتی ہے اور اس کی خواہشِ نفس اس مصیبت کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو جاتی ہے اور جن قوتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا تھا ان کو بار بار پکارنے کے باوجود کہیں سے کوئی مدد نہیں پہنچتی، تو اس کی فطرت کو سر اٹھانے کا موقع ملتا ہے۔ وہ اس انسان کو یاد دلاتی ہے کہ تیرا ایک فاطر اور خالق بھی ہے جس نے تجھے فطرتِ اسلام پر پیدا کیا تھا، جس کی یاد میں ہمیشہ تیرا دل دھڑکتا تھا اور ہر طرح کے مصائب میں تو ہمیشہ اسے پکارتا تھا۔ اب تجھے خواہشاتِ نفس نے ایسا اسیر بنا رکھا ہے اور تیرے غلط اعتقادات نے تیرے دل و دماغ کو ایسا مسحور کر رکھا ہے کہ تو اپنی فطرت کی پکار سننے سے بھی عاجز ہو گیا ہے۔ مصیبت میں چونکہ اس کے سوا کوئی کام آنے والا نہیں۔ اس لئے پھر وہ اپنے رب کو پکارتا ہے، ہر طرف سے کٹ کر صرف اسی کی طرف متوجہ ہو کر اس یقین کے ساتھ کہ مجھے اس مصیبت سے اس کے سوا کوئی نجات دینے والا نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی بے بسی پر رحم کھا کر جب اسے اس مصیبت سے نکال دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم سے اسے نوازتا ہے تو وہ اس مصیبت کو بالکل بھول جاتا ہے جس میں اس نے اپنے اللہ کو پکارا تھا۔ اور یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ اس مصیبت سے میں اپنے حسنِ تدبر سے نکلا ہوں۔ اور یا یہ سمجھتا ہے کہ فلاں دیوی دیوتا یا فلاں بزرگ کی وجہ سے مجھے اس مصیبت سے نجات ملی ہے۔ اس طرح سے نہ صرف وہ خود گمراہ ہوتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی مزید گمراہی میں مبتلا کرتا ہے کہ یہ کتنے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں اور ان کے پاس کتنی قوتیں ہیں کہ ان کے دستِ تصرف کی یہ عنایت ہے۔ چنانچہ دوسرے لوگ بھی ان معبودانِ غیر اللہ کے معتقد بن جاتے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ خود تو یہ گمراہ تھا ہی اور بھی کئی لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ آیت کے آخر میں آنحضرت ﷺ سے کہا گیا ہے کہ آپ ایسے تمام لوگوں کو متنبہ کر دیجئے کہ تم مہد سے لے کر لحد تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہو۔

Marfat.com

زندگی کا کوئی مرحلہ ایسا نہیں جس میں تم اس کی بے شمار نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ لیکن اس کے باوجود نہ تم اس کا شکر بجالاتے ہو کہ اس نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کیں اور نہ تم اس کی توحید کے قائل ہوتے ہو کہ ان نعمتوں کے ادا کرنے میں کسی اور کا کوئی دخل نہیں۔ تمہارا رویہ حیوانات سے مختلف نہیں کہ انہیں صرف چارہ کھانے اور غذا حاصل کرنے سے کام ہے اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں جانتے کہ یہ غذا کہاں سے آئی ہے اور اس عطا کرنے والے نے ہم پر کیا ذمہ داریاں عائد کر رکھی ہیں۔ تم اپنے اس کافرانہ اور مشرکانہ رویئے سے شتر بے مہار کی طرح جتنا متمتع ہو سکتے ہو، ہولو۔ لطف و لذت کے مواقع سے جتنا حظ اٹھا سکتے ہو، اٹھالو۔ یہ چند روزہ مہلت ہے اس کے بعد تمہیں آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔ تمہارا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم جہنم کے آگ کا ایندھن بننے والے ہو۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

(کیا وہ شخص جو عاجزی کرنے والا ہے شب کے اوقات میں اپنے رب کے آگے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کی حالت میں، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے (اور دوسرا جو ان صفات سے عاری ہے کیا یہ دونوں یکساں ہو جائیں گے) ان سے پوچھئے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہیں، نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔ ۹)

اسلوب کی وضاحت

اس آیتِ کریمہ کے مفہوم کی وضاحت سے پہلے اس کے اسلوب کو سمجھ لینا چاہئے۔ اس کا اسلوب استفہامیہ ہے، لیکن سوال کے دونوں اجزا کو واضح کرنے کی بجائے ایک جز کو بیان کیا گیا ہے اور دوسرے جز کو سامع یا قاری کی ذہانت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ کیونکہ سوال اتنا واضح ہے کہ تھوڑا سا ذہن پر زور دے کر سوال کے دوسرے جز کو بڑی آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اور یہ اسلوب قرآنِ کریم میں اجنبی نہیں بلکہ مختلف مواقع پر اس کو استعمال کیا گیا ہے۔

شفاعتِ باطل کا عقیدہ حق و باطل کا امتیاز ختم کر دیتا ہے

پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اس سوال کے اگر دونوں اجزا کو کھولا جائے تو اس کی صورت یہ بنتی ہے کہ ایک شخص جو نہایت عاجزی اور فروتنی کے ساتھ شب کے اوقات میں اپنے رب کے حضور کبھی سجدہ میں اسے یاد کرتا ہے اور کبھی قیام میں۔ اس قدر عبادت کے باوجود وہ آخرت سے ڈرتا ہے کہ نہ جانے وہاں میرے اعمال قبول کئے جائیں گے یا نہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے کہ وہ بارگاہ ایسی ہے کہ اس بارگاہ کے فقیر کبھی محروم نہیں رہتے۔ اور اس کے مقابلے میں ایک دوسرا شخص ہے جسے اس کی عرفی حیثیت اور مال و دولت کی کثرت نے ایک پندار میں مبتلا کر رکھا ہے، وہ کبھی بھول کر بھی اپنے رب کو یاد نہیں کرتا۔ اس کے باوجود اسے آخرت کا کوئی اندیشہ نہیں اور نہ اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی کوئی پرواہ ہے۔ کیا یہ دونوں شخص برابر ہو جائیں گے۔ اس میں غور کر کے دیکھئے کہ سوال کے پہلے جز کے بعد دوسرا جز خود بخود

Marfat.com

کھلتا نظر آتا ہے۔اور جب دونوں جز مل کر سوال مکمل ہو جاتا ہے تو اس کے جواب کے تعین میں بھی کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ ہر عقل رکھنے والا شخص یہ کہے گا کہ یقیناً یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے، ان کا انجام یکساں نہیں ہو سکتا۔تو جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص خواہ کیسی ہی بدعملی کی زندگی گزارے اس کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے ساتھ چاہے کیسا ہی نامناسب ہو اس میں اور اس شخص میں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے اور اس کے احکام سے انحراف نہیں کرتا، ان دونوں کے انجام میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ پہلا شخص اگر اپنے حُسنِ عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے تو دوسرا شخص کسی نہ کسی کی سفارش سے اللہ تعالیٰ کے یہاں باریاب ہو جائے گا۔

آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ بندے کی جو صفات بیان کی ہیں وہ نہایت قابلِ توجہ ہیں جن میں سب سے پہلی صفت یہ ہے کہ وہ قانت ہے۔قنوت کا مفہوم تواضع، فروتنی، عاجزی اور نیازمندی ہے۔یوں تو اس کا اظہار اعمال سے بھی ہوتا ہے،لیکن حقیقت میں اس کا تعلق دل کی حالت سے ہے جس کا اظہار بندوں کے سامنے بالعموم نہیں کیا جاتا تاکہ ریا کا شبہ نہ ہو۔البتہ اس کا صحیح محل رات کی تنہائیاں ہیں۔جب آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی عاجزی کا سرمایہ لے کر حاضر ہوتا ہے۔کبھی وہ سجدے میں گر کر اپنی بندگی اور فروتنی کا سرمایہ اللہ تعالیٰ کے حضور نذر کرتا ہے اور کبھی غلاموں کی طرح کھڑے ہو کر اس کی غلامی کا اقرار اور اس سے وفا کا عہد کرتا ہے۔اور سجود اور قیام کے تقابل پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے رب کو راضی کرنے کی ایک بے چینی ہے جس نے اس بندے کو اس طرح بے چین کر رکھا ہے کہ کبھی وہ کھڑا ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے اور کبھی اس کے سامنے ڈھیر ہو جاتا ہے۔فرائض کی ادائیگی کے بعد راتوں کی یہ عبادت یہ بتانے کیلئے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ بندہ بندگی کا حق ادا کرنے کیلئے کس قدر جان کھپاتا ہے۔اس کے باوجود اسے اپنے رب کی بے نیازیوں کا گہرا احساس ہے اور اپنی بے بضاعتی کا بھی اقرار ہے۔اس لئے کبھی اسے خوف آ پکڑتا ہے تو آخرت کو یاد کر کے روتا ہے اور کبھی امید کا دِیا روشن ہوتا ہے تو اپنے رب کی رحمت سے امیدیں باندھ لیتا ہے۔کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایک مومن کے ایمان کے یہ دو پر ہیں جو اس کی پرواز کے ضامن ہیں۔لیکن وہ ان دونوں میں کبھی توازن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔اور امید باندھتا ہے جہاں تک امید کا میدان ہے۔وہ خوف اور ڈر کو اپنے اوپر اتنا سوار نہیں ہونے دیتا کہ مایوسی اور قنوطیت پیدا ہو جائے۔اور امید کا دامن اتنا دراز نہیں ہونے دیتا کہ اللہ تعالیٰ کے ادب سے بے نیازی کا واہمہ ہونے لگے۔اس کے بالمقابل دوسرا آدمی جس کو یہاں محذوف رکھا گیا ہے وہی ہو سکتا ہے جو ان تمام صفات سے تہی دامن ہو۔تو جو شخص آخرت کا انکار کرتا ہے یا غلط شفاعت کے بھروسے پر ایمان و عمل کو بیکار سمجھتا ہے وہ یقیناً ایسے دونوں شخصوں کو برابر سمجھتا ہے اور یہ سراسر جہالت ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، اللہ تعالیٰ کے رسول کے اسوۂ حسنہ ہونے پر ایمان، اس کی نازل کردہ شریعت کے واجب العمل ہونے پر ایمان، قیامت اور آخرت پر ایمان، یہ یقیناً ان لوگوں کو نصیب ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ علم سے اپنے آپ کو آراستہ کر چکے ہوں۔اس لئے آیت کے آخر میں فرمایا کہ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے، برابر ہو سکتے ہیں۔ظاہر ہے کہ یہاں علم سے وہی علم مراد ہے جو زندگی کیلئے رہنمائی کا فرض انجام دیتا ہے۔جو اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتابوں سے انسانوں کو پہنچتا ہے۔اس کے علاوہ باقی تمام علوم وہ اپنی ذات میں چاہے کیسے ہی وقیع ہوں وہ انسان کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔نہ انسان کی رہنمائی کرتے ہیں اور نہ انسان کو منزل کی خبر دیتے ہیں۔لیکن مشکل یہ ہے کہ زندگی کے یہ حقائق اور علم کی یہ نزاکتیں صرف عقل والوں کی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔رہے وہ لوگ جو اپنی عقلوں کو صرف معدے کی ضروریات پوری کرنے اور اپنے سر پر کلغی سجانے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ان کا نہ یہ موضوع ہیں اور نہ ان کی عقل کی گرفت میں آنے والی ہیں۔

Marfat.com

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کیلئے تسلی بھی ہے کہ اگر قریش اور دیگر اہلِ مکہ آپ کی دعوت کو قبول کر کے نہیں دیتے تو اس سے آپ دل گرفتہ نہ ہوں۔ یہ لوگ درحقیقت علم سے بھی محروم ہیں اور عقل سے بھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنی عقلوں کو بے محل استعمال کر کے حقیقی استعمال کی صلاحیت سے محروم کرلیا ہے۔تو ان کا آپ کی دعوت کو قبول نہ کرنا یہ ان کی حماقت کی دلیل ہے نہ کہ آپ کی کسی کوتاہی کی۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا
يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ
اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿١١﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٢﴾ قُلْ
اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ
مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿١٤﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ
الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ
الْمُبِيْنُ ﴿١٥﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ
يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿١٦﴾ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ
اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ الَّذِيْنَ
يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ
وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿١٨﴾ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ
اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿١٩﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ
فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ

Marfat.com

اللّٰهُ الْمِيعَادَ ﴿٢٠﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿٢١﴾

رکوع: ۲۔ (اے پیغمبر کہہ دیجئے! اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو اپنے رب سے ڈرتے رہو، جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک رویہ اختیار کیا ان کیلئے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین بڑی وسعت رکھنے والی ہے، صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب پورا کیا جائے گا۔ ۱۰) اے نبی کہہ دیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ ہی کی بندگی کروں، اسی کیلئے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ ۱۱) اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔ ۱۲) کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ ۱۳) کہہ دیجئے میں تو اللہ ہی کی بندگی کروں گا، اللہ ہی کیلئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ ۱۴) تم اس کے سوا جس کی چاہو بندگی کرو، کہہ دیجئے بے شک حقیقی خسارے میں پڑنے والے وہی ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو قیامت کے دن خسارے میں ڈالا، خوب سن لو کہ کھلا ہوا خسارہ وہی ہے۔ ۱۵) ان کیلئے ان کے اوپر سے بھی آگ کے پردے ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی، یہ ہے وہ چیز جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، اے میرے بندو! پس میرے غضب سے بچو۔ ۱۶) اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کر لیا ان کیلئے خوشخبری ہے، پس میرے ان بندوں کو خوشخبری پہنچا دو۔ ۱۷) جو بات کو غور سے سنتے اور اس میں سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی ہیں جو عقل والے ہیں۔ ۱۸) تو کیا وہ شخص جس پر عذاب کا قانون چسپاں ہو چکا، تو کیا تم اسے بچا سکتے ہو جو آگ میں ہے۔ ۱۹) البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈر کر رہے ان کیلئے بالا خانے اور بالا خانوں کے اوپر بھی آراستہ بالا خانے ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ ۲۰) کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے زمین کے اندر چشمے جاری کر دیئے، پھر وہ اس پانی کے ذریعے مختلف قسم کی کھیتیاں نکالتا ہے، پھر وہ کھیتیاں پک کر سوکھ جاتی ہیں اور تم ان کو زرد دیکھتے ہو، پھر وہ ان کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے، بے شک اس میں ایک سبق ہے عقل والوں کیلئے۔ ۲۱)

Marfat.com

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾

(اے پیغمبر کہہ دیجئے! اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو اپنے رب سے ڈرتے رہو، جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک رویہ اختیار کیا ان کیلئے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین بڑی وسعت رکھنے والی ہے، صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب پورا کیا جائے گا۔ ۱۰)

غریب مسلمانوں کو تسلی

قریش کو تنبیہ اور باخبر کرنے کے بعد ان غریب مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے جو قریش کے ہاتھوں بری طرح اذیتوں کا شکار تھے۔ آنحضرت ﷺ کو ہدایت کی جارہی ہے کہ آپ مسلمانوں کو بتا دیجئے کہ تمہارا ایسے ناموافق حالات میں ایمان قبول کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ لیکن صرف بیج کا کاشت کر دینا کافی نہیں جب تک اس کی نمود و پرداخت اور برگ و بار لانے کے امکانات نہ پیدا کئے جائیں اور اس کی مسلسل دیکھ بھال کی محنت نہ کی جائے۔ تم نے ایمان قبول کر کے اپنے دل کی صالح زمین میں ایک صالح بیج کاشت کیا ہے۔ لیکن اب یہ ضروری ہے کہ تقویٰ کے مراحل سے گزرا جائے۔ یعنی جن باتوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان پر عمل کرو۔ اور جن سے روکا ہے ان کے قریب مت جاؤ۔ اور ہر قدم اٹھانے سے پہلے یہ اطمینان پیدا کرو کہ تمہارا کوئی قدم غلط سمت میں تو نہیں اٹھ رہا، کہیں کسی معاملے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تو نہیں ہو رہی، تمہارے دماغ سے اٹھنے والی کوئی سوچ غلط رخ کی طرف تو نہیں بڑھ رہی، تمہارے دل کا میلان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضا سے ہٹ کر کسی اور چیز کی طرف تو نہیں ہو رہا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اچھا صلہ صرف ان لوگوں کیلئے ہے جو اس دنیا میں نیکی اور بھلائی کی زندگی بسر کریں گے۔ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی غیر مشروط اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے رسول کا اتباع کریں گے۔ اسی سے ڈریں گے اور اسی سے امیدیں باندھیں گے، اسی کی محبت میں ان کے دل دھڑکیں گے، وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر بھروسہ اور تکیہ کرنا سب سے بڑا جرم سمجھیں گے۔ اس لئے اے مسلمانو! تم بھی ایمان لانے کے بعد ان چیزوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ یقیناً اللہ آپ کو اجر و ثواب سے مالا مال کر دے گا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کیلئے ایمان پر استقامت مشکل بنا دی گئی ہے۔ قدم قدم پر مصائب و شدائد منہ کھولے آپ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ تم یقیناً نہایت پامردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کر رہے ہو۔ لیکن اگر کبھی دیکھو کہ تمہارے وطن کی سرزمین تمہارے اوپر تنگ کر دی گئی ہے تو مایوس اور بددل نہ ہونا، اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے۔ وطن کی سرزمین کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی وسیع سرزمین کا ارادہ کر کے نکلو، تم دیکھو گے کہ آبادیاں تمہارا استقبال کریں گی۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے

اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی سرزمین میں پہنچا دے گا جہاں تم بے خوف و خطر اس کو یاد کر سکو گے۔

Marfat.com

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی ہے جب حق و باطل کی کشمکش نہایت نازک صورت اختیار کر چکی تھی۔ اور مسلمان اپنے مستقبل کے بارے میں اندیشوں میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہجرت کا اشارہ فرمایا جس کے نتیجے میں ایک بڑی تعداد حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی اور وہاں انہیں اللہ تعالیٰ نے امن و عافیت کی سکونت عطا فرمائی۔ نجاشی کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے نوازا اور وہ ہر لحاظ سے مسلمانوں کا محافظ اور پاسبان رہا۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اپنے وطن سے ہجرت کرنا یقیناً ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔ اپنے گھر اور وطن کو چھوڑنا اور زندگی بھر کے تعلقات سے لاتعلق ہو جانا اور اپنے وسائلِ معیشت کو ترک کر کے محض اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر غیر یقینی صورتحال کو قبول کر لینا کوئی آسان کام نہیں۔ اسی طرح جو لوگ وطن ہی میں رہ کر استقامت کی تصویر بنے رہیں اور قریش کے ہر طرح کے مظالم کو برداشت کرتے رہیں یہ بھی بہت بڑے صبر کا کام ہے۔ دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ بھی اس راہ میں صبر اور استقامت کا ثبوت دیں گے ہم انہیں ان کی توقعات اور ان کے اندازوں اور قیاسوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر صلہ عطا کریں گے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾
وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾

(اے نبی کہہ دیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ ہی کی بندگی کروں، اسی کیلئے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ ۱۱) اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔ ۱۲)

مخالفین سے بے نیازی

مسلمانوں کیلئے کلماتِ تحسین اور ان کیلئے بے حد و حساب اجر و ثواب کی بشارت دینے کے بعد آنحضرت ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ حالات چاہے کیسے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں آپ مخالفین کو صاف صاف بتا دیں کہ افہام و تفہیم اور ابلاغ و تبلیغ میری ذمہ داری ہے اس کیلئے میں نے کوئی کمی نہیں چھوڑی اور آئندہ بھی اسے جاری رکھوں گا۔ لیکن تمہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ یہ دین اپنی فلاح و کامرانی کیلئے تمہارا محتاج نہیں۔ تم اسے مانو یا نہ مانو، اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو یا نہ کرو مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ ہی کی بندگی کروں، اس کیلئے دین یعنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ تم نے اللہ تعالیٰ کی بندگی میں نہ جانے کس کس کو شریک کر رکھا ہے۔ اور جہاں تک اطاعت کا تعلق ہے وہ صرف اپنی خواہشاتِ نفس کی کرتے ہو۔ لیکن میرا طریقہ بالکل واضح ہے۔ میں نہ تو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت میں کسی کو شریک کرنے کیلئے تیار ہوں اور نہ میں عبادت و اطاعت میں فرق کرنے کا مجاز ہوں۔ میری وہ عبادت اور بندگی بالکل بے معنی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی غیر مشروط اطاعت شامل نہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی وہ اطاعت بھی اپنے اندر کوئی خوبی نہیں رکھتی جہاں اس کی عبادت خالص اس کیلئے اور ہر آلودگی سے پاک اور صاف نہ ہو۔ اسی طرح مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں، یعنی میں سب سے پہلے اسلام کا قلادہ اپنے گلے میں ڈالوں۔ ان دونوں آیتوں میں دو حکم دیئے گئے ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی بندگی کا، اسی کیلئے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اور اسی کیلئے اسلام لانے کا۔ گویا دوسرے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان رکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا دین جسے اسلام کہا گیا ہے اسی

Marfat.com

قلادہ اپنے گلے میں ڈالتا ہوں۔ میں جس طرح اپنے رب کا بندہ ہوں اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں کرتا، اسی طرح میں مسلم ہوں کسی اور مذہب اور نظام زندگی کو میں قبول نہیں کرتا۔

اسلام کا معنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح میرا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے آباد اور میرے اعضاء و جوارح اسی کی اطاعت میں متحرک اور خمیدہ ہیں، اسی طرح میں اپنا سب کچھ اس کے سپرد کر چکا ہوں، میری ذات بھی اسی کے حوالے ہے اور میرا مال بھی اسی کا ہے اور مجھے ان دونوں باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾

(کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ ۱۳)

آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کو بتا دیجئے کہ میرے مقامات و مراتب اپنی جگہ لیکن جہاں تک اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی اطاعت کا تعلق ہے میں اس میں کسی طرح کی کمی نہیں کر سکتا۔ اگر میں کسی معاملے میں بھی اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے سخت دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا نبی کبھی اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور اس کی اطاعت کی اہمیت واضح کرنے کیلئے فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا رسول بھی اس میں کوتاہی کرے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ جس طرح اس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے تمہیں بھی یہی حکم میرے واسطے سے پہنچا دیا گیا ہے، تم بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرو گے تو ایک بڑے دن کے عذاب میں پکڑے جاؤ گے، یعنی قیامت کے روز تمہیں اس کی سزا ملے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نبی کیلئے اس معاملے میں کوئی رخصت نہیں تو دوسرا کوئی شخص آخر کس شمار و قطار میں ہے۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾

(کہہ دیجئے میں تو اللہ ہی کی بندگی کروں گا، اللہ ہی کیلئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ ۱۴) تم اس کے سوا جس کی چاہو بندگی کرو، کہہ دیجئے بے شک حقیقی خسارے میں پڑنے والے وہی ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو قیامت کے دن خسارے میں ڈالا، خوب سن لو کہ کھلا ہوا خسارہ وہی ہے۔ ۱۵)

اعلانِ براءت

اس آیتِ کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ نہایت واضح الفاظ میں مخالفین سے بے تعلقی کا اعلان کر دیجئے کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کروں گا، اسی کیلئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ یعنی میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا کہ عبادت میں کسی کو شریک کروں یا کسی کی غیر مشروط اطاعت کروں یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کسی دوسری اطاعت کی آمیزش ہونے دوں۔ یہی بات میں تم سے بھی کہہ رہا ہوں لیکن تم اگر اسے مان کے نہیں دے رہے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی چاہو بندگی کرتے پھرو، میں تمہارے

Marfat.com

اس فعل سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔ البتہ ایک بات تم پر واضح کیے دیتا ہوں کہ اصل نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنھوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو نقصان میں ڈال دیا۔ یہ وہ کھلا ہوا خسارہ ہے کہ جس سے بڑا خسارہ اور نقصان اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

خسارہ دراصل اس دیوالہ کو کہتے ہیں کہ کاروبار میں آدمی کا لگایا ہوا سارا سرمایہ ڈوب جائے اور بازار میں اس پر دوسروں کے مطالبے اتنے چڑھ جائیں کہ اپنا سب کچھ دے کر بھی وہ ان سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ اسی نقصان کیلئے یہاں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ انسان کی زندگی، اس کی عقل، اس کا شعور، اس کی تمام صلاحیتیں اور اس کے پاس موجود تمام ذرائع، یہ درحقیقت وہ سرمایہ ہے جسے وہ حیاتِ دنیا کیلئے کاروبار میں لگاتا ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ سارا سرمایہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش ہے۔ اسی نے ہر شخص کو پیدا کیا اور اسی نے یہ سارا سرمایہ ہر شخص کو عطا کیا۔ اب اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر اس سرمائے کو حیاتِ دنیا کے کاروبار میں لگاتا ہے کہ میں ایک خودرو پودے کی طرح خود بخود وجود میں آ گیا ہوں میرا کوئی خالق و مالک نہیں، مجھے کسی کے سامنے جواب دہی کیلئے پیش نہیں ہونا اور زندگی کے اعمال کا مجھ سے کوئی محاسبہ نہیں ہوگا اور اگر بالفرض قیامت ایک حقیقت ثابت ہوئی تو جن کو میں نے اپنا سفارشی سمجھ رکھا ہے وہ میری سفارش کریں گے اور مجھے بچا لیں گے۔ تو یہ وہ شخص ہے جس نے اپنا سرمایہ غلط مفروضوں پر لگایا اور اپنے لئے خسارے اور نقصان کا سامان کیا۔ جن لوگوں کو اس نے ان مفروضوں میں شامل رکھا ان کے خسارے کا بھی باعث بنا۔ اور اپنے ان ہی تصورات کی بنا پر وہ جن جن لوگوں پر ظلم کرتا رہا اور بے لگام ہو کر اپنے نفس اور اپنی صلاحیتوں پر بھی زیادتی کرتا رہا اور اس نے زندگی بے ہنگم طریقے سے ان راہوں پر گزاری جو سراسر تباہی کے راستے تھے۔ اس طرح سے اس نے نہ صرف اپنے آپ کو تباہ کیا بلکہ اور بھی بے شمار لوگوں کیلئے خسران کا باعث بنا۔ تو یہ ہے وہ خسرانِ مبین جسے قرآنِ کریم نے یہاں بیان فرمایا۔

اور مزید ایک بات اس آیتِ کریمہ میں یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ اگر اس نے اپنی زندگی اور اپنی صلاحیتوں کے بارے میں غلط مفروضوں کی بنیاد پر اپنے ساتھ اپنے اہل وعیال کو بھی شریک کیا اور بگاڑا اور وہ بھی ان ہی تصورات کے وارث ٹھہرے جن تصورات نے اس کی زندگی کو تباہ کیا۔ تو اس شخص نے نہ صرف اپنا نقصان کیا بلکہ اپنی اولاد اور اپنے پسماندگان کو بھی تباہی کے راستے پر ڈالنے کی وجہ سے ان کا بھی نقصان کیا۔ اس لئے اسے قیامت کے دن نہ صرف اپنے حوالے سے جواب دینا پڑے گا بلکہ جن جن کی تربیت کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر تھی ان کیلئے بھی جواب دہی کرنا پڑے گا۔ اس طرح سے اس کے خسران اور نقصان میں اضافے پر اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ تو اس خسران کو خسرانِ مبین کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

(ان کیلئے ان کے اوپر سے بھی آگ کے پردے ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی، یہ ہے وہ چیز جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، اے میرے بندو! پس میرے غضب سے بچو۔ ۱۶)

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں انحراف کا راستہ اختیار کیا یا انہوں نے اس میں خیانت کی، شرک کا ارتکاب کیا یا اللہ کی اطاعت میں دوسروں کی اطاعت بھی شامل کی تاکہ اقتدار کے کسی دائرے میں انہیں نقصان اٹھانے کا اندیشہ نہ ہو۔ ایسے لوگوں کا انجام اس آیتِ کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

Marfat.com

ظُلَلٌ، ظُلَّۃٌ کی جمع ہے۔اس کے معنی بالعموم چھتری کے کیے جاتے ہیں،لیکن حقیقت میں ہر ڈھانک لینے والی چیز کو ظُلَّۃ کہا جاتا ہے۔اسی لئے بعض اہلِ علم نے اس کا ترجمہ چھتریاں کرنے کی بجائے پردوں سے کیا ہے۔کیونکہ پردے بھی ڈھانکنے کے کام آتے ہیں۔تو مطلب یہ ہے کہ ان خاسرین کا انجام یہ ہوگا کہ جہنم میں آگ ہی ان کا اوڑھنا ہوگی اور آگ ہی بچھونا ہوگی۔یعنی اوپر سے بھی انہیں آگ ڈھانک لے گی، اور نیچے سے بھی۔ان کا چلنا بھی آگ پر ہوگا،بیٹھنا بھی آگ پر اور لیٹنا بھی آگ پر ہوگا۔اوران کے اوپر تہ بہ تہ آگ چھائی ہوئی ہوگی۔جس طرح سمندر کے سفر میں رات کی تاریکی،پھر اس پر بادلوں کا اندھیرا،یوں لگتا ہے جیسے ظلمتیں ایک دوسرے پر چھا گئی ہیں۔یہی حال جہنم میں ان لوگوں کا بھی ہوگا۔کوئی آدمی تصور کی نگاہ سے اس صورتحال کا اندازہ کرنے کی کوشش کرے تو اسے اپنے تصور میں بھی آگ لگتی ہوئی محسوس ہوگی۔اور وہ محسوس کرے گا کہ سارا جہان آگ میں جل رہا ہے۔اس انجام سے زیادہ خطرناک انجام کا تصور بھی محال دکھائی دیتا ہے۔اس لئے فرمایا کہ یہ ہے وہ چیز یا یہ ہے وہ انجام جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔اور دنیا میں ایسے ہولناک انجام کی خبر دے کر قبل از وقت بندوں کو اس سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔آخر میں نہایت پرسوز انداز میں اسی بات کا اعادہ فرمایا،جس طرح ہمدردی وغمگساری میں ڈوبا ہوا کوئی شخص اپنے نہایت عزیز کو خطرات سے بچانے کی انتہائی کوشش کے بعد جاتے جاتے آخری دفعہ پھر اپنی بات کو دہراتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے دل کی کرچیاں بھی اس میں شامل ہوگئی ہیں۔پروردگار نے بھی ایسا ہی انداز اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے بندو! یہ انجام بہت خطرناک انجام ہے۔اس سے بچنا چاہتے ہو تو میرے عذاب سے،میری ناراضگی سے اور میری نافرمانی سے بچو۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

(اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کرلیا ان کیلئے خوشخبری ہے، پس میرے ان بندوں کو خوشخبری پہنچا دو۔ ۱۷) جو بات کو غور سے سنتے اور اس میں سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی ہیں جو عقل والے ہیں۔ ۱۸)

طاغوت کا مفہوم

طاغوت،طغیان سے ہے۔بعض اہلِ علم اس سے ہر اس ذات کو مراد لیتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بندگی کی جاتی ہے۔ خواہ وہ اصنام ہوں یا جنّات وشیاطین یا اللہ تعالیٰ کی بندگی واطاعت سے برگشتہ کرنے والے لیڈر اور مذہبی پیشوا۔

بعض اہلِ علم کے نزدیک طاغوت کے معنی سرکشی کے ہیں۔طاغی سرکش کو کہتے ہیں۔ظاہر ہے کہ وہ اس کا اسمِ فاعل ہے۔جب کسی کو طاغی کہنے کی بجائے طاغوت کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انتہا درجے کا سرکش ہے۔کیونکہ اسمِ فاعل کی جگہ پر مصدر کا استعمال مبالغے کے معنی کو پیدا کرتا ہے۔مثلاً کسی شخص کو حسین کہنے کی بجائے حُسن کہا جائے،تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص خوبصورتی میں درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ ان اہلِ علم کے نزدیک طاغوت ہر وہ قوت ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنی بندگی پر زور دیتی اور اپنی غیر مشروط اطاعت پر اصرار کرتی ہے۔

Marfat.com

فلاح پانے والوں کی صفات اوران کو بشارت

گزشتہ سے پیوستہ آیتِ کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا تھا جو انتہائی نقصان اٹھانے والے یعنی خاسرین ہیں۔ اوراس آیتِ کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو مفلحین ہیں یعنی جنہیں فوز وفلاح کی بشارت دی گئی ہے۔ان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی میں کسی اور کو شریک نہیں کرتے۔ بڑے سے بڑا طاغوت انہیں اپنے سامنے نہیں جھکا سکتا۔ان کی گردن کاٹی جاسکتی ہے لیکن جھکائی نہیں جاسکتی۔وہ باطل کو حق تسلیم کرنے میں اس سے زیادہ گریزاں ہیں جتنا کوئی بھی عقلمند آدمی سیاہ کو سفید کہنے سے گریز کرتا ہے۔ان کی پوری زندگی صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی اوراس کے احکام کی اطاعت میں گزرتی ہے۔

اوردوسری صفت ان کی یہ ہے کہ جس طرح وہ کبھی غیراللہ کی عبادت واطاعت میں ملوث نہیں ہوتے،اسی طرح ان کی زندگی کی شناخت یہ ہے کہ وہ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور وہ اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔معاملہ احکام کا ہوتو فوراً اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔اوراگر معاملہ خوف وخطر کا ہوتو گھبرانے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہیں۔اوراگر اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائے تو اسے ذاتی محنت کا نتیجہ سمجھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ہی عطا اور بخشش قرار دیتے ہیں۔اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ نہایت سلیم الطبع لوگ ہیں کہ جب بھی ان کے سامنے کبھی کوئی بات پیش کی جاتی ہے تو چاہے خلافِ طبع ہی کیوں نہ ہو وہ کہنے والے سے الجھنے کی بجائے کہی جانے والی بات کو دیکھتے اور نہایت توجہ سے سنتے اوراچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔وہ بات کو سن کر غور وفکر کرتے ہیں اور جو بات حق ہوتی ہے اسے قبول کرلیتے ہیں۔اور چونکہ ان کی طبیعت میں سلامتی ہے اس لئے وہ بات کو غلط معنی پہنانے کی بجائے اس کے اچھے اور بہتر پہلو کو اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ایسی صفات کے حاملین کو پیشِ نظر دونوں آیتوں میں دوطرح کے انعامات کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔ایک تو انہیں فوز وفلاح کی بشارت دی گئی، اوردوسرا انعام یہ دیا گیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی ہے۔اور یہی وہ لوگ ہیں جو درحقیقت عقل والے ہیں۔اوراسی عقلِ سلیم کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اوراس کی آیات سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۚ ﴿١٩﴾

(تو کیا وہ شخص جس پر عذاب کا قانون چسپاں ہوچکا،تو کیا تم اسے بچاسکتے ہو جو آگ میں ہے۔ ۱۹)

آنحضرت ﷺ کو تسلی

گزشتہ دوآیتوں میں ان لوگوں کی صفات بیان کی گئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں کامیاب ٹھہرایا ہے انہیں اخروی فلاح کی بشارت بھی دی گئی اور دنیا میں ان کی عقلمندی کی تحسین بھی کی گئی ہے۔پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ جولوگ آپ کی دعوت کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور ہزار کوششوں کے باوجود آپ پرایمان نہیں لاتے آپ ان پر دل گرفتہ نہ ہوں،وہ درحقیقت کلمۃ العذاب کی گرفت میں آچکے ہیں۔اور یہ کلمہ ان پر چسپاں ہوچکا یا ثابت ہوچکا ہے۔اوراس کلمے سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ فیصلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کے چیلنج کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ تم جن لوگوں کو گمراہ کرو

Marfat.com

گے، میں تمہارے سمیت ان سب کو جہنم میں ٹھونس دوں گا۔ جس طرح وہ جہنم کے عذاب کا شکار ہوں گے، اسی طرح تمہیں بھی جہنم کی وادیوں کی نذر کردیا جائے گا۔ لیکن بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ اس کلمۃ العذاب سے درحقیقت اللہ تعالیٰ کا وہ قانون مراد ہے جو ہر انسان کی سرکشی اور ہر قوم کی تکذیب کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرکت میں آتا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو توڑتا یا سرکشی کا رویہ اختیار کرتا ہے تو اس کے آئینۂ قلب پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ استغفار اور توبہ سے اس دھبے کو دھوڈالتا ہے تو آئینۂ قلب مصفا ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر وہ مسلسل سرکشی کا رویہ اختیار کرتا ہے تو ایک وقت آتا ہے جب اس کا دل سیاہ دھبوں سے اس طرح بھر جاتا ہے کہ اس کی کوئی جگہ خالی نہیں رہتی۔ یہ وقت ہوتا ہے جب ہدایت سے محرومی کا فیصلہ کردیا جاتا ہے۔ اسی طرح جو قوم اللہ تعالیٰ کے رسول کی تکذیب کرتی ہے اور رسول کی تمام تر دعوتی کوششوں کے باوجود وہ اس کے قتل پر تل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمامِ حجت ہوجانے کے بعد وہ قوم عذاب کا شکار ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ آپ کی تمام تر مساعی جمیلہ کے باوجود ایمان لانے کیلئے تیار نہیں ہو، آپ ان پر پریشان نہ ہوں یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قانون کی گرفت میں آچکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جہنم میں بھیجنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ یہ تو بالکل ایسے ہے جیسے یہ لوگ جہنم میں داخل کردیئے گئے ہیں تو کیا آپ اہلِ جہنم کو بچاسکیں گے۔ ظاہر ہے کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوچکا، اس فیصلے میں تبدیلی ممکن نہیں۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝۲۰

(البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈر کر رہے ان کیلئے بالا خانے اور بالا خانوں کے اوپر بھی آراستہ بالا خانے ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ ۲۰)

مَبْنِيَّةٌ اس کا فعل ماضی بنٰی ہے۔ بنی الدار کا معنی ہوتا ہے اس نے گھر بنایا۔ اس لحاظ سے مَبْنِيَّةٌ کا معنی ہوگا، بنایا گیا یا بنایا ہوا۔ عام طور پر یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی لئے اکثر مترجمین نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے غلط نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن اس کا ایک دوسرا معنی بھی ہے، وہ ہے آراستہ و پیراستہ۔ اگر اس آیتِ کریمہ میں مَبْنِيَّةٌ کا یہ دوسرا معنی کیا جائے تو یہ بھی صحیح ہے۔ اس لحاظ سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے تقویٰ کی زندگی گزاری اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے رہے اور خشیتِ الٰہی ہمیشہ ان کے دلوں کا زیور رہی، اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں ایسے بالا خانے عطا فرمائے گا جو نہایت آراستہ و پیراستہ ہوں گے۔ یعنی انہیں نہایت سجایا گیا ہوگا۔

اس سے پہلے کافروں کا انجام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا تھا کہ جہنم میں ان کا اوڑھنا بچھونا بھی آگ ہوگی۔ وہ بری طرح آگ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ اس کے جواب میں اہلِ جنت کو جو رہائش دی جائے گی وہ نہایت آراستہ و پیراستہ ہوگی۔ اس کے فرش سے لے کر اس کی چھت تک خوبصورتی اور زیبائش کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔ اور پھر ان بالا خانوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی جو ان کے محلات میں غیر معمولی خوبصورتی کا باعث بنیں گی۔ لوگ اسے محض سخن سازی نہ سمجھیں یہ اللہ تعالیٰ کا حتمی وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کیا کرتا۔

Marfat.com

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيۡعَ فِى الۡاَرۡضِ ثُمَّ يُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ فَتَرٰٮهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَجۡعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۱﴾

(کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے زمین کے اندر چشمے جاری کر دیئے، پھر وہ اس پانی کے ذریعے مختلف قسم کی کھیتیاں نکالتا ہے، پھر وہ کھیتیاں پک کر سوکھ جاتی ہیں اور تم ان کو زرد دیکھتے ہو، پھر وہ ان کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے، بے شک اس میں ایک سبق ہے عقل والوں کیلئے۔ ۲۱)

ایک مثال سے زوال کی وضاحت

قریشِ مکہ اور دیگر اصحابِ ثروت کے سامنے نبی کریم ﷺ جب دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی اور ابدی زندگی کا ذکر فرماتے اور انہیں بار بار اس بات پر توجہ دلاتے کہ تم اپنی دولت و ثروت پر جس طرح گھمنڈ کرتے ہو اور اپنی حکومت و سیادت پر تم جس طرح فریفتہ ہو، تمہیں اندازہ نہیں کہ یہ ایسی ڈھلتی چھاؤں ہے جس کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کسی وقت بھی تم سے یہ سب کچھ چھن سکتا ہے اور تمہارے اس اقتدار پر کسی وقت بھی زوال آ سکتا ہے۔ لیکن وہ آنحضرت ﷺ کی باتوں پر متوجہ ہونے کی بجائے مذاق اڑاتے۔ انہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ ان کی موجودہ حالت کیسے تبدیل ہو سکتی ہے اور وہ کس طرح زوال کا شکار ہو سکتے ہیں۔ انہیں نہایت آسان مثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے بارش برستی ہے، جا بجا پانی کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں، پھر اس پانی کے ذریعے سے کتنی قسموں کی نباتات اور کھیتیاں اگتی ہیں، پھر زیادہ وقت نہیں گزرتا کہ یہ لہلہاتی فصل اور زمین پر بچھا ہوا مخملی فرش مرجھانے لگتا اور خشک ہونے لگتا ہے۔ کل تک ہر طرف سبزے کی بہار تھی، اب ہر طرف زردی چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ کیا تمہیں اس سے اندازہ نہیں ہوتا کہ دنیا کی زندگی اور اس کی زینتیں سب عارضی ہیں۔ یہاں کی ہر بہار چند روزہ ہے اور انجام اس کا خزاں ہے۔ کوئی شباب ایسا نہیں جو ضعیفی اور موت کے حملے سے محفوظ رہ سکے۔ ہر عروج آخر زوال کا شکار ہوتا ہے۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے انسان اس کے حُسن پر فریفتہ ہو کر خدا اور آخرت کو بھول جاتا ہے۔ عقلمند آدمی وہ ہے جس کی نظر اس چند روزہ بہار سے مسحور نہ ہو، بلکہ وہ اس ذات سے اپنا تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرے جس کی قدرت سے یہاں سب کچھ ظہور پذیر ہوتا اور اپنے انجام کو پہنچتا ہے۔ وہی تمام چیزوں کو وجود میں لانے والی اور تمام تغیرات کی خالق ہے۔

ایک عقلمند آدمی کو اس سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ میں جن چیزوں کے سحر سے مسحور ہوتا ہوں ان میں سے کوئی چیز بھی اپنے اختیار میں آزاد نہیں۔ اصل اختیار اس ذات کے قبضے میں ہے جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا اور پروان چڑھایا ہے۔ وہ جس چیز کو چاہتا ہے برگ و بار پیدا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے خستہ و خراب کر دیتا ہے۔ کسی کے بس میں نہیں جو اس کے ارادے کو روک سکے اور اس کی قدرت کے سامنے کوئی رکاوٹ کھڑی کر سکے۔

Marfat.com

عقل کا مزید ایک قدم اگر آگے بڑھے تو یہ بات بھی سمجھنا مشکل نہیں کہ آسمان سے زمین تک ہر چیز کو جس نے انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے وہ لوگوں کو یونہی نہیں چھوڑ دے گا بلکہ ایک ایسا دن بھی یقیناً آنا ہے جس میں وہ ہر شخص سے اس کی نیکیوں اور بدیوں کا حساب لے گا اور انصاف کے مطابق اس کی جزا یا سزا دے گا۔

اَفَمَنْ

شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ
قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ
الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ
يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ
ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ
مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِىْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ
لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْىَ
فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِىْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ
اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ
هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ

Marfat.com

وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

رکوع: ۳۔ (کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کیلئے کھول دیا ہے، پس وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی میں ہے، (اس آدمی کی طرح ہوسکتا ہے جس کا دل سخت ہو چکا ہو) تباہی ہے ان لوگوں کیلئے جن کے دل اللہ کی نصیحت سے اور زیادہ سخت ہو گئے، یہی لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔ ۲۲) اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں جو دہرائی جانے والی ہے اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر جھک جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف، یہ اللہ کی ہدایت ہے جسے چاہتا ہے اس کے ذریعے ہدایت بخشتا ہے، اور جس کو اللہ گمراہ کردے اسے پھر کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ۲۳) کیا وہ شخص جو قیامت کے روز بدترین عذاب کو اپنے منہ پر روکتا ہے، (اور وہ جو اس سے محفوظ ہوگا دونوں یکساں ہوں گے) اور ایسے ظالموں سے تو کہہ دیا جائے گا کہ جو تم نے کمائی کی ہے اس کا مزہ چکھو۔ ۲۴) ان لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے، تو ان پر عذاب وہاں سے آیا جدھر ان کا خیال بھی نہ جاسکتا تھا۔ ۲۵) پھر اللہ نے ان کو دنیا ہی کی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑی چیز ہے، کاش یہ لوگ جانتے۔ ۲۶) ہم نے اس قرآن میں لوگوں کیلئے ہر قسم کی مثالیں بیان کردیں تاکہ وہ دھیان کریں۔ ۲۷) ایک عربی قرآن کی صورت میں جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں تاکہ وہ برے انجام سے بچیں۔ ۲۸) اللہ مثال بیان فرماتا ہے ایک غلام کی جس کی ملکیت میں کئی مختلف الاغراض، کج خلق آقا شریک ہیں، اور ایک دوسرے غلام کی جو پورے کا پورا ایک آقا کی مِلک ہے، کیا ان دونوں کا حال یکساں ہوگا! الحمدللہ، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ۲۹) اے پیغمبر! بے شک آپ بھی مرنے والے ہیں اور یقیناً وہ لوگ بھی مرنے والے ہیں۔ ۳۰) پھر تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کے حضور اپنا مقدمہ پیش کرو گے۔ ۳۱)

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

(کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کیلئے کھول دیا ہے، پس وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی میں ہے، (اس آدمی کی طرح ہوسکتا ہے جس کا دل سخت ہو چکا ہو) تباہی ہے ان لوگوں کیلئے جن کے دل اللہ کی نصیحت سے اور زیادہ سخت ہو گئے، یہی لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔ ۲۲)

Marfat.com

شرح صدر کا مفہوم

شرح کے لفظی معنی کھولنے، پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں۔شرح صدر وسعتِ قلب کو کہتے ہیں۔اس کا مقابل ضیقِ صدر بھی ہے اور قساوتِ قلب بھی۔قرآنِ کریم میں ایک اور جگہ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا اور اس جگہ لِلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اسی شرح صدر کے بالمقابل آیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ سے شرح صدر کا مطلب پوچھا۔آپ نے فرمایا کہ جب نورِ ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے (جس سے احکامِ الٰہیہ کا سمجھنا اور عمل کرنا اس کیلئے آسان ہو جاتا ہے)۔ہم نے عرض کیا اس شرح صدر کی علامت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اَلْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّجَافِيْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالتَّاَهُّبِ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ ''ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا اور دھوکے کے گھر یعنی دنیا کی لذائذ اور زینت سے دور رہنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔''

فیض بقدرِ استعداد پہنچتا ہے

شرح صدر کے مفہوم کے ذکر کے بعد اب ہم آیت کی وضاحت کرتے ہیں۔سب سے پہلی چیز جس کی طرف توجہ دینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت کا اسلوب استفہامیہ ہے۔اسی لئے اسے حرفِ استفہام سے شروع کیا گیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں پروردگار نے قرآنِ کریم کے مخاطبوں کے سامنے ایک سوال رکھا ہے جس کے پہلے جز کو ذکر فرما دیا ہے اور دوسرا جز سننے والوں کی ذہانت پر چھوڑ دیا ہے۔ یعنی وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے شرح صدر عطا فرمایا یعنی اسلام کیلئے اس کے دل کی کیفیت اس طرح کی ہوگئی ہے کہ اس کے دل میں اسلام کی کسی بات کے بارے میں کوئی خلجان یا تذبذب یا شک وشبہ پیدا نہیں ہوتا۔اسے قرآنِ وسنت کی ہر بات اپنے دل کی آواز معلوم ہوتی ہے۔شرعی تقاضے اسے طبعی تقاضے معلوم ہوتے ہیں اور اسلام کی راہ میں پیش آنے والا ہر خطرہ اور نقصان اس کیلئے ایک جانی پہچانی چیز بن جاتا ہے۔ بڑے سے بڑے خطرے کو انگیخت کرنا اور برداشت کرنا اس کیلئے نہایت سہل ہو جاتا ہے۔وہ ہر آنے والی مشکل کو اللہ تعالیٰ کی یاد کا ذریعہ اور اپنی بندگی کیلئے چیلنج سمجھتا ہے۔لیکن اس کے مقابلے میں دوسرا شخص وہ ہے جسے اسلام کی ہر بات اجنبی معلوم ہوتی ہے۔اسے اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کے بارے میں شبہات لاحق ہوتے ہیں۔وہ اسلامی احکام کو اپنی لئے ناروا پابندیاں سمجھتا ہے۔تو کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں ہو سکتے۔اب یہ دوسرا شخص کبھی تو اسلام کے بارے میں دل کی تنگی کا شکار ہوتا ہے یعنی اس کے دل کے اندر اسلامی احکام اتر نہیں پاتے۔اور کبھی وہ دل کی نرمی سے محروم ہو کر اس طرح کا ہو جاتا ہے کہ اس کے پہلو میں دل نہیں بلکہ پتھر ہے جو نہ کسی بات پر پسیجتا ہے اور نہ کسی دلیل سے قائل ہوتا ہے۔ایسے پتھر دلوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کیلئے ہلاکت اور بربادی ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ان کے سامنے ہوتا ہے تو بجائے اس کے کہ ان کے دلوں میں فرحت وانبساط پیدا ہو اور وہ شوق سے اس کی طرف بڑھیں، ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جیسے کسی چٹان سے کوئی چیز ٹکرا کے واپس آجائے۔ارشاد فرمایا: کہ یہی وہ لوگ ہیں اور جو کھلی گمراہی میں ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ قریش پر تعریض کی جا رہی ہے کہ ان پر چونکہ آنحضرت ﷺ کی کوئی بات اثر نہیں کر رہی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پہلو میں دل نہیں بلکہ پتھر ہے۔اور آنحضرت ﷺ

Marfat.com

کو تسلی دی جارہی ہے کہ وحیِ الٰہی بارش کی مانند ہے۔بارش برستی ہے تو جس زمین میں صلاحیت ہوتی ہے وہ اس سے مستفید ہوتی ہے اور لہلہا اٹھتی ہے لیکن جو بنجر ہوتی ہے اس کی ویرانی میں کوئی کمی نہیں آتی۔ان کے کفر اور انکار سے آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہئے یہ اپنی فطری صلاحیتیں کھو چکے ہیں اس لئے یہ آپ اور قرآن کے فیض سے محروم ہی رہیں گے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

(اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں جو دہرائی جانے والی ہے اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر جھک جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف، یہ اللہ کی ہدایت ہے جسے چاہتا ہے اس کے ذریعے ہدایت بخشتا ہے، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اسے پھر کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ۲۳)

قرآنِ کریم کے تعارف میں چند باتیں

قریش اور دیگر کفار قبولیتِ حق کے سلسلے میں جن کے دل پتھر ہو چکے تھے ان کا سب سے زیادہ زور اس بات پر صرف ہوتا تھا کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب نہیں، اسے آنحضرت ﷺ نے خود مرتب کیا ہے۔ بنابریں وہ اللہ تعالیٰ کے نبی نہیں، بلکہ یہ محض ان کا دعویٰ ہے۔ان کے ان تصورات کو رد کرتے ہوئے قرآنِ کریم کے تعارف اور تعریف میں چند باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ یہ سب سے بہتر کلام ہے۔قریش اسے اگر اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں سمجھتے تو پھر انہیں قرآنِ کریم کے چیلنج کو قبول کرنا چاہئے کہ وہ اس جیسی کتاب یا اس کی دس سورتوں جیسی دس سورتیں یا قرآن کی خصوصیات کی حامل کوئی ایک آیت بنا کے لے آئیں اور یہ ثابت کر دیں کہ اس کلام جیسا کلام ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔اگر یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا تو انسان اس کی مثال کبھی پیش نہ کر سکتا۔لیکن قریش اور دیگر اہلِ عرب آج تک قرآنِ کریم کا چیلنج قبول نہ کر سکے۔تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ ایسا بہترین کلام ہے جس کی مثال لانا انسان کے بس کی بات نہیں۔اس کے بعد قرآنِ کریم کی چند صفات کو بیان فرمایا گیا ہے جس کی پہلی صفت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کا ہر جز دوسرے جز کے ساتھ ہم رنگ اور ہم آہنگ ہے۔اس کے مضامین ایک دوسرے سے مربوط اور مماثل ہیں۔جس کی ایک آیت کی تشریح و تصدیق دوسری آیت سے ہو جاتی ہے۔اس کلام میں تضاد اور تعارض کا نام نہیں۔پوری کتاب اول سے آخر تک ایک ہی مدعا، ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی نظامِ فکر و عمل کو پیش کرتی ہے۔دوسری صفت اس کی یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ یہ مثانی ہے جو مَثْنیٰ کی جمع ہے، جس کے معنی مکرر کے ہیں۔مفہوم اس کا یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں ایک مضمون کو ذہن نشین کرنے کیلئے بار بار دہرایا جاتا ہے، کیونکہ یہ کتابِ ہدایت ہے۔اور اس کا موضوع انسان کی اصلاح ہے۔جس طرح انسانی زندگی کا ایک رنگ نہیں، اس میں ہر لحظہ تغیرات کام کرتے ہیں، اس کے افکار میں اتار چڑھاؤ ہوتا ہے، اس کے اعمال

Marfat.com

ہیں کبھی صلابت ہوتی ہے اور کبھی اضمحلال، کبھی اس میں اخلاص ہوتا ہے اور کبھی انجماد، کبھی اس پر فعلیت غلبہ پاتی ہے اور کبھی انفعالیت، کبھی وہ حالتِ غضب میں غیر معتدل فیصلے کرتا ہے اور کبھی ہراس اور مایوسی کا شکار ہو کر بے بسی کی تصویر بن جاتا ہے۔ ایسے انسان کی اصلاح کیلئے جو کتاب نازل ہوگی وہ اصلاح کا کوئی ایک نسخہ تجویز کر کے مطمئن نہیں ہو سکتی، وہ کبھی ایک بات کی نصیحت کو تبدیلی کا ضامن قرار نہیں دے سکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مضامین کو دل و دماغ میں راسخ کرنے کیلئے تکرار سے کام لے۔ اور نصیحت کو مؤثر بنانے کیلئے بار بار اسالیب کو بھی بدلے اور پیرایۂ بیان کو بھی، وہ کبھی اجمال سے کام لے اور کبھی تفصیل سے، کبھی وہ ایک بات کو زوردار لہجے میں کہے اور پھر اسی بات کو نہایت نرم اور ملائم لہجے میں کہے۔ ان تمام خصوصیات کو دیکھتے ہوئے یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ ایسی کتاب کو مثانی ہونا چاہئے۔ بعض اہلِ علم نے اس کا یہ مفہوم سمجھا ہے کہ اس کی تمام سورتیں جوڑے جوڑے ہیں۔ اور مثانی سے اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ اس بات کو بالکل نظرانداز تو نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ قرآنِ کریم کی ہر دو سورتوں کو ثنی قرار دینا حقیقت سے زیادہ سخن سازی ہے۔

قرآنِ کریم کی تاثیر کے حوالے سے فرمایا گیا ہے: کہ جن کے دلوں میں خدا کی خشیت اور خوف ہے وہ جب قرآنِ کریم کو سنتے ہیں تو قرآنِ کریم کی تاثیر کی وجہ سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دورِ نبوت میں تو اس کی مثالیں بکثرت ہیں۔ اور آج بھی جو شخص قرآنِ کریم کی زبان کو سمجھتا اور اس کے اسلوب کی نزاکتوں کو پہچانتا ہے یہ ممکن نہیں کہ وہ قرآنِ کریم کی تاثیر سے بے نیاز ہو سکے۔ البتہ وہ لوگ جن کے دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے بالکل بے نیاز ہیں اور وہ پتھر کی طرح سخت ہو چکے ہیں ان پر یقیناً قرآنِ کریم کی تاثیر بھی اثرانداز نہیں ہوتی۔ اقبال نے ٹھیک کہا:

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

یاد رہے کہ جلود کا لفظ جس طرح رونگٹوں پر بولا جاتا ہے، اسی طرح کھالوں اور پورے جسم پر بھی بولا جاتا ہے۔ اس آیت میں جلود کا لفظ دو دفعہ آیا ہے، لیکن پہلی دفعہ رونگٹے کے معنی میں آیا ہے اور پھر کھالوں یا جسم کے معنوں میں آیا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ قرآنِ کریم کی تاثیر سے متاثر ہوتے ہیں اور قرآنِ کریم ان کے دلوں میں گداز پیدا کرتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل اور ان کے جسم اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اعضاء و جوارح اس کے اندرونی احساسات کے تابع ہیں۔ چنانچہ جب قرآنِ کریم کی تاثیر سے اندر کی دنیا میں ایک تبدیلی عمل میں آتی اور ایک ہلچل سے مچتی ہے تو اس کا لازمی اثر انسانی دلوں اور انسانی جسموں پر بھی پڑتا ہے۔ ہم نے بارہا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جو شخص کسی کی عظمت کا قائل نہیں، وہ اس کے سامنے جھکنا تو درکنار اسے ملنا بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن جب کسی کی عظمت اس کے دل میں اتر جاتی ہے تو اب خود بخود اس سے ملنے کو بھی جی چاہتا ہے اور ملاقات کے دوران آپ سے آپ جسم اس کے سامنے جھکتا چلا جاتا ہے۔ کفار نے بھی جب تک قرآنِ کریم کی عظمت کو تسلیم نہیں کیا تو کبر و غرور کی وجہ سے ان کی گردن تنی رہی ہے۔ لیکن جب قرآنِ کریم کی تاثیر سے اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دلوں میں اتر گیا تو ان کے اندر خود بخود عاجزی اور فروتنی پیدا ہو گئی اور ان کے جسم اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتے گئے۔

Marfat.com

آیت کے آخر میں فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، یعنی اس کی نازل کردہ ہدایت ہے۔ جو لوگ قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سمجھتے ہیں اور اس کو وحیِ الٰہی سمجھ کر اس کی عظمت کے قائل ہوجاتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ اس کی سنت یہ ہے کہ جو آدمی اس سے ہدایت کا طلبگار ہوتا ہے اور ہدایت کی شروعات کو اختیار کرکے اس سے توفیق مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے ہدایت کا راستہ کھول دیتا ہے۔ لیکن جو شخص اس راستے پر چلنے کیلئے تیار نہیں اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور قرآنِ کریم کیلئے کوئی جگہ نہیں، اور ہدایت کے حصول کیلئے اس کے اندر کوئی طلب نہیں، تو اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور گمراہی اس کیلئے آسان ہوجاتی ہے۔ کوئی ہدایت دینے والا ہزار کوشش کے باوجود بھی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دے سکتا۔ اس میں ایک طرح سے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ ایسے لوگوں کی طرف سے پریشان نہ ہوں، ان کا ہدایت سے دور رہنا آپ کی کسی کوتاہی کا نتیجہ نہیں، بلکہ انہوں نے اپنے رویئے سے اپنی قسمت پھوڑی ہے، اس لئے آپ ان کیلئے غم نہ کھائیں۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾

(کیا وہ شخص جو قیامت کے روز بدترین عذاب کو اپنے منہ پر روکتا ہے، (اور وہ جو اس سے محفوظ ہوگا دونوں یکساں ہوں گے) اور ایسے ظالموں سے تو کہہ دیا جائے گا کہ جو تم نے کمائی کی ہے اس کا مزہ چکھو۔ ۲۴)

متکبرین کی بے بسی

یہ جملہ بھی استفہامیہ ہے اور اس میں بھی سوال کے ایک حصے کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور دوسرا حصہ چونکہ تھوڑے سے غور و فکر سے سمجھ میں آجاتا ہے، اسے چھوڑ دیا گیا ہے اور ہم نے ترجمے میں اسے واضح کردیا ہے۔ اس آیت میں درحقیقت ان متکبرین کی بے بسی کی تصویر کھینچی گئی ہے جو نبی کریم ﷺ کی دعوت کے مقابلے میں نہایت رعونت کا ثبوت دیتے تھے اور جزا و سزا کے دن کو مذاق میں اڑاتے تھے۔ قیامت میں ان کا حال یہ ہوگا کہ ان کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوں گے اور جب عذاب کی مار ان پر پڑے گی تو ہاتھوں کے بندھے ہونے کے باعث وہ مجبور ہوں گے کہ اپنے چہروں سے اس عذاب کا دفاع کریں۔ جبکہ انسانی فطرت یہ ہے کہ وہ ہاتھ اور پاؤں سے ہر حملے کو روکنے کی کوشش کرتا ہے اور حتی الامکان چہرے کو اس سے محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن ان کی بے بسی کا عالم یہ ہوگا کہ ان پر جو کچھ گزرے گی اپنے چہروں کو سامنے کرکے اسے روکنے کی کوشش کریں گے۔ اور چہروں کو بچانے کی بجائے ان سے ڈھال کا کام لیں گے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ چیخیں گے اور رحم کی درخواست کریں گے لیکن بجائے رحم کھانے کے نہایت بے نیازی سے انہیں جواب دیا جائے گا کہ ظالمو! جو کچھ تم پر گزر رہی ہے یہ تمہارے اپنے کسب یعنی اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ تم نے قرآن کی تکذیب کی، قیامت کا انکار کیا، اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت پر کان نہ دھرا۔ اس طرح تم نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے جو کچھ تم آج دیکھ رہے ہو۔ اس لئے آج تم پر کوئی رحم نہیں کیا جائے گا بلکہ تمہیں آج اپنی کمائی کا مزہ چکھنا چاہیے۔

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

(ان لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے، تو ان پر عذاب وہاں سے آیا جدھر ان کا خیال بھی نہ جاسکتا تھا۔ ۲۵) پھر اللہ نے ان کو دنیا ہی کی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑی چیز ہے، کاش یہ لوگ جانتے۔ ۲۶)

Marfat.com

قریش کو تنبیہ

نبی کریم ﷺ جب قریش اور دیگر مخالفین کو دیکھتے کہ وہ کسی طرح بھی راہِ راست پر آنے کیلئے تیار نہیں تو آپ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے کہ تم نے اگر اپنا رویہ نہ بدلا تو کسی وقت بھی تم پر عذاب نازل ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ بے جھجک اور بے دریغ آپ کا مذاق اڑاتے اور یہ کہتے کہ ہماری سطوت و عظمت اور ہماری دولت وحشمت کے ذرائع نہایت محفوظ ہیں، ہمیں کسی طرف سے بھی ایسی تباہی کا خطرہ نہیں جو ہمیں تباہ کردے۔ اس لئے ہم اس عذاب کو ایک دھمکی کے سوا کچھ نہیں سمجھتے، آپ محض اپنی دھونس جمانے کیلئے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کی غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے فرمایا جارہا ہے کہ ان سے پہلے بھی جو قومیں گزری ہیں انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو جھٹلایا، ان کی دعوت پر کان دھرنے کیلئے بھی تیار نہ ہوئے، انہوں نے ہر چند کوشش کی لیکن یہ ان کی تکذیب پر اڑے رہے اور نہایت تکبر کے ساتھ ان کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جب ہر لحاظ سے اتمامِ حجت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا ہی میں انہیں رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھایا۔ اور وہاں سے عذاب آیا جہاں سے انہیں سان گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بھی تمہاری طرح یہی سمجھتے تھے کہ ان پر کسی عذاب کے آنے کا کوئی امکان نہیں۔ ان کی بستیاں نہایت محفوظ، ان کیلئے حالات نہایت مناسب اور ان کی حکومتیں نہایت مستحکم تھیں۔ لیکن جب ان پر عذاب آیا تو ان کو ایسا تباہ کیا کہ وہ اپنے پیچھے رسوائی کی داستان چھوڑ گئے۔ تمہیں ان کی تباہی اور بربادی سے سبق سیکھنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اس صورتحال سے دوچار ہو جاؤ۔ اور پھر آخر میں فرمایا کہ مت سمجھو کہ اس عذاب دنیا کے بعد آخرت کا عذاب نہیں ہوگا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ عذاب اس عذاب کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا، وہ عذاب سب سے بڑا اور سب سے عظیم ہے۔ کاش یہ لوگ اس بات کو سمجھتے اور اپنی تباہی سے بچنے کی کوشش کرتے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾
قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾

(ہم نے اس قرآن میں لوگوں کیلئے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دیں تا کہ وہ دھیان کریں۔ ۲۷) ایک عربی قرآن کی صورت میں جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں تا کہ وہ برے انجام سے بچیں۔ ۲۸)

قرآنِ کریم کا ایک خاص اسلوب

ضربِ مثل کا معنی ہے مثال بیان کرنا۔ لیکن اس سے مراد بالعموم حکمت وموعظت کی کسی بات کو تمثیل کے انداز میں یا بغیر تمثیل کے بیان کرنا ہے۔ حکمت وموعظت تو تمام آسمانی کتابوں کا موضوع رہا ہے۔ البتہ تمثیل کا پیرایہ بھی آسمانی کتابوں میں ہمیں جابجا ملتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خطبات میں بھی بکثرت اس کا استعمال ہوا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحیفہ حکمت کا نام ہی امثال ہے۔ تمثیل کے اسلوب کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جن باتوں کو عقلی پیمانوں سے بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کا تعلق ایک نادیدہ عالم سے ہوتا ہے انہیں تمثیل کے انداز میں بیان کرنا اور فی الجملہ ایک تاثر دل ودماغ میں بٹھا دینا آسان ہوتا ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم اور دیگر آسمانی کتابوں نے ضرورت

Marfat.com

کے مطابق اس پیرایۂ بیان کو اختیار کیا۔ مقصود چونکہ تمام آسمانی کتابوں کا لوگوں کو توجہ دلانا، یاددہانی کرانا اور نصیحت کرنا رہا ہے اس لئے اس صنفِ کلام سے کام لیا گیا تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

قرآنِ کریم اس صنف کے ساتھ ساتھ بعض دوسری اصنافِ کلام اور اوصافِ کلام سے بھی کام لے کر لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے دین کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیتا ہے۔ کیونکہ قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی زبان میں نازل کیا ہے جو عربی ہے تاکہ اہلِ عرب اس کو بخوبی سمجھ سکیں اور مزید یہ کہ اس زبان میں کوئی اینچ پیچ نہیں، بلکہ نہایت فصیح اور بلیغ زبان ہے اور نہایت سادہ اسلوب میں تمام باتیں بیان کی گئی ہیں جن کا بیان کرنا ضروری تھا۔ قرآنِ کریم نے بعض مواقع پر مشکل علمی موضوعات کو بھی چھیڑا ہے اور پھر عالمِ برزخ، عالمِ آخرت اور عالمِ غیب کی باتیں بھی کی ہیں۔ لیکن کسی جگہ بھی ایسی زبان استعمال نہیں کی جو اہلِ زبان کی دسترس میں نہ آسکتی ہو۔ اور پھر لب ولہجہ ایسا دلآویز اور ایسا شیریں ہے کہ ایک معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی اس کی دلآویزی کے سحر سے محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بالخصوص زندگی کے معمولات کے بارے میں جو ہدایات دی گئی ہیں ان کا انداز نہایت سہل اور نہایت دلنشیں ہے۔ پیشِ نظر صرف یہ ہے کہ لوگ قرآنی دعوت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اس طرح سے اس برے انجام یعنی ہولناک انجام سے اپنے آپ کو محفوظ بنانے کی کوشش کریں جو انسان کو عالمِ آخرت میں بہرحال پیش آنے والا ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾

(اللہ مثال بیان فرماتا ہے ایک غلام کی جس کی ملکیت میں کئی مختلف الاغراض، کج خلق آقا شریک ہیں، اور ایک دوسرے غلام کی جو پورے کا پورا ایک آقا کی مِلک ہے، کیا ان دونوں کا حال یکساں ہوگا! الحمدللہ، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ۲۹)

مُتَشٰكِسُوْنَ، اس کا مصدر تَشَاكُس ہے۔ اس کا معنی تخالف ہے۔ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ، ایسے شرکاء کو کہتے ہیں جو مختلف الاغراض ہوں، کج خلق ہوں، باہمی چشمک اور رقابت رکھتے ہوں۔ اور رَجُلٌ سے مراد غلام ہے۔

توحید اور شرک کے نتائج کی تمثیل

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور شرک کی حقیقت اور اس کے نتائج کو ایک تمثیل سے واضح فرمایا ہے۔ اور نہایت مختصر لفظوں میں ایک بڑے وسیع مضمون کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ مشرک کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایک ایسا غلام ہے جو بیک وقت کئی آقاؤں کی غلامی کا اسیر ہے۔ یعنی اس کی غلامی اور مِلک میں کئی آقا شریک ہیں۔ اور یہ آقا ایسے ہیں جو اس غلام سے مختلف اغراض رکھتے ہیں۔ کوئی اس سے ذاتی خدمت چاہتا ہے، کوئی اسے گھر کی ذمہ داریاں سونپنا چاہتا ہے اور کوئی اسے اپنی تجارت پر لگانا چاہتا ہے، کوئی اس سے اپنی زمینوں پر کاشتکاری کرانے کی فکر میں ہے، کسی نے اس کیلئے مزدوری کا پیشہ طے کر رکھا ہے اور مزید لطف یہ ہے کہ یہ تمام آقا ایسے کج خلق اور ایسے بدمزاج ہیں کہ وہ غلام سے کام لینے میں مل بیٹھ کر کوئی ایک ٹائم ٹیبل بنانے پر تیار نہیں۔ اور نہ ان میں سے

Marfat.com

کسی کو یہ گوارا ہے کہ جب وہ غلام سے خدمت لے رہا ہو تو کوئی دوسرا آقا اسے اپنی خدمت کیلئے بلائے۔ اب آپ اندازہ کریں کہ یہ شخص جو مختلف آقاؤں کی غلامی میں ہے اس کی زندگی کس قدر اذیت کی زندگی ہوگی۔ اور اس کی جان کس عذاب میں پھنسی ہوئی ہوگی۔ وہ تمنا کرے گا کہ کاش مجھے موت آجائے اور ان ظالموں سے میری جان چھوٹے۔

دوسری مثال ایک توحید پرست اور موحد کی مثال ہے۔ یہ ایک ایسا غلام ہے جس کا صرف ایک آقا ہے۔ وہ ایک آقا کی غلامی کا اسیر ہے، کوئی دوسرا اس کا آقا نہیں۔ وہ اگر ایک آقا کی خدمت کر کے اسے خوش کر لیتا ہے تو اس کی زندگی میں پریشانی پیدا کرنے والی اور کوئی چیز نہیں۔ اس کا آستانہ صرف آقا کا آستانہ ہے، اس کی چوکھٹ صرف آقا کی چوکھٹ ہے، اسے صرف ایک آقا کی خدمت کی فکر ہے، صرف ایک آقا کی رضا کا حصول اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ اندازہ کیجئے کہ یہ غلام، غلامی کی تہمت کے بغیر اور کسی پریشانی میں مبتلا نہیں ہوگا۔ تو کیا یہ دونوں غلام اپنی حالت کے اعتبار سے یکساں ہوں گے، کیا دونوں ایک طرح کے احساسات کے حامل ہوں گے، کیا دونوں ایک ہی طرح زندگی سے محظوظ ہو رہے ہوں گے، یقیناً ایسا نہیں، دونوں کی حالت میں باہمی کوئی نسبت نہیں۔

بالکل یہی حال ایک موحد اور مشرک کا ہے۔ موحد صرف ایک اللہ کی غلامی کا قلادہ گلے میں ڈالتا ہے، صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے استمداد اور دعا کیلئے اس کا ہاتھ پھیلتا ہے، اس کی زندگی کا صرف یہی ایک سہارا ہے، اس کے سوا وہ ہر سہارے سے انکار کر چکا ہے، اس آستانے پر جھک کر وہ ہر آستانے سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ کوئی بڑی سے بڑی طاقت نہ اسے جھکا سکتی ہے اور نہ بڑے سے بڑا لالچ اسے بہکا سکتا ہے۔

دوسری مثال مشرک کی ہے جس نے مختلف قوتوں کو اپنا آقا بنا رکھا ہے۔ کسی کے سامنے سر جھکاتا ہے، کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے، کسی سے اولاد مانگتا ہے، کسی سے رزق کا طالب ہوتا ہے، کبھی کسی دیوتا کے سامنے اپنی بندگی کا سرمایہ ڈھیر کرتا ہے اور کبھی کسی دیوی کو پوجتا ہے۔ اور جدید دنیا میں کسی کے سامنے وہ عبادت کیلئے جھکتا ہے اور کسی اور کے سامنے قانون سازی کیلئے، کسی دروازے سے تہذیب مانگتا ہے تو کسی دروازے پر تمدن کیلئے کشکول لئے کھڑا ہے، کہیں سے وہ معیشت کے اصول سیکھتا ہے اور کہیں سے وہ سیاست کے آداب کی تعلیم حاصل کرتا ہے، کسی کی عظمت کے سامنے اس لئے جھکتا ہے کہ اس کا اقتدار اس کے قبضے میں ہے اور کسی کو اس لئے خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ معیشت کا سررشتہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ اتنے مختلف الاغراض آقا ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے مخلص نہیں۔ ہر ایک اسے اپنی خدمت اور اپنی چاکری کیلئے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ یہ اپنے آقاؤں کے ہاتھ میں ایک کھلونا بن کے رہ جاتا ہے۔ کھلونا ٹوٹتے بھی دیر لگتی ہے اس کی شکست و ریخت میں اتنی دیر بھی نہیں لگتی۔ اس کے زیرِ تصرف وسائل ان کی ناز برداری کیلئے صرف ہوتے ہیں۔ لیکن ان تمام چاکریوں اور خدمتوں کے باوجود سارے آقا کبھی اس سے خوش نہیں ہوتے۔ وہ کبھی اسے معاشی سزا دیتے ہیں اور کبھی سیاسی، کبھی قانون کی چوٹ لگاتے ہیں تو کبھی مذہب کا وار کرتے ہیں۔ غور کیجئے کیا یہ دونوں طرح کے غلام اپنی حالت میں یکساں ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں یکساں نہیں ہیں۔ لیکن جب یہ سوال آنحضرت ﷺ نے مشرکین کے سامنے رکھا تو ان کیلئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ صحیح جواب دے کر اپنی غلطی کو تسلیم کریں، اس لئے انہوں نے خاموشی ہی میں عافیت سمجھی۔ تو قرآن نے خود اس کا جواب دیا۔ الحمدللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تم خود بھی اپنے دلوں میں ان دونوں حالتوں کا فرق محسوس کرتے ہو۔ اور تم میں سے کوئی بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں رکھتا کہ ایک آقا کی بندگی سے بہت سے آقاؤں کی بندگی بہتر ہے۔ یا دونوں یکساں ہیں۔

Marfat.com

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ یہ صحیح ہے کہ ایک آقا کی غلامی بہت سے آقاؤں سے بہتر ہے۔لیکن کیا غلامی بجائے خود انسان کیلئے بہت بڑا عیب نہیں؟ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی غلامی بھی کیوں قبول کی جائے۔انسان کو آزاد پیدا کیا گیا ہے، تو کیا اسے اللہ تعالیٰ کی غلامی سے آزاد نہیں رکھا جاسکتا۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غلامی انسان کی فطرت کی آواز ہے۔اس کے اندر جو افتقار اور احتیاج ہے اللہ تعالیٰ کی غلامی کے سوا اس کا کوئی حل نہیں۔انسان اپنی تخلیق، اپنی ربوبیت، زندگی کے امکانات، زندگی کی احتیاجات اپنے ماؤف لمحوں میں کسی کی یاد جیسی بہت سی احتیاجات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا کہیں سے پوری نہیں ہوسکتیں۔اسی طرح زندگی کا صحیح نصب العین، صحیح طرزِ عمل، صحیح طرزِ فکر اور منزل کا صحیح تعین، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا صحیح علم اور آخرت کی تفصیلات اور اس کیلئے تیاری اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کے سوا کسی طرح بھی ممکن نہیں۔یہ وہ بنیادی احتیاجات ہیں جس نے اللہ تعالیٰ کی غلامی کو انسان کی فطرت اور اس کے باطن کی پکار بنا دیا ہے۔اور یہ ایک ایسی غلامی ہے جس کے قبول کر لینے کے بعد ہر طرح کی غلامیوں سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔اقبال نے ٹھیک کہا:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

آخر میں فرمایا کہ اکثر لوگ اس سامنے کی حقیقت کو نہیں جانتے، کیونکہ ان کی فطرت بگڑ چکی، ان کا باطن مکدر ہو گیا اور ان کی عقل خواہشاتِ نفس کی پیروی نے مسموم کر دی ہے۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾

(اے پیغمبر! بے شک آپ بھی مرنے والے ہیں اور یقیناً وہ لوگ بھی مرنے والے ہیں۔ ۳۰) پھر تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کے حضور اپنا مقدمہ پیش کرو گے۔ ۳۱)

مَیِّتٌ ''یا'' کی تشدید کے ساتھ، اس کو کہتے ہیں جو زمانۂ مستقبل میں مرنے والا ہو اور مَیْت ''یا'' کے سکون کے ساتھ اس کو کہتے ہیں جو مر چکا ہو۔

نبی کریم ﷺ کو تسلی اور مخالفین کو تنبیہ

اس آیتِ کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو تسلی ہے اور مخالفین کیلئے تہدید اور تنبیہ ہے۔آنحضرت ﷺ سے یہ فرمایا جا رہا ہے کہ آپ جس طرح نہایت سادہ اور عام فہم انداز میں توحید کی دعوت لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں اس سے کسی بھی صاحبِ فہم آدمی کیلئے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔لیکن ان کج فہموں کا حال یہ ہے کہ یہ اسے قبول کرنے کی بجائے آپ کی دعوت کے مقابلے اور اذیت رسانی کے عمل میں اور تیز ہو گئے اور اس اٹھتی ہوئی صداقت کو دبانے کیلئے ہر طریقہ آزمانے پر تل گئے۔لیکن آپ اس سے پریشان نہ ہوں۔نہ آپ کو اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اور نہ یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ایک نہ ایک دن آپ بھی موت سے دوچار ہوں گے اور یہ لوگ بھی اپنے انجام کو پہنچیں گے۔کیونکہ موت سے کسی کو رستگاری نہیں، جو آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن جانا بھی ہے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا اٹل قانون ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے عظیم پیغمبر بھی بے نیاز نہیں۔امیر مینائی نے ٹھیک کہا:

جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدِ مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا

Marfat.com

آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری ہوگی تو یہ جو آج توحید اور شرک کی بحث چل رہی ہے اور آپ جن صداقتوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کے حوالے سے ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور یہ ہر ممکن طریقے سے ان کو دبانے کیلئے کوشاں ہیں یہ سارے معاملات آپ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کریں گے اور وہاں سے اس کا فیصلہ صادر ہوگا۔ اس روز سرخرو وہی ہوگا جو حق پر قائم رہا۔ حضرت ابن عباسؓ نے الفاظ کو حالتِ جمع میں دیکھ کر یہ گمان فرمایا ہے کہ یہاں مقدمات و نزاعات خاص نہیں بلکہ تمام مراد ہیں جو لوگ اپنے رب کی عدالت میں پیش کریں گے۔ لیکن سیاقِ کلام سے جو بات مترشح ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ جو بحث توحید اور شرک کے حوالے سے چل رہی تھی اور یہی آنحضرت ﷺ کی دعوت کا اصل موضوع تھا اسی کا مقدمہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرمائیں گے کہ کون حق پر تھا اور کون حق کے راستے میں روڑے اٹکا رہا تھا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ
بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾
وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا
الْمُحْسِنِيْنَ ۚۖ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا
وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾
اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ
دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۚ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ
اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ
اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ
اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ

Marfat.com

هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ؕ عَلَیْهِ یَتَوَكَّلُ
الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ
فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ یَحِلُّ عَلَیْهِ
عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ
فَمَنِ اهْتَدٰی فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ
وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۴۱﴾

رکوع: ۴۔ (تو اس سے بڑھ کر اپنی جان پر ظلم کرنے والا اور کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور جب سچائی اس کے سامنے آئی تو اسے جھٹلا دیا، کیا ایسے کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہ ہوگا۔ ۳۲) اور جو شخص سچی بات لے کر آیا اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی، وہی لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ ۳۳) ان کیلئے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، یہ ہے بہترین نیکی کرنے والوں کی جزا۔ ۳۴) تاکہ اللہ مٹا دے ان سے ان کے بدترین اعمال کو جو انہوں نے کئے تھے، اور جو بہترین اعمال وہ کرتے رہے ان کے لحاظ سے ان کو اجر عطا فرمائے۔ ۳۵) اے پیغمبر! کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں ہے، یہ آپ کو اس کے سوا دوسروں سے ڈراتے ہیں، اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ۳۶) اور جس کو اللہ ہدایت دے تو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا اللہ زبردست اور انتقام لینے والا نہیں۔ ۳۷) اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے اللہ نے، آپ ان سے کہئے کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ چیزیں جن کو تم پوجتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو یہ کیا مجھے اس کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بچالیں گی یا اللہ مجھ پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کیا یہ اس کے فضل کو روکنے والی ہوسکتی ہیں، کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے، اور بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ۳۸) کہہ دیجئے! کہ اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو اور میں اپنا کام کرتا رہوں، عنقریب تم جان لوگے۔ ۳۹) کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کردیتا ہے، اور کس پر وہ عذاب آتا ہے جو ٹک کے رہ جاتا ہے۔ ۴۰) اے پیغمبر! ہم نے سب لوگوں کی ہدایت کیلئے آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے، اب جو ہدایت حاصل کرے گا اپنے لئے کرے گا، اور جو گمراہ ہوگا اس کی گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا، آپ ان پر کوئی داروغہ مقرر نہیں کئے گئے ہو۔ ۴۱)

Marfat.com

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ
اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲

(تو اس سے بڑھ کر اپنی جان پر ظلم کرنے والا اور کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور جب سچائی اس کے سامنے آئی تو اسے جھٹلا دیا، کیا ایسے کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہ ہوگا۔ ۳۲)

اللہ تعالیٰ کی عدالت کا فیصلہ

توحید اور شرک پر مشتمل یہ مقدمہ جو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اس کا جو فیصلہ ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو اس کی پیشگی اطلاع دے دی ہے۔ اور وہ فیصلہ یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون شخص ہوگا کہ جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ یعنی اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق میں کوئی دوسری ہستیاں بھی شریک ہیں۔ اور جب اس سے اس کا ثبوت مانگا گیا تو اس نے یہ دعویٰ کرنے کی جسارت کی کہ ہمارے آباؤ اجداد کو اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت بخشی تھی اور انہوں نے جو مشرکانہ عقیدے اختیار کئے تھے وہ ان کے اپنے اختراع کردہ نہ تھے بلکہ ان کے آباؤ اجداد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھائے گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسا اتہام اور ایک ایسا جھوٹ ہے جس کی اور کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ اور مزید ظلم انہوں نے یہ کیا کہ جب نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہو کر آئے اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے توحید کا صحیح علم نازل فرمایا اور وہ سچائی ظاہر فرمائی جسے یہ لوگ بھول چکے تھے۔ تو بجائے اس سچائی کو قبول کرنے کے انہوں نے اس کی تکذیب کر دی۔ یعنی صاف صاف یہ کہا کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ سراسر جھوٹ ہے۔ اور پھر اسی پر بس نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے اس سچائی کی انہیں خبر دی بلکہ آپ نے مسلسل دلائل کے ساتھ اس طرح اسے مستحکم کیا اور مبرہن فرمایا کہ وہ سچائی کھل کر ان کے سامنے آ گئی۔ بالکل اس طرح جیسے ایک مجسم چیز سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اسی فیصلے میں یہ بھی بات واضح فرما دی گئی کہ جو ایسے کٹر کافر ہوں کہ نہ وہ معقولیت کو تسلیم کریں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول جیسے صاحبِ کردار شخص کی خبر کو سچا سمجھیں۔ تو کیا ایسے لوگوں کو ٹھکانہ جہنم کے سوا کہیں اور بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگ یقیناً جہنم ہی کا ایندھن بننے کے لائق ہیں۔ اس لئے پروردگار ان کو جہنم ہی میں جھونک دے گا۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝۳۳

(اور جو شخص سچی بات لے کر آیا اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی، وہی لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ ۳۳)

جو مقدمہ اللہ تعالیٰ کے حضور قیامت کے دن پیش ہوگا اس کے دو فریق ہوں گے، ایک تو وہ کافر جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کو نہ صرف ماننے سے انکار کیا بلکہ آنحضرت ﷺ کی بھی تکذیب کی۔ اس فریق کے بارے میں فیصلہ اوپر کی آیت میں سنا دیا گیا اور ان کے انجام کی بھی خبر دے دی گئی۔ اب پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں دوسرے فریق کے بارے میں فیصلہ سنایا جا رہا ہے۔ اس فریق میں ایک تو نبی کریم ﷺ ہیں اور دوسرے آپ کے فرمانبردار اور متبع لوگ ہیں۔ ان دونوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں اور یہ جہنم

Marfat.com

کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ رہے ان کے بلند مقامات اور درجات، اس کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ذکر آپ کے نام سے نہیں بلکہ یہ کہہ کر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عظیم رسول جو سچائی لے کر آئے۔ صدق اور سچائی سے مراد قرآنِ کریم ہے۔ نبی کریم ﷺ پر قرآنِ کریم نازل کیا گیا اور آپ اس عظیم نعمت اور امانت کو لے کر لوگوں کے پاس تشریف لائے۔ کس شان سے آئے، کس طرح لوگوں کے سامنے اسے پیش کیا، اس کی آپ نے کیا قیمت ادا کی، آپ نے اس تبلیغ و دعوت کے حوالے سے کیا کیا دکھ اٹھائے اور آپ نے کیسی کیسی استقامت کی مثالیں قائم کیں اور کس طرح مخالفین کی اذیتوں کے مقابلے میں ہمدردی اور غمگساری کی بینظیر روایات قائم کیں۔ یہ تمام تفصیلات اور تمام دل کو ہلا دینے والے تجربات ان دو لفظوں میں شامل ہیں۔ اور پھر آپ کے فرماں بردار اور جاں نثار امتیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس سچائی کی تصدیق کی۔ یعنی جو کچھ آپ پر نازل ہوا اس کے ایک ایک لفظ کے شاہد بنے۔ قولی گواہی بھی دی اور عملی شہادت بھی قائم کی۔ نبی کریم ﷺ کے نقوشِ قدم کی پیروی کو انہوں نے زندگی کا معمول بنایا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس بات کی خبر دی انہوں نے یقینِ کامل کے ساتھ اسے اپنے دل میں اتار لیا۔ اس راستے میں آنے والی مشکلات کو اپنے لئے آخرت کا سرمایہ سمجھا اور آپ کی ہر بات کی تصدیق زبان سے بھی کی اور عمل سے بھی۔ اور مسلسل قربانیاں دے کر اس تصدیق کو زندہ جاوید بنا دیا۔ اس فیصلے میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تقویٰ کے دو ہی معیار ہیں۔ ایک ہے قرآنِ کریم جیسی سچائی کو اس طرح لوگوں کے سامنے پیش کرنا جیسے آنحضرت ﷺ نے کیا۔ اور دوسرا معیار ہے کہ اس سچائی کی تصدیق کی جائے۔ چنانچہ اس کا سب سے اعلیٰ نمونہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپؓ سب سے پہلے ایمان لائے، آنحضرت ﷺ کی حفاظت میں سب سے پہلے مار کھائی، اپنی چار نسلیں اسلام کی آغوش میں دے دیں، اپنا سارا کاروبار اسلام پر قربان کر دیا، اپنا تمام مال و دولت اسلام پر خرچ کر ڈالا، وہ کمزور غلام جو اسلام لانے کی پاداش میں بری طرح اذیتوں کا شکار تھے انہیں خریدا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد کر دیا، تبلیغ و دعوت میں آنحضرت ﷺ کے رفیق رہے، کوئی قابلِ ذکر موقع ایسا نہیں جب آپؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ غارِ ثور کی تنہائیوں میں بھی آپ حضورؐ کے رفیق تھے، ہجرت میں آپؐ کے ہمسفر رہے، ہجرت کے بعد بھی کوئی ایسا وقت نہیں آیا جب کسی اور نے آپ کی رفاقت کا آپ سے بڑھ کر حق ادا کیا ہو۔ حتیٰ کہ مرض الوفات میں آپ نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے لوگوں کو نماز پڑھائی، اور آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپؐ کے خلیفہ بنے اور سوا دو سال بعد ہی آپؐ کی محبت میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے اور قیامت تک کیلئے آپؐ کے پہلو میں آرام کر رہے ہیں۔ اقبال نے نہایت سادہ سے شعر میں آپؓ کی زندگی کی ایسی تصویر کھینچ دی ہے کہ جس سے بہتر تصویر ممکن دکھائی نہیں دیتی۔

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیق کیلئے ہے خدا کا رسول بس

آج بھی حق و باطل کی کشمکش میں مسلمانوں کیلئے یہی دونوں مقامات ہیں جو ان کے ایمان و اسلام کی گواہی دے سکتے ہیں کہ ہر مومن کو یا تو اسلام کا علم بردار ہونا چاہئے اور یا کسی علم بردار کا اسے سپورٹر ہونا چاہئے۔ یعنی یا وہ آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا اٹھائے اور یا وہ جھنڈا اٹھانے والے کا ساتھ دے۔ یعنی یا خود جہاد کیلئے نکلے اور یا جہاد کرنے والوں کی ہر ممکن مدد کرے۔ اس کے سوا تیسرا کوئی مقام نہیں جو حق و باطل کی کشمکش میں ایک مومن کو اللہ تعالیٰ کی باز پرس سے بچا سکتا ہو۔

Marfat.com

لَهُم مَّا يَشَآءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ جَزَآؤُا۟ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٤﴾ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ

أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا۟ وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٣٥﴾

(ان کیلئے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، یہ ہے بہترین نیکی کرنے والوں کی جزا۔ ۳۴) تاکہ اللہ مٹا دے ان سے ان کے بدترین اعمال کو جو انہوں نے کئے تھے، اور جو بہترین اعمال وہ کرتے رہے ان کے لحاظ سے ان کو اجر عطا فرمائے۔ ۳۵)

قرآن کی علمبرداری کرنے والوں کیلئے حیران کن انعامات

جنہوں نے قرآن اور اسلام کی علمبرداری کی اور جن لوگوں نے ان کی تصدیق کی اور انہیں سپورٹ کیا، اللہ تعالیٰ ان کو وہ سب کچھ عطا فرمائے گا جو وہ چاہیں گے۔ یہ ایک ایسی حیران کن بات ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ممکن ہے، کسی اور کیلئے نہیں۔ کیونکہ بے شمار خواہشیں انسان کی ایسی ہیں جنہیں پورا کرنا انسان کے بس میں نہیں۔ انسان تو یہ چاہتا ہے کہ اس پر بڑھاپا کبھی نہ آئے، کبھی اسے کوئی گزند نہ پہنچے، وہ کبھی ناکامی کا منہ نہ دیکھے۔ لیکن یہ انسان کی استطاعت سے ماورا چیز ہے۔ ٹھیک کہا کسی نے:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

لیکن یہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں کہ ان کی بڑی سے بڑی چاہت اور بڑی سے بڑی خواہش فوراً پوری کردی جائے گی۔ اور مزید لطف کی بات یہ ہے کہ ان کی ہر خواہش کا پورا ہونا صرف جنت ہی میں نہیں ہوگا بلکہ یہاں عِنْدَ رَبِّهِمْ کے الفاظ ارشاد ہوئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ہی ایک مومن کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرے گی، وہ اپنے رب کے پاس پہنچ جائے گی۔ چنانچہ اسی وقت سے لے کر دخولِ جنت تک ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی یہ عنایات اسے حاصل رہیں گی۔ وہ عذابِ دوزخ سے روزِ قیامت کی سختیوں سے، حساب کی سخت گیری سے، میدانِ حشر کی رسوائی سے، اپنی کوتاہیوں اور قصوروں پر مواخذہ سے لازماً بچنا چاہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی یہ ساری خواہشات پوری فرمائے گا۔

دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ایک مومن نے ایمان لانے کے بعد جس طرح زمانہ جاہلیت کے ہر داغ کو مٹایا اور اپنی زندگی کو کفر کے ہر دھبے سے پاک کردیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ اس کو یہ صلہ عطا فرمائے گا کہ دورِ جاہلیت میں اس سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں اور بڑے بڑے گناہ صادر ہوئے وہ اس کے حساب سے محو کردے گا۔ اور جنت میں اس کو جو انعامات دیئے جائیں گے وہ ان اعمال کے لحاظ سے ہوں گے جو اس کے نامۂ عمل میں سب سے بہتر ہوں گے۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُۥ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِۦ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُۥ

مِنْ هَادٍ ﴿٣٦﴾ وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُۥ مِن مُّضِلٍّ ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِى انتِقَامٍ ﴿٣٧﴾

(اے پیغمبر! کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں ہے، یہ آپ کو اس کے سوا دوسروں سے ڈراتے ہیں، اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ۳۶) اور جس کو اللہ ہدایت دے تو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا اللہ زبردست اور انتقام لینے والا نہیں۔ ۳۷)

Marfat.com

قریش کی ایک فطری گمراہی کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کو تسلی

قریش کی ایک فکری گمراہی کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے۔ وہ گمراہی یہ تھی کہ ان کے گمان میں جو شخص بھی ان کے اصنام و آلہہ کی مخالفت کرتا ہے اور ان سے استمداد اور پرستش کے حوالے سے ان کی کمزوری اور بےبسی کو نمایاں کرتا ہے وہ یقیناً ان معبودانِ باطلہ کے قہر و غضب سے محفوظ نہیں رہ سکتا وہ اسے کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اب اسی فکری گمراہی کے حوالے سے وہ آنحضرت ﷺ کو بھی بار بار ڈرانے کی کوشش کرتے کہ تم جو ہمارے معبودانِ باطلہ پر تنقید کرتے رہتے ہو ہمیں ڈر ہے کہ تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس یاوہ گوئی پر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ آپ تو اس عظیم ذات کے بندے اور پرستش کرنے والے ہیں جو ساری کائنات کی خالق و مالک ہے اور اس نے آپ کو اپنا رسول اور نمائندہ بنا کے بھیجا ہے۔ ان لوگوں کی گمراہی کا کیا کہنا کہ یہ اپنے مصنوعی اور بےاختیار معبودانِ باطلہ سے آپ کو ڈراتے ہیں جبکہ آپ کی حفاظت اور نگہداشت کی ذمہ داری اس خالقِ کائنات کے ہاتھ میں ہے جس کی مرضی اور علم کے بغیر جنگل میں کوئی پتہ تک نہیں گرتا، اور کوئی چھوٹی بڑی قوت اس کی اجازت کے بغیر نہ وجود میں آتی ہے اور نہ حرکت کر سکتی ہے۔ لیکن ان کی فکری کج روی گمراہی کی اس انتہا تک پہنچی ہوئی ہے کہ وہ اپنے ان بےبس معبودانِ باطلہ کی نام نہاد قوتوں پر تو یقین رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر انہیں یقین نہیں۔ جس شخص کی گمراہی اس انتہا کو پہنچ جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سماعِ قبول سے ہی محروم نہیں کیا بلکہ حقیقت شناسی کی ہر قدر سے محروم کر دیا ہے۔ اور وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے قانونِ ضلالت کی گرفت میں آ چکا ہے۔ ایسے شخص کو کوئی ہدایت دینے والا بھی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازتا ہے تو جس طرح گزشتہ آیات میں وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اس کے دل کی تنگی انشراح میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کو اس طرح مانتا اور یقین رکھتا ہے کہ گویا وہ چشمِ سر اسے دیکھ رہا ہے۔ ایسے شخص کو کوئی ہزار کوشش کرے کہ گمراہی کے راستے پر ڈال دے، کبھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں جو ہدایت و ضلالت کے معاملے میں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ عزیز ہے اور وہ ہر معاملے میں اپنے بندوں کی حفاظت و کفالت کرتا ہے اور کوئی طاقت اسے اس سے روک نہیں سکتی کیونکہ اس کے عزیز ہونے کا یہی تقاضا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ ذی انتقام بھی ہے کہ جب مخالفت کرنے والوں کی مخالفت حدود سے گزر جاتی ہے اور اس کے بندوں پر تعدی کرنے والے حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں تو پھر وہ اس کے انتقام کا نشانہ بنتے ہیں۔ قریش بھی اس ضابطے سے باہر نہیں۔ اگر انہوں نے اس صورتحال کو سمجھنے کی کوشش نہ کی تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا ہدف بنے بغیر نہیں رہیں گے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ
مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۭ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۳۸

Marfat.com

(اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے اللہ نے، آپ ان سے کہئے کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ چیزیں جن کو تم پوجتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو یہ کیا مجھے اس کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بچا لیں گی یا اللہ مجھ پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کیا یہ اس کے فضل کو روکنے والی ہو سکتی ہیں، کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے، اور بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ۳۸)

مشرکین کا تضادِ فکر

قریش کے خیالات و اعتقادات پر تنقید جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ عجیب فکری تضاد کا شکار ہیں اور مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ انہیں اس کا احساس بھی نہیں۔ ایک طرف تو ان کا حال یہ ہے کہ اگر آپ ان سے یہ پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے تو جواب دیں گے کہ اللہ ہے۔ لیکن دوسری طرف ان کا حال یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے چند مخلوقات کو اس کا شریک بنائے بیٹھے ہیں اور انہیں کے غضب سے آپ کو بھی ڈرا رہے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق تو ہے لیکن وہ اس میں متصرف نہیں۔ وہ کائنات کی تخلیق کے بعد اس کے کسی گوشے میں آرام کر رہا ہے اور کائنات کے تمام تصرفات چند مخلوقات کے حوالے کر دیئے ہیں حالانکہ قریش بھی کھلے طریقے سے اس بات کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ انہیں اس بات سے انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دیتا ہے، زندگی اور موت کا وہی مالک ہے، خیر و شر اسی کے قبضے میں ہیں۔ بایں ہمہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے شرکاء پر اصرار بھی ہے۔ چنانچہ انہیں کے مسلمات میں سے ایک چھوٹی سی بات کے حوالے سے ان سے براہِ راست سوال کیا جا رہا ہے کہ اے پیغمبر آپ ان سے پوچھئے کہ جن چیزوں کو تم نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنا معبود بنا رکھا ہے کیا وہ اس قابل ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو وہ مجھے بچا لیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنے کسی فضل سے نوازنا چاہے تو یہ اس کا ہاتھ پکڑ لیں۔ یقیناً تمہارے خیال میں بھی وہ ایسا نہیں کر سکتیں۔ تو پھر تم ہی بتاؤ کہ آخر تمہارے اس شرک کا جواز کیا ہے اور تم اپنی زندگی میں اس کی کہاں ضرورت محسوس کرتے ہو۔ اور پھر ان کی ہٹ دھرمی اور ضد کو دیکھتے ہوئے پروردگار نے آنحضرت ﷺ سے ارشاد فرمایا کہ آپ انہیں چھوڑ دیجئے بلکہ آپ صاف صاف ان سے اظہارِ براءت کرتے ہوئے ان سے کہئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے، مجھے اس کے سوا کسی کا خوف نہیں، میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور بھروسہ کرنے والے ہمیشہ اسی پر بھروسہ کرتے رہے ہیں کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر بھروسہ کیا اس نے ہمیشہ اپنی قسمت کھوٹی کی، اور اس نے اپنا گھروندا ریت پر تعمیر کیا۔ آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد جسے ابنِ ابی حاتم نے حضرت ابنِ عباسؓ سے نقل کیا ہے اس مضمون کو مزید کھول دیتا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: **من احب ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللہ ومن احب ان یکون اغنی الناس فلیکن بما فی یداللہ عزوجل اوثق منہ بما فی یدیہ، ومن احب ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ عزوجل** ”جو شخص چاہتا ہو کہ سب سے زیادہ طاقتور ہو جائے اسے چاہئے کہ اللہ پر بھروسہ کرے، جو شخص چاہتا ہو کہ سب سے بڑھ کر غنی ہو جائے اسے چاہئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس پر زیادہ بھروسہ رکھے، بہ نسبت اس چیز کے جو اس کے اپنے ہاتھ میں ہے، اور جو شخص چاہتا ہو کہ سب سے زیادہ عزت والا ہو جائے اسے چاہئے کہ اللہ عزوجل سے ڈرے۔“

Marfat.com

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾
مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾

(کہہ دیجئے! کہ اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو اور میں اپنا کام کرتا رہوں، عنقریب تم جان لو گے۔ ۳۹)
کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کر دیتا ہے، اور کس پر وہ عذاب آتا ہے جو ٹک کے رہ جاتا ہے۔ ۴۰)

آنحضرت ﷺ کو تسلی اور مشرکین سے براءت کا اعلان

ان آیات کے لب و لہجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس زمانے میں نازل ہوئی ہیں جب نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ قریش اور دیگر اہلِ مکہ کی آویزش اور مخالفت انتہائی عروج پر تھی۔ آنحضرت ﷺ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کیلئے تبلیغ و دعوت میں اپنا پورا زور صرف کر رہے تھے اور قریش اس دعوت کے اثر و نفوذ کو روکنے کیلئے بد سے بدتر طریقہ استعمال کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ ان کی اس ضد اور ہٹ دھرمی پر از بس پریشان اور دل گرفتہ تھے۔ اس آیتِ کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے اظہارِ براءت کا حکم دیا گیا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہماری مخالفت میں جو کچھ بھی کرنا چاہو کر گزرو، لیکن میں تمہاری ہمدردی اور خیر خواہی کی وجہ سے تبلیغ و دعوت سے رکنے والا نہیں۔

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا
کئے جاؤ میخوارو کام اپنا اپنا

لیکن وہ وقت دور نہیں جب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ عذاب کس پر نازل ہوتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور یا وہ عذاب کس پر نازل ہوتا ہے جو کبھی ٹلنے والا نہیں ہوتا، بلکہ جس قوم پر نازل ہوتا ہے اسے جڑ پیڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دعوت کو جھٹلانے کے نتیجے میں قوموں پر دو طرح کے عذاب آتے ہیں۔ ایک وہ عذاب ہوتا ہے جو آزمائش بن کر آتا ہے جس سے مقصود مخالفین کو تنبیہ کرنا اور حق کی قبولیت کیلئے آمادہ کرنا ہوتا ہے۔ ایسے عذاب ایک سے زیادہ مرتبہ بھی آتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں سعید روحیں حق کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں۔ اور جن کی قسمت میں خیر سے محرومی لکھی ہوتی ہے وہ بار بار توجہ دلانے پر بھی حق کو قبول کرنے پر مائل نہیں ہوتے۔ ایک وقت آتا ہے جب اہلِ حق سرافراز ہوتے ہیں اور مخالفت پر جمے رہنے والے شکست اور ناکامی کی ذلت کا شکار ہو کر ہمیشہ کی موت مر جاتے ہیں۔

دوسرا عذاب وہ ہے جو اس قوم پر نازل ہوتا ہے جس میں قبولیتِ حق کے سوتے بالکل خشک ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی تکذیب پر رکنے کی بجائے رسول کے قتل کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر وہ عذاب نازل کرتا ہے جس سے ان کی زندگی کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے اور وہ تاریخ میں ایک داستان بن کر رہ جاتے ہیں۔ قریش کو ان دونوں عذابوں سے ڈرایا گیا ہے۔ لیکن یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے باوجود مکے میں قبولیتِ ایمان کا سلسلہ رکا نہیں، بلکہ یہ آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ اس طرح سے یہ قوم اس ختم کر دینے والے عذاب سے بچ گئی۔ لیکن جہاں تک اس عذاب کا تعلق ہے جو رسوا کرتا ہے تو جنگِ بدر اس عذاب کی پہلی قسط تھی جس نے اہلِ مکہ کی نخوت اور غرور کو خاک میں ملا دیا۔ ان کی قیادت کی پہلی صف تہ تیغ ہو گئی اور دوسری صف اسارت کی ذلت کا شکار ہو کر ہمیشہ کیلئے سرنگوں ہو گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سرافراز کیا جنہیں اشرافِ قریش مذاق اور تمسخر کا ہدف بنایا کرتے تھے۔

Marfat.com

إِنَّآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۖ
وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٤١﴾

(اے پیغمبر! ہم نے سب لوگوں کی ہدایت کیلئے آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے، اب جو ہدایت حاصل کرے گا اپنے لئے کرے گا، اور جو گمراہ ہوگا اس کی گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا، آپ ان پر کوئی داروغہ مقرر نہیں کیے گئے ہو۔ ۴۱)

رسول پر ذمہ داری صرف اتمامِ حجت کی ہے

اللہ تعالیٰ کے رسول کے دل میں انسانوں کیلئے جو غایت درجہ ہمدردی اور محبت ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہدایت کو قبول نہ کرنے والوں کے سلسلے میں انتہائی پریشان رہتا ہے۔ گزشتہ آیت میں اظہارِ براءت کے باوجود آنحضرت ﷺ اس احساس کی گرفت سے نکل نہیں سکے تھے۔ اس لئے پروردگار نے مزید تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے آپ پر جو کتاب نازل کی اور رسالت کی ذمہ داری سے آپ کو گراں بار کیا۔ اس کا مقصد صرف تھا کہ اس کتاب کے ذریعے حق و باطل کو بالکل ممیز کر دیا جائے اور آپ کی رسالت کے واسطے سے حق کی قبولیت کو ان کیلئے آسان کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اس ذمہ داری کو مقدور سے بڑھ کر انجام دیا۔ آپ نے اپنی پوری شخصیت اپنی ساری توانائیاں اور اپنے تمام تر وسائل اس راستے میں جھونک دیئے۔ اس لئے کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ آپ نے احقاقِ حق، ابطالِ باطل اور دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں خدانہ کرے کسی کوتاہی کا ثبوت دیا ہے۔ آپ اپنی ذمہ داری ادا کر چکے۔ اس کے باوجود اگر کچھ لوگ ایمان واسلام سے محروم رہے تو یہ ان کی اپنی ذمہ داری ہے۔ کتاب کے نزول اور منصب رسالت پر آپ کے تقرر کے بعد آپ نے جس خوش اسلوبی سے اللہ تعالیٰ کے دین کو لوگوں کیلئے آسان کیا، دماغوں کو اس کی قبولیت کیلئے کھولا، اشتباہات واشکالات کے کانٹے چن چن کر نکالے اور حق کے حق ہونے اور باطل کے باطل ہونے کو اس طرح مبرہن کر دیا کہ عقل کے اندھوں کے سوا ہر شخص اس کی روشنی کو دیکھ سکتا تھا۔ اب اگر کوئی شخص اس کی قبولیت سے محروم رہتا ہے تو اس کا وبال اس پر پڑے گا۔ اور جو اس ہدایت کے سرچشمے سے سیراب ہوتا ہے تو وہ اپنی قسمت کو سنوارے گا۔ آپ اپنی ذمہ داری ادا کر چکے، ہم نے اسی حد تک آپ کو ذمہ دار بنایا تھا۔ آپ پر یہ ذمہ داری ہرگز نہیں ڈالی گئی تھی کہ آپ ضرور ان کو ایمان واسلام کے راستے پر لا کھڑا کریں۔ آپ بفضلہٖ تعالیٰ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے ہیں اب اس دعوت کے جو مخاطب ہیں ان کی قسمت ترازو میں ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ
مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى
عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ

Marfat.com

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا یَمْلِكُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾
قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ
الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ
اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْ مَا
كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ
جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ
الْقِیٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾
وَبَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ
نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ ؕ بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِیْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ
سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَیُصِیْبُهُمْ
سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ

Marfat.com

اللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾

رکوع: ۵۔ (اللہ کھینچ لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت، اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں کھینچ لیتا ہے، پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کر دیتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک وقتِ مقرر تک واپس بھیج دیتا ہے، بے شک اس کے اندر نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غور کرتے ہیں۔ ۴۲) کیا ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو سفارشی بنا رکھا ہے، ان سے کہئے اگرچہ نہ یہ کچھ اختیار رکھتے ہوں اور نہ کچھ سمجھتے ہوں۔ ۴۳) کہہ دیجئے کہ شفاعت تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے، آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا وہی مالک ہے۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ۴۴) جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں، اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو وہ یکایک خوش ہو جاتے ہیں۔ ۴۵) اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، حاضر و غائب کے جاننے والے تو اپنے بندوں کے درمیان اس چیز کے باب میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔ ۴۶) اگر ان لوگوں کے پاس جنہوں نے شرک کیا، وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اسی کے برابر اور بھی، تو یہ روزِ قیامت کے برے عذاب سے بچنے کیلئے فدیہ میں دے دینا چاہیں گے، وہاں اللہ کی طرف سے ان کے سامنے وہ کچھ آئے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں رکھتے تھے۔ ۴۷) اور سامنے آجائیں گے ان کے اعمال کے برے نتائج، اور گھیر لے گی ان کو وہ چیز جس کا وہ مذاق اڑاتے رہے تھے۔ ۴۸) جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے اور جب ہم اسے اپنے فضل سے نواز دیتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو مجھے علم کی بنا پر دیا گیا ہے نہیں! بلکہ یہ آزمائش ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ۴۹) یہی بات ان لوگوں نے بھی کہی جو ان سے پہلے گزرے ہیں، ان کے کسی کام نہ آیا جو وہ کماتے تھے۔ ۵۰) پس ان کے اعمال کے برے نتائج ان کے سامنے آئے اور ان لوگوں میں سے بھی جو ظالم ہیں وہ عنقریب اپنی کمائی کے برے نتائج بھگتیں گے اور یہ ہم کو عاجز کر دینے والے نہیں ہیں۔ ۵۱) کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں۔ ۵۲)

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا وَ الَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِہَا ۚ فَیُمۡسِکُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡہَا الۡمَوۡتَ وَ یُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾

(اللہ کھینچ لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت، اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں کھینچ لیتا ہے، پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کر دیتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک وقتِ مقرر تک واپس بھیج دیتا ہے، بے شک اس کے اندر نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غور کرتے ہیں۔ ۴۲)

Marfat.com

تفسیرِ مظہری کی وضاحت

صاحبِ معارف القرآن نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں تفسیر مظہری سے نقل کیا ہے کہ قبض روح کے معنی اس کا تعلق بدن انسانی سے قطع کر دینے کے ہیں، کبھی یہ ظاہراً و باطناً بالکل منقطع کر دیا جاتا ہے۔ اسی کا نام موت ہے اور کبھی صرف ظاہراً منقطع کیا جاتا ہے باطناً باقی رہتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ صرف حس اور حرکت ارادیہ جو ظاہری علامتِ زندگی ہے وہ منقطع کر دی جاتی ہے اور باطناً تعلق روح کا جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے جس سے وہ سانس لیتا ہے اور زندہ رہتا ہے اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ روحِ انسانی کو عالمِ مثال کے مطالعہ کی طرف متوجہ کر کے اس عالم سے غافل اور معطل کر دیا جاتا ہے تاکہ انسان مکمل آرام پا سکے۔ اور کبھی یہ باطنی تعلق بھی منقطع کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے جسم کی حیات بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

آیت مذکور میں لفظ تَوَفِّی بمعنی قبض بطور عموم مجاز کے دونوں معنی پر حاوی ہے۔ موت اور نیند دونوں میں قبضِ روح کا یہ فرق جو اوپر بیان کیا گیا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ سونے کے وقت انسان کی روح اس کے بدن سے نکل جاتی ہے مگر ایک شعاع روح کی بدن میں رہتی ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے اور اسی رابطۂ شعاعی سے وہ خواب دیکھتا ہے۔ پھر یہ خواب اگر روح کے عالمِ مثال کی طرف متوجہ رہنے کی حالت میں دیکھا گیا تو وہ سچا خواب ہوتا ہے اور اگر اس طرف سے بدن کی طرف واپسی کی حالت میں دیکھا تو اس میں شیطانی تصرفات ہو جاتے ہیں وہ رُؤیَایٔ صادقہ نہیں رہتا۔ اور فرمایا کہ نیند کی حالت میں جو روحِ انسانی اس کے بدن سے نکلتی ہے تو بیداری کے وقت آنکھ جھپکنے سے بھی کم مقدار وقت میں بدن میں واپس آجاتی ہے۔ (معارف القرآن)

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اس میں غور و فکر کرنے والوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں کی حقیقت تک پہنچنا تو ہم جیسے ناچیز لوگوں کے بس میں نہیں۔ البتہ اس میں ایک طرح کی دعوت بھی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے غور کرنے کی کچھ بھی صلاحیت عطا کی ہے اسے ان آیات میں غور و فکر کرنا چاہئے۔ بنابریں جب ہم ان آیات میں غور کرتے ہیں تو سب سے پہلی نشانی جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح کائنات کی تخلیق اور پھر اس کے نظم و نسق کی تدبیر سراسر اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں، اسی طرح زندگی اور موت بھی تمام تر اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ جسے زندگی دینا چاہے کوئی اس میں رکاوٹ نہیں بن سکتا، اور جس کی زندگی کا سلسلہ منقطع کرنا چاہے، کوئی اس کی زندگی کو باقی نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح اس زندگی کی بقاء و انقطاع میں بھی کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اور یہ بات سب پر واضح ہے کہ انسانی زندگی مہد سے لحد تک ہے۔ یعنی اس کی ہمہ ہمی موت و حیات کا درمیانی فاصلہ ہے۔ اور یہ تمام تر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ انسان اپنی دولت، اثر و رسوخ یا اقتدار کے زور پر اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔ تو پھر کس قدر تعجب کی بات ہے کہ جس کے قبضے میں زندگی اور موت کی لگام ہے انسان اس سے غافل یا منحرف ہو کر زندگی بسر کرے۔ اگر اسے اس بات کا یقین ہے کہ وہ مجھے کسی وقت بھی موت کی نیند سلا سکتا ہے اور پھر قیامت کے دن مجھ سے میرے معمولاتِ زندگی کے حوالے سے باز پرس کرنے والا ہے۔ تو آدمی اس کے سامنے سرکشی اور جحود کا رویہ اختیار کرے تو اسے نادانی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

دوسری نشانی جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک آدمی حقیقی موت سے دوچار نہیں ہوتا موت کی بہن یعنی نیند سے اسے روزانہ موت کا تجربہ کرایا جاتا ہے۔ جب کسی شخص پر گہری نیند طاری ہوتی ہے تو بجز اس کے کہ اس کی سانس کی آمد و رفت جاری رہتی ہے اور زندگی کی کوئی علامت اس کے اندر دکھائی نہیں دیتی۔ وہ احساس و شعور، فہم و ادراک اور اختیار و ارادہ کی قوتوں سے یکسر محروم ہو جاتا ہے۔ یہ گویا اس بات کا تجربہ ہے کہ انسان ہر روز اپنی زندگی میں کبھی دن کے وقت اور کبھی رات میں نیند کی آغوش میں جاتا ہے اور اس وقت وہ اپنے آپ میں نہیں بلکہ کسی اور کے قبضے میں ہوتا ہے۔ وہ چاہے تو اسی نیند کو حقیقی موت میں تبدیل کر دے تو چاہے اسے واپس دنیا میں بھیج دے۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ جس شخص کو روزانہ موت کا تجربہ ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی مکمل گرفت بھی دیکھتا ہے لیکن غفلت کے دام سے نکلنے کی کبھی کوشش نہیں کرتا۔

تیسری نشانی جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب سونے والا نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اسے دراصل اس بات کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے کہ بعث و نشر بھی ایک حقیقت ہے۔ جو ذات بیداری پر نیند کو غالب کرتی اور پھر نیند کے پردے کو توڑ کر انسان کو بیداری میں لاتی ہے اس کیلئے انسان کو موت سے دوچار کرنا اور پھر موت سے دوبارہ اٹھانا اور میدانِ حشر میں پہنچا دینا آخر کیوں ناممکن ہے۔ نیند کی طرح زندگی کا بھی ایک وقتِ معین ہے اس وقت زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اپنے آپ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جب تک چاہے انسان زندگی کے مزے لوٹتا ہے اور جب وہ چاہے تو اس کی روح قبض کر سکتا ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ۗ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾

(کیا ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو سفارشی بنا رکھا ہے، ان سے کہئے اگر چہ نہ یہ کچھ اختیار رکھتے ہوں اور نہ کچھ سمجھتے ہوں۔ ۴۳)

مشرکین کی بیوقوفی پر تعجب

اس سوال میں تعجب کا اظہار بھی ہے اور تنبیہ کا انداز بھی، کہ جب یہ بات ہر شخص پر روشن ہے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ جس طرح اس نے کائنات کو پیدا کیا اور پھر اپنی حکمت و مشیت کے مطابق کائنات کا نظام چلا رہا ہے اور جس طرح کائنات کے ذرے ذرے پر اس کی گرفت ہے، اس کے بعد اس تصور کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کو اپنا سفارشی بنا لے کہ اگر کسی بات پر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر گرفت فرمائی تو میرے یہ سفارشی مجھے اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کی ناراضگی سے بچا لیں گے۔ اس لئے کہ اس تصور کو قبول کرنے کے نتیجے میں چند باتیں تسلیم کرنا ضروری ہو جاتی ہیں۔ پہلی یہ بات کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت کبھی کسی شخص پر ناحق یعنی خلافِ عدل بھی ہو سکتی ہے۔ اور وہ بغیر کسی سبب کے بھی کسی شخص کو اپنے عتاب کا نشانہ بنا سکتا ہے۔ یہ تصور اسی کے ذہن میں آ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ایک عادل ذات سمجھنے کی بجائے محض ایک دنیوی حکمران سمجھتا ہو۔ بادشاہ بعض دفعہ کسی ناحق بات پر خوش ہوتے ہیں اور حق بات پر بگڑ جاتے ہیں۔ اگر اللہ کریم کے بارے میں ایسے تصورات باندھ لئے جائیں تو پھر اس پر ایمان لانا یا نہ لانا دونوں برابر ہیں۔

Marfat.com

دوسری بات جو اس سلسلے میں تسلیم کرنا پڑے گی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی پر عتاب اس لئے بھی ہوسکتا ہے کہ وہ معاملے کی حقیقت کو پوری طرح نہیں جانتا۔ جس بات پر اس نے کسی کی گرفت فرمائی ہے وہ براہِ راست اس بات کے حقائق سے واقف نہیں۔ جیسے کچھ حقائق اسے بتائے گئے اس نے ان پر یقین کر کے کارروائی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا تصور کرنے والا اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب والشہادۃ نہیں سمجھتا، اور یہ سراسر کفر ہے۔

جن کو کسی شخص نے اپنا سفارشی بنا رکھا ہے اور وہ یقین رکھتا ہے کہ معاملہ اچھا ہو یا برا وہ ہر معاملے پر میری سفارش کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی سفارش ماننے پر مجبور ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنا زورآور بھی ہے کہ وہ جب چاہے سفارش کیلئے اللہ تعالیٰ کے پاس جاسکتا ہے۔ اور وہ معاملات کی اتنی سمجھ بوجھ رکھتا ہے کہ اپنی سمجھ بوجھ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کرسکتا ہے۔ ظاہر ہے یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کے حضور کفر سے بھی بدتر ہیں۔

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾

(کہہ دیجئے کہ شفاعت تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے، آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا وہی مالک ہے۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ۴۴)

شفاعتِ حق کی وضاحت

آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ انہوں نے شفاعت کا جو غلط عقیدہ اختیار کر رکھا ہے اس کا سبب دراصل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے طور پر یہ گمان کرلیا ہے کہ بعض ہستیاں اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت مقبول اور زور آور ہیں۔ اس تصور کی بنیاد پر انہوں نے شفاعت کی امیدیں ان سے وابستہ کرلیں اور اپنی قربانیوں اور مختلف اعمال سے وہ ان نام نہاد ہستیوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی سفارش کریں۔ اس بنیادی سبب کو رد کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو بتادیں کہ شفاعت تمام تر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جس طرح آسمانوں اور زمین کی حکومت اور اس کی ملکیت میں اللہ وحدہ لاشریک ہے، کسی کا اس میں کوئی ساجھا نہیں۔ تمام بڑے چھوٹے سب اس کی مخلوق اور مِلک ہیں۔ اسی طرح سفارش اور شفاعت میں بھی کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔ اور پھر قیامت کے روز تمام جن و اِنس کی حاضری اللہ تعالیٰ کے حضور ہوگی، کسی اور ہستی کے سامنے نہیں۔ بلکہ وہ ہستیاں جن کے بارے میں مشرکین عجیب وغریب تصورات رکھتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حضور حاضر ہوں گے۔ تو یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ قیامت کے دن سب کی پیشی تو اللہ تعالیٰ کے حضور ہوگی تو مولیٰ اور مرجع ہونے میں کوئی دوسرا کیسے شریک بن سکے گا۔ البتہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء واولیاء کو شفاعت کا اعزاز بخشے گا، لیکن اس کے بارے میں بھی قرآنِ کریم نے جابجا وضاحت کردی ہے کہ سفارش وہی کرے گا جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِذن ملے گا۔ اور اسی کے حق میں کرے گا جس کے بارے میں اجازت ملے گی۔ اور وہی بات کہے گا جو بالکل صحیح ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی منظوری دی جائے گی۔ علی الاطلاق شفاعت جس میں اللہ تعالیٰ کا اِذن شامل نہ ہو، یہ کسی کا حق نہیں۔ یہ ایسی صفت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کو زیب دیتی ہے۔

Marfat.com

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ
وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

(جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں، اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو وہ یکا یک خوش ہو جاتے ہیں۔ ۴۵)

انسان کی کمزوری

یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ جن عظمتوں کو تسلیم کرتا اور ان سے ایمان کا رشتہ رکھتا ہے ان کو برابری کا درجہ نہیں دیتا بلکہ جن سے اس کی قلبی وابستگی زیادہ ہوتی ہے ہمیشہ ان کے ذکر سے خوش ہوتا اور ہمیشہ انہیں کے ذکر سے اپنی مجلسوں کو سجاتا ہے۔ اسی سے انسان کے قلبی تعلق اور قلبی وابستگی کی ترتیب کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ وہ جس سے زیادہ محبت رکھتا ہے اس کا ذکر بار بار کرتا اور بار بار سنتا ہے۔ اور جس سے تعلق میں محبت کی سرگرمی شامل نہیں اس کا ذکر یا تو ہوتا نہیں اور یا کثرت سے نہیں ہوتا۔ یہی حال مشرکینِ عرب کا بھی تھا۔ اور قریش اور دیگر اہلِ مکہ بھی ان احساسات میں انہیں کے نمائندہ تھے، کہ جب ان کے سامنے صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ذکر کیا جاتا یعنی اس کی توحید کا بیان ہوتا، اس کی صفات بیان کی جاتیں اور انسان پر اس کے احسانات کا تذکرہ ہوتا تو وہ کچھ وقت کے بعد اس ذکر سے اکتانے لگتے۔ اور اگر یہ ذکر مزید طویل ہو جاتا تو وہ کڑھتے اور کبیدہ خاطر ہو جاتے۔ اور اگر ان کے مصنوعی اصنام و آلہہ کا ذکر ہوتا تو وہ نہایت خوش ہوتے اور گھنٹوں اسے سننا پسند کرتے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنا خالق و مالک تو مانتے ہیں لیکن اس سے اس درجہ کی محبت نہیں رکھتے جیسے اس کے ہمسروں سے رکھتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے سورۃ البقرۃ میں ان کی اس عادت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ''لوگوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے شرکاء اور ہمسروں سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کی جاتی ہے۔'' یعنی ان کی محبت اللہ تعالیٰ سے کم اور ان شریکوں سے زیادہ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جن سے محبت زیادہ ہوگی انہی کے ذکر سے فرحت اور مسرت بھی ہوگی۔

نہایت دکھ کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں یہ بیماری لاحق ہے۔ اگر ان کے سامنے صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، اس کی ذات، صفات اور حقوق کا تذکرہ ہو تو ان کے چہرے بگڑنے لگتے ہیں اور وہ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ جو شخص یہ تذکرہ کر رہا ہے وہ ضرور بزرگوں اور اولیاء کا منکر ہے۔ جب ہی تو بس اللہ ہی کی باتیں کئے جاتا ہے۔ اور اگر ان کے سامنے بزرگوں اور اولیاء کا تذکرہ کیا جائے تو ان کے دلوں کی کلی کھل جاتی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی محبت اصل میں کس سے ہے۔ علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک روز میں نے دیکھا کہ ایک شخص اپنی کسی مصیبت میں ایک وفات یافتہ بزرگ کو اپنی مدد کیلئے پکار رہا ہے۔ میں نے کہا: اللہ کے بندے، اللہ کو پکار۔ وہ خود فرماتا ہے کہ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ''جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں (تو آپ ان سے کہئے) کہ میں بہت قریب ہوں، میں ہر پکارنے والے کی بات قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارے۔'' میری یہ بات سن کر اسے سخت غصہ آیا اور بعد میں لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ کہتا تھا کہ یہ شخص اولیاء کا منکر ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس کو یہ کہتے بھی سنا کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ولی جلدی سن لیتے ہیں۔

Marfat.com

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

(اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، حاضر وغائب کے جاننے والے تو اپنے بندوں کے درمیان اس چیز کے باب میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔ ۴۶)

مشرکین کے رویہ کے خلاف آنحضرت ﷺ کی دعا

گزشتہ آیت سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ مشرکین کا رویہ، جب نبی کریم ﷺ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی وحدت اور الوہیت کا ذکر فرماتے یہ ہو گیا تھا کہ وہ اس ذکر سے ہی کبیدہ خاطر ہوتے اور کڑھنے لگتے۔ چنانچہ اس رویئے کے پیشِ نظر آنحضرت ﷺ کو دعا سکھائی گئی کہ جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر بھی اچھا نہیں لگتا تو وہ توحید کی دعوت کو قبول کیا کریں گے۔ اس لئے آپ ان کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں۔ یہ لوگ دنیا کو ایک خیالی جنت بنا کر اس میں دادِ عیش دے رہے ہیں۔ انہیں دوسری کسی زندگی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا سان گمان بھی نہیں۔ ایسے لوگوں سے قبولیتِ ایمان کی توقع بہت مشکل ہے۔ اس لئے آپ ان کی فکر چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والے اور غائب وحاضر کو جاننے والے، تو ایک دن اپنے بندوں میں ان تمام اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا جن میں تیرے بندے اختلاف کر رہے ہیں۔ یعنی انہیں اصرار ہے کہ جو زندگی ہم گزار رہے ہیں اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں۔ اس دنیا پر کبھی زوال نہیں آئے گا، قیامت کبھی برپا نہیں ہوگی، ہمیں کبھی اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کیلئے حاضر نہیں ہونا پڑے گا جبکہ تیرے عدل کا تقاضا ہے کہ تو ایک دن ایسا ضرور لائے جس میں تیرے کامل عدل کا ظہور ہو اور بے شمار انسان جو اپنے دکھوں کا مداوا نہ ہونے اور اپنے اوپر کیے ہوئے مظالم کا انصاف نہ ملنے پر محرومیوں کا شکار ہیں ان کی محرومیوں کو ان کا اصل صلہ ملے۔ چونکہ اسی عدلِ کامل کے ظہور پر اس دنیا کی حقیقی توجیہ کا دارومدار ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ کو دعا سکھائی گئی اور اس سے بالواسطہ انسانی عقل اور انسانی قلوب کو ایک روشنی ملی۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ مجھے قرآنِ کریم کی ایک ایسی آیت معلوم ہے کہ اس کو پڑھ کر آدمی جو دعا کرتا ہے قبول ہوتی ہے۔ پھر انہوں نے یہی آیت پڑھ کر بتلائی۔ (قرطبی)

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾

(اگر ان لوگوں کے پاس جنہوں نے شرک کیا، وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اسی کے برابر اور بھی، تو یہ روزِ قیامت کے برے عذاب سے بچنے کیلئے فدیہ میں دے دینا چاہیں گے، وہاں اللہ کی طرف سے ان کے سامنے وہ کچھ آئے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں رکھتے تھے۔ ۴۷)

Marfat.com

مشرکین کو ایک تنبیہ

آج جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے تنہا ذکر سے تکلیف ہونے لگتی ہے اور وہ آنحضرت ﷺ کی دعوت پر کان دھرنے کیلئے تیار نہیں۔ کاش انہیں اس بات کا اندازہ ہوتا کہ قیامت کے دن ان کو کیسی ہولناک صورتحال سے واسطہ پڑے گا۔ آج جس مال و دولت اور ثروت و رفاہیت کے غرور کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کیلئے بھی تیار نہیں، وہ دولت ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔ وہ قیامت کے ہولناک عذاب سے بچنے کیلئے تمنا کریں گے کاش زمین کی ساری دولت انہیں مل جاتی اور وہ اسے فدیہ میں دے کر اس عذاب سے چھوٹ جاتے۔ لیکن وہاں انہیں جس صورتحال سے دوچار ہونا پڑے گا اس کا انہیں کبھی سان گمان بھی نہیں گزرا تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہمارے اعمال اور ہمارے طور اطوار اللہ تعالیٰ کی ناخوشی کا باعث ہوتے تو وہ یقیناً دنیا میں ہمیں اس کی سزا دیتا۔ لیکن جب دنیا میں ہم پر کوئی گرفت نہیں ہوئی تو آخر قیامت کے دن ان ہی اعمال کی وجہ سے ہمیں کیوں پکڑا جائے گا۔ لیکن جب وہ قیامت کو دیکھیں گے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کا عدل و انتقام پوری طرح کارفرما ہے، ہر مستحق کو اس کا صلہ مل رہا ہے اور ہر گنہگار اعمال کی سزا پا رہا ہے، تو تب ان کی آنکھیں کھلیں گی اور انہیں اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جتنا بڑا کریم ہے اتنا ہی بڑا عادل اور منتقم بھی ہے۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

(اور سامنے آجائیں گے ان کے اعمال کے برے نتائج، اور گھیر لے گی ان کو وہ چیز جس کا وہ مذاق اڑاتے رہے تھے۔ ۴۸)

ایک اور تنبیہ

انسان کی کمزوری ہے کہ وہ ہزار بگاڑ میں مبتلا ہو کر بھی ہمیشہ اپنے اعمال کی وکالت کرتا ہے۔ اور اگر کبھی کسی غلطی کو محسوس بھی کرے تو ہمیشہ اپنے آپ کو الاؤنس دینے کی کوشش کرتا ہے۔ فکر و عمل کی گمراہیاں اور اس کے نتائج کبھی اس کے سامنے کھلنے میں نہیں آتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ایسے لوگوں کو اگر سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ کبھی انہیں خاطر میں نہیں لاتے۔ چنانچہ ان ہی گمراہیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن ان کی بداعمالیاں اور اس کے نتائج کھل کر ان کے سامنے آجائیں گے۔ ان کی بداعمالیوں اور فکری کوتاہیوں نے کیسے کیسے برے نتائج پیدا کیے اور کیسے زہریلے برگ و بار نکالے، ایک ایک چیز کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ تب انہیں اندازہ ہوگا کہ ہم جن اعمال کو اچھا سمجھتے تھے ان کی حقیقت کیا تھی۔ اور جنہیں معمولی سمجھتے تھے وہ نتائج کے اعتبار سے کتنے بڑے تھے۔ اور مزید یہ بات بھی کہ برائیوں کی سزا جو ان کے یہاں واہمہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی اور اللہ تعالیٰ کا عذاب جس کا یہ ہمیشہ تمسخر اڑاتے تھے آج یہ سب کچھ ان کو اپنے گھیرے میں لے لے گا۔ لیکن اب پچھتاوے کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں ہوگا۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

Marfat.com

(جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے اور جب ہم اسے اپنے فضل سے نواز دیتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو مجھے علم کی بنا پر دیا گیا ہے نہیں! بلکہ یہ آزمائش ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ۴۹)

انسانی طبیعت کے تضادات

انسانی طبیعت اپنے اندر عجیب تضادات رکھتی ہے جب تک انسان اللہ تعالیٰ سے وابستگی پیدا نہیں کرتا اور اسلامی تعلیمات کو اپنا نظامِ زندگی نہیں بناتا اس وقت تک نہ اسے جہتِ سفر ملتی ہے اور نہ اس کی منزل کا تعین ہوتا ہے بلکہ اس کی زندگی تضادات سے عبارت رہتی ہے۔ خوشی کے لمحات میں وہ کچھ اور دکھائی دیتا ہے۔ اور اگر کوئی تکلیف آ پہنچے تو اس کے خیالات میں تبدیلی آتے دیر نہیں لگتی۔ ان ہی تضادات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو وہ اس وقت اپنے خالقِ حقیقی کو پکارتا ہے اور اس سے مدد کی التجا کرتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کو دور کر کے اس کو اپنی نعمت سے نوازتا ہے تو وہ یکلخت اپنی مصیبت کو بھی بھول جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی۔ اس نعمت کو کبھی تو وہ دوسرے لوگوں کی طرف منسوب کرتا ہے کہ فلاں فلاں کی برکت سے وہ اس مصیبت سے نکلا ہے۔ اور یا اسے اپنی تدبیر اور اپنے علم کا کرشمہ قرار دیتا ہے۔ یعنی وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسے علمی طور پر دوسروں پر جو تفوق حاصل ہے اور یا اللہ تعالیٰ کے یہاں اسے جو خاص مرتبہ اور مقام حاصل ہے اس کے نتیجے میں وہ ان غیر معمولی نعمتوں سے نوازا گیا ہے۔ کیونکہ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ سے یہ دونوں معنی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس نعمت کا اہل ہوں اس لئے اس نے مجھے یہ نعمت عطا کی۔ اور دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ میرے اندر جو صلاحیت اور قابلیت ہے اسے بروئے کار لاکر میں نے یہ سب کچھ حاصل کیا ہے۔ پروردگار دونوں باتوں کی تردید فرماتا ہے کیونکہ یہ دونوں تصورات درحقیقت شرک کا شاخسانہ ہیں۔ کیونکہ کوئی نعمت بھی جو آدمی کو میسر آتی ہے وہ اگر کسی اور کی وساطت سے ملتی ہے تو تب بھی اس کا حقیقی فاعل اللہ ہی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ اس کی اپنی محنت کے نتیجے میں بظاہر حاصل ہوتی ہے تو اس کی محنت کا جذبہ اور اس کی صلاحیت بھی اللہ ہی کی دین ہے۔ اور رہی یہ بات کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر سیرت و کردار کا حامل ہوں اس لئے مجھے یہ نعمتیں میسر آئی ہیں، تو یہ بات اس لئے غلط ہے کہ اگر خوشحالی حُسنِ کردار کا نتیجہ ہوتا تو کوئی نیک شخص بدحالی میں مبتلا نہ ہوتا۔ اور اگر بدحالی بدکرداری کی وجہ سے ہوتی تو کوئی بدکردار شخص مال و دولت کا مالک نہ ہوتا، جبکہ ہم دونوں طرح کی مثالیں جابجا دیتے ہیں۔ اس لئے اس کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے اور وہ اس کے ذریعے سے بندے کا امتحان کرتا ہے کہ وہ اپنے رب کا شکرگزار ہوتا ہے یا غرور و نخوت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب وہ کسی نعمت سے کسی کو محروم کرتا ہے تو اس سے بھی وہ اس بات کا امتحان لیتا ہے کہ آیا وہ شخص اس بات پر صبر کرتا ہے یا بے صبری کر کے کفر کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس بات کو چونکہ بیشتر لوگ نہیں سمجھتے اس لئے وہ اس غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں جس کا اس آیتِ کریمہ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾

(یہی بات ان لوگوں نے بھی کہی جو ان سے پہلے گزرے ہیں، ان کے کسی کام نہ آیا جو وہ کماتے تھے۔ ۵۰)

Marfat.com

گزشتہ آیتِ کریمہ میں انسان کی جس گمراہی کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف دور کر کے اسے نعمتوں سے نوازتا ہے تو وہ تکلیف کو بھی بھول جاتا ہے اور نعمتیں دینے والے کو بھی۔ بلکہ ان نعمتوں اور خوشحالیوں کے بارے میں یہ دعویٰ کرنے لگتا ہے کہ یہ سب کچھ اس کی ذہنی صلاحیت اور قوتِ بازو کا نتیجہ ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آج یہی بات قریش بھی کہہ رہے ہیں اور اس سے پہلے یہی بات ہر دور کے بگڑے ہوئے مترفین کہتے رہے ہیں۔ اور قرآنِ کریم نے قارون کا اس حوالے سے خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ جب اس کی قوم نے اسے اس کے بگاڑ کی طرف توجہ دلائی اور اسے یاد دلایا کہ یہ دولت تیرے اللہ کا احسان ہے، اسے یاد رکھو اور زمین میں فساد پھیلانے والے مت بنو۔ لیکن اس نے جواب دیا کہ یہ سب کچھ میرے علم کی بدولت حاصل ہوا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا کیا دخل۔ لیکن جب اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور اس کی پکڑ آئی تو وہ مال و دولت اور وہ غیر معمولی خزانے اس کے کسی کام نہ آئے۔ وہ اپنے آپ کو تجارت اور مالیات کا بہت بڑا ماہر سمجھتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا پکڑا کہ اس کا سارا خزانہ اس کے سمیت زمین میں دھنسا دیا اور پھر اس کی کوئی تدبیر اس کو بچا نہ سکی۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ

سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾

(پس ان کے اعمال کے برے نتائج ان کے سامنے آئے اور ان لوگوں میں سے بھی جو ظالم ہیں وہ عنقریب اپنی کمائی کے برے نتائج بھگتیں گے اور یہ ہم کو عاجز کر دینے والے نہیں ہیں۔ ۵۱)

ہر قوم اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرتی ہے

اس آیتِ کریمہ میں یہ اصول بیان فرمایا گیا ہے کہ ہر شخص اور ہر قوم اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرتی ہے اور اس میں کسی قوم کا استثنیٰ نہیں۔ ہر دور کے لوگ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنی ذاتی کاوشوں کا نتیجہ سمجھ کر ناشکری پر تل جاتے ہیں اور پھر ان پر خدا کی پکڑ آتی ہے تو ان کی کمائی ان کے کسی کام نہیں آتی۔ اگر یہ مسلمہ حقیقت ہے تو قریش میں جو لوگ اس گمراہی میں مبتلا ہیں اور اسی وجہ سے سرکشی اور تمرد ان کی زندگی کا وطیرہ بن گیا ہے اور اس طرح سے انہوں نے اپنی فکری اور عملی دونوں طرح کی قوتوں پر ظلم ڈھایا ہے وہ بھی عنقریب اپنے برے اعمال کے نتائج بھگتیں گے۔ اور جب ہم ان کو پکڑیں گے تو پھر ان کی کوئی تدبیر ان کو ہماری پکڑ سے بچا نہیں سکے گی۔ آج جن قوتوں اور وسائل پر وہ فخر کرتے ہیں ان میں سے کوئی چیز ان کے کام آنے والی نہیں ہوگی۔ کیونکہ مخلوق کی کوئی طاقت بھی خالق کی طاقت اور تدبیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ؕ

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

(کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں۔ ۵۲)

Marfat.com

رزق وفضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس پر مشاہدے سے استشہاد

گزشتہ آیات میں انسان کی اس گمراہی پر کھل کر تنقید کی گئی ہے کہ انسان جو کچھ کماتا ہے اور جو کچھ اسے ملتا ہے وہ اس کی اپنی تدبیر اور اس کی سعی اور کاوش کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس تصور کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اس بات پر یقین رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونے کی بجائے سرکشی اور تمرد کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی عبدیت آہستہ آہستہ فنا ہو جاتی ہے اور اس کے اندر سے ایک طاغوتی قوت ابھرتی ہے جو اس کی شخصیت اور اس کے ماحول اور اس کے گردوپیش کو گمراہیوں کی نذر کر دیتی ہے۔ پیشِ نظر آیت کریمہ میں اسی بات کو انسانی مشاہدے کے حوالے سے بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کی بحث اپنی جگہ، انسان کا اپنا مشاہدہ بھی اس بات پر دلیل ہے کہ رزق کی تنگی اور کشادگی انسان کی اپنی محنت اور ذہنی تدبیر کا نتیجہ نہیں۔ کیونکہ ہر شخص اپنے گردوپیش میں دیکھتا ہے کہ کتنے لوگ ہیں جو منہ میں چاندی یا سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی وہ خاندانی رئیس ہوتے ہیں۔ لیکن ایک وقت آتا ہے جب انہیں لوگ نانِ شبینہ کا محتاج دیکھتے ہیں۔ اسی طرح کتنے لوگ ہیں جو رات دن دنیا کی فکر میں سر کھپاتے ہیں، لیکن اپنی تمام تر شب و روز کی محنت کے باوجود بہت زیادہ مال و دولت حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اسی طرح ہم ایسے لوگوں کو بھی دیکھتے ہیں کہ جو ایک دن تخت و تاج کے مالک ہوتے ہیں اور اگلے دن کسی جیل میں پڑے ہوتے ہیں۔ ایک دن ان کے کاروبار کا چرچا ہوتا ہے اور منڈیوں اور کمپنیوں پر ان کی دھاک بیٹھی ہوتی ہے۔ لیکن انقلاب کی ایک لہر انہیں ہر چیز سے محروم کر دیتی ہے۔ یہ ہمارے وہ مشاہدات ہیں جن سے اس کے سوا کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ رزق کی تنگی و کشادگی میں انسان کی اہلیت و قابلیت یا اس کے اچھا اور برا ہونے کا اتنا دخل نہیں جتنا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کو ہے۔ جو شخص بھی اس معاملے میں غور کرتا ہے اور اس بسط و تقدیر کا مشاہدہ کرتا ہے اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی بہت سی نشانیاں کھل کر سامنے آ جاتی ہیں، ان میں دو تو بہت نمایاں ہیں۔

ایک تو یہ کہ اسے سب سے پہلے اس بات کا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کائنات کی حکومت اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ اس کے خزانوں کی چابیاں اس کے پاس ہیں، وہ جسے چاہتا ہے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم رکھتا ہے، کسی اور کا اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں۔ اس لئے ایک مومن کو صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلانا چاہئے کیونکہ وہی ہر چیز پر اختیار رکھتا ہے۔

دوسری یہ بات کہ وہ اس بات پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ رزق کی کمی بیشی بھی اس کی حکمت کا نتیجہ ہے۔ وہ اگر کسی کو اس دنیا میں زیادہ عطا کرتا ہے تو اس میں بھی اس کی حکمت ہوتی ہے اور اگر وہ کسی پر تنگی مسلط کر دیتا ہے تو اس میں بھی اس کی حکمت ہوتی ہے۔ وہ زیادہ دے کر یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوتا ہے یا نہیں۔ اور کم دے کر اس کے صبر کو آزمانا چاہتا ہے۔ اس طرح سے وہ دلوں میں یہ بات اتار دیتا ہے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے، دارالانعام نہیں۔ اس میں ہر شخص کا امتحان ہو رہا ہے، کہیں شکر کی صورت میں، کہیں صبر کی صورت میں۔ نتائج کا اعلان قیامت کو ہوگا کہ کون کامیاب رہا اور کس نے ناکامی سے اپنا مقدر گہنا لیا۔

Marfat.com

قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ
اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٥٣﴾ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ
مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٥٤﴾ وَاتَّبِعُوْٓا
اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ
الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿٥٥﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ
يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِىْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ
السّٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِىْ لَكُنْتُ مِنَ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِىْ كَرَّةً
فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٨﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِىْ فَكَذَّبْتَ
بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٩﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى
الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ
مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٦٠﴾ وَيُنَجِّى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫
لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ ۫
وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٣﴾

Marfat.com

رکوع: ۶۔ (اے پیغمبر کہہ دیجئے، اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے، وہ بڑا ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ۵۳) اور لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف، اور اس کے مطیع بن جاؤ، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ دھمکے، پھر تم مدد نہیں کیے جاؤ گے۔ ۵۴) اور پیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے، قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تم کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔ ۵۵) ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص کہے، ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں کرتا رہا، اور بے شک میں مذاق اڑانے والوں میں سے بنا رہا۔ ۵۶) یا کوئی شخص یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت عطا فرماتا تو میں بھی ڈرنے والوں میں سے ہوتا۔ ۵۷) یا کوئی یہ کہے جس وقت وہ عذاب کو دیکھے کہ کاش مجھے (دنیا میں جانے کا) ایک موقع ملے تو میں نیک عمل کرنے والوں میں سے بن جاؤں گا۔ ۵۸) کیوں نہیں، میری آیات تمہارے پاس آئیں، پر تم نے ان کو جھٹلایا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے بنے رہے۔ ۵۹) تم قیامت کے دن ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا، دیکھو گے کہ ان کے چہرے سیاہ ہیں، کیا ان متکبرین کا ٹھکانہ جہنم میں نہ ہوگا۔ ۶۰) اور اللہ نجات دے گا ان لوگوں کو جو ڈرتے رہے، ان کے مامن میں، ان کو نہ کوئی گزند پہنچے گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ۶۱) اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔ ۶۲) آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے قبضہ میں ہیں، اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا، وہی گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔ ۶۳)

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

(اے پیغمبر کہہ دیجئے، اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے، وہ بڑا ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ۵۳)

خطاب کا مفہوم

آیت کے شروع میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ لوگوں سے یہ بات کہیں۔ اس کے فوراً بعد اے میرے بندو! کہہ کر خطاب فرمایا گیا ہے۔ صاحب تفہیم القرآن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ان الفاظ کی عجیب تاویل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خود "اے میرے بندو" کہہ کر لوگوں سے خطاب کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا سب انسان نبی کریم ﷺ کے بندے ہیں۔ یہ درحقیقت ایک ایسی تاویل ہے جسے تاویل نہیں بلکہ قرآن کی بدترین معنوی تحریف اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے ساتھ کھیل کہنا چاہئے۔ جاہل عقیدت مندوں کا کوئی گروہ تو اس نکتے کو سن کر جھوم اٹھے گا۔ لیکن یہ تاویل اگر صحیح ہو تو پھر پورا قرآن غلط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن تو از اول تا آخر انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ قرار دیتا ہے۔ اور اس کی ساری دعوت ہی یہ ہے کہ تم ایک اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ محمد ﷺ خود

Marfat.com

رے تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے رب نہیں بلکہ رسول بنا کر بھیجا تھا اور اس لئے بھیجا تھا کہ خود بھی اسی کی بندگی کریں اور لوگوں کو بھی اسی کی بندگی سکھائیں۔ آخر کسی صاحبِ عقل آدمی کے دماغ میں یہ بات کیسے آسکتی ہے کہ مکہ معظمہ میں کفارِ قریش کے درمیان کھڑے ہو کر ایک روز نبی کریم ﷺ نے یکا یک یہ اعلان کر دیا ہوگا کہ تم عبدالعزیٰ اور عبدِ شمس کی بجائے دراصل عبدِ محمد ہو۔ اعاذنا اللہ من ذلک (تفہیم القرآن)

غلط فہمی کا ازالہ

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ کفار میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے دورِ جاہلیت میں بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کیا تھا، بڑی تعداد میں لوگوں کو قتل کیا تھا اور بہت سی عزتوں کے فانوس بجھائے تھے۔ جب انہیں ایمان لانے کی دعوت دی گئی اور اسلامی تعلیمات کو انہوں نے غور سے دیکھا اور سنا تو وہ اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و دعوت سے تو متاثر ہوئے لیکن یہ بات ان کے ذہن میں نہیں آتی تھی کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی ہمارے بہت بڑے بڑے گناہ کیسے معاف ہو جائیں گے۔ ہم اسلام لا کر ایک طرف تو اپنے قبیلے سے کٹ جائیں اور ان تمام مصائب کا نشانہ بنیں جسے مسلمان اسلام لانے کی وجہ سے برداشت کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف ہمارے گناہ بھی معاف نہ ہوں تو پھر اسلام قبول کرنے سے کیا فائدہ۔

بعض لوگوں کا گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی عظیم اور اتنی بلند ہے کہ اس تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ کم از کم گنہگار تو وہاں کسی طور بار نہیں پاسکتے۔ یہ سوچ کر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے مایوس ہونے لگتے۔ اس مایوسی سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ان کے ذہن میں آتا کہ ہم ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی یہاں اپنا سفارشی بنائیں یا اپنی بات اللہ تعالیٰ پہنچانے کا ذریعہ بنائیں جو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں۔ اس طرح سے شاید ہماری مغفرت کا کوئی سامان ہو سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ان دونوں غلط تصورات سے نکالنے کیلئے اس آیتِ کریمہ کا نزول فرمایا۔ یا عبادی کہہ کر انہیں حوصلہ دیا کہ تم نے بڑے بڑے گناہ کیے ہیں، اس کے باوجود تم میرے بندے ہو۔ فرق اتنا ہی ہے کہ تم فرمانبردار بندے نہیں بلکہ نافرمان بندے ہو۔ جس طرح کوئی شخص نافرمان ہو کر بھی اپنے نسب کا انکار نہیں کر سکتا، اسی طرح کوئی شخص نافرمان ہو کر بھی اپنی عبدیت کا انکار نہیں کر سکتا۔

تم نے گناہوں کے ارتکاب سے اپنے اوپر بہت زیادتی کی کہ جس خالق نے تمہیں تخلیق کیا، تمہیں پروان چڑھایا، تمہیں اعضاء و جوارح دیئے، تمہیں قوتِ عقل سے نوازا، مختلف نعمتیں تمہیں عطا کی جاتی رہیں۔ کیا اس کا یہ نتیجہ ہونا چاہئے تھا کہ اسی کے عطا کردہ اعضاء و جوارح اور عقل و شعور کو تم اسی کی نافرمانی میں استعمال کرو۔ اس کی بے شمار نعمتیں پا کر تم بجائے شکر کے کفرانِ نعمت کرو۔ اس طرح تم نے اپنے جسم کے ایک ایک جوڑ اور اپنی عقل و دانش کی ایک ایک لہر پر ظلم توڑا اور زیادتی کی۔ لیکن ان سب کے باوجود تمہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ جب کوئی شخص اپنی عبدیت کے احساس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ جب وہ سب دروازے بند کر کے اللہ تعالیٰ ہی کے دروازے پر آبیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ کیونکہ وہ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝٥٤

(اور لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف، اور اس کے مطیع بن جاؤ، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آدھمکے، پھر تم مدد نہیں کئے جاؤ گے۔ ۵۴)

Marfat.com

رحمت کے طلب گاروں کے لیے رہنمائی

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس طریقے کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف متوجہ ہونے والوں کو اختیار کرنا چاہئے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی شخصیت، اپنی صلاحیتوں، اپنے رویوں اور اپنے رجحانات کا رخ بدلو۔ آج تک تم نے کبھی خواہشات کی پیروی کی، کبھی شیطان کی اطاعت کی، کبھی مفادات کی ہوس نے تمہیں اپنے راستے پر لگایا، کبھی مال و دولت کی محبت کے تم اسیر رہے، کبھی قوت و شوکت کے آستانے تمہاری سجدہ گاہ بنے رہے، تمہیں ان تمام حوالوں سے کٹ کر صرف اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ اسی کی بندگی کرنی ہے، اسی سے محبت کا تعلق قائم کرنا ہے، اسی کی خوشنودی کے حصول کو اپنا مقصود بنانا ہے۔ اس طرح سے فکر کا قبلہ درست ہو جانے کے بعد تم نے اطاعت بھی صرف اللہ تعالیٰ کی کرنی ہے۔ اپنی ذات کو بہمہ وجوہ اسی کے حوالے کر دینا ہے۔ اور یہ کام اس یقین کے ساتھ کرنا ہے کہ اس کام میں تاخیر عذاب کا باعث بھی بن سکتی ہے اور عذاب آ جانے کے بعد پھر کسی تدبیر کے روبعمل لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح اس عذاب کے ظہور کے بعد ایمان کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔ عذاب سے مراد وہ عذاب بھی ہو سکتا ہے جو رسول کی طرف سے اتمام حجت ہو جانے کے بعد تکذیب کے نتیجے میں آیا کرتا ہے اور اس عذاب سے آخرت کا عذاب بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آخرت کا عذاب یوں تو بہت قریب نہیں، لیکن موت کا تو کوئی وقت مقرر نہیں، وہ تو انسان کے پاؤں کے تسمے سے بندھی ہوئی ہے۔ اور موت کے بعد پھر صرف قیامت ہی باقی رہ جاتی ہے، مہلتِ عمل ختم ہو جاتی ہے اب صرف نتیجے کا ظہور باقی ہوتا ہے۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿٥٥﴾

(اور پیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے، قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تم کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔ ۵۵)

گزشتہ مضمون کی وضاحت

گزشتہ مضمون کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینے کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے رب نے جو بہترین چیز تمہاری طرف نازل کی ہے اس کی پیروی کرو۔ یہاں بہترین چیز سے مراد قرآنِ کریم ہے۔ کیونکہ اسی سورۃ کی آیت ۲۳ میں قرآنِ کریم کو احسن الحدیث سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہی احسن الحدیث یہاں مراد ہے، یعنی قرآنِ کریم۔ اور پھر قرآنِ کریم کا تمام آسمانی کتابوں سے افضل اور احسن ہونا یہ ایسی بات نہیں جو آسمانی صحیفوں کو پڑھنے والے سے مخفی ہو۔ وہ تمام کتابیں اپنے اپنے دور میں انسان کی اصلاح کا بہترین نسخہ بن کر آئیں۔ لیکن اپنی طبعی عمر گزار کر منسوخ ہو گئیں اور افادیت کے لحاظ سے محدود ہو گئیں۔ لیکن یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جس کا زمانہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور اس کی افادیت قیامت تک کے انسانوں کیلئے باقی رکھی گئی ہے اس لئے یہ سب سے کامل کتاب ہے۔ پہلی کتابوں کے صرف ترجمے باقی ہیں، اصل زبان میں صرف قرآنِ کریم باقی ہے۔ ترجمے کبھی تحریف سے محفوظ نہیں رہتے اور اصل زبان میں تحریف اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتی ہے۔ اور پھر قرآنِ کریم چونکہ اللہ تعالیٰ کا

Marfat.com

م ہے جس کی مثال لانا انسان کیلئے ممکن نہیں۔ بنابریں اس کے الفاظ میں تحریف اور ترمیم بھی ممکن نہیں۔ مختصر یہ کہ اس کے احسن اور سب سے بہتر ہونے کے بے شمار دلائل ہیں جن میں سے بعض کا ذکر خود قرآنِ کریم نے کیا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جو تاریخ نے ہمارے حوالے کیے ہیں۔ اور بعض قرآنِ کریم کے بیان کردہ نظامِ زندگی کے حوالے سے ہیں جو کسی بھی صاحبِ علم سے پوشیدہ نہیں۔

اس کے آخر میں فرمایا کہ اس قرآنِ کریم کی پیروی کرو اس سے پہلے کہ اچانک تم پر عذاب آجائے۔ اس میں تخویف کے پہلو کو مزید نمایاں کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر اس آخری ہدایت کو لوگ قبول نہیں کریں گے اور معذب قوموں کی طرح اس کی تکذیب کریں گے تو پھر وہ عذاب ضرور آئے گا جو تکذیب کے نتیجے میں آیا کرتا ہے اور وہ اس طرح اچانک بھی آسکتا ہے جس کا کسی کو اندازہ نہ ہو سکے۔ قرآنِ کریم نے دوسری جگہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا عذاب کبھی دوپہر کو بھی اس طرح آتا ہے کہ لوگ کھیل کود میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور کبھی رات کو آتا ہے جبکہ لوگ نیند کے مزے لوٹ رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے عافیت اسی میں ہے کہ اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لو اور اس سے فائدہ اٹھانے میں بالکل تاخیر نہ کرو۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾

(ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص کہے، ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں کرتا رہا، اور بے شک میں مذاق اڑانے والوں میں سے بنا رہا۔ ۵۶)

اَنْ ...... سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی طرف لوٹنے اور قرآنِ پاک کا اتباع کرنے کا حکم دیا ہے یہ اس لئے ہے کہ ایسا نہ ہو کہ محاسبہ کا وقت آجائے اور جو لوگ غفلت سے وقت گزار رہے ہیں انہیں پچھتانا پڑے اور وہ تأسف کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہیں کہ ہائے افسوس اللہ تعالیٰ کے بارے میں مجھ سے بڑی کوتاہی ہوئی کہ میں حبِ دنیا میں ایسا ڈوبا کہ مجھے کبھی اس بات کا ہوش نہ آیا کہ آخرت میں اگر جواب دہی کرنا پڑی اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بارے میں پوچھ گچھ کی گئی تو وہاں میں کیا جواب دوں گا۔ میری خدا فراموشی تو یہاں تک پہنچی کہ جو لوگ مجھے آخرت سے متعلق متوجہ کرتے اور مجھے اپنی زندگی میں تبدیلی لانے کیلئے کہتے تو میں ان کا مذاق اڑاتا۔ لیکن اس وقت اظہارِ افسوس کے سوا کچھ نہیں ہو سکے گا۔

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٥٧﴾

(یا کوئی شخص یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت عطا فرماتا تو میں بھی ڈرنے والوں میں سے ہوتا۔ ۵۷)

انسان جب کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو پھر اس کے پچھتاووں کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ اپنی کوتاہیوں میں سے کبھی کسی کا ذکر کرتا ہے اور کبھی کسی کا۔ اسی طرح اس مصیبت سے بچنے کے جو اسباب ہو سکتے تھے ان میں سے بھی کبھی کسی کی بات چھیڑتا ہے اور کبھی کسی کی۔ یہاں ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اگر اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لا کر قرآنِ کریم کی پیروی نہیں کریں گے تو ممکن ہے کہ کل کو جب اپنے انجام میں پکڑے جائیں تو ان کے پچھتاووں کا یہی عالم ہو۔ چنانچہ انہیں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ان میں سے کوئی شخص یہ بھی کہے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں میں سے ہوتا۔ اور پھر ظاہر ہے کہ

Marfat.com

میں اس مصیبت میں کبھی گرفتار نہ ہوتا۔ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے رسول بھیج کر اور کتابیں اتار کر ہدایت ہی کا سامان کیا تھا۔ لیکن انہوں نے کبھی اس کو مان کر نہ دیا۔ لیکن آج وہ اسے اپنی کوتاہی سمجھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کریں گے کہ اس نے ہمیں ہدایت کیوں نہ دے دی۔ حالانکہ نہ وہ کسی کو زبردستی ہدایت دیتا ہے اور نہ زبردستی گمراہ کرتا ہے۔

اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَی الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ کَرَّةً فَاَکُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾

(یا کوئی یہ کہے جس وقت وہ عذاب کو دیکھے کہ کاش مجھے (دنیا میں جانے کا) ایک موقع ملے تو میں نیک عمل کرنے والوں میں سے بن جاؤں گا۔ ۵۸)

حق کو قبول نہ کرنے کے نتیجے میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھیں تو اس تمنا کا اظہار کرنے لگیں کہ کاش ہمیں ایک دفعہ پھر دنیا میں جانے کا موقع مل جائے تو ہم اللہ تعالیٰ کے نیکوکار بندوں میں سے بن جائیں گے۔ لیکن ان کی اس تمنا کی کوئی قیمت نہیں ہوگی کیونکہ یہ دارالجزا ہے، دارالعمل نہیں، اس کا دور گزر گیا۔

بَلٰی قَدْ جَآءَتْکَ اٰیٰتِیْ فَکَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَکْبَرْتَ وَکُنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۵۹﴾

(کیوں نہیں، میری آیات تمہارے پاس آئیں، پر تم نے ان کو جھٹلایا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے بنے رہے۔ ۵۹)

گزشتہ سے پیوستہ آیت میں جو عذر پیش کیا گیا، یہ اس کا جواب ہے، کہ تم یہ کہتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے دیتا تو ہم متقین میں سے ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تو تم میں سے ایک ایک کے پاس اپنی آیات بھیجیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسول نے ایک ایک کا گریبان پکڑ کر کھینچا۔ دکھ اٹھا کر بھی اللہ تعالیٰ کا دین اس کے بندوں تک پہنچایا۔ لیکن تم نے اسے قبول کرنے کی بجائے ان آیات کو جھٹلایا اور تکبر کا اظہار کیا۔ کبھی آنحضرت ﷺ کی غربت کا مذاق اڑایا، کبھی آپ پر ایمان لانے والوں کی کمزور حالت پر آوازے کسے۔ لیکن آپ نے برابر تمہاری ہدایت کیلئے کوششیں کیں، لیکن تمہارا تکبر ہمیشہ آڑے آتا رہا۔ آپ کی کوششوں کے نتیجے میں بجائے اس کے کہ تم ہدایت کی طرف آتے، تم ہمیشہ کافروں کے ساتھی بنے رہے۔ تو اب تمہارا یہ کہنا کہ ہمیں ہدایت نہیں دی گئی، ایک عذرِ لنگ کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کام لوگوں کو اپنی تعلیمات سے آگاہ کرنا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے رسول بھیج کر ایسا سامان کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ لوگوں پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اسے قبول کرتے ہیں یا رد کرتے ہیں۔ تمہارے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔ لیکن تم نے اپنے تکبر کی وجہ سے اپنی بدنصیبی کو دعوت دی۔

وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَرَی الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلَی اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَکَبِّرِیْنَ ﴿۶۰﴾

(تم قیامت کے دن ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا، دیکھو گے کہ ان کے چہرے سیاہ ہیں، کیا ان متکبرین کا ٹھکانہ جہنم میں نہ ہوگا۔ ۶۰)

Marfat.com

مشرکین کی دروغ گوئی کا انجام

جولوگ قیامت کے دن یہ کہیں گے کہ کاش ہمیں اللہ تعالیٰ ہدایت دے دیتا تو ہم بھی اس سے ڈرنے والوں میں سے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کی ہدایت کیلئے اپنی آیات نازل کیں۔ لیکن بجائے ان سے فائدہ اٹھانے کے انہوں نے اپنے تکبر کے باعث اپنے شرک اور اپنے غلط عقائد کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ یعنی جب ان سے یہ کہا گیا کہ تم نے جو بعض قوتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے اور تم نے تحلیل وتحریم کے جو عجیب وغریب فیصلے کر رکھے ہیں تو اس کی تمہارے پاس سند کیا ہے۔ تو وہ بڑی ڈھٹائی سے یہ جواب دیتے کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایسا ہی کرتے پایا ہے، یقیناً ان کے کسی بڑے پر اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بات نازل کی ہوگی جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ ایسا کرتے آئے ہیں۔ اس جھوٹ اور غلط انتساب کی وجہ سے قیامت کے دن ان پر یہ مار پڑے گی کہ ان کے چہرے سیاہ کر دیئے جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف سزا ہی کے مستحق نہیں ہوں گے بلکہ اس کے ساتھ ان کو رسوا بھی کیا جائے گا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے کہ کیا ان متکبروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہ ہوگا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے خودسر جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف غلط بات منسوب کرتے ہوئے ذرا حجاب مانع نہ ہو، کیا ایسے لوگوں کے سزاوارِ جہنم ہونے میں کسی کو شبہ ہوسکتا ہے؟ یقیناً اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، یہ واقعی اس قابل ہیں کہ ان سب کو جہنم میں جھونک دیا جائے اور یہ فی الواقع جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۚ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦١﴾

(اور اللہ نجات دے گا ان لوگوں کو جو ڈرتے رہے، ان کے مامن میں، ان کو نہ کوئی گزند پہنچے گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ٦١)

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا انجام

کفار کے انجام کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے انجام کا ذکر فرماتا ہے جو زندگی کے ہر مرحلے میں اللہ سے ڈرتے رہے اور ہمیشہ اس کے احکام کی اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ کے رسول کا اتباع کیا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے پرہول دن میں انہیں ان کے مامن میں یعنی جنت میں پہنچا دے گا۔ اور اس طرح سے وہ ہر دکھ اور تکلیف سے محفوظ ہو جائیں گے۔ نہ ماضی کا کوئی پچھتاوا انہیں پریشان کرے گا اور نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ ان کی یکسوئی میں خلل انداز ہوگا۔

ہم نے اس آیت کے لفظ مَفَازَةِ کا ترجمہ مامن کیا ہے۔ بعض اہلِ علم نے اس کا ترجمہ کامیابی کیا ہے اور مراد اس سے کامیابی کے اسباب لئے ہیں، اس کے صحیح ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ بچاؤ کی جگہ کیا ہے، یہ بھی یقیناً صحیح ہے۔ اور سب کی مراد ایک ہی ہے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۙ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٣﴾

(اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔ ٦٢) آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے قبضہ میں ہیں، اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا، وہی گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔ ٦٣)

Marfat.com

خلاصہ بحث

اوپر کی آیات میں جو کچھ فرمایا گیا ہے یہ اس کا خلاصہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ جو چیز بھی دنیا میں وجود میں آئی ہے وہ اسی کے خلق کرنے سے آئی ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جسے مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن انہیں شاید غلط فہمی یہ ہے کہ اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے کے بعد اسے چھوڑ چکا ہے۔ اب کائنات کے انتظام وانصرام اور معاملات کی تدبیر سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے یہ کام ان لوگوں کے سپرد کر رکھا ہے اور انہیں اختیارات دے رکھے ہیں جن کو مشرکین اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، اسی طرح وہ ہر چیز پر نگہبان بھی ہے۔ وہ ہر چیز کی خبر گیری کر رہا ہے۔ جن چیزوں کو اس نے وجود بخشا ہے ان کے وجود کا ترقی کرنا، پھلنا پھولنا اور ایک خاص عمر تک باقی رہنا یہ بھی اسی کی قدرت کی وجہ سے ہے۔ زمین پر بسنے والے انسانوں کی آسمان سے برسنے والے شہاب ثاقب اور فضاء میں پھیلی ہوئی مختلف گیسز اور ہواؤں کا مختلف علاقوں میں گھٹتا اور بڑھتا دباؤ اور موسمی اثرات کی شدت سے بچاؤ کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ اہلِ زمین کی نگہبانی نہ فرمائے۔ زمین میں پھیلے ہوئے سمندر اگر ان کے کنارے اللہ تعالیٰ کی قدرت نہ باندھے تو اہلِ زمین کبھی زمین پر محفوظ نہ رہ سکیں۔ پہاڑوں کو اگر اللہ تعالیٰ نے زمین پر میخوں کی طرح نہ گاڑا ہوتا اور زمین کے نیچے پلیٹوں کی حرکت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضے میں نہ رکھا ہوتا تو انسان کسی وقت بھی زلزلوں کی نذر ہو کر تباہ ہو سکتا تھا۔ غرضیکہ صرف اس کی ربوبیت ہی نہیں بلکہ اس کی نگہبانی بھی زمین پر بسنے والی مخلوقات اور دیگر کرّوں کی مخلوقات کی بقاء کی ضامن ہے۔ اسی طرح زمین وآسمان کے خزانوں کی کنجیاں بھی اسی کے قبضے میں ہیں۔ زمین روئیدگی کے خزانوں سے بھرپور ہے، سورج سے انرجی کے خزانے اُبل رہے ہیں، پہاڑوں میں اور سمندر میں بے شمار خزانے ہیں جن میں سے بیشتر سے ابھی تک انسان واقف نہیں ہو سکا۔ قدرت کی کوئی چیز بھی منفعت کے خزانے سے کم نہیں۔ لیکن ان سب پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تالے چڑھے ہوئے ہیں۔ وہ جب چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے مخلوقات کو نوازتا ہے۔ اور جو کچھ بھی انسانوں کو مل رہا ہے اسی کی بخشش سے حاصل ہو رہا ہے۔ اسی طرح آخرت میں بھی جو کچھ ملے گا وہ سب کچھ اسی کی عنایت سے ملے گا۔ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی قدرت، اس کے بے پایاں علم اور اس کی ربوبیتِ کاملہ کا انکار کرتے ہیں اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہیں اور پھر اپنے اس کفر وشرک پر جمے ہوئے ہیں وہی خسارے میں پڑے ہوئے ہیں۔ دنیا وآخرت دونوں میں اپنی اس حماقت کی سزا بھگتیں گے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ
اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ
عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ
مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا

Marfat.com

قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ
وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝٦٧ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ
اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝٦٨ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ
رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْۗءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٦٩ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا
عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝٧٠ ع

رکوع: ۷۔ (اے پیغمبر کہہ دیجئے، اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔ ۶۴) حالانکہ آپ کی طرف اوران لوگوں کی طرف جو آپ سے پہلے گزرے ہیں یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے، اور آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ ۶۵) بلکہ آپ صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور اسی کے شکر گزار بن کر رہیں۔ ۶۶) اور لوگوں نے اللہ کی قدر نہ پہچانی جیسا کہ اس کی قدر جاننے کا حق ہے، قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ پر لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک اور برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ ۶۷) اور اس روز صور پھونکا جائے گا، تو آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب مر کر گر جائیں گے، سوائے ان کے جن کو اللہ زندہ رکھنا چاہے، پھر ایک دوسرا صور پھونکا جائے گا تو دفعتاً وہ کھڑے ہو کر تاکنے لگیں گے۔ ۶۸) اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی، کتابِ اعمال لا کر رکھ دی جائے گی، اور انبیاء اور گواہ حاضر کئے جائیں گے اور لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ۶۹) اور ہر متنفس کو جو کچھ اس نے کیا ہوگا اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ ۷۰)

Marfat.com

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ
وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

(اے پیغمبر کہہ دیجئے، اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔ ٦٤) حالانکہ آپ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جو آپ سے پہلے گزرے ہیں یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے، اور آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ ٦٥) بلکہ آپ صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور اسی کے شکر گزار بن کر رہیں۔ ٦٦)

مشرکین کے رویے پر تعجب

یہ جان لینے کے بعد کہ اللہ ہی ساری کائنات کا خالق ہے اور اسی کی ربوبیت کا فیضان سب کی بقاء کا ضامن ہے، وہی سب کی نگہبانی فرما رہا ہے۔ کائنات کی بے شمار نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہیں، جس کو جو ملتا ہے اسی کی بخشش سے ملتا ہے۔ اس کی قدرت اور اس کے علم سے کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ جس طرح کائنات کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں، اسی طرح کائنات کی ربوبیت، اس کی بقاء اور اس کی نگہبانی میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہ تنہا ساری کائنات کی تدبیر کر رہا ہے۔ اور اس کا بے پایاں علم اور اس کی ناپیدا کنار قدرت ہر مخلوق کے حالات سے واقف اور اس کی ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے۔ ان تمام باتوں کے ادراک اور تسلیم کے بعد بھی اے نادانو! تم مجھے یہ کہتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرنے لگوں۔ کیا کبھی کسی نے محتاج کے سامنے ہاتھ پھیلایا ہے، کیا کبھی بے آب وگیا صحرا میں کسی نے پانی تلاش کیا ہے، کیا کبھی کسی نے ذرے اور آفتاب کو کسی بات میں شریک سمجھا ہے۔ تو آخر کس بنیاد پر تم مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے اور ان کی پوجا پاٹ کرنے کی دعوت دیتے ہو، جبکہ تم لوگ اس بات سے ناواقف نہیں کہ جتنے بھی رسول دنیا میں آئے ہیں سب نے توحید کی دعوت دی، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا درس دیا ہے اور وہ اپنے تمام بلند مراتب کے باوجود اس بات سے باخبر کئے گئے ہیں کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا تو تم نے دین کے فروغ اور تبلیغ ودعوت کے سلسلے میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان میں سے ایک ایک عمل ضبط ہو جائے گا۔ کیونکہ جو عمل بھی شرک کے ساتھ آلودہ ہوتا ہے وہ ضائع اور لاحاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی مشرک کے کسی عمل کو قبول نہیں فرماتا۔ اس بنا پر اگر اللہ تعالیٰ کے نبی بھی شرک کا ارتکاب کریں تو ان کے اعمال بھی حبط یعنی ضائع ہو جائیں گے۔ اسی طرح یہی وحی میری طرف بھی کی گئی ہے حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا آخری رسول ہوں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی بھی کبھی شرک کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں محض توحید کی اہمیت اور شرک کی شناعت کو نمایاں کرنے کیلئے یہ اسلوب بیان اختیار فرمایا گیا ہے تاکہ لوگ اچھی طرح سے اس کی اہمیت کو سمجھ لیں۔ مزید فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا لاؤ۔ کیونکہ جب تک ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا لاتا ہے یعنی وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے جو کچھ مل رہا ہے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش ہے جس طرح مجھے کوئی اور وجود دینے پر قادر نہیں اسی طرح میرے وجود کے بقاء کے سامان پر بھی قادر نہیں۔ شکر اور توحید میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جو موحد ہوگا وہ شکر گزار بھی ہوگا، اور جو شکر گزار ہوگا وہ موحد بھی ہوگا۔

Marfat.com

یادر ہے کہ جاہل اس شخص کو کہتے ہیں جو علم اور عقل کی بجائے جذبات اور خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔اس کے سامنے دلائل وشواہد کا انبار بھی لگا دیا جائے تب بھی وہ اس سے اثر قبول نہیں کرتا۔اس کے نزدیک آباء پرستی، خواہشِ نفس اور کسی چیز سے جذبات کی وابستگی سب سے بڑے دلائل ہیں اور وہ ہمیشہ اسی گنبد کے نیچے زندگی بسر کرتا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾

(اورلوگوں نے اللہ کی قدر نہ پہچانی جیسا کہ اس کی قدر جاننے کا حق ہے، قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ پر لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک اور برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ ٦٧)

قَبْضَة ...... مٹھی کو بھی کہتے ہیں اور اتنی چیز کو بھی جو ایک بار مٹھی میں اٹھالی جائے۔اور یمین دائیں ہاتھ کو کہتے ہیں۔اب اگر ان دونوں لفظوں کو لغوی معنی میں لیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کیلئے مٹھی اور ہاتھ ہونا لازم آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔لیکن اسلاف متقدمین کے نزدیک یہ الفاظ اپنے لغوی اور حقیقی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔مگر اس آیت کا مضمون متشابہات میں سے ہے۔جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اور ہمیں اس کے جاننے کا مکلف نہیں ٹھہرایا گیا۔بس اس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس سے مراد لیا ہے وہ صحیح ہے۔علماء متاخرین نے اس آیت کو ایک تمثیل ومجاز قرار دے کر یہ معنی بیان کئے ہیں کہ کسی چیز کا مٹھی میں ہونا اور داہنے ہاتھ میں ہونا کنایہ ہوتا ہے، اس پر پوری طرح قبضہ وقدرت سے۔یہاں بھی یہی مراد ہے۔

شرک کا سبب اللہ تعالیٰ کی شان سے بے خبری ہے

آیتِ کریمہ کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کا اپنے شرک پر اصرار درحقیقت اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدر ومنزلت کو نہ پہچان سکے۔وہ اس کی شان اور عظمت کے بارے میں بہت بے خبر اور نادان واقع ہوئے ہیں۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایک شہنشاہ سمجھا۔اور شہنشاہ اپنے تمام تر اقتدار کے باوجود انسانی احتیاجات رکھتا اور انسانوں ہی جیسی محدودات میں سمٹا رہتا ہے۔وہ ہر کام لینے میں دوسروں کا محتاج ہے۔نہ اس کا علم بے پایاں، نہ اس کی قدرت غیر محدود۔اگر اس کی فوج اس سے بغاوت کردے یا اس کی انتظامیہ خود سر ہو جائے تو وہ ایک دن بھی برسراقتدار نہیں رہ سکتا بلکہ اس کی زندگی بھی معرضِ خطر میں ہوتی ہے۔اس تصور میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ساری کائنات کا نظام تنہا اللہ تعالیٰ کے اختیار اور تدبیر میں سمجھ لیا جائے۔لازماً یہ بات ماننا پڑے گی کہ اللہ تعالیٰ کی فوجیں ہیں، اس کے کارکنان قضاء وقدر ہیں، اس کا انتظام درجہ بدرجہ بے شمار لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا نظام چلانے میں ان سب کا محتاج ہے۔اور یہی وہ چیز ہے جس سے شرک پیدا ہوتا ہے۔اور اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی عظمت وشان کے نہ سمجھنے پر قائم ہے۔اس لئے اصل مرض کی نشان دہی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت وشان کو نہ سمجھ سکے۔اور اس کی قدر نہ جان سکے جیسے اس کی قدر جاننے کا حق ہے۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ ساری زمین اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ایک مشتِ خاک کے برابر اور تمام آسمانوں کی بساط اس کے ہاتھ پر لپٹی ہوئی ہوگی۔جس عظیم ہستی کی شان و

Marfat.com

عظمت کا یہ عالم ہو کہ ساری زمین اس کی مٹھی میں سمٹ جائے اور سارے آسمان اس کے ہاتھ میں رومال کی طرح لپٹ جائیں اس سے کسی مخلوق کی کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ ذرہ اور آفتاب میں بھی مخلوق ہونے کی نسبت ہے، اسی طرح قطرہ اور سمندر میں بھی یہی نسبت قائم ہے۔ اس کے باوجود کوئی شخص بھی قطرہ کو سمندر سے اور ذرہ کو آفتاب سے تشبیہ نہیں دے سکتا۔ کیسے نادان لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیویوں اور دیوتاؤں اور بعض دوسری مخلوق کا جوڑ لگاتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک وسہیم بناتے ہیں۔ متعدد حدیث کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ کی روایات نقل کی گئی ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ ممبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، دوران خطبہ میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، اور فرمایا اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں، یعنی سیاروں کو اپنی مٹھی میں لے کر اس طرح پھرائے گا جیسے ایک بچہ گیند پھیراتا ہے۔ اور فرمائے گا، میں ہوں خدائے واحد، میں ہوں بادشاہ، میں ہوں جبار، میں ہوں کبریائی کا مالک۔ کہاں ہیں زمین کے بادشاہ، کہاں ہیں جبار، کہاں ہیں متکبر، یہ کہتے کہتے حضورؐ پر ایسا لرزہ طاری ہوا کہ ہمیں خطرہ ہونے لگا کہ کہیں آپ ممبر سمیت گر نہ پڑیں۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾

(اور اس روز صور پھونکا جائے گا، تو آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب مر کر گر جائیں گے، سوائے ان کے جن کو اللہ زندہ رکھنا چاہے، پھر ایک دوسرا صور پھونکا جائے گا تو دفعتاً وہ کھڑے ہو کر تاکنے لگیں گے۔ ۶۸)

گزشتہ مضمون کا تسلسل

یہ سابقہ مضمون کا تسلسل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کو کیا جانیں، اس کی قدرت کا حال تو یہ ہے کہ جس طرح اس نے اس کائنات کی بساط بچھائی ہے اسی طرح جب وہ اس بساط کو لپیٹنا چاہے گا تو اس کے حکم سے صور پھونکا جائے گا جس کا اثر یہ ہوگا کہ آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں سب بے ہوش ہو کر گر جائیں گی اور اس کے بعد مر جائیں گی۔ اور جو پہلے مر چکے ہیں ان کی روحیں بے ہوش ہو جائیں گی۔ البتہ اس میں صرف وہ زندہ رہے گا جس کو اللہ تعالیٰ زندہ رکھنا چاہے۔ دُرِ منثور کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جنہیں حاملینِ عرش کہا جاتا ہے۔ اور انہیں میں حضرت جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت بھی شامل ہیں۔ ان کے استثنیٰ کا مطلب یہ ہے کہ نفخِ صور کے اثر سے ان کو موت نہیں آئے گی مگر اس کے بعد ان کو بھی موت آجائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور زندہ نہیں ہوگا۔ ابنِ کثیر بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ ان کا کہنا یہ ہے کہ ان سب میں آخر میں ملک الموت کو موت آئے گی۔ اس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور وہ حیرت سے اِدھر اُدھر تاکنے لگیں گے۔ اندازہ فرمایئے کہ ایسی صورتحال میں کس کی مجال ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے آگے ناز و تذلل کے ساتھ بڑھ کر کسی کی وکالت یا سفارش کر سکے۔ اور جس کی قدرتوں کا عالم یہ ہے کہ ایک نفخِ صور سے ساری خدائی مر جائے گی اور پھر بیدار ہو جائے گی کون ہے جو اس کا ہمسر ہونے کا مدعی ہو سکے۔

Marfat.com

اس آیتِ کریمہ میں دومرتبہ نفخِ صور کا ذکر آیا ہے۔لیکن سورۃ النمل میں ان دونوں سے پہلے ایک اور نفخہ کا ذکر بھی ہے جس سے زمین وآسمان کی ساری مخلوق دہشت زدہ ہوجائے گی۔اسی بناپر احادیث میں تین نفخوں کا ذکر آیا ہے۔ایک نفخة الفزع ہے یعنی گھبرادینے والاصور۔دوسرا نفخة الصعق ہے یعنی مارگرانے والاصور۔تیسرا نفخة القیام لرب العالمین, یعنی وہ صور جسے پھونکتے ہی تمام انسان جی اٹھیں گے اور اپنے رب کے حضور پیش ہونے کیلئے اپنے مرقدوں سے نکل آئیں گے۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٠﴾

(اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی، کتابِ اعمال لاکر رکھ دی جائے گی، اور انبیاء اور گواہ حاضر کئے جائیں گے اور لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کردیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ۶۹) اور ہر متنفس کو جو کچھ اس نے کیا ہوگا اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ ۷۰)

حشر قائم ہونے کے بعد کا منظر

قیامت برپا ہوجائے گی، میدانِ حشر میں لوگ جمع ہوجائیں گے اور یہ میدانِ حشر ایک نئی زمین ہوگا کیونکہ اس سے پہلے زمین اور آسمان توڑے جاچکے ہوں گے۔اور یہ زمین نئے نوامیس وقوانین کے ساتھ ظہور میں آچکی ہوگی۔ ہماری یہ زمین تو سورج کی روشنی سے روشن ہوتی ہے،لیکن قیامت کے دن زمین اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن ہوگی، پھر کتابِ اعمال لاکر سامنے رکھی جائے گی۔ یہ لوگوں کے اعمال کا وہ دفتر ہے جس میں ہر شخص کے اعمال کی تفصیل درج ہوگی۔اس کی وسعت کا کیا عالم ہوگا، اس کی شکل وصورت کیسی ہوگی، اسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔پھر انبیائے کرام اور گواہوں کو لایا جائے گا۔اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے اس دن ان کی امتوں کے مقابل میں گواہی دلوائے گا کہ انہوں نے لوگوں کو کیا تعلیم دی اور لوگوں نے اس کا کیا جواب دیا۔لفظ شہداء میں وسعت وعمومیت ہے جس میں انبیاء علیہم السلام بھی شریک ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے وَجِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ ''اور فرشتے بھی گواہوں میں ہوں گے۔'' جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے مَعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ اس میں سائق اور شہید سے فرشتے مراد ہیں۔اور ان گواہوں میں اس امت کے مجددین، صدیقین اور صالحین بھی ہوں گے۔جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ اور ان گواہوں میں خود انسان کے اعضاء وجوارح بھی ہوں گے۔جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ اس عدالت وشہادت کے بعد لوگوں کے درمیان بالکل انصاف کے مطابق ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردیا جائے گا اور کسی پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔پھر اگلی آیت میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر شخص نے جو کچھ کیا ہوگا اس کا پورا پورا صلہ اس کو دیا جائے گا۔اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔ ہر شخص اپنے ہی اعمال کا پھل دیکھے گا اور اپنی ہی بوئی ہوئی فصل کاٹے گا۔اور یہ بھی نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کسی کا عمل بھول جائے۔کیونکہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے اچھی طرح واقف ہے اور ہر چیز اس کتابِ اعمال میں درج ہے جو اس دن میدانِ حشر میں لا کے رکھی جائے گی۔

Marfat.com

یہ تمام تفصیل مشرکین کو یہ بتانے کیلئے ہے کہ تم جو یہ سمجھ رہے ہو کہ اولاً تو قیامت آئے گی ہی نہیں اور اگر آ ہی گئی تو تمہارے شرکاء وشفعاء تمہارے کام آئیں گے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچالیں گے۔ اس تفصیل سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ انسان نے زندگی میں جو کچھ کیا ہے اس کا ایک ایک عمل اس دن اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ پھر اس وقت گواہیاں بھی کی جائیں گی، پھر انصاف کے تقاضے کے مطابق اس پر جزاء وسزا ہوگی۔ کوئی سہارا اس دن ایمان وعمل کے بغیر کام نہیں آئے گا۔ اس لئے آج کی تمہاری یہ سوچ ایسی خام خیالی ہے جس کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ
جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ
خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ
وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ
الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧١﴾ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ
فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ
إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ
لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا
الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ
مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٧٤﴾ وَتَرَى
الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ
وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٥﴾

Marfat.com

رکوع: ۸۔ (اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا وہ جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کے داروغے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمارے پاس تمہیں میں سے رسول تمہارے رب کی آیتیں سناتے اور اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوئے نہیں آئے تھے۔ وہ جواب دیں گے، ہاں، آئے تھے مگر کافروں پر کلمۂ عذاب پورا ہو کر رہا۔ ۷۱) کہا جائے گا جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، یہاں اب تمہیں ہمیشہ رہنا ہے بس کیا ہی برا ٹھکانہ ہے متکبروں کا۔ ۷۲) اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے وہ گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس جنت کے پاس پہنچیں گے اس حال میں کہ اس کے دروزے کھول دیئے گئے ہوں اور اس کے داروغے ان سے کہیں گے، تم پر سلام ہو، تم خوش رہو، پس اس میں سدا رہنے کیلئے داخل ہو جاؤ۔ ۷۳) اور اہلِ جنت کہیں گے، شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہم کو ارضِ جنت کا وارث بنایا، اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں، بس کیا ہی خوب صلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کا۔ ۷۴) اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرشِ الٰہی کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں، اپنے رب کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ کرتے ہوئے، اور لوگوں کے درمیان ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ سب خوبی اللہ کیلئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ ۷۵)

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

(اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا وہ جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کے داروغے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمارے پاس تمہیں میں سے رسول تمہارے رب کی آیتیں سناتے اور اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوئے نہیں آئے تھے۔ وہ جواب دیں گے، ہاں، آئے تھے مگر کافروں پر کلمۂ عذاب پورا ہو کر رہا۔ ۷۱)

کفار کا انجام

گزشتہ آیتِ کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہر نیک و بد کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں کا فیصلہ کیا جائے گا ان میں ایک گروہ وہ ہوگا جنہوں نے کفر کیا ہوگا۔ ان سے مراد مشرکین بھی ہیں۔ کیونکہ کفر اور شرک دو مختلف چیزیں نہیں بلکہ اپنے انجام کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں۔ اور مزید یہ بات کہ شرک کے علاوہ اور بھی بعض ایسے جرائم ہیں جنہیں کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس لئے کوئی سا ایسا جرم جو کفر و شرک کو لازم کرتا ہو اس کا ارتکاب کرنے

Marfat.com

والے گروہ درگروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے یعنی انہیں فرشتے ہانکتے ہوئے جہنم میں لے جائیں گے۔اور جب یہ لوگ جہنم کے پاس پہنچیں گے تو جہنم کے دروازے ان کیلئے کھول دیئے جائیں گے۔جس طرح قیدی جیل کے دروازے پر پہنچتا ہے تو اس کیلئے جیل کا دروازہ کھلتا ہے۔ احادیث میں بتایا گیا ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہوں گے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ سارے کافر ایک درجے کے نہیں ہوں گے بلکہ اپنے اپنے جرائم کی حیثیت ونوعیت کے اعتبار سے الگ الگ دروازوں سے داخل کیے جائیں گے اور الگ الگ حصوں میں رکھے جائیں گے۔جب یہ لوگ جہنم میں پہنچیں گے تو جہنم کے داروغے ان سے سوال کریں گے کہ بدبختو! تم جو اس انجام کو پہنچے ہو تو کیا تمہارے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا جس نے تمہیں اس کی خبر دی ہو۔تو وہ اقرار کریں گے کہ ہاں ہمارے پاس رسول آئے لیکن ہم نے اپنی بدبختی کو خود دعوت دی۔سورۃ الملک میں اس کی وضاحت کی گئی ہے،ارشاد ہے كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ○ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (۸ تا ۱۰) ''جب ان کی کوئی بھیڑ جہنم میں جھونکی جائے گی اس کے داروغے ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی آگاہ کرنے والا نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ ایک آگاہ کرنے والا آیا تو سہی لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ خدا نے کوئی چیز ہی نہیں اتاری،تم لوگ بس ایک بہت بڑی گمراہی میں ہو،اور وہ اعتراف کریں گے کہ اگر ہم سننے اور سمجھنے والے ہوتے تو دوزخ والوں میں سے نہ بنتے۔''

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان پر کلمۂ عذاب ثابت ہو جائے گا۔کلمۂ عذاب سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ فیصلہ ہے جو اس نے ابلیس کے جواب میں فرمایا تھا کہ تم اور تمہاری پیروی کرنے والے سب عذاب کا شکار ہوں گے اور میں تم سب سے جہنم کو بھروں گا۔

قِيْلَ ادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾

(کہا جائے گا جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، یہاں اب تمہیں ہمیشہ رہنا ہے پس کیا ہی برا ٹھکانہ ہے متکبروں کا۔ ۷۲)

جن کافروں کو گروہ درگروہ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا اور جہنم کے دروازے ان کیلئے کھول دیئے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اب تم اس جہنم میں داخل ہو جاؤ اور یہ ایک دو دن کیلئے نہیں بلکہ ہمیشہ تمہیں یہیں رہنا ہے۔اور آیت کے آخر میں ان کے اصل مرض کی نشان دہی بھی فرمائی کہ ان کا حق سے اعراض اور ایمان کی قبولیت سے انکار درحقیقت تکبر کی وجہ سے تھا۔دنیا کی دولت ورفاہیت نے انہیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونے کی بجائے ایسا خودسر اور متکبر بنایا کہ انہوں نے حق کو قبول کرنے سے ہی انکار کر دیا۔تو آج ان کا ٹھکانہ اس لئے جہنم ہوگا کہ متکبرین کا اصل ٹھکانہ یہی ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

(اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے وہ گروہ درگروہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس جنت کے پاس پہنچیں گے اس حال میں کہ اس کے دروزے کھول دیئے گئے ہوں اور اس کے داروغے ان سے کہیں گے، تم پر سلام ہو، تم خوش رہو، پس اس میں سدا رہنے کیلئے داخل ہو جاؤ۔ ۷۳)

Marfat.com

متقین کا انجام

سِیْقَ ...... سَوق سے فعل ماضی مجہول ہے۔ یہ اچھے اور برے دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ سازگار ہوائیں ابرِ رحمت کو باغوں کی طرف لے جاتی ہیں اس کیلئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور قیدیوں اور مجرموں کو سپاہی ہانکتے اور مارتے ہوئے جیل کی طرف لے جاتے ہیں تو اس کیلئے بھی یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ فرق صرف محلِ استعمال سے پیدا ہوتا ہے لفظ کے استعمال سے نہیں۔ اس لئے پہلی آیت میں یہی لفظ اہلِ جہنم کو ہانک کر لے جانے کیلئے استعمال ہوا ہے۔ اور یہاں یہ لفظ اہلِ جنت کو جلوس کی شکل میں فرشتوں کے جھرمٹ میں تہنیت کے شور میں نہایت عزت کے ساتھ لے جانے کیلئے استعمال ہوا ہے۔

یہاں ایک بہت اہم بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ کافر جو بالآخر انجام کے طور پر جہنم میں داخل کئے گئے، یہ وہ لوگ تھے جن کا اصل مرض تکبر اور غرور تھا۔ اسی وجہ سے وہ حق کی بات کو قبول کرنے سے قاصر رہے کیونکہ حق جس واسطے سے ان تک پہنچ رہا تھا ان کے نزدیک نہایت کمزور واسطہ تھا، وہ صرف طاقت اور قوت کی زبان سے واقف تھے۔ شرافت، سنجیدگی، للہیت جو بے کس اور بے بس زبانوں سے نکلے اس کا سننا ان کے تکبر کیلئے مشکل تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ان کا تکبر ایمان کے راستے میں حائل ہوگیا اور وہ کفر کی وادیوں میں کھو کر جہنم کا ایندھن بن گئے۔ لیکن جو لوگ جنت میں پہنچے یہ وہ صاحبِ ایمان تھے جن کے اندر تقویٰ موجود تھا۔ خشیتِ الٰہی جن کا زیور تھی۔ جب بھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی بات سنی تو فوراً اس کی قبولیت کیلئے لپکے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ایمان وعمل میں ایسی پاکیزگی پیدا ہوئی اور ایسی ترقی ہوئی کہ آخر وہ جنت میں پہنچ گئے۔

یہ لوگ چونکہ نہایت اعزاز کے ساتھ جنت میں لے جائے جائیں گے اور ایک جمِ غفیر ان کا استقبال کرے گا تو ان کے اعزاز میں پہلے سے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ کیونکہ مہمان کے پہنچنے پر مہمان خانے کا دروازہ کھلنا یہ عزت کی علامت نہیں۔ البتہ پہلے سے دروازوں کا کھلنا اور دروازوں پر استقبال کرنے والوں کا کھڑا ہونا یہ مہمان کی عزت افزائی کی علامتیں ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا کہ ان کے پہنچنے سے پہلے دروازے کھل چکے ہوں گے اور جنت کے نگہبان اور داروغے جیسے ہی ان کے استقبال سے فارغ ہوں گے تو انہیں سلامتی اور شادمانی کی دعائیں دیں گے اور ساتھ ہی یہ مژدہ سنائیں گے کہ یہ جنت صرف آپ کی مہمانی کیلئے ہی نہیں بلکہ آپ کی سکونت کیلئے ہے جس میں آپ ہمیشہ رہیں گے۔ اس سے نکلنے کا کبھی کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ
مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾

(اور اہلِ جنت کہیں گے، شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہم کو ارضِ جنت کا وارث بنایا، اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں، بس کیا ہی خوب صلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کا۔ ۷۴)

Marfat.com

اہلِ جنت کا اظہار تشکر

اہلِ جنت جب دیکھیں گے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعے ہم سے جو وعدے کئے تھے وہ جنت اور اس کی نعمتوں کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے سب پورے کردیئے۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے ایفاء نہ ہونے کا بھی امکان ہوسکتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ لیکن انسانوں کا کوئی عمل ایسا نہیں جو بتمام وکمال ناتمامی اور کمزوری سے پاک ہو۔ اس لئے اس بات کا ہر وقت دھڑ کا لگا رہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے ہمارے ایمان وعمل اور اخلاص وتقویٰ کے حوالے سے کئے ہیں وہ ہماری کمزوریوں کے باعث شاید پورے نہ کئے جاسکیں۔ اور ممکن ہے کہ اشارہ اس بات کی طرف بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کسی وعدے کو پورا کرنا محض اس کا فضل وکرم ہے وہ کسی بات کا پابند نہیں۔ لیکن اہلِ جنت جب جنت کی بے شمار نعمتوں کو دائیں بائیں فراوانی سے دیکھیں گے تو بے ساختہ ان کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کے کلمات جاری ہوجائیں گے۔ اور یہ دیکھ کر تو ان کی خوشیوں کی انتہا نہیں رہے گی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے صرف جنت میں ٹھہرنے کا اعزاز نہیں بخشا بلکہ اسے ہماری وراثت بنا دیا ہے۔ اب ہم جہاں چاہیں رہیں، آئیں جائیں، فروکش ہوں، کوئی راستے میں حائل ہونے والا نہیں۔ آخر میں نہایت خفیف انداز میں ایک بڑی اہم بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ کیا ہی خوب صلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے وہ ہر شخص کے عمل کا نتیجہ ہے اور یہ عمل ہی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے فضل کو دعوت دی ہے۔ نہ اس میں کسی کی سفارش کام آئی ہے اور نہ کسی نسبت نے اپنا کام دکھایا ہے۔ تو جو لوگ فرضی سفارشوں پر بھروسہ کرکے بیٹھے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جنت عمل کرنے والوں کی جگہ ہے سفارشیں ڈھونڈنے والوں کی نہیں۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

(اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرشِ الٰہی کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں، اپنے رب کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ کرتے ہوئے، اور لوگوں کے درمیان ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کردیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ سب خوبی اللہ کیلئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ ۷۵)

حاملینِ عرش کا حال

جب جزاء وسزا کا عمل جاری ہوگا، اصحابِ ایمان وعمل اور اصحابِ تقویٰ کو جنت میں پہنچادیا جائے گا اور اہلِ کفر کو جہنم کی نذر کیا جارہا ہوگا تو تم فرشتوں کو دیکھو گے جو ڈرے سہمے ہوئے، لرزاں وترساں عرشِ الٰہی کے گرد حلقہ بنائے کھڑے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں مصروف ہوں گے۔ اور یہ وہ فرشتے ہیں جنہیں حاملینِ عرش کہا جاتا ہے۔ جو بعض روایات کے مطابق اس وقت بھی زندہ رکھے جائیں گے جب نفخہِ اولیٰ میں سب مخلوق موت کی نیند سو جائے گی۔ لیکن قیامت کی ہولناکی سے متاثر ہوکر انہیں اس بات کا ہوش نہ ہوگا کہ وہ آگے بڑھ کر کسی کی سفارش کرسکیں۔ رہے عام فرشتے جو ان کے مقابلے میں مقام ومرتبہ کے اعتبار سے بہت چھوٹے ہیں ان کے

Marfat.com

بارے میں مشرکینِ عرب کا یہ خیال کہ وہ قیامت کے دن ان کی سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں بچا لیں گے اس کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے۔ اس وقت تو ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی وہ دوسرے کسی کے کیا کام آئے گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ قیامت میں تمام لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک انصاف اور حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جو جس صلے اور معاوضے کا اہل ہوگا اسے دے دیا جائے گا۔ نہ اہلِ جنت کے مراتب میں کمی کی جائے گی اور نہ اہلِ جہنم پر ظلم ہوگا۔ یہ سب کچھ انصاف اور عدل کے مطابق ہوگا، کسی کی مداخلت اور سفارش کام نہیں آئے گی اور نہ کوئی مداخلت کی جرأت کر سکے گا۔ جب ہر طرف انصاف اور عدل کا پھریرا لہرائے گا اور ہر طرف عدل کی روشنی پھیلے گی اور ہر کوئی بچشمِ سر اللہ تعالیٰ کے انصاف کو بروئے کار آتا دیکھے گا تو پکار اٹھے گا کہ ہر طرح کی تعریف اور شکر کا سزاوار وہ اللہ ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اس لئے کہ جو چیز ہمیشہ مشکل رہی ہے اور اس کا اشکال انسان کے دل و دماغ کا حصہ بن چکا ہے وہ مکمل طور پر عدل کا نافذ ہونا ہے اور نیک و بد کے فرق و امتیاز کا قائم ہونا ہے۔ جب قیامت کے دن پوری طرح اس عدل کا ظہور ہوگا اور ہر طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت چھا رہی ہوگی تو یقیناً میدانِ حشر کے ہر گوشے سے اللہ تعالیٰ کی حمد کا ترانہ بلند ہوگا۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ

(۴۰)

Marfat.com

تعارف

سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام اَلْمُؤْمِنِ ہے۔اس سورۃ کی اٹھائیسویں آیت میں ایک مردِ مومن کا ذکر ہے۔اسی آیت سے یہ مومن لفظ ماخوذ ہے اور اس سورۃ کو اس لفظ سے موسوم کیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول:۔ حضرت ابنِ عباسؓ اور حضرت جابر بن زیدؓ سے منقول ہے کہ یہ سورۃ سُوْرَۃُ الزُّمَرِ کے معابعد نازل ہوئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں اور ایک ہی زمانے کی ہیں۔

حالاتِ نزول:۔ آنحضرت ﷺ کے ارشادات اور تاریخ سیرت سے ایسی کوئی بات ہم تک نہیں پہنچی جس کے حوالے سے یقینی طور پر سورۃ کے نازل ہونے کے وقت جو حالات تھے اس کی منظر کشی کی جاسکے۔البتہ سورۃ کے مندرجات کو دیکھتے ہوئے جو چیزیں مترشح ہوتی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت حالات میں سخت تناؤ پیدا ہو چکا تھا۔حق و باطل کی کشمکش آویزش کی شکل اختیار کر چکی تھی۔آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ و اشاعت میں حسبِ معمول پوری توانائی سے کوشاں تھے۔لیکن کفارِ مکہ بھی اس روشنی کو پھیلنے سے روکنے کیلئے مقدور سے بڑھ کر کوششیں کر رہے تھے۔سورۃ کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کیخلاف دو طرح کی کاروائیاں شروع کر رکھی تھیں۔ایک تو یہ کہ وہ ہر طلوع ہونے والے دن کے آغاز میں آنحضرت ﷺ اور اسلام کیخلاف نئے نئے شبہات اور نئے وسوسے لوگوں کے دلوں میں پیدا کر رہے تھے۔ ہر روز ایک نیا سوال اٹھایا جاتا اور پھر ہر مجلس میں آنحضرت ﷺ سے اس کا جواب طلب کیا جاتا۔اس سے ان کے پیشِ نظر یہ تھا کہ شبہات اور وساوس کی ایسی فصل اگائی جائے اور دلوں میں اس طرح اس کے کانٹے بو دیئے جائیں کہ آنحضرت ﷺ اور مسلمان اس فصل کو کاٹتے اور ان کانٹوں کو چنتے چنتے اس قدر تھک جائیں کہ تبلیغ و دعوت کا کام ان کی ترجیحات میں بہت پیچھے رہ جائے۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی نیا شخص اس دعوت کے قریب نہیں آئے گا اور جو لوگ کسی حد تک متاثر ہو رہے ہیں وہ تنگ آ کر پیچھے ہٹ جائیں گے۔ چنانچہ اس سورۃ میں جہاں ان شبہات کا ازالہ فرمایا گیا وہیں اللہ تعالیٰ کی صفات کے تذکرے سے مسلمانوں کے دلوں کو باندھا گیا اور ان کو ایک ایسے نئے عزم سے آراستہ کیا گیا جن پر قریش کی کاوشیں اثر انداز ہونے سے قاصر تھیں۔

اہلِ مکہ دوسری کاروائی یہ کر رہے تھے کہ آپ کو قتل کرنے کیلئے زمین ہموار کی جارہی تھی، سازشوں کے جال پھیلائے جارہے تھے اور مخالفین کے دلوں میں موہوم اندیشوں کے پیشِ نظر بغض کا زہر بھرا جارہا تھا تا کہ جب بھی اس اقدام کا فیصلہ کر دیا جائے تو لوگوں کو اس پر عمل کرنے میں تامل نہ ہو۔اور اگر خدانخواستہ اسے عملی جامہ پہنا دیا جائے تو کسی طرف سے بنی ہاشم کی تائید کیلئے آواز نہ اٹھ سکے۔ یہ شاید اس

Marfat.com

پروپیگنڈے کا اثر تھا کہ اہلِ مکہ کی محبتیں نفرتوں میں تبدیل ہو چکی تھیں اور آنحضرت ﷺ کی ہر دلعزیزی دشمنی کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک روز نبی کریم ﷺ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے یکا یک عقبہ بن ابی معیط آگے بڑھا اور آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر اسے بل دینا شروع کر دیا تاکہ گلا گھونٹ کر آپ کو مار ڈالے۔ مگر عین وقت پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ پہنچ گئے اور انہوں نے دھکا دے کر آنحضرت ﷺ کو اس سے بچایا۔ چنانچہ ان دونوں بنیادی کارروائیوں کے حوالے سے اس سورۃ میں ہدایات دی گئی ہیں۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب جو آنحضرت ﷺ پر نازل کی جا رہی تھی اور جو اسلامی دعوت کا اصل مرجع اور مقصد تھی اس کا تعارف کراتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اسے اس عظیم ذات نے نازل کیا ہے جو عزیز بھی ہے اور علیم بھی۔ پھر اس کی مزید متعدد صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ پیشِ نظر یہ ہے کہ کفارِ مکہ اس دعوت کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی اس غلط فہمی کو دور کر لیں کہ یہ دعوت شاید خود بخود زمین کے کسی گوشے سے نکلی ہے جس کا نہ کوئی مبدا ہے اور نہ معاد۔ اسے اس خالقِ کائنات نے نازل کیا ہے جس کی بے شمار صفات ہیں اور وہ ایسا غالب اور مقتدر ہے کہ اس کے فیصلوں کو روکا نہیں جا سکتا۔ اور وہ ایسا علیم ہے کہ نہ اس کے یہاں بے خبری پائی جاتی ہے اور نہ وہ کسی سازش سے بے خبر رہتا ہے۔ اس لئے مخالفین چھپ چھپ کر جو اس دعوت کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں انہیں آخر کار ناکامی ہوگی۔ اور پھر ساتھ ہی ساتھ ان شبہات کا ازالہ بھی فرمایا گیا ہے جسے مخالفین اپنا کامیاب اسلحہ سمجھ کر بڑی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔

قتل کی سازشوں کے جواب میں مومنِ آلِ فرعون کا قصہ سنایا گیا ہے۔ اور اس قصے کے ذریعے تبلیغ و دعوت کے حوالے سے تین گروہوں کو مختلف سبق دیئے گئے ہیں۔

۱۔ کفار کو یہ بتایا گیا ہے کہ تم اپنی طاقت کے بل بوتے پر جو کچھ نبی کریم ﷺ کیخلاف کرنا چاہتے ہو، یہ کوئی نئی بات نہیں، فرعون نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہی کچھ کرنا چاہا تھا۔ لیکن وہ اپنی تمام کوششوں کے باوجود نہ صرف اس میں ناکام رہا بلکہ خود عبرت کا سامان بن گیا۔ کیا تم بھی سامانِ عبرت بننا چاہتے ہو۔

۲۔ نبی کریم ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ جس طرح طاقت کے نشے نے قریش کو اندھا کر رکھا ہے اور وہ اسی کے بل بوتے پر سب کچھ کر گزرنا چاہتے ہیں، فرعون ان سے زیادہ طاقت کا مالک تھا۔ اور جتنے تم ان کے مقابلے میں بے بس ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلے میں اس سے زیادہ بے بس تھے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے اور قرآنِ کریم اسی کے حوالے سے کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سرفراز فرمایا اور فرعون ہمیشہ کیلئے قعرِ مذلت میں ڈبو دیا گیا۔ اسی طرح آپ کو قریش سے مرعوب ہونے یا ان سے خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ ان کی ہر دھمکی کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑیں اور اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر خطرات سے بے پرواہ ہو کر اپنے فریضے کی انجام دہی میں لگ جائیں۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کی نصرت آکے رہے گی اور آج کے فرعون بھی وہی کچھ دیکھ لیں گے جو کل کے فرعون دیکھ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سرافراز فرمائے گا اور قریش فرعون کی طرح رسوا ہو کر رہیں گے۔

۳۔ سرزمینِ مکہ پر ایک تیسرا گروہ بھی تھا جو نہ کافر تھا اور نہ مومن۔ لیکن دلوں میں وہ لوگ نبی کریم ﷺ کی صداقت اور اللہ تعالیٰ کے دین کی حقانیت کے قائل ہو چکے تھے۔ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ قریش سراسر زیادتی کر رہے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی دعوت ایک نہ ایک دن کامیاب و کامران ہوگی۔ لیکن حالات کے تیور دیکھ کر وہ اٹھنے کا حوصلہ نہیں کر رہے تھے۔ خاموشی سے حق و باطل کی اس

Marfat.com

کشمکش کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ آلِ فرعون کے مومن کا ذکر فرما کران کے ضمیر کو جھنجھوڑا گیا ہے۔ انہیں اس مردِ مومن کے حوالے سے حوصلہ دیا گیا ہے کہ دیکھو ایک تنہا شخص تھا، اس نے فرعون کے بھرے دربار میں اس وقت اپنا فرض انجام دیا اور تمام مصلحتوں کو پسِ پشت پھینک دیا۔ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا۔ بپھرے ہوئے اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا نہایت خطرناک ہوتا ہے لیکن اس مردِ مومن نے اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ کہہ کر ساری مصلحتوں کو ٹھکرا دیا۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ فرعون اپنی تمام تر حشمت وطاقت کے باوجود اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

جو لوگ فرشتوں کو اپنا سفارشی سمجھ کر قیامت سے بے پرواہ بیٹھے تھے انہیں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے اللہ تعالیٰ کے باغیوں کے سفارشی نہیں ہیں بلکہ وہ ہر وقت اس کی حمد وتسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور ان اہلِ ایمان کیلئے برابر استغفار کرتے رہتے ہیں جو اپنی گمراہیوں سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کے راستے کی پیروی کریں۔

توحید اور آخرت کے ان عقائد کا برحق ہونا ثابت کیا گیا ہے جو نبی کریم ﷺ اور کفار کے درمیان اصل بنائے نزاع تھے۔ اور پھر قیامت کے انکار کے پس منظر میں جو اصل محرکات کارفرما تھے انہیں بے نقاب کیا گیا ہے۔ جن کی بنیاد پر سردارانِ قریش اس قدر سرگرمی کے ساتھ نبی کریم ﷺ کیخلاف برسرِ پیکار تھے۔ انہیں فکر صرف یہ تھی کہ اگر لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کو تسلیم کر لیا تو ہماری بڑائی قائم نہ رہ سکے گی اور ہمارے کبر وغرور کے تمام اسباب خاک میں مل جائیں گے۔

پھر قیامت کے دن مشرکین جس طرح اپنے جرم کا اقرار اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے اور ان کی فریاد کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر جو پھٹکار ہوگی اس کا اجمالاً ذکر فرمایا گیا ہے۔

پھر معذب قوموں کی تاریخ سے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ اس سے قریش کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم نے اپنی روش نہ بدلی تو تمہارا انجام بھی یہی ہونے والا ہے۔

نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کو یہ یاددہانی کرائی گئی ہے کہ دعوتِ حق کے مخالفین کے ہاتھوں جو آزمائشیں پیش آ رہی ہیں، صبر وعزیمت کے ساتھ ان کو برداشت کریں۔ اگر آپ اپنے موقفِ حق پر ڈٹے رہے تو بالآخر کامیابی آپ ہی کو حاصل ہوگی۔ اور اس سلسلے میں کفارِ مکہ کو پے در پے تنبیہات کی گئی ہیں۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ٨٥	سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ (٤٠)	رُكُوْعَاتُهَا ٩

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٢﴾ غَافِرِ
الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿٣﴾ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿٤﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ
نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ
لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٥﴾ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿٦﴾ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ
حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ
تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٧﴾ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ
جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ
اَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٨﴾ وَقِهِمُ

Marfat.com

السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٩﴾

رکوع: ا۔ (ح .م. ا) اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۲) گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا اور بڑے فضل والا ہے، کوئی معبود اس کے سوانہیں، اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ۳) اللہ کی آیات میں کج بحثیاں نہیں کرتے، مگر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، تو ملکوں میں ان کی چلت پھرت آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ ۴) ان سے پہلے نوح کی قوم بھی جھٹلا چکی ہے اور ان کے بعد کئی گروہ بھی جھٹلا چکے ہیں اور ہر امت نے اپنے رسول پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کیا، اور انہوں نے کوشش کی باطل کے ذریعے سے، تا کہ اس سے حق کو پسپا کردیں، تو میں نے ان کو پکڑ لیا، پھر کیسا تھا میرا عذاب۔ ۵) اور اسی طرح تیرے رب کی بات ان لوگوں پر چسپاں ہو چکی ہے جنہوں نے کفر کیا کہ یہ لوگ جہنم میں پڑنے والے ہیں۔ ۶) جو عرش کو اٹھائے ہوئے اور وہ جو عرش کے اردگرد حاضر رہتے ہیں وہ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، پس معاف کردے ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے کی پیروی کی ہے، اور ان کو عذابِ جہنم سے بچا۔ ۷) اے ہمارے رب! اور داخل کر ان کو ہمیشہ رہنے والی ان جنتوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے، اور ان کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو صالح ہوں، بے شک تو عزیز ہے اور حکیم ہے۔ ۸) اور ان کو برائیوں سے بچا اور جس کو تو نے قیامت کے دن برائیوں سے بچالیا تو، تو نے اس پر بڑا رحم فرمایا، اور یہی درحقیقت بڑی کامیابی ہے۔ ۹)

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٢﴾ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿٣﴾

(ح .م۔ا) اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۲) گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا اور بڑے فضل والا ہے، کوئی معبود اس کے سوانہیں، اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ۳)

Marfat.com

کتاب کا نزول احسان بھی ہے اور مخالفین کے لیے تنبیہ بھی

حٰمٓ ...... حروف مقطعات میں سے ہے۔اس پر مفصل بحث سورۃ فاتحہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔اس کے بعد سب سے پہلے قرآنِ کریم کا تعارف کرایا گیا ہے کہ یہ اتنی عظیم کتاب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا نازل کرنا خاص اہتمام سے ہوا ہے۔اس طرح سے اس نے نوعِ انسانی پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔کیونکہ تنزیل میں اہتمام کا معنی بھی شامل ہے۔اب جو لوگ بھی اس کتاب کو پڑھیں اور اس سے استفادہ کریں اور اسے زندگی کا رہنما بنائیں ان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے رب کے شکر گزار ہوں کہ اس نے ہماری ہدایت کیلئے ایک عظیم اہتمام فرمایا ہے۔اور ساتھ ہی ساتھ مخالفین اور منکرین کیلئے تنبیہ بھی کہ اگر انہوں نے اس کتاب سے ہدایت حاصل کرنے سے انکار کردیا یا سرے سے اسے منزل من اللہ ہی تسلیم نہ کیا تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جس پروردگار نے اس اہتمام کے ساتھ یہ کتاب اتاری ہے وہ عزیز بھی ہے۔یعنی سب پر غالب ہے۔اس کا فیصلہ نافذ ہو کر ہی رہتا ہے۔وہ ہر چیز پر قدرت واختیار رکھتا ہے، وہ مخالفت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں سزا دینے پر قادر ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کا ہاتھ پکڑ سکے۔

اس کتاب کے نازل کرنے والا علم کی نارسائی سے پاک ہے

مزید فرمایا کہ وہ علیم بھی ہے۔اس کتاب کے پڑھنے والوں کو یہ احساس ہونا چاہیئے کہ دنیا کی ہر کتاب کا لکھنے والا اپنی ذہانت، اپنے تجربے اور اپنے اندازے کے مطابق لکھتا ہے۔اور انسانی علم چونکہ غلطیوں سے پاک نہیں اور مزید یہ کہ وہ محدود بھی ہے۔کیونکہ علم ومعرفت کے جتنے ذرائع ہیں وہ حس وادراک سے باہر نہیں۔اس لئے جو باتیں وہ ماورائے حس وادراک حقیقتوں کے متعلق لکھی جاتی ہیں وہ محض ظن وتخمین پر مبنی ہوتی ہیں اور ان کے غلط ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔لیکن یہ دنیا کی واحد کتاب ہے کہ جس کا نازل کرنے والا جس طرح حس و ادراک کی دنیا سے باخبر ہے، اسی طرح ماورائے حس وادراک حقائق سے بھی آگاہ ہے۔اس کے سامنے نہ علم کی تقسیم ہے نہ علمی ذرائع کی۔جو چیز انسان کی استطاعت سے باہر ہے وہ اس کیلئے سامنے کی چیز ہے۔وہ باطن کو بھی اسی طرح جانتا ہے جس طرح ظاہر کو جانتا ہے۔وہ عالم الغیب والشھادۃ ہے۔اس کتاب سے استفادہ کرنے والا درحقیقت علم کے ایسے سرچشمے سے اپنا تعلق جوڑ لیتا ہے جو انسان کا خالق بھی ہے اور انسان کی فلاح وکامرانی کے بنیادی اور یقینی اسباب کو جانتا بھی ہے۔اس نے اپنی کتاب میں انسانی بہتری کیلئے جو اصول وقوانین دیئے ہیں اس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں۔اس کی ہر تعلیم حکمت اور علمِ صحیح پر مبنی ہے۔لہٰذا اس کی ہدایات کو قبول نہ کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ آدمی علم سے نہیں بلکہ جہالت سے وابستہ رہنا چاہتا ہے اور اسے فوز وفلاح سے کوئی دلچسپی نہیں، وہ تباہی کے راستے پر چلنا چاہتا ہے۔

اس کے علیم ہونے کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت اور قرآنِ کریم کی تنزیل کے بعد مکے میں جو کشمکش برپا ہے اس کی نوعیت کیا ہے، وہ کس مرحلے میں ہے، اس کے حقیقی محرکات کیا ہیں، اور مخالفین اس نئے دین کا راستہ روکنے کیلئے کیا سوچ رہے اور کیا کر رہے ہیں، اور وہ کیسی کیسی سازشوں کو بروئے کار لانا چاہتے ہیں۔مختصر یہ کہ اس کتاب کا نازل کرنے والا مخالفین کی ایک ایک حرکت سے آگاہ ہے۔اس لئے مخالفت کرنے والوں کو سوچ لینا چاہیئے کہ یہ کتاب کسی سائل کی درخواست نہیں ہے بلکہ خدائے عزیز وعلیم کا اتارا ہوا صحیفۂ ہدایت ہے۔

Marfat.com

پروردگار کی چند صفات کا ذکر

تیسری آیتِ کریمہ میں پروردگار نے اپنی مزید صفات بیان فرمائی ہیں جن میں پہلی صفت یہ ہے کہ وہ پروردگار جس نے یہ کتاب اتاری ہے وہ گناہ بخشنے والا اور توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔ یہ دونوں صفات بظاہر ایک ہی نظر آتی ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔ پہلی صفت کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اپنی زندگی میں بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر چکے ہیں اور اب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اتنے بڑے گناہوں کی معافی کسی صورت ممکن دکھائی نہیں دیتی۔ اس لئے اگر ہم اسلام قبول بھی کر لیں تو ہم اپنے گناہوں کی پاداش میں قیامت کے دن یقیناً پکڑے جائیں گے۔ تو ہمارے لئے اسلام کی قبولیت کیا معنی رکھتی ہے۔ ان کیلئے روشنی کا ایک دریچہ کھولا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے بندگی کی حدود سے بے پناہ تجاوز کیا ہے، لیکن انہیں امید رکھنی چاہئے کہ اگر وہ اپنی زندگی کو بدلنے کیلئے ایمان کا راستہ اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ اتنا رحیم ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی اطاعت میں اخلاص سے آگے بڑھنا چاہتا ہے تو نہ صرف اس کے ایمان اور اس کی نیکیوں کو قبول کیا جائے گا بلکہ اگر اس راستے میں اس سے چھوٹی بڑی غلطیاں بھی ہوں جنہیں صغیرہ گناہ کہا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے صغائر کو اس کی نیکیوں کی وجہ سے بخش دے گا۔ چاہے وہ اپنی غلطیوں کو خود بھول بھی چکا ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے دل و دماغ میں بندگی اس حد تک اتر گئی ہو کہ سرکشی کے داغ تک مٹ چکے ہوں۔ پھر نہ صرف پروردگار نیکیوں کے بدلے میں خطائیں معاف فرمائے گا بلکہ اگر وہ کبھی کسی تکلیف یا مصیبت میں مبتلا ہوگا یا کبھی کسی بیماری سے دوچار ہوگا، تو تکلیفیں اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائیں گی۔ لیکن اگر اس نے کبائر کا ارتکاب کیا یعنی اس سے بڑے بڑے گناہوں کا صدور ہوا، یعنی ایسے گناہ جن سے قرآن و سنت میں تاکید سے روکا گیا ہو یا جن کے کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے یا جن گناہوں پر سابقہ قوموں پر عذاب نازل ہو چکے ہیں ایسے گناہ، گناہِ کبیرہ کہلاتے ہیں۔ اس کی بخشش کیلئے توبہ ضروری ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسا رجوع جس میں اپنے گناہوں پر ندامت، آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد، اللہ تعالیٰ کے سامنے رو رو کر گناہوں سے معافی شامل ہو، تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ بڑے سے بڑے گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ لیکن اگر ان گناہوں کا تعلق فرائض سے ہو جن کی قضاء ہو سکتی ہے تو پھر ان کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر ان کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو ان حقوق کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس کوتاہی کی معافی بھی کہ میں بروقت ان فرائض کو ادا نہ کر سکا اور مجھ سے ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی تو یقیناً ایسا مومن اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا پائے گا۔

تیسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ سخت عذاب دینے والا ہے یعنی کوئی آدمی یہ دیکھ کر کہ لوگ گناہ پر گناہ کرتے ہیں لیکن کبھی ان کی گرفت نہیں ہوتی، گناہوں پر دلیر ہوتا جائے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو محض ایک افسانہ سمجھے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دیر ضرور ہے اندھیر نہیں۔ وہ سنبھلنے کا موقع دیتا ہے اس لئے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔ اور اسے یہ اندیشہ بھی نہیں ہوتا کہ اگر میں نے گرفت نہ کی تو یہ مجرم میری دسترس سے نکل جائے گا۔ لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی شخص بغاوت و سرکشی میں تمام حدود کو پامال کر گیا ہے تو پھر وہ اسے مزید مہلت نہیں دیتا۔ لیکن پھر اس کی سزا ایسی ہولناک ہوتی ہے کہ جس کا تصور بھی کپکپی پیدا کر دینے والا ہے۔

Marfat.com

پانچویں صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ طَوْل والا ہے۔ طَوْل کا معنی قدرت کے بھی ہیں اور فضل و کرم کے بھی۔ اگر تقابل کے اصول کو ملحوظ رکھا جائے تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ بڑی قدرت والا ہے، کسی شخص کو یہ گمان نہ ہو کہ کوئی اس کی گرفت سے بچ سکتا ہے۔ وہ ایسی قدرت والا ہے کہ ایک لمحے میں ساری کائنات کو تباہ کر سکتا ہے اور پھر اسے زندہ بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کا ترجمہ فضل و کرم کیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس کا عذاب بے پناہ ہے اور اس کی گرفت انتہائی شدید ہے، اسی طرح اس کی رحمت بھی بے پایاں ہے۔ وہ کشادہ دست، غنی اور فیاض بھی ہے۔ تمام مخلوقات اسی کے خوانِ کرم سے فیض پا رہی ہیں۔ جس کو جو کچھ مل رہا ہے وہ سب اس کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔

حاصل ان صفات کا یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ اور معبود نہیں۔ اور آخر ایک دن سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ہر ایک کو وہی نوازتا ہے، وہی پکڑتا ہے، وہی رحمت کا معاملہ کرتا ہے، وہی سخت عذاب دینے والا ہے۔ تو پھر اس کے سوا کسی اور معبود کیلئے کیا گنجائش ہے۔ اور مر کر آخر جانا بھی اسی کے حضور ہے۔ اسی کے سامنے اپنے ایک ایک عمل کی جوابدہی کرنا ہوگی۔ وہاں اس کے اذن کے بغیر کوئی کسی کیلئے سفارش نہ کر سکے گا۔ کس قدر حماقت کی بات ہے کہ اتنے واضح حقائق کے بعد بھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرے یا غلط سہاروں پر زندگی گزارے۔

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝۴

(اللہ کی آیات میں کج بحثیاں نہیں کرتے، مگر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، تو ملکوں میں ان کی چلت پھرت آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ ۴)

کج بحثی کرنے والوں کو تنبیہ اور ان کی بظاہر خوشحالی سے بے نیازی کی ترغیب

نبی کریم ﷺ اور آپ کی دعوت کے مخالفین ہمیشہ یہ کوشش کرتے کہ اسلام کی دعوت کے حوالے سے کوئی نہ کوئی الٹی سیدھی بات ہانکتے رہیں۔ قرآنِ کریم کی کسی آیت کے بارے میں کبھی کوئی نکتہ اٹھاتے، کبھی کوئی بحث چھیڑتے، کبھی کسی بات کی مین میخ نکالتے، کبھی کسی آیت کے حوالے سے شبہات و الزامات کی عمارتیں کھڑی کر دیتے۔ کلام کے اصل مدعا کو نظر انداز کر کے اس کو غلط معنی پہناتے۔ اس طرح سے ان کی کوشش ہوتی کہ لوگوں کو اصل دعوت سمجھنے کا موقع نہ دیا جائے اور نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو اصل کام کرنے کی بجائے راستے کے ان ہی کانٹوں کو چننے پر لگا دیا جائے۔

عجیب بات یہ ہے کہ آج ہم یہ سمجھتے ہیں کہ شاید کسی دعوت کو ناکام کرنے یا اس کی منزل کھوٹی کرنے کا یہ ایک نیا طریقہ ہے۔ جس کو آج کے دور نے ایجاد کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کوئی برائی نئی نہیں ہوتی بلکہ اس کا سررشتہ کسی نہ کسی طرح دوسری برائی کے ساتھ بندھا ہوتا ہے۔ اسی طرح حق کا راستہ روکنے کے جتنے ذرائع ہیں وہ حالات کے مطابق ہر دور میں یکساں ہوتے ہیں۔ آج بھی سب سے زیادہ زور بات کو بگاڑنے، کج بحثی کرنے، عبارت کو کانٹ چھانٹ کر اپنے ڈھب کا مطلب پیدا کرنے اور الفاظ کو سیاق و سباق سے کاٹ کر کچھ سے کچھ بنا دینے کا فن عروج پر ہے۔ اور اسی کو اس دور میں بھی استعمال کیا جاتا تھا جس کا قرآنِ کریم ذکر کر رہا ہے۔ اور مزید غلط فہمی یہ پیدا کی جاتی تھی کہ بڑے کاروبار والے لوگوں کا مختلف شہروں اور مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے کاروبار اور خوشحالی کی مختلف صورتوں کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا

Marfat.com

تھا کہ اتنے بڑے کاروبار والے لوگ جو ملکوں ملکوں اور شہروں شہروں میں اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کیلئے دوڑے بھاگے پھر رہے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ ساری خوشحالی اس لئے دے رکھی ہے کہ وہ کل کو جہنم کا ایندھن بننے والے اور اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے نہایت گرے ہوئے لوگ ہیں، یقیناً ایسا نہیں ہوسکتا، کوئی درباری اپنے بادشاہ کی نظر سے گر کر کبھی کسی بڑے منصب کا اہل نہیں سمجھا جاتا۔ اور نہ اس کے گھر میں خوشی کے شادیانے بجتے ہیں۔ لیکن جس کو صاحبِ منصب اور امیر کبیر دیکھا جاتا ہے تو یقیناً اس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بادشاہ کا منظورِ نظر اور اس کی نگاہوں میں عزت والا ہے۔ اس کا رد کرتے ہوئے پروردگار فرما رہا ہے، اے پیغمبر! آپ ان کے کاروبار اور ان کی اس چلت پھرت کو دیکھ کر کسی غلط فہمی میں مبتلاء نہ ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں۔ ہم نے ان کو یہ سب کچھ ان کی آزمائش کیلئے دیا ہے اور ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیا یہ سب کچھ پانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندے رہتے ہیں یا اس کے بداطوار بندے بن کر کافر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے پاس امانت سمجھتا ہے تو وہ ہمیشہ اس کا حق ادا کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ وہ کبھی اس سے سرکشی اختیار نہیں کرتا۔ اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ بھی کبھی یہ طرزِ عمل اختیار نہیں کرسکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو غلط استعمال کرے اور یا اس کی آیات میں مین میخ نکالے۔ یہ باتیں صرف کافر کو زیب دیتی ہیں۔ تو جب تک یہ لوگ اپنے کفر سے تائب نہیں ہوتے اس وقت تک ان سے ایسی حرکتوں کا صدور قابلِ تعجب نہیں۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُولِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝٥

(ان سے پہلے نوح کی قوم بھی جھٹلا چکی ہے اور ان کے بعد کئی گروہ بھی جھٹلا چکے ہیں اور ہر امت نے اپنے رسول پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کیا، اور انہوں نے کوشش کی باطل کے ذریعے سے تاکہ اس سے حق کو پسپا کر دیں، تو میں نے ان کو پکڑ لیا، پھر کیسا تھا میرا عذاب۔ ۵)

مخالفین کے انجام پر تاریخ سے استشہاد

اوپر کی آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ شہروں اور ملکوں میں ان کی چلت پھرت، دوڑ بھاگ اور لمبا چوڑا کاروبار آپ کو کسی دھوکے میں نہ ڈالے کہ یہ لوگ شاید اللہ تعالیٰ کے منظورِ نظر ہیں اور اپنی سرکشی کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں گے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر شہروں میں پھیلا ہوا کاروبار اور ملکوں پر تسلط، ٹھاٹ باٹ اور کروفر کسی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکتا تو پھر کم از کم ان قوموں پر عذاب نہ آتا جو اس زمین پر حکومت کر چکی ہیں اور بہت بڑی دولت و رفاہیت کی مالک تھیں اور اپنے وقتوں میں کوئی دوسری قوم ان کی ہم پلہ نہ تھی۔ چنانچہ اس کی تائید میں پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں چند قوموں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئیں۔ ان میں سب سے پہلے قومِ نوح کا ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے مقابلے میں ان کے مخالفین نہ صرف کاروبار پر بلکہ ملک پر قابض تھے اور نہایت طمطراق سے ملک چلا رہے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جب انہیں پکڑا تو کسی ایک بچے کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔ اسی طرح ان کے بعد کتنی قومیں آئیں جنہوں نے یہی رویہ اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تباہ کر دی گئیں۔ اس سے اشارہ عاد و ثمود اور دوسری معذب قوموں کی طرف

Marfat.com

ہے۔ان میں سے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی تکذیب کی، اللہ تعالیٰ کے رسول کو گرفتار کرنا چاہا اور اپنی فضول بحثوں اور کج بحثیوں سے حق کو پسپا کرنے کی کوشش کی۔لیکن اس سے پہلے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول پر ہاتھ ڈالیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا۔اور پھر تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کتنا شدید تھا اور یہ قومیں کس بری طرح پامال ہوئیں۔

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش کو تنبیہ کی گئی ہے کیونکہ جس زمانے میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ہے اس وقت قریش آنحضرت ﷺ کو گرفتار کرنے اور محبوس کر دینے کے مشورے کر رہے تھے۔چنانچہ انہیں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر تم کوئی اس قسم کا اقدام کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو اس کے نتائج پر اچھی طرح غور کر لو۔جس طرح پہلی قومیں اپنی اس طرح کی حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئیں، تم اس طرح کے اقدامات سے اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت نہ دو۔

وَکَذٰلِکَ حَقَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶

(اور اسی طرح تیرے رب کی بات ان لوگوں پر چسپاں ہو چکی ہے جنہوں نے کفر کیا کہ یہ لوگ جہنم میں پڑنے والے ہیں۔ ۶)

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ مسلط ہو کر رہتا ہے

اس آیت میں کلمے سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ فیصلہ ہے جو ابلیس کے چیلنج کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کی پیروی کریں گے، اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں بھر دے گا۔اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہر وہ قوم جو کفر کا راستہ اختیار کرے گی اس پر چسپاں ہو کر رہے گا۔جو قومیں اس سے پہلے عذاب کا شکار ہو چکیں ان پر یہ فیصلہ چسپاں ہو چکا۔یعنی وہ عذاب ان کیلئے آخری عذاب نہ تھا بلکہ اصل عذاب تو قیامت کے دن ہو گا۔اسی طرح اب اگر قریش اسی راستے پر چلنا چاہتے ہیں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ان پر بھی ثابت ہو کر رہے گا۔یعنی دنیا میں وہ عذاب آئے گا جو دراصل عذابِ جہنم کی تمہید ہے اور پھر جہنم یعنی آگ کا عذاب وہ اس عذاب کی تکمیل کی صورت میں آئے گا اور اسی عذاب کو قرآنِ کریم نے عذابِ اکبر قرار دیا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِہٖ
وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَۃً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ
لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ وَقِھِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝۷

(جو عرش کو اٹھائے ہوئے اور وہ جو عرش کے اردگرد حاضر رہتے ہیں وہ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، پس معاف کر دے ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے کی پیروی کی ہے، اور ان کو عذابِ جہنم سے بچا۔ ۷)

Marfat.com

مسلمانوں کو تسلی اور فرشتوں کو سفارشی سمجھنے والوں کو تنبیہ

اس آیتِ کریمہ میں نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے اور ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنا سفارشی اور نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تم کفارِ مکہ کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے یقیناً نہایت دل شکستہ ہو رہے ہو۔ یقیناً تمہیں اپنی بیچارگی کا کبھی نہ کبھی خیال آتا ہوگا، لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ جو لوگ تمہیں تکلیف پہنچا رہے ہیں وہ نہایت گھٹیا اور رزیل لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی مقام نہیں۔ ان کی باتوں کا کیا اثر لینا، تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے ایسا مقام عطا فرمایا ہے کہ عرشِ الٰہی کے حامل فرشتے اور عرش کے گردو پیش حاضر رہنے والے ملائکہ تک تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ عام فرشتے نہیں بلکہ سلطنتِ خداوندی کے ستون اور فرماں روائے کائنات کے ہاں قرب کا مقام رکھنے والے ہیں۔ اور جیسے تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان رکھتے ہیں یعنی تمہاری اور ان کی نسبت ایک ہے۔ اور کفارِ مکہ کے مقابلے میں چونکہ تم ہی اس نسبت کے پاسبان ہو، اس لئے انہیں اس نسبت کا تقدس اور پاسداری کا اتنا خیال ہے کہ وہ برابر تمہارے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ اور وہ یہ دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! تو اپنی رحمت اور علم سے ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، یعنی تیری رحمت کا دامن بھی وسیع ہے اور تیرے علم کا بھی۔ تو اپنے علم کی وسعت کی وجہ سے ہر شخص کے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔ تو اصحابِ ایمان کی کمزوریوں سے بھی آگاہ ہے اور ان کی خوبیوں سے بھی۔ ہم تیری بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے ایسے مشکل حالات میں ہر طرف سے کٹ کر تیرا دامن پکڑا ہے اور تیرے ہی راستے پر چلنے کا تہیہ کر رکھا ہے تو ان سے رحمت کا معاملہ فرما اور ان کے گناہوں کو بخش دے۔ اور معافی کا اصل نتیجہ چونکہ جنت ہے اور جہنم سے بچاؤ ہے اس لئے تو ان کی بخشش کو ایسا بار آور فرما کہ جہنم کی آگ ان پر حرام ہو جائے۔

دعا میں خاص طور پر یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ اس میں پروردگار سے جن چیزوں کی التجا کی جا رہی ہے ان کو اختصار سے نہیں بلکہ وسعت کے ساتھ مانگا جا رہا ہے۔ یہ دعا کا خاص اسلوب ہے اور یہ وہی اختیار کرتا ہے جسے اس کے ساتھ گہری دلچسپی ہو جس کیلئے وہ دعا مانگ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کو اہلِ ایمان کے ساتھ ایسا گہرا رشتہ ہے کہ وہ نہایت عاجزی اور الحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور مسلمانوں کی مغفرت کی التجا پیش کر رہے ہیں۔

اس آیت میں کافروں کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ عام فرشتے نہیں بلکہ وہ فرشتے جو خاص مرتبے کے حامل، عرشِ الٰہی کے اٹھانے والے اور اس کے گردو پیش میں اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح کرنے والے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے ان کا حال بھی یہ ہے کہ وہ دعا اور سفارش کرتے ہیں تو اصحابِ ایمان کیلئے کرتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک بھی قابلِ لحاظ اور قابلِ عزت کوئی چیز ہے تو وہ ایمان ہے، کوئی نسبت، کوئی رشتہ داری یا اور کوئی حوالہ نہیں۔ اور پھر اپنے اللہ سے وہ نہایت الحاح و زاری سے دعا مانگتے ہیں لیکن آگے بڑھ کر ناز و انداز کے ساتھ کسی کے حق میں کچھ کہنے کی جرأت کبھی نہیں کرتے۔ اور پھر اصحابِ ایمان کیلئے بھی ان صفات کے ساتھ دعا مانگتے ہیں کہ یہ تیرے وہ بندے ہیں جنہوں نے اپنی گزشتہ زندگی سے توبہ کر لی ہے اور تیرے راستے کی پیروی اب ان کا اصل مقصد بن گیا ہے۔ اندازہ کیجئے اس میں اہلِ کفر کیلئے سفارش کا تصور کیسے راہ پا سکتا ہے۔

Marfat.com

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ ﴿۸﴾

(اے ہمارے رب! اور داخل کر ان کو ہمیشہ رہنے والی ان جنتوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے، اور ان کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو صالح ہوں، بے شک تو عزیز ہے اور حکیم ہے۔ ۸)

فرشتوں کے استغفار کی مزید تفصیل

یہ فرشتوں کے استغفار کی مزید تفصیل ہے کہ وہ ان کیلئے صرف جہنم سے بچانے کی دعا نہیں کرتے بلکہ ان جنتوں میں داخل کرنے کی دعا کرتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے وعدہ فرمایا تھا۔ اسی طرح وہ ان کی بیویوں، ان کے والدین اور ان کی اولاد کے حق میں بھی یہ دعا کرتے ہیں کہ اگر وہ صالح ہوں اور توبہ و اصلاح کے مرحلے سے گزر چکے ہوں تو انہیں بھی جنت میں داخل فرما تاکہ ماں باپ اپنے بچوں کو دیکھ کر آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل کریں اور شوہر اپنی بیوی کو دیکھ کر اور بیوی اپنے شوہر کو دیکھ کر ایک اطمینان محسوس کرے۔ اور پھر اپنے عقیدے کے اظہار کیلئے یا ہر طرح کی غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے آخر میں یہ عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ! تو ہی عزیز ہے، یعنی سب پر غالب ہے اور تو ہی حکیم ہے جو فیصلہ کرے گا وہ حکمت پر مبنی ہوگا۔

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ؗ ﴿۹﴾

(اور ان کو برائیوں سے بچا اور جس کو تو نے قیامت کے دن برائیوں سے بچالیا تو، تو نے اس پر بڑا رحم فرمایا، اور یہی درحقیقت بڑی کامیابی ہے۔ ۹)

ان کی دعا کی مزید تفصیل یہ ہے کہ وہ اصحابِ ایمان کیلئے یہ دعا بھی کریں گے کہ یا اللہ ان کو سَيِّاٰتِ سے محفوظ فرما۔ سَیِّآتِ برائیوں کو بھی کہتے ہیں اور برائیوں کے نتائج کو بھی۔ کیونکہ عمل اور نتیجے میں جو لزوم پایا جاتا ہے اس کے پیشِ نظر بعض دفعہ فعل کو نتیجۂ فعل کے مفہوم میں بول دیتے ہیں۔ اگر اس کو برائیوں کے معنی میں لیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر برا عمل ایک برائی ہے، ہر مصیبت ایک برائی ہے، چاہے وہ عالمِ برزخ کی ہو یا روزِ قیامت کی۔ اسی طرح دنیا کا ہر دکھ بھی ایک برائی ہے۔ تو فرشتے ایک وسیع تر معنی میں اہلِ ایمان کیلئے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! ان کو ہر طرح کی مصیبت سے محفوظ فرما۔ دنیا میں بھی یہ برائیوں سے بچے رہیں اور عالمِ برزخ کی ہر تکلیف سے انہیں نجات عطا فرما اور آخرت کی ہولناکی سے بھی محفوظ رکھ۔

اور اگر اس کا ترجمہ برائیوں کے نتائج کیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تو ان کو بدیوں کے نتیجے سے محفوظ فرما۔ یعنی ان کے گناہوں کو جھاڑ دے تاکہ وہ ان کے شر سے محفوظ رہیں۔ اور آخر میں فرمایا کہ جس کو تو نے برائیوں کے شر سے بچالیا یعنی قیامت کی ہولناکی، حساب و کتاب کی سختی اور ہر قسم کی سزا سے محفوظ رکھا اور آخر ان کو جنت عطا فرمائی، تو، تو نے ان پر بڑا رحم فرمایا۔ اور یہی درحقیقت سب سے بڑی کامیابی ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ پروردگار نے ارشاد فرمایا فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ”جس کو جہنم کی آگ سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ ہوا کامیاب۔“

Marfat.com

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ
أَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿١٠﴾
قَالُوْا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا
فَهَلْ إِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿١١﴾ ذٰلِكُمْ بِأَنَّهٗ إِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ
كَفَرْتُمْ ۚ وَإِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۚ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿١٢﴾ هُوَ
الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ
إِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ
الْكٰفِرُوْنَ ﴿١٤﴾ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ أَمْرِهٖ
عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿١٥﴾ يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ ۚ
لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۗ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۗ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ
الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۗ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۗ
إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ إِذِ الْقُلُوْبُ
لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ
يُّطَاعُ ﴿١٨﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾ وَاللّٰهُ
يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۗ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ
بِشَيْءٍ ۗ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿٢٠﴾ ع

Marfat.com

رکوع: ۲۔ (بے شک جن لوگوں نے کفر کیا قیامت کے روز ان کو پکار کر کہا جائے گا اللہ کی بیزاری تم سے اس کی نسبت سے کہیں زیادہ رہی ہے جتنی تم کو اس وقت اپنے سے ہے، جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم کفر کرتے تھے۔ ۱۰) وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ زندگی بخشی، تو اب ہمیں اپنے گناہوں کا اعتراف ہے، تو کیا اب یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی سبیل ہے۔ ۱۱) (پروردگار کی طرف سے جواب ملے گا) یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جب تمہیں ایک اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم ماننے سے انکار کر دیتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تو تم مان لیتے تھے اب فیصلہ اللہ بزرگ و برتر کے اختیار میں ہے۔ ۱۲) وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لئے رزق اتارتا ہے اور نصیحت حاصل نہیں کرتے، مگر وہی جو متوجہ ہونے والے ہیں۔ ۱۳) تو اللہ ہی کو پکارو، اس کیلئے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے، خواہ تمہارا یہ فعل کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ ۱۴) وہ بلند درجوں والا اور عرش کا مالک ہے، وہ اتارتا ہے روح کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے خبردار کرے۔ ۱۵) جس دن سب لوگ بے نقاب ہوں گے، ان کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں ہوگی، آج بادشاہی کس کی ہے، اللہ واحد قہار کی۔ ۱۶) آج ہر متنفس کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا، آج کوئی ظلم نہیں ہوگا، اللہ بہت جلد حساب چکا دینے والا ہے۔ ۱۷) اے پیغمبر! ان لوگوں کو خبردار کیجئے قریب آ جانے والی آفت کے دن سے، جبکہ دل حلق میں آ پھنسیں گے اور وہ غم سے گھٹے ہوئے ہوں گے، نہ ظالموں کا کوئی مشفق دوست ہوگا اور نہ ایسا شفیع جس کی بات مانی جائے۔ ۱۸) وہ نگاہوں کی چوری سے بھی واقف ہے اور ان بھیدوں کو بھی جانتا ہے جو سینے چھپائے ہوئے ہیں۔ ۱۹) اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا، اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ کرنے والے نہیں ہیں، اللہ ہی سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ ۲۰)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ⑩

(بے شک جن لوگوں نے کفر کیا قیامت کے روز ان کو پکار کر کہا جائے گا اللہ کی بیزاری تم سے اس کی نسبت سے کہیں زیادہ رہی ہے جتنی تم کو اس وقت اپنے سے ہے، جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم کفر کرتے تھے۔ ۱۰)

قیامت میں کفار پر گزرنے والی کیفیت کا ایک منظر

آخرت کے میدان میں کفار کے ساتھ جو کچھ گزرے گی اور وہ جن کیفیات سے دوچار ہوں گے ان میں سے ایک منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے پروردگار ارشاد فرما رہا ہے کہ آخرت میں یہ کافر لوگ نہایت پریشانی کے عالم میں غصے میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے اپنی انگلیاں کاٹیں گے اور نہایت بیزاری کے عالم میں اپنے بدبختی و محرومی اور لیڈروں کی کج اندیشی اور ضلالت پر لعنت بھیجیں گے کہ ہم نے دنیا میں اپنی خواہشات کی پیروی اور اپنے گمراہ لیڈروں کے پیچھے لگ کر اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کا انکار کیا۔ حالانکہ اس نے ہمیں بار بار تنبیہ کرتے

Marfat.com

ہوئے بتایا کہ تمہیں آخرت میں اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ اگر تم نے اپنا رویہ نہ بدلا اور مجھ پر ایمان لا کر میری پیروی نہ کی تو تمہیں بڑی مشکل صورتحال سے دوچار ہونا پڑے گا۔ لیکن ہم نے اس کی ایک نہ سنی، بلکہ اس کا مذاق اڑاتے رہے۔ اس وقت منادی کی آواز آئے گی اور یہ بات ان سے پکار کر کہی جائے گی کہ آج تم جس کیفیت سے دوچار ہو اور تمہیں اپنے آپ سے بیزاری ہو رہی ہے اس سے زیادہ تمہارے حال پر اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکتا تھا اور اسے تمہاری حالت سے بیزاری ہوتی تھی، جب تمہیں اس انجام سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور دوسرے نیک لوگ راہِ راست کی دعوت دیتے تھے تو تم نہایت رعونت سے اسے ٹھکرا دیتے تھے، تو اب اپنی اس رعونت اور اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا انجام بھگتو اور اپنی بدبختی پر اپنے سر پیٹو۔ اب یہاں تمہاری مدد کو کوئی پہنچنے والا نہیں۔ یہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا ہے یہ اچانک اور بلا اطلاع نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمامِ حجت کے بعد ہوا ہے۔ اس لئے تم ہر لحاظ سے اسی کے سزاوار تھے۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ⑪

(وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ زندگی بخشی، تو اب ہمیں اپنے گناہوں کا اعتراف ہے، تو کیا اب یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی سبیل ہے۔ ۱۱)

بعد از وقت اقرار

ہر دور کے کفار کو اس بات سے انکار رہا ہے کہ قیامت آسکتی ہے، وہ اسے مستبعد از عقل سمجھتے تھے۔ ان کے ذہن میں یہ بات کسی طرح نہیں آتی تھی کہ جو بے شمار لوگ اب تک مر چکے ہیں اور آئندہ نہ جانے مرنے والوں کی تعداد اور کتنی ہوگی اور پھر کچھ خبر نہیں کہ ان کی قبریں کہاں بنیں گی۔ اور ان میں سے بیشتر خاک کے ذروں میں تبدیل ہو کر ہوا کی نذر ہو چکے ہوں گے۔ انہیں آخر ایک دن از سرِ نو زندہ کر کے میدانِ حشر میں کیسے جمع کیا جائے گا، اور ان کے بے شمار اعمال کا حساب کس طرح لیا جاسکے گا۔ انبیائے کرام انہیں دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں جن میں سے ایک دلیل یہ بھی ہوتی جو سورۃ البقرۃ میں بیان کی گئی ہے، کہ تم قیامت کا کیسے انکار کرتے ہو جبکہ تم عدم میں تھے تو اس نے تمہیں وجود بخشا، تو گویا عدم میں ہونا موت کے مترادف ہے۔ اور پھر طبعی عمر کے اختتام پر موت کا شکار ہو گے تو یہ دوسری موت ہے جو تم پر طاری ہوئی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عدم سے وجود میں آنے سے پہلے تم پر ایک موت طاری تھی، پھر تمہیں زندگی ملی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے تم ایک موت اور ایک زندگی کا تجربہ تو کر چکے ہو اور اب طبعی عمر گزارنے کے بعد تمہیں دوسری موت آئے گی تو تمہیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کی صورت میں تمہیں پھر زندہ کیا جائے گا۔ تو آخر تمہیں اس زندگی سے انکار کیوں ہے۔ جو ذات تمہیں پہلے ایک دفعہ موت سے زندگی دے چکی ہے اب وہ دوسری موت سے تمہیں زندہ کیوں نہیں کر سکتی۔ لیکن کفار اس کو ماننے کیلئے تیار نہ تھے۔ اب قیامت کے دن جب وہ اپنی آنکھوں سے اس دوسری زندگی کو دیکھ لیں گے تو اب وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ پروردگار تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ زندگی عطا کی۔ اب ہم نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو اب ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ آپ کے پیغمبر ٹھیک کہتے تھے ہم نے ناحق ان کی مخالفت کی اور اپنی غلطی پر اڑے رہے۔ تو ہمارے اس اعتراف اور توبہ کے بعد کیا کوئی ایسا راستہ ہو سکتا ہے کہ ہم اس صورتحال سے نکل سکیں اور از سرِ نو دنیا میں جا کر ایمان اور عملِ صالح کی زندگی بسر کریں۔

Marfat.com

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾

(پروردگار کی طرف سے جواب ملے گا) یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جب تمہیں ایک اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم ماننے سے انکار کر دیتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تو تم مان لیتے تھے اب فیصلہ اللہ بزرگ و برتر کے اختیار میں ہے۔ ۱۲)

کفار کی درخواست کا جواب

اوپر کی آیت میں کفار نے پروردگار کے حضور جو درخواست کی تھی اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ تم آج جس انجام سے دوچار ہوئے ہو اور جس نے تمہیں اپنے گناہوں اور غلطیوں کے اعتراف پر مجبور کیا ہے، یہ سب تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے۔ دنیا میں تو تمہاری بدبختی کا عالم یہ تھا کہ جب تمہیں ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تو تم کفر کرتے تھے حالانکہ ایک اللہ پر ایمان یعنی توحید پورے دین کی اساس ہے۔ رسالت اور آخرت اور پورا اسلامی نظام اسی پر بنی اور انحصار کرتا ہے۔ لیکن تمہیں ایک اللہ کے نام سے چڑ تھی۔ اور جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا تھا ان سے تمہیں غائت درجہ محبت تھی۔ انہیں چھوڑ کر ایک اللہ کو پکارنا تمہیں کسی طرح گوارا نہ تھا۔ اب تم خود دیکھ رہے ہو کہ ہر بات کا سر رشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور یہ اختیار بھی اسی کو حاصل ہے کہ وہ جسے چاہے جہنم میں بھیج دے اور جسے چاہے معاف کر دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں یہ اختیار ہے تم نے دنیا میں کبھی اس کی وحدت کو تسلیم نہیں کیا اور اس کے علی الاطلاق اختیارات کو تم نے ہمیشہ دوسروں میں بانٹے رکھا۔ اور جب بھی کوئی درخواست کی تو ہمیشہ ان شرکاء سے کی۔ اس لئے اب اللہ تعالیٰ سے تو تم کوئی درخواست کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ رہے وہ دوسرے شرکاء جنہیں تم نے خدائی کے اختیارات میں ہمیشہ حصہ دار سمجھا، انہیں اس بات میں کوئی دخل نہیں کہ وہ تمہاری جہنم سے آزادی کا فیصلہ کر سکیں۔ وہ تو خود اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے، ان کا فیصلہ بھی اللہ بزرگ و برتر کے ہاتھ میں ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

(وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لئے رزق اتارتا ہے اور نصیحت حاصل نہیں کرتے، مگر وہی جو متوجہ ہونے والے ہیں۔ ۱۳)

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر مزید ایک دلیل

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے حوالے سے مزید ایک دلیل دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انسان کی بنیادی ضرورت اس کی خوراک ہے اور اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ زمین کی قوتِ روئیدگی اپنا کام کرے اور اوپر سے پانی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت آبیاری کا سامان کرے۔ لیکن اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بارش بھیجنے سے پہلے انسانوں کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔ یعنی گھٹا جھوم کر اٹھتی ہے، اس میں کبھی بادل گرجتا ہے، کبھی رعد کڑکتی ہے، کبھی برق کوندتی ہے اور کبھی صاعقہ بن کر گرتی ہے۔ اور ان میں سے ہر چیز آدمی کو دہلا دینے کیلئے

Marfat.com

کافی ہے۔وہ اگر سوچنے سے محروم نہیں ہوا تو ضرور سوچتا ہے کہ جس ذات نے یہ سب کچھ پیدا کیا ہے اس کے اپنے غیظ وغضب کا عالم کیا ہوگا۔اور اس کی حکم عدولی کیا نتائج پیدا کرسکتی ہے۔اس سے دل خوف سے بھر جاتے ہیں اور آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔لیکن پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یہی بادل آبِ حیات برسانے لگتا ہے، مردہ زمین زندگی کا لباس پہن لیتی ہے، ہر طرف کی ویرانی بہار میں تبدیل ہو جاتی ہے، زمین پر سبزے کا مخملی فرش بچھ جاتا ہے اور جابجا پھول مسکرانے لگتے ہیں۔آدمی سوچتا ہے کہ جس پروردگار نے بارش کی صورت میں یہ رحمت نازل فرمائی ہے اور حیات بخش پانی نازل فرمایا ہے اس کی اپنی ذات کس قدر حسین اور رحیم وکریم ہوگی۔اس سے دل امیدوں سے بھر جاتے ہیں اور بیم ورجا یعنی امید اور خوف یہی ایمان کے دو پَر ہیں جن سے وہ پرواز کرتا ہے۔اور اسی سے رزق وفضل کے دروازے کھلتے ہیں اور انسان کی خوراک کی ضروریات کا سروسامان ہوتا ہے۔اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان دونوں ایک ہی ذات کے تصرف میں ہیں۔اسی کے ہاتھ میں صاعقۂ عذاب بھی ہے اور رزق وفضل کے خزانے بھی۔

بلاشبہ یہ حقائق اور یہ نصائح اس صورتحال سے پھوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن پروردگار ارشاد فرماتا ہے کہ اتنی واضح نشانیاں جو یقیناً تذکیر وتعلیم کیلئے دکھائی جاتی ہیں لیکن ان سے فائدہ وہی اٹھاتا ہے جس کے اندر متوجہ ہونے اور سوچنے سمجھنے کا ارادہ پایا جاتا ہو۔اگر کوئی شخص اپنی خواہشات کا اسیر ہو کر اور اپنے مفادات کا غلام بن کر اپنے عزم وارادہ کی قوت کھو چکا ہے اور اس کے ضمیر کی آواز دب چکی ہے تو ایسا شخص بڑی سے بڑی نشانی دیکھ کر بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔آنکھ دیکھتی اور کان سنتے ہیں لیکن حقیقت کو دیکھنے کیلئے دل میں روشنی کا ہونا بھی ضروری ہے۔اقبال نے ٹھیک کہا:

دل کا نور کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

(تو اللہ ہی کو پکارو، اس کیلئے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے، خواہ تمہارا یہ فعل کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ ۱۴)

ایمان کے ساتھ اطاعت کا عزم بھی ضروری ہے

کافر چونکہ قلبِ منیب سے محروم ہو چکے اور اللہ کی نشانیوں سے فائدہ اٹھانے کیلئے قلبِ منیب ضروری ہے۔یہ دولت اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نصیب کی ہے جو عقل اور شعور کے صحیح استعمال سے ایمان کی دولت تک پہنچتے ہیں۔انہیں خطاب کر کے فرمایا جارہا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اگر ایمان کی دولت دے دی ہے تو اب اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنے اللہ کو اس طرح پکارو کہ تمہاری اطاعت بھی اسی کیلئے خالص ہو کر رہ جائے۔یعنی عقیدہ کی حد تک تو تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اختیار کر چکے ہو اور مشرکین نے جتنے شرکاء بنا رکھے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سب سے بیزار ہو گئے ہو۔لیکن توحید کا یہ سبق نامکمل رہے گا اگر اس میں خالص اطاعت شامل نہ ہو۔زندگی کے ہر شعبے میں اور زندگی کے ہر مرحلے پر فیصلے کا وقت ہو یا عمل کا، دیکھنے والوں کو نظر آنا چاہئے کہ یہ شخص جو مومن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کی اطاعت بھی صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔اس کا سر بھی اسی کے سامنے جھکتا ہے اور اس کا دل بھی۔اس کے اعضاء وجوارح بھی اسی کے حکم سے حرکت کرتے ہیں اور اس

Marfat.com

معاملات بھی اسی کی ہدایت کے مطابق متشکل ہوتے ہیں۔ دل میں چھپی ہوئی اللہ تعالیٰ کی وحدت اور الوہیت کافروں کو اتنی تکلیف نہیں پہنچاتی جتنا انہیں اس وقت دکھ ہوتا ہے جب ایک مومن کی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تصویر بن جاتی ہے۔ اس کا معاشرہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا عکاس بن جاتا ہے اور اس کے ادارے اسی کے احکام کے مطابق اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ یہ دیکھ کر کفر سر پیٹ لیتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ تم ہر صورت میں اپنی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالص کرو چاہے کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾

(وہ بلند درجوں والا اور عرش کا مالک ہے، وہ اتارتا ہے روح کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے خبردار کرے۔ ۱۵) جس دن سب لوگ بے نقاب ہوں گے، ان کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں ہوگی، آج بادشاہی کس کی ہے، اللہ واحد قہار کی۔ ۱۶)

بلند و بالا پروردگار کی مرضیات کا علم صرف وحیِ الٰہی سے ہو سکتا ہے

جس اللہ کو پکارنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی شان یہ ہے کہ وہ بڑے بلند درجوں والا۔ اور تمام کائنات کے عرشِ حکومت کا مالک ہے۔ بعض اہلِ علم نے درجات کو صفات کے معنی میں لیا ہے، یعنی وہ بلند صفات کا مالک ہے۔ اور بعض اہلِ علم درجات کو درجات کے معنی ہی میں لیتے ہیں کہ وہ بڑے بلند مقامات کا حامل ہے۔ یعنی فضائل و مراتب اور مقامات کا جو تصور بھی انسانی ذہن میں آ سکتا ہے وہ اس سے بھی بلند تر مقامات کا حامل ہے۔ اور وہ عرشِ حکومت کا مالک ہے یعنی کائنات پوری طرح اس کے قبضے میں ہے۔ تکوینی طور پر تمام کائنات پر اس کی حکومتی چھائی ہوئی ہے۔ کہیں اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی۔ وہ صرف خالق اور روزی رساں ہی نہیں بلکہ حاکمِ مطلق بھی ہے۔ اور اپنی ہر مخلوق کا نگران اور نگہبان بھی۔ اتنے بلند مقامات کے حامل تک کسی کی رسائی کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔ مشرکین نے اس کے جو شریک و سہیم بنا رکھے ہیں، ان کی رسائی تو ساری مخلوقات تک ممکن نہیں، خالقِ کائنات تک کیسے ہو سکتی ہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں جو عقائد اختیار کر رکھے ہیں وہ ان کے اپنے وضع کردہ ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ رہی یہ بات کہ انسان جس طرح اپنی جسمانی زندگی کیلئے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا محتاج ہے اسی طرح وہ اپنی روحانی، اخلاقی اور اجتماعی زندگی کیلئے بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا محتاج ہے۔ وہ جس طرح خالق کائنات ہے، اسی طرح وہ کائنات کا حکمران بھی ہے۔ انسان ایک مکلف مخلوق ہے اس کیلئے یہ بات جاننا بہت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی گزارنے کیلئے کیا احکامات دیئے ہیں۔ اور میری روح کو زندہ رہنے کیلئے کن باتوں کی پابندی ضروری ہے۔ مشکل یہ ہے کہ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے معلوم کر سکے کہ وہ کن باتوں میں راضی ہے اور انسانوں سے وہ کس طرح کی زندگی کا طلبگار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس ضرورت کو اس طرح پورا فرمایا کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے روح کو نازل کر دیتا ہے۔ اور روح سے مراد وحیِ الٰہی ہے۔ اور قرآن کریم نے بعض دیگر مقامات پر بھی اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اور اس کو روح سے شاید اس لئے تعبیر کیا گیا

Marfat.com

ہے کہ جس طرح روح سے جسم کو زندگی حاصل ہوتی ہے اسی طرح وحی سے بھی انسان کی عقل اور اس کے دل کو زندگی، حرارت اور روشنی میسر آتی ہے۔ اور پروردگار کا یہ فرمانا کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اسے نازل کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور کو اس میں داخل دینے کا کوئی اختیار نہیں۔ یہ بات سراسر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کیلئے انتخاب فرماتا ہے اور جس کو وہ انتخاب کرتا ہے وہی اس کا اہل ہوتا ہے۔ مشرکین کا یہ کہنا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بنانا ہی چاہتا تھا تو وہ طائف کے سرداروں میں سے کسی کو بنا دیتا یا مکے کے بااثر لوگوں میں سے کسی کا انتخاب کرتا۔ ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تمہیں اس معاملے میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے وہ جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول دنیا میں اس لئے بھیجتا ہے تاکہ یوم التلاق سے خبردار کرے۔ یوم التلاق سے مراد روزِ قیامت ہے۔ کیونکہ اہلِ دنیا کو اصل بتانے کی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا میں شتر بے مہار بنا کے نہیں بھیجا کہ تم جس طرح چاہو زندگی گزارو۔ بلکہ تمہاری زندگی کا ایک مقصد ہے اور اس مقصد کے حصول کیلئے زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے۔ ایک دن لایا جائے گا جب ہر انسان سے باز پرس ہوگی کہ اس نے زندگی اس طریقے کے مطابق گزاری ہے یا اس کے خلاف۔ یہی وہ چیز ہے جو انسان کی اصلاح کیلئے کارآمد نسخہ ہے۔ جس شخص کو قیامت کے دن جواب دہی کا یقین ہو جاتا ہے وہ شخص شیطان کی پیروی کبھی نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسول سے کبھی منہ نہیں پھیرتا۔ اور جسے اس دن کے آنے کا یقین نہیں ہوتا اس کی زندگی میں اور حیوان کی زندگی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ اپنی زندگی کو صرف کھانے پینے اور دادِ عیش دیتے ہوئے گزار دیتا ہے اور اسی کو وہ کامیابی سمجھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت سب پر حاوی ہوگی

دوسری آیت میں فرمایا کہ قیامت کے دن تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے بے نقاب ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کا ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھلا ہوگا۔ کوئی بات اس سے ڈھکی چھپی نہیں رہ سکے گی، کسی کیلئے ممکن نہیں ہوگا کہ وہ کسی بات کو چھپا سکے۔ اور کسی کیلئے کسی کی جھوٹی سفارش کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ اس دن ایک ایسی ہیبت سب پر چھائی ہوئی ہوگی کہ کوئی شخص غلط بات کہنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ اور پھر میدانِ حشر میں صرف غرباء ہی نہیں، امراء اور سلاطین بھی موجود ہوں گے۔ ان میں کتنے ایسے ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اپنی سلطانی اور جباری کے ڈنکے پیٹے ہوں گے۔ اور کتنے ایسے ہوں گے جنہیں حکمرانی کے خمار نے ظلم کے راستے پر ڈالا ہوگا۔ جب ان کے سامنے یہ سوال کیا جائے گا کہ بتاؤ آج کس کی حکومت ہے؟ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کے دلوں پر کیا گزرے گی۔ اور مشرکین کیلئے بھی یہ بات ایک لمحۂ فکریہ ہوگی کہ ہم دنیا میں جن پر سہارا کئے بیٹھے تھے اور اللہ تعالیٰ کا شریک و سہیم سمجھ کر اپنی نجات کی ان سے توقع کئے ہوئے تھے وہ آج سب کہاں ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ قیامت تو خیر ایک ہولناک دن ہے جس کا تصور ہی ناقابلِ برداشت ہے۔ لیکن آج بھی اگر کوئی شخص جس کی رعونت نے اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے گوشِ ہوش سے اس آیت کو پڑھے تو اس پر لرزہ طاری کرنے کیلئے کافی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے اندر قلبِ منیب موجود ہو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سامانی خاندانی کا فرماں روا نصر بن احمد (۳۰۱-۳۳۱) جب نیشاپور میں داخل ہوا تو اس نے ایک دربار منعقد کیا اور تخت پر بیٹھنے کے بعد فرمائش کی کہ کارروائی کا افتتاح قرآنِ مجید کی تلاوت سے ہو۔ یہ سن کر ایک بزرگ آگے بڑھے اور انہوں نے یہی رکوع تلاوت کیا۔ جس وقت وہ اس آیت پر پہنچے تو نصر بن احمد پر ہیبت طاری ہوگئی۔ لرزتا ہوا تخت سے اترا، تاج سر سے اتار کر سجدے میں گر گیا اور بولا، اے رب! بادشاہی تیری ہے نہ کہ میری۔

Marfat.com

اَلْیَوْمَ تُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

(آج ہر متنفس کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا، آج کوئی ظلم نہیں ہوگا، اللہ بہت جلد حساب چکا دینے والا ہے۔ ۱۷)

قیامت کامل عدل کے ظہور کا دن

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی کامل فرماں روائی اور کامل عدل کا ظہور ہوگا۔ کوئی شخص ایسا نہیں رہے گا جس نے کوئی نیکی کی ہو اور اسے اس کا صلہ نہ ملے۔ اور نہ کوئی شخص ایسا ہوگا کہ اس نے کوئی برائی کی ہو تو اسے برائی کی سزا نہ ملے۔ ہر شخص نے دنیا میں اپنی زندگی میں جو کچھ کیا ہوگا چاہے کسی کو اس کی خبر ہو یا نہ ہو اور ممکن ہے اس کو وہ خود بھی بھول چکا ہو، لیکن آج اس کا کیا ہوا عمل جزاء وسزا سے بیگانہ نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ یہ بات بھی خلاف عدل ہے کہ کوئی شخص نیکی کرے، اسے صلہ نہ ملے۔ اور کوئی شخص برائی کرے تو وہ اس خیال سے دندناتا پھرے کہ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ آج ہر شخص کی امنگیں بھی پوری ہوں گی اور ہر شخص اپنے کیے کی سزا بھی پائے گا۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ کیونکہ دنیا کی عدالتیں انصاف کرنا بھی چاہیں تو ہزار کوشش کے باوجود کامل عدل اور انصاف تک نہیں پہنچ سکتیں۔ کیونکہ ظلم کی کوئی ایک صورت نہیں، کئی صورتیں ہیں جن سے بعض دفعہ عہدہ برآ ہونا عدالتی استطاعت میں نہیں ہوتا۔ لیکن قیامت کی عدالت ایسی ہوگی جس میں کسی طرح کا بھی ظلم نہیں ہوگا۔ یعنی وہاں یہ بات بھی نہیں ہوگی کہ کوئی شخص اجر کا مستحق ہے اور اس کو اجر نہ ملے۔ یا وہ جتنے اجر کا مستحق ہے اس سے کم ملے اور یہ بھی نہیں ہوگا کہ کوئی شخص اپنے کرتوتوں کی وجہ سے سزا کا سزاوار ہے لیکن اسے سزا اس لئے نہ دی جاسکے کہ اس کے جرم کا ثبوت کافی نہیں، یا اس کے جرم کے گواہ اس کے خوف کی وجہ سے گواہی دینے سے پس وپیش کررہے ہیں۔ یا عدالت اس کے فتنے سے ڈر کر اسے سزا نہ دے سکے اور معاملہ رفت گزشت کردے۔ اور یہ بھی نہیں ہوگا کہ جو کم سزا کا مستحق ہو، اسے زیادہ سزا دے دی جائے اور جو سزا کا مستحق ہو اسے سزا نہ دی جائے۔ اور ایسا بھی نہیں ہوسکے گا کہ ایک کے گناہ میں دوسرا پکڑ لیا جائے۔ غرضیکہ ظلم کی ہر صورت وہاں ختم ہو کر رہ جائے گی۔ ایسے کامل عدل کا ظہور ہوگا کہ ہر شخص محسوس کرے گا کہ آج ہر شخص کو وہی کچھ مل رہا ہے جس کا وہ مستحق ہے۔ اور ہر شخص کو وہی سزا دی جارہی ہے جس کا وہ سزاوار ہے۔

تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والا ہے، یعنی اسے حساب لینے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ مشرکین کو سب سے بڑا اشتباہ یہ تھا کہ بے شمار مخلوق کے بے شمار اعمال کا حساب کیسے ہوسکے گا۔ اس لئے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کائنات کی بے شمار مخلوق کو بیک وقت رزق دے رہا ہے اور کوئی خاکی یا آبی، سماوی یا فضائی مخلوق ایسی نہیں جسے رزق نہ پہنچ رہا ہو۔ اور کسی کی رزق رسانی کے انتظام میں ایسی مشغولیت نہیں ہوتی جو دوسروں کے رزق میں مانع ثابت ہو۔ اسی طرح وہ کائنات کی ہر چیز کو بیک وقت دیکھ رہا ہے۔ تمام پکارنے والوں کی پکار کو ایک ساتھ سن رہا ہے۔ اور کائنات کے معاملات کی ایک ہی وقت میں تدبیر کررہا ہے۔ اور کوئی چیز اس کی توجہ کو اس طرح جذب نہیں کرسکتی کہ وہ اس وقت دوسرے کاموں کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ یہی اس کی قدرت کاملہ۔ قیامت میں محاسبے کے وقت بھی روبعمل ہوگی۔ بے شمار مقدمات کو ایک ہی وقت میں نمٹایا جائے گا اور عدالت کی کارروائی میں کسی قسم کی کوئی تاخیر نہیں ہوگی۔

Marfat.com

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۬ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ ﴿۱۸﴾

(اے پیغمبر! ان لوگوں کو خبردار کیجئے قریب آ جانے والی آفت کے دن سے، جبکہ دل حلق میں آ پھنسیں گے اور وہ غم سے گھٹے ہوئے ہوں گے، نہ ظالموں کا کوئی مشفق دوست ہوگا اور نہ ایسا شفیع جس کی بات مانی جائے۔ ۱۸)

قیامت قریب بھی ہے اور ہولناک بھی

اٰزِفَة ...... قریب آ جانے والی مصیبت یا چیز کو کہتے ہیں۔ آیت میں اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ اس سے یہ تصور دینا مقصود ہے کہ قیامت کا آنا کوئی دور کی بات نہیں، کسی وقت بھی اچانک آ سکتی ہے، البتہ اس کے آنے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جس طرح موت کا آنا یقینی ہے، قیامت کا آنا اس سے بڑھ کر حتمی اور یقینی ہے۔ زور اس بات پر ہے کہ انسان یا تو اس کے یقینی ہونے میں شبہ کرتا ہے اور یا وہ اسے بہت دور کی چیز سمجھتا ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں انسانی سیرت وکردار کی تعمیر میں تباہ کن ہیں۔ اس لئے قرآنِ کریم نے بار بار اس بات پر زور دیا ہے کہ قیامت کا آنا تو اس قدر یقینی ہے کہ یوں سمجھو کہ قیامت آ گئی۔ ویسے بھی قیامت جواب دہی کا دن ہے۔ ہر انسان نے زندگی میں جو کچھ کیا ہے وہاں اس سے اس کے کئے ہوئے ایک ایک عمل کی باز پرس ہونے والی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ انسان جب تک دنیا میں ہے اور طبعی عمر گزار رہا ہے تو اسے ایک مہلتِ عمل ملی ہوئی ہے جس میں وہ اچھے یا برے اعمال کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ لیکن موت آ جانے کے بعد اس کی یہ مہلتِ عمل ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد اس کی برزخی زندگی ہے۔ عالمِ برزخ میں وہ اس وقت تک رہے گا جب تک قیامت نہیں آتی۔ اور جب قیامت کے اعلان سے اسے اٹھایا جائے گا تو وہ حیران ہو کے پوچھے گا کہ مجھے میری نیند سے کس نے اٹھایا۔ گویا اسے موت سے لے کر قیامت کے آنے تک وقت گزرنے کا بالکل احساس نہیں ہوگا۔ تو جو مدت عدمِ احساس میں گزری ہے وہ مدت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ ''جس شخص کو موت آ گئی اس کی قیامت آ گئی۔'' یعنی قیامت میں اتنے ہی دن باقی ہیں جتنے موت کے آنے میں باقی ہیں۔ اور موت کا کوئی دن مقرر نہیں۔ وہ تو آدمی کے جوتے کے تسمے سے بندھی ہوئی ہے۔ اس کا وقوع کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے آنے میں بھی کوئی دیر نہیں، وہ بھی کسی وقت آ سکتی ہے۔ انسان کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ اپنی موت کو بھی بعید سمجھتا ہے اور اپنی قیامت کو بعید تر سمجھتا ہے۔ اور اسی احساس کی کمزوری نے اسے ایمان وعمل سے بیگانہ کر دیا ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ انہیں قیامت سے ڈرائیں کہ وہ تمہارے پہلو میں کھڑی ہے اور تم اس سے بے فکر ہو۔ اور پھر اس کی ہولناکی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت کا آنا کسی مہمان کے آنے کی طرح نہیں، بلکہ وہ تو ایک ایسا ہولناک حادثہ ہے کہ اسے دیکھتے ہی یا اس میں پیش آنے والے مناظر کو دیکھتے ہی دل حلق میں آ پھنسیں گے۔ یعنی ایسا معلوم ہوگا کہ کلیجہ اچھل کر حلق میں آ گیا ہے اور تمام لوگ ڈرے سہمے چپ چاپ کھڑے غموں کے گھونٹ پی رہے ہوں گے۔ کسی کے منہ سے اپنی مدافعت میں کوئی آواز نہیں نکلے گی۔ اور نہ ان کے ساتھ ایسا کوئی ہمدرد دوست ہوگا جو ان کی غمگساری کر سکے۔ اور نہ ایسا کوئی شفیع اور سفارشی ہوگا جو آگے بڑھ کر ان کی شفاعت کرنے کی جرأت

Marfat.com

کرے۔اور شفیع بھی ایسا ہو کہ جس کی بات واقعی سنی اور مانی جائے۔ یہ بات برسبیلِ تنزل فرمائی گئی ہے ورنہ قیامت میں کافروں کے کسی شفیع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہاں ازخود شفاعت کی جرأت کا تو امکان ہی نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے عظیم اور نیک بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفارش کی اجازت ملے گی تو وہ یقیناً کافروں اور مشرکوں اور فساق وفجار کی تو شفاعت نہیں کریں گے۔ اور وہ مشرک جو اس لئے قیامت سے بے نیاز ہیں کہ اولاً تو اس کے آنے کا کوئی امکان نہیں اور اگر آ ہی گئی تو ان کے سفارشی انہیں چھڑا لیں گے۔ اس سے ان کے سر پر ضرب لگائی جا رہی ہے تا کہ وہ اپنی خود فریبیوں سے نکلیں اور حقیقت کا سامنا کریں۔

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾

(وہ نگاہوں کی چوری سے بھی واقف ہے اور ان بھیدوں کو بھی جانتا ہے جو سینے چھپائے ہوئے ہیں۔ ۱۹)

شفاعتِ باطلہ کی تردید

گزشتہ مضمون کے تسلسل میں مزید یہ فرمایا گیا ہے کہ سفارش اس کے یہاں سنی جاتی یا قبول کی جاسکتی ہے جس کے یہاں معاملات کے تمام گوشے واضح نہ ہوں۔ اور وہ بہت ساری چیزوں سے بے خبر ہو۔ تو کوئی اس سے زیادہ باخبر شخص اپنی باخبری کے حوالے سے ملزم کی سفارش کرسکتا ہے۔ اور یہ قرینِ انصاف بھی ہے۔ کیونکہ اس سفارش کا مطلب ایک ایسے شخص کو حق دلانا ہے جس کا حق بے خبری کی نذر ہوسکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسی سفارش کیسے کارآمد ہوسکتی ہے کیونکہ وہ تو نگاہوں کی خیانت تک سے واقف ہے۔ وہ بھید جو سینوں نے چھپا رکھے ہیں اور جنہیں کوئی دوسرا شخص نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ تو اس سے بھی آگاہ ہے۔ تو کوئی شخص اس سے سفارش کی جرأت کرے تو کیوں کر؟

وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ ۗ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَىْءٍ ۗ
اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿٢٠﴾

(اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا، اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ کرنے والے نہیں ہیں، اللہ ہی سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ ۲۰)

چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا ہر چیز کی خبر نہیں رکھتا، کامل علم صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ وہ نگاہوں کی خیانتوں سے بھی آگاہ ہے اور سینوں کے بھیدوں سے بھی۔ تو وہ اپنے علم اور قدرت کی وجہ سے قیامت کے دن ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ بے لاگ فیصلہ کرے گا۔ رہے وہ معبودانِ باطل جن پر مشرکین تکیہ کئے بیٹھے ہیں۔ ان میں فرشتے شامل ہوں یا جنات یا بتوں کے نام سے بزرگوں کے مجسمے۔ ان میں سے فیصلہ کرنا کسی کے اختیار میں نہیں ہوگا۔ اس لئے ان میں سے کوئی کسی کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ علاوہ ازیں یہ معبودانِ باطل نہ کسی کی حمایت کرسکیں گے اور نہ مخالفت۔ کیونکہ معاملات کے فیصلے کیلئے منصف کا سمیع اور بصیر ہونا ضروری ہے۔ یعنی وہ معاملات میں اتنی آگاہی رکھتا ہو کہ گویا سب کچھ سن چکا ہے اور سب کچھ دیکھ چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔ وہی سمیع اور بصیر ہے، کوئی آواز اس کی سماعت سے گریزاں نہیں ہوسکتی۔ اور کوئی واقعہ اس کی بصارتِ کاملہ سے بیگانہ نہیں ہوسکتا۔

Marfat.com

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي
الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ ۚ
كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ
بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ﴿٢١﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَت
تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ قَوِيٌّ
شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٢٣﴾
إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا
جَاءَهُم بِالْحَقِّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا
مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ۚ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿٢٥﴾
وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ ۖ إِنِّي أَخَافُ
أَن يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَن يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ
مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ
بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ ع

رکوع: ۳۔ (کیا یہ لوگ کبھی زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ وہ دیکھیں کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، وہ ان سے زیادہ تھے قوت میں، اور ان آثار کے اعتبار سے جو وہ زمین میں چھوڑ گئے، پس اللہ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں پکڑ لیا، اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔ ۲۱) یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول بینات لے کر آتے تھے اور انہوں نے ماننے سے انکار کیا، پس اللہ نے ان کو پکڑ لیا، بے شک وہ بڑی قوت

Marfat.com

والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔ ۲۲) اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح سند کے ساتھ۔ ۲۳) فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف، تو انہوں نے کہا کہ یہ تو ساحر ہے کذاب ہے۔ ۲۴) اور جب موسیٰ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر آئے، تو ان لوگوں نے کہا کہ ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کردو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھو، اور کافروں کی چال بالکل اکارت گئی۔ ۲۵) اور فرعون نے کہا، مجھے چھوڑ دو، میں اس موسیٰ کو قتل کیے دیتا ہوں اور موسیٰ کو چاہئے کہ اپنے رب کو پکار دیکھے، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔ ۲۶) (اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ میں نے پناہ لے لی ہے اپنے رب کی اور تمہارے رب کی، ہر اس متکبر کے شر سے جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتا۔ ۲۷)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٢١﴾

(کیا یہ لوگ کبھی زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ وہ دیکھیں کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، وہ ان سے زیادہ تھے قوت میں، اور ان آثار کے اعتبار سے جو وہ زمین میں چھوڑ گئے، پس اللہ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں پکڑ لیا، اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔ ۲۱)

قریش کو سخت تنبیہ

آنحضرت ﷺ کی دعوت کے مخالفین بالخصوص قریش کو تہدید آمیز انداز میں خبردار کیا گیا ہے کہ یہ لوگ جس طرح ہمارے رسول کی بے لگام ہو کر مخالفت کر رہے ہیں اور انہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ ان کی یہ مخالفت کیا رنگ لائے گی۔ تو کیا ان لوگوں نے معذب قوموں کی سرزمین سے کبھی گزر کر نہیں دیکھا یا کبھی وہاں گھومے پھرے نہیں۔ مراد اس سے عاد و ثمود اور اہلِ مدین ہیں جن کے کھنڈرات سے قریش کے تجارتی قافلے گزرتے رہتے تھے۔ اور وہ لوگ ان کے حالات سے بھی خوب واقف تھے۔ تو کیا ان کے کھنڈرات سے گزرتے ہوئے انہیں کبھی اندازہ نہیں ہوا کہ یہ لوگ اپنی افرادی قوت اور اپنی قوت و جمعیت میں ان سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے۔ اور ان کی تعمیر و تمدن کے آثار جو آج تک کھنڈرات میں بکھرے ہوئے ہیں وہ ان کی ترقی پر دلالت کر رہے ہیں۔ اور ہر دیکھنے والی نگاہ اندازہ کر سکتی ہے کہ یہ قومیں نہ صرف بے پناہ قوت و جمعیت کی مالک تھیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ انتہائی ترقی یافتہ بھی تھیں جس کی ان کے تعمیری و تمدنی آثار نشان دہی کر رہے ہیں۔ آج تک پہاڑوں میں کھدے ہوئے ان کے محلات ان کی ترقی اور عظمت کے گن گا رہے ہیں۔ ان کا ایک آدھ شہر جو کھدائی کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے اس سے ان کے ترقیاتی آثار کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کر دی اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کو ماننے سے انکار کر دیا اور اپنی سرکشی اور بدعملی میں بڑھتے چلے گئے اور ان کے اجتماعی معاملات روز بروز بگاڑ کا شکار ہوتے گئے اور اصلاح کی ہر

Marfat.com

کوشش کوانہوں نے ناکام بنادیا تو آخر اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ان کو پکڑ لیا۔ پھر نہ ان کی قوت وجمعیت ان کے کام آئی اور نہ ان کے تمدنی اور تعمیری آثار انہیں بچا سکے۔ وہ ہمیشہ کیلئے تاریخ میں عبرت کا نشان ہو کر رہ گئے۔ قریش اور دیگر مخالفین کو آج ان کی تاریخ سے سبق سیکھنا چاہئے۔ ورنہ کل کو یہ لوگ بھی تاریخ میں عبرت ہو کر رہ جائیں گے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَکَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾

(یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول بینات لے کر آتے تھے اور انہوں نے ماننے سے انکار کیا، پس اللہ نے ان کو پکڑ لیا، بے شک وہ بڑی قوت والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔ ۲۲)

گزشتہ قوموں پر عذاب کا سبب

ان قوموں پر جو عذاب آیا اس آیت میں اس کا سبب بیان کیا گیا ہے کہ ان کا اصل جرم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ان قوموں کے پاس اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت لے کے آئے اور بینات کے ذریعے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ بینات سے مراد وہ معجزات ہیں جو ایک طرف سے اللہ تعالیٰ کے رسول کی سندِ ماموریت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ شخص واقعی اللہ تعالیٰ کا رسول اور نمائندہ ہے۔ اور اسی میں وہ روشن دلیلیں بھی شامل ہیں جو اپنی دعوت کے اثبات میں اپنی قوم کے سامنے پیش کرتے تھے۔ وہ دلیلیں ایسی محکم اور ایسی واضح ہوتی تھیں جنہیں کوئی فکری سلامتی رکھنے والا شخص غلط کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن انہوں نے ان کی ہر بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ان میں سے بعض رسول مدت ہائے دراز تک ان کی زبانوں کے زخم سہتے رہے اور ان کی طرف سے پہنچائی جانے والی جسمانی اذیتوں کو برداشت کرتے ہوئے نہایت ہمدردی اور غمگساری کے ساتھ انہیں سمجھانے میں لگے رہے، لیکن ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا اور پھر یہ قومیں اپنی ساری قوت وشوکت کے باوجود اس کی گرفت سے نکل نہ سکیں اور اس کے عذاب سے بچنے کی کوئی سبیل نہ کر سکیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسی قوت والا اور ایسی سخت سزا دینے والا ہے کہ جب وہ پکڑتا ہے تو پھر اس سے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

نہ جا اس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی
ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

(اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح سند کے ساتھ۔ ۲۳) فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف، تو انہوں نے کہا کہ یہ تو ساحر ہے کذاب ہے۔ ۲۴)

Marfat.com

گزشتہ مضمون پر تاریخ سے استشہاد

گزشتہ آیت میں جو کچھ کہا گیا ہے اب تاریخ سے اس پر استشہاد کیا جا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھو انہیں ہم نے اپنی آیات اور سلطانِ مبین دے کر بھیجا۔ آیات سے مراد وہ احکام و ہدایات ہیں جو حسبِ ضرورت بتدریج انہیں عطا کئے جاتے رہے ہیں۔ اور بھی ممکن ہے کہ مصر میں ان کی دعوتی زندگی میں جو معجزات ان سے ظہور پذیر ہوتے رہے، مثلاً ان کی دعا سے پورے ملک میں قحط پڑ جانا یا لاکھوں مربع میل علاقے میں طوفان کا آ جانا اور پھر آپ کی دعا سے اس کا ختم بھی ہو جانا، پانی کا خون بن جانا، گھروں میں پسوؤں کا پھیل جانا جیسے معجزات مراد ہوں۔ اور سلطانِ مبین سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزۂ عصا کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا معجزہ تھا جو اول مرحلہ ہی میں دیکھنے والوں کو یہ بتانے کیلئے کافی تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر بن کر آئے ہیں اور یہ عصا سندِ ماموریت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کے رسول کی اپنی ذات، اس کی جرأت و استقامت، اپنی دعوت پر غیر معمولی اعتماد اور دشمنوں کے ہجوم میں تنہا ہونے کے باوجود خود اعتمادی اور بے نیازی بجائے خود ایسی چیزیں ہیں جن میں سے ایک ایک چیز معجزے سے کم نہیں۔ بلکہ ان میں سے ایک ایک چیز سندِ ماموریت کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن عصا کا اچانک اژدھا کی صورت اختیار کر جانا اور فضاء میں ایک ہیبت طاری کر دینا، ایک ایسا غیر معمولی معجزہ تھا جس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے سفیر اور نمائندہ بن کر آئے ہیں۔ اور ان کی مخالفت اللہ تعالیٰ کی مخالفت کے مترادف ہو گی۔

فرعون اور اس کے دو بڑے لیڈروں کے ذکر کا سبب

حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں تو مصر میں رہنے والے تمام لوگوں کی طرف چاہے وہ اسرائیلی ہوں یا غیر اسرائیلی، اللہ تعالیٰ کے رسول بن کر آئے تھے۔ لیکن یہاں صرف فرعون اور اس کے دو بڑے لیڈروں کا ذکر ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل تو خیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنا خاندان تھا، لیکن حکومت کی طاقت کا اظہار اور اس کی نمائندگی ان تین آدمیوں سے ہوتی تھی۔ اس لئے خاص طور پر ان کا ذکر فرمایا گیا۔ فرعون سربراہِ ریاست بھی تھا اور سربراہِ مملکت بھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ وہ سورج دیوتا کا مظہر بھی سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کی حیثیت ایک اوتار بادشاہ کی تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے سلسلے میں اس کا ذکر بار بار آتا ہے۔ ہامان اس کے وزراء میں سب سے اہم وزیر تھا۔ حکومت کی پالیسیوں میں ہو سکتا ہے اس کا رول سب سے مؤثر ہو، اس لئے اس کا ذکر فرمایا گیا۔ جہاں تک قارون کا تعلق ہے وہ نسلاً اسرائیلی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عزیزوں میں سے تھا۔ لیکن اس نے فرعونی حکومت کے زیرِ سایہ بے شمار دولت اکٹھی کر لی تھی۔ اور یہی دولت اس کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کا سب سے بڑا سبب بنی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دربار میں پہنچ کر ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کی تو انہوں نے معجزے کو سحر قرار دیا اور آپ کی دعوت کو جھٹلاتے ہوئے اور آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے آپ کو جھوٹا قرار دیا۔

Marfat.com

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

(اور جب موسیٰ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر آئے، تو ان لوگوں نے کہا کہ ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کر دو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھو، اور کافروں کی چال بالکل اکارت گئی۔ ۲۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا فرعونیوں پر الٹا اثر

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوتِ حق لے کر پہنچے، انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دی، تو بجائے اسے قبول کرنے کے نہایت برہمی کا اظہار کیا۔ اور یہ محسوس کر کے کہ بنی اسرائیل کے لوگوں میں سے کچھ لوگ آپ پر ایمان لا چکے ہیں یا ممکن ہے ان کی اکثریت آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مان چکی ہو۔ اس کا فوری نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس طرح بنی اسرائیل کو منظم کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور کل کو ان کے ذریعے ملک میں بغاوت کھڑی کر دیں۔ کیونکہ یہ لوگ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کو ماننے کو تیار تو نہ تھے لیکن ان کی غیر معمولی ذہانت اور رہنمائی کی قوت کو محسوس کر چکے تھے۔ اس لئے انہیں فوری خطرہ لاحق ہوا کہ بنی اسرائیل کی قوم جو پہلے ہی خاصی بڑی افرادی قوت کی مالک ہے اور پھر ان کی پیداواری صلاحیت دوسری قوموں سے کہیں زیادہ ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو ان کے اندر پھیلنے کا موقع دیا گیا تو اندیشہ ہے کہ وہ ان کی شیرازہ بندی کے ذریعے ہمارے لئے کوئی بہت بڑا خطرہ ثابت ہوں۔ اس لئے فوری حکم دیا گیا کہ جن لوگوں کو دیکھو کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں، ان کے بیٹوں کو قتل کر دو۔ لیکن ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھو تاکہ انہیں لونڈیاں بنایا جا سکے۔ بچوں کو قتل کرنے اور بچیوں کو زندہ رکھنے کا حکم تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت سے دیا جا چکا تھا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یا تو اس پر عمل روک دیا گیا تھا اور یا اس پر عمل کرنے والوں نے اس پر غفلت و تساہل کا پردہ تان دیا تھا۔ اور اب اسی حکم کو از سرِ نو زندہ کیا جا رہا تھا۔ اور یا ممکن ہے کہ یہ حکم ابھی دیا گیا ہو۔ کیونکہ بعض مؤرخین کی تحقیق کے مطابق جس فرعون نے پہلا حکم دیا تھا وہ مر چکا تھا۔ اب جس فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واسطہ پڑا تھا یہ پہلے فرعون کا بیٹا تھا۔ اس نے یہ حکم دے کر فوری طور پر اس دعوت کے اثرات کا تدارک کرنے کی تدبیر کی تھی۔ لیکن قرآنِ کریم کہتا ہے کہ اس سلسلے میں جتنی تدبیریں کی گئیں وہ سب ناکام ثابت ہوئیں۔ بنی اسرائیل کی تعداد میں بھی روز افزوں ترقی ہوتی چلی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے اثرات بھی پھیلتے چلے گئے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾

(اور فرعون نے کہا، مجھے چھوڑ دو، میں اس موسیٰ کو قتل کئے دیتا ہوں اور موسیٰ کو چاہئے کہ اپنے رب کو پکار دیکھے، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔ ۲۶)

Marfat.com

فرعون اور اس کے مصاحبین کی برہمی

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق و باطل کی اس کشمکش نے ایسی نازک صورت اختیار کرلی کہ فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت یہ محسوس کرنے لگے کہ اب معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکلتا جارہا ہے اگر ہم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کی اس دعوت کو برداشت کرنے کا سلسلہ جاری رکھا تو اندیشہ ہے کہ یہ دعوت ہماری حکومت ختم نہ ڈالے۔ مصر میں اس وقت جو دین کارفرما تھا اس کی بنیاد فرعون کی ربوبیت پر تھی۔ کیونکہ فرعون اپنی قوم والوں کے نزدیک سورج دیوتا کا مظہر سمجھا جاتا تھا اور اس کی حیثیت ایک اوتار بادشاہ کی تھی، اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو مصریوں کا رب کہتا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی حاکمیت پر تھی۔ چنانچہ آپ کی دعوت کو قبول کرنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا کہ فرعون کی ربوبیت ختم ہوجائے، اس کی مرکزیت کو ماننے سے لوگ انکار کردیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اس کی حکومت ختم ہوکر رہ جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی نوبت آجائے گی۔ لیکن وہ مکار حکمرانوں کی طرح اپنی حکومت کی بجائے لوگوں کا دین بدلنے کا اندیشہ ظاہر کررہا تھا۔ اور دوسری بات اس نے یہ کہی کہ اگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوا تو یہ بات تو طے ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو منظم کرنے کے بعد ملک میں فساد برپا کرے گا۔ یعنی ایک بغاوت پھوٹے گی۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ان خطرات کے سدباب کیلئے موسیٰ کو قتل کرنا ضروری ہے۔ تو تم مجھے اجازت دو کہ میں اسے قتل کردوں۔

اجازت مانگنے کا مطلب یا تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اتنی قوت اور ایسا نفوذ پیدا کرچکی تھی کہ اب ان پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں رہا تھا۔ اس لئے فرعون بھی اپنے اعیانِ سلطنت کی تائید کے بغیر یہ اقدام کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ اور یا اس کا مطلب یہ ہے کہ فرعون کا اعیانِ سلطنت سے اجازت مانگنا صرف اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے اپنے دل کا خوف اس کیلئے رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ وہ دل میں یہ بات جان چکا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس لئے ان کے قتل کے درپے ہونا اپنے آپ کو تباہی کی نذر کرنا ہے۔ اس لئے وہ اپنی کمزوری کو چھپانے کیلئے اربابِ حکومت سے اجازت طلب کررہا تھا۔

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾

(اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ میں نے پناہ لے لی ہے اپنے رب کی اور تمہارے رب کی، ہر اس متکبر کے شر سے جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتا۔ ۲۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب پر غیر متزلزل اعتماد

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ بات کہی، کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت وہ دربار میں موجود تھے اور فرعون نے ان کی موجودگی میں ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، یا انہیں یہ بات کسی ذمہ دار کے واسطے سے پہنچی۔ اور انہوں نے اپنے پیرووں کی مجلس میں یہ بات کہی جس کا یہاں ذکر فرمایا جارہا ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ بات واضح ہے کہ فرعون کی دھمکی ان کے دل میں ذرہ برابر بھی خوف کی کیفیت پیدا نہ کرسکی۔ اور انہوں نے نہایت اطمینان کے ساتھ ایسے خطرناک موقع پر بھی اپنے رب کی پناہ مانگی۔ اور جہاں تک رکم کا

Marfat.com

تعلق ہے تو اگر تو آپ نے یہ بات اپنے پیروکاروں کے درمیان کہی ہے تو پھر تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ہے۔ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل بھی اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتے تھے۔لیکن ایسے خطرناک موقع پر اللہ تعالیٰ کی پناہ لینا یہ ایک طرح سے بنی اسرائیل کیلئے تربیت کا ذریعہ بھی تھا۔لیکن اگر یہ بات آپ نے فرعون کے سامنے کہی ہے تو اس سے آپ کا اللہ تعالیٰ پر غیر متزلزل یقین کا اظہار ہوتا ہے اور فرعون کو یہ بتایا جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہو تو تم اپنے تمام حکومتی کروفر کے باوجود میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔اور اس میں آپ نے خصوصیت سے فرعون کا ذکر نہیں کیا بلکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑی ہے ہر اس متکبر کے شر سے جو روزِ حساب پر یقین نہیں رکھتا۔کیونکہ روزِ حساب پر یقین رکھنے والا کسی کی جان کے درپے نہیں ہوتا، وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا جواب دینا پڑے گا۔لیکن جو شخص اس تصور سے تہی دامن ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ایسے شخص کے شر سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ کارآمد ہو سکتی ہے۔یہ وہ عقیدہ اور ایمان ہے جو ہر پیغمبر نے اپنے ماننے والوں کو دیا ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ
اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ
يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ
مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ
فِي الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ
فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ
الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ
يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ

Marfat.com

عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
مِنْ عَاصِمٍ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ
يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ
حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا كَذٰلِكَ
يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ﴿٣٤﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ
اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾
وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿٣٦﴾
اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا وَكَذٰلِكَ
زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ وَمَا كَيْدُ
فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿٣٧﴾

رکوع: ۴۔ (اور کہا آلِ فرعون میں سے ایک مردِ مومن نے جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کیا تم ایک شخص کو صرف اس بنا پر قتل کردو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بینات لے کر آیا ہے، اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کے جھوٹ کا وبال خود اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہوا تو اس کا کوئی حصہ تم کو پہنچ کر رہے گا جس سے وہ تمہیں ڈراتا ہے، بے شک اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور کذاب ہو۔ ۲۸) اے میری قوم کے لوگو! آج تمہاری حکومت ہے اور اس ملک کی سرزمین پر تم غالب ہو، لیکن اگر خدا کا عذاب ہم پر آ گیا تو پھر کون ہماری مدد کرے گا، فرعون نے کہا کہ میں تم لوگوں کو وہی رائے دے رہا ہوں جسے میں صحیح سمجھتا ہوں اور میں تمہاری رہنمائی ٹھیک سیدھی راہ کی طرف کر رہا ہوں۔ ۲۹) اور جو شخص ایمان لایا تھا اس نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! میں تم پر اسی طرح کے دن کا خوف رکھتا ہوں جس طرح کا دن گروہوں پر آیا۔ ۳۰) جیسا دن قومِ نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والی قوموں پر آیا تھا اور اللہ تعالیٰ بندوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں

Marfat.com

چاہتا۔ ۳۱) اے میری قوم کے لوگو! میں تم پر خوف رکھتا ہوں ہانک پکار کے دن کا۔ ۳۲) جس دن تم پیٹھ پھیر کے بھاگو گے، اور تم کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا، اور جس کو اللہ گمراہ کردے تو اس کیلئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہوتا۔ ۳۳) اس سے پہلے یوسف تمہارے پاس بینات لے کر آئے تھے، مگر تم ان کی لائی ہوئی تعلیم کی طرف سے ہمیشہ شک ہی میں پڑے رہے، حتیٰ کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم نے کہا کہ اب ان کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا، اسی طرح اللہ ان لوگوں کو گمراہ کردیتا ہے جو حد سے گزرنے والے اور شبہات میں پڑے رہنے والے ہوتے ہیں۔ ۳۴) اللہ کی آیات کے بارے میں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑتے ہیں، اللہ اور اہلِ ایمان کے نزدیک وہ نہایت مبغوض ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر و جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ ۳۵) فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لئے ایک بلند عمارت بنوا تا کہ میں اطراف میں پہنچوں۔ ۳۶) آسمانوں کے اطراف میں، اور موسیٰ کے رب کو جھانک کر دیکھوں، میں تو اس کو جھوٹا خیال کرتا ہوں، اور اس طرح فرعون کیلئے اس کی بدعملی خوشنما بنادی گئی اور وہ سیدھی راہ سے روک دیا گیا، اور فرعون کی تدبیر برباد ہو کے رہ گئی۔ ۳۷)

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾

(اور کہا آلِ فرعون میں سے ایک مردِ مومن نے جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کیا تم ایک شخص کو صرف اس بنا پر قتل کردو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بینات لے کر آیا ہے، اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کے جھوٹ کا وبال خود اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہوا تو اس کا کوئی حصہ تم کو پہنچ کر رہے گا جس سے وہ تمہیں ڈراتا ہے، بے شک اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور کذاب ہو۔ ۲۸)

ایک مردِ مومن کی جرأت اور اس کی سرگزشت

جب فرعون نے عمائدینِ سلطنت کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے ارادے کا اظہار کیا تو اسی کے عمائدین میں سے ایک شخص جو درحقیقت ایک مردِ مومن تھا لیکن اس نے اب تک اپنے ایمان کو چھپایا ہوا تھا، وہ بول اٹھا۔ سوال یہ ہے کہ یہ مردِ مومن کون تھا؟ آلِ فرعون کے لفظ سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ وہ فرعون کے قرابت داروں میں سے تھا۔ ہمارے بعض آئمہ تفسیر کا خیال یہ ہے کہ یہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ سیرت واطوار کی وجہ سے نبوت سے پہلے ہی آپ کا گرویدہ اور معترف تھا اور دل سے آپ کے اصلاحی کاموں کا قدردان تھا۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی کا اتفاقی قتل ہوگیا اور اعیانِ حکومت نے ان کے قتل کے مشورے شروع کردیئے تو یہی وہ شخص تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اعیانِ حکومت کے ارادے سے باخبر کیا۔ چنانچہ آپ اس کے مشورے سے مصر

Marfat.com

سے نکلے اور مدین چلے گئے۔ پھر مدین سے واپسی پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ آپ پر ایمان لے آیا۔ لیکن اس نے اس مصلحت کے تحت اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا کہ میں اس طرح سے دربار کے اندر اعیانِ حکومت کے جذبات کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کروں گا۔ اور اندر کی اطلاعات حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچاتا رہوں گا۔ اور ممکن ہے کہ اندر ہی اندر میں بعض لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ شروع ہی میں اپنے ایمان کو ظاہر کر دیتے تو شاہی خاندان کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے وہ جن شاہی حقوق و مراعات سے بہرہ مند تھے یقیناً اس سے محروم ہو جاتے اور حکومت انہیں لوگوں کی نگاہ میں قومی غدار کی حیثیت سے پیش کرتی۔ اس لئے انہوں نے ایک وقت تک جب تک کہ ایمان کے اخفاء کا فائدہ تھا اپنے آپ کو چھپایا۔ لیکن جب دیکھا کہ اب اخفاء کی بجائے اظہار ہونا چاہئے اور اسی سے دین کو تقویت ملے گی تو پھر انہوں نے آہستہ آہستہ اپنے ایمان کا اظہار شروع کیا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو خطرے میں دیکھا تو انہوں نے ساری احتیاطوں کو بالائے طاق رکھا اور کھل کر میدان میں آ گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اصل میں تو اقرار اور اظہار ہی سے مکمل ہوتا ہے لیکن اگر مصلحت اس میں ہو اور اسی میں اللہ تعالیٰ کے دین کی بھلائی ہو تو ایک حد تک اسے چھپایا بھی جاسکتا ہے۔ چنانچہ جب فرعون نے آپ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو اس مردِ مومن نے برسرِ دربار اٹھ کر کہا کہ کیا تم ایک شخص کو اس لئے قتل کر دینا چاہتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بینات یعنی واضح نشانیاں لے کر آیا ہے۔

مردِ مومن کی اس بات سے ایک تو یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ فرعون اگرچہ اپنے آپ کو رب کہلواتا تھا اور سورج کے اوتار ہونے کی حیثیت سے اہلِ مصر پر حکومت کر رہا تھا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی پیغمبرانہ مساعی کے شاید اثرات ابھی تک باقی تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یقینی طور پر اپنا رب مانتے تھے اور یہ ایک ایسی حقیقت تھی جس سے اختلاف کی گنجائش بہت کم تھی۔ تو مردِ مومن نے شاید اسی حوالے سے یہ کہا کہ یہی بات اگر موسیٰ تم سے کہہ رہے ہیں تو اس میں ایسی کیا بات ہے کہ انہیں گردن زدنی قرار دے دیا جائے جبکہ وہ صرف اللہ کے رب ہونے اور اپنے رسول ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کر رہے بلکہ ساتھ ہی ایسے روشن دلائل بھی پیش کر رہے ہیں جن کا انکار بہت مشکل ہے۔ بینات سے مراد یہاں وہ دلائل بھی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت اور اپنی رسالت پر رکھتے تھے۔ اور وہ معجزات بھی ہیں جو آپ کیلئے سندِ ماموریت کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ نو نشانیاں ہوں جس کا ذکر قرآنِ کریم نے مختلف مواقع پر کیا ہے۔ اور جن کا ظہور مختلف وقتوں میں ہوتا رہا ہے۔ مردِ مومن نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ اگر ان صریح نشانیوں کے باوجود تم اسے جھوٹا سمجھتے ہو تو تب بھی اسے قتل کرنے کا تو کوئی جواز نہیں، اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، وہ تو خود جھوٹوں پر لعنت بھیجتا ہے اور جھوٹ کو بہت بڑا عیب بتاتا ہے۔ تو اگر وہ خود جھوٹا ہو گا تو یقیناً اس کے جھوٹ کا وبال اس پر پڑے گا۔ لیکن اگر وہ سچا ہوا جیسا کہ وہ فی الحقیقت ہے تو پھر سوچ لو اس پر ہاتھ ڈالنے کا نتیجہ کیا ہو گا۔ رسولوں کی تکذیب کے سلسلے میں قوموں پر جس طرح کے عذاب آتے رہے ہیں اور تمہیں بھی وہ ان عذابوں سے ڈراتا ہے، بہت ممکن ہے کہ ویسا عذاب تم پر بھی آ دھمکے۔ پھر سوچ لو اس سے تمہیں کون بچا سکتا ہے۔ اس لئے عافیت اسی میں ہے کہ موسیٰ کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور کوئی آخری اقدام کرنے کی جرأت مت کرو۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مردِ مومن نے مزید کہا کہ ہر عقلمند آدمی یہ جانتا ہے کہ ایک شخص کی ذات میں راست روی جیسی خوبی اور کذب و افترا جیسی برائی جمع نہیں ہو سکتی۔ اور تم دیکھ رہے ہو کہ موسیٰ ایک نہایت پاکیزہ سیرت اور کمال درجہ کا بلند کردار انسان ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں یہ کیونکر گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ نبوت کا بے بنیاد دعویٰ لے کر اٹھے اور اللہ کی طرف اسے منسوب کرے۔ لیکن اس کے سیرت و کردار کی بلندی میں کوئی فرق نہ آئے۔

Marfat.com

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ
قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

(اے میری قوم کے لوگو! آج تمہاری حکومت ہے اور اس ملک کی سرزمین پر تم غالب ہو، لیکن اگر خدا کا عذاب ہم پر آ گیا تو پھر کون ہماری مدد کرے گا، فرعون نے کہا کہ میں تم لوگوں کو وہی رائے دے رہا ہوں جسے میں صحیح سمجھتا ہوں اور میں تمہاری رہنمائی ٹھیک سیدھی راہ کی طرف کر رہا ہوں۔ ۲۹)

مردِ مومن کا سلسلۂ کلام اور فرعون کی مداخلت

مردِ مومن نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! مراد اس سے اعیانِ سلطنت ہیں۔ تمہیں اس سرزمین پر بلاشبہ اقتدار حاصل ہے۔ تم اس سرزمین پر پوری طرح چھائے ہوئے ہو اور تمہارے غلبے کو کوئی چیلنج کرنے والا نہیں۔ تم جو چاہو کرو، تمہارا کوئی ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ لیکن میں نہایت ہمدردی اور خیر خواہی سے تمہیں توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا تو پھر مجھے بتلاؤ ہمیں اس عذاب سے کون بچا سکتا ہے؟ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد ہماری قسمت ترازو میں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور رسول کی تکذیب اور اس کے قتل کے ارادے ہمیشہ امتوں پر عذاب آنے کا سبب بنے ہیں۔ اگر ہم نے بھی ایسے اقدامات کئے تو اندیشہ ہے کہ کہیں ہم پر عذاب نہ آ جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت کبھی نہیں بدلتی۔ اور جب اس کا عذاب آتا ہے تو پھر حکومتیں اپنی تمام تر قوتوں کے باوجود اس کا راستہ نہیں روک سکتیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ مردِ مومن بھرے دربار میں نہایت جرأت و استقامت کے ساتھ سچائی کا اظہار کر رہے تھے اور فرعون دیکھ رہا تھا کہ اگر یہ سلسلۂ کلام جاری رہا تو جس دلسوزی کے ساتھ یہ شخص اعیانِ سلطنت سے مخاطب ہے وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گے۔ اس نے فوراً مداخلت کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ لیکن نہایت زیرک حکمران کی طرح بجائے اس مردِ مومن کو مخاطب کرنے کے براہِ راست اپنے اعیانِ سلطنت سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ میں نے تمہیں موسیٰ کے قتل کے سلسلے میں جو کچھ کہا ہے وہ میری نہایت سوچی سمجھی رائے ہے، کسی کو یہ گمان نہیں ہونا چاہئے کہ میں نے محض جذبات میں آ کر ایک بات کہہ دی ہے جس کے نتائج و عواقب پر اچھی طرح غور نہیں کیا گیا۔ میں نے ہر پہلو سے اس بات پر غور کرنے کے بعد آپ کے سامنے رائے پیش کی ہے اور میری اصابتِ رائے سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ اس لئے ہمیں وقت ضائع کئے بغیر اسی رائے پر عمل کرنا ہے۔ اور اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ملک کیلئے خطرناک حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

فرعون نے جو کچھ کہا یہ کوئی نئی بات نہ تھی، ہر دور کے مطلق العنان حکمران جب اپنی حکمرانی کو خطرے میں دیکھتے ہیں تو ہمیشہ ہر اس زبان کو گدی سے کھینچ لیتے ہیں جس زبان سے ان کے اقتدار کے خلاف بات نکلتی ہے۔ اور ہر اس سر کو کاٹ دینا چاہتے ہیں جو ان کے سامنے جھکنے سے انکار کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ظلم کی بقاء بھی ظلم ہی سے ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہی ظلم ان کے زوال کا سبب بنتا ہے۔ لیکن وقتی طور پر وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں۔

Marfat.com

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ
نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

(اور جو شخص ایمان لایا تھا اس نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! میں تم پر اسی طرح کے دن کا خوف رکھتا ہوں جس طرح کا دن گروہوں پر آیا۔ ۳۰) جیسا دن قومِ نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والی قوموں پر آیا تھا اور اللہ تعالیٰ بندوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں چاہتا۔ ۳۱)

مردِ مومن کی جرأت واستقامت

مردِ مومن کی جرأت اور اپنے ایمان پر استقامت کی جتنی تعریف بھی کی جائے کم ہے۔ یہ صحیح ہے کہ فرعون ابھی تک اس شخص کے ایمان لانے کا اندازہ نہیں کر سکا، تاہم وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس میں ایمان کا اظہار بھی تھا اور اپنی قوم کے لوگوں کو ان باتوں سے ڈرانے کی کوشش بھی، جن باتوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو ڈراتے تھے۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ اس نے فرعون کی مداخلت کی پرواہ کئے بغیر اپنی بات جاری رکھی۔ اور صاف صاف عمائدینِ سلطنت سے کہا کہ میں ایک بہت بڑا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔ اس لئے خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ میں تمہیں اس سے آگاہ کروں۔ وہ خطرہ یہ ہے کہ جب بھی کسی قوم نے ان کی ہدایت کیلئے آنے والے پیغمبر کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ضرور آیا ہے۔ نہ جانے کتنی قومیں اس عذاب کا شکار ہو چکی ہیں۔ ان میں سے بعض قوموں سے تم بھی واقف ہو۔ قومِ عاد اور قومِ ثمود ہمارے پڑوس میں رہی ہیں۔ اور ہم ان کے حالات سے بھی واقف ہیں۔ وہ قومیں بھی اس لئے عذاب کا شکار ہوئیں کہ انہوں نے اپنے رسولوں کو گزند پہنچانے کی کوشش کی تو اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انہیں آ پکڑا۔ اگر تم بھی موسیٰ کے قتل سے باز نہ آئے اور ایسا کوئی اقدام کر ڈالا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکو گے۔ اور آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کبھی یہ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے۔ وہ تو بڑا ہی رحیم و کریم ہے۔ اس لئے اگر لوگ اپنے طرزِ عمل کو بدل لیں، توبہ و استغفار سے اپنے اللہ کو راضی کر لیں تو اس کی رحمت کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں۔ لیکن اگر تم نے اس کی اس ڈھیل سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے رسول کو قتل کرنے کی کوشش کی تو پھر اللہ تعالیٰ کا عدل ظہور پذیر ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت حرکت میں آئے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کا عذاب تمہیں آ پکڑے گا۔ لیکن یہ عذاب تمہارے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے عدل کے لازمی نتیجے کے طور پر حرکت میں آئے گا۔

وَیٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

(اے میری قوم کے لوگو! میں تم پر خوف رکھتا ہوں ہانک پکار کے دن کا۔ ۳۲) جس دن تم پیٹھ پھیر کے بھاگو گے، اور تم کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے تو اس کیلئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہوتا۔ ۳۳)

Marfat.com

یَوْمَ التَّنَادِ کا مفہوم

یَوْمَ التَّنَادِ، ہانک پکار کا دن۔ ہمارے بعض مفسرین نے اس سے قیامت کا دن مراد لیا ہے۔ اور ہانک پکار کو انہوں نے مختلف آوازوں کا ہم معنی قرار دیا ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی مختلف اعلانات کرے گا۔ کبھی مختلف گروہوں کو الگ الگ ہونے کا حکم دے گا، کبھی لوگوں کی جزا و سزا کا اعلان کرے گا، کبھی کسی کی عزت افزائی کی جائے گی اور کبھی کسی کی رسوائی کا اعلان کیا جائے گا۔ لیکن بعض اہلِ علم سیاقِ کلام کو دیکھتے ہوئے اس ہانک پکار کے دن سے یومِ عذاب مراد لیتے ہیں۔ مقصود اس سے لوگوں کو یہ بتلانا ہے کہ آج جبکہ تم پیچھے پر ہاتھ نہیں دھرنے دیتے اور کسی بات کو سننا تمہیں گوارا نہیں، لیکن تمہارے ان کرتوتوں کی پاداش میں جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا تو یہ تمہارا کر وفر اور ٹھاٹ باٹ سب دھرا رہ جائے گا۔ تم میں سے ہر شخص اس عذاب کی ہولناکی کو دیکھتے ہوئے پریشانی کے عالم میں مختلف آوازیں نکالے گا، جس طرح اچانک کوئی آفت آجائے تو لوگ سراسیمہ ہو کر دوڑ کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے جاننے والوں سے بھی شور مچاتے ہوئے کہتے ہیں، دوڑو، بھاگو، اس کو پکڑو اس کو تھامو۔ ایسا ہی اس وقت بھی ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عذاب ہی کی تعبیر معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ فرمایا جارہا ہے کہ تم اس دن پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوگے۔ اور تم دیکھو گے کہ اس دن اس عذاب سے بچانے والا تمہیں کوئی نہیں ہوگا۔ کیونکہ کسی بڑی تباہی سے بچانے کیلئے اس تباہی سے بڑی قوت درکار ہوتی ہے جو اس تباہی کا راستہ روک دے۔ لیکن دنیا میں ایسی قوت کہیں نہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کو روک سکتی ہو۔ مردِ مومن عمائدینِ سلطنت کو نہایت دلسوزی سے سمجھاتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے تم اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کرو۔ تم موسیٰ کے قتل کے ارادوں سے باز آجاؤ، اس کی حیثیت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ لیکن اگر تم پر میری یہ باتیں اثر کرنے سے عاجز رہتی ہیں تو پھر میرا کام تو صرف سمجھانا ہے، میں اس سے زیادہ کسی بات کی استطاعت نہیں رکھتا۔ میری نصیحت کو ماننا یا نہ ماننا آپ کے اختیار میں ہے۔ لیکن میری تمام کوششوں کے باوجود اگر آپ نے اپنے اختیار کا غلط استعمال کیا اور جس اقدام کا آپ ارادہ کررہے ہیں اس سے نہ رکے تو پھر اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے سمجھانے کے ذرائع پیدا فرمائے ہیں، لیکن جو شخص ان سے فائدہ اٹھانے کی بجائے دشمنی پر اتر آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی زد میں آجاتا ہے۔ اس سے قبولیت کی استعداد چھین لی جاتی ہے، وہ ہدایت سے محروم ہو کر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوجاتا ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۝٣٤ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۖ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝٣٥

(اس سے پہلے یوسف تمہارے پاس بینات لے کر آئے تھے، مگر تم ان کی لائی ہوئی تعلیم کی طرف سے ہمیشہ شک ہی میں پڑے رہے، حتیٰ کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم نے کہا کہ اب ان کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا، اسی

Marfat.com

طرح اللہ ان لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے گزرنے والے اور شبہات میں پڑے رہنے والے ہوتے ہیں۔ (۳۴)
اللہ کی آیات کے بارے میں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑتے ہیں، اللہ اور اہلِ ایمان کے نزدیک وہ نہایت مبغوض ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر و جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (۳۵)

تاریخی ہٹ دھرمی پر ملامت

مردِ مومن نے اپنی تقریر کے دوران فرعون اور اس کے عمائدینِ سلطنت کی بے اعتنائی اور حق سے بے نیازی کو دیکھتے ہوئے اندازہ کیا کہ یہ لوگ میری باتوں سے اثر قبول کرنے والے نہیں۔ تو پھر آپ نے ان کی تاریخی ہٹ دھرمی کا ذکر کرتے ہوئے ان کو شرم دلائی کہ تمہارا یہ رویہ کوئی نئی بات نہیں، تم تو اپنے محسنوں کے ساتھ بھی تاریخ میں یہی کچھ کرتے آئے ہو۔ تمہیں یاد ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد کے زمانے میں حضرت یوسف علیہ السلام غیر معمولی طریقے سے ملک کے اقتدار میں شریک ہوئے اور تم نے قدم قدم پر خود ان کی زندگی کو معجزہ کی حیثیت سے دیکھا۔ تمہارے بادشاہ نے ایک انتہائی خطرناک خواب دیکھا جس کی تعبیر کو کوئی نہ پا سکا۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی صحیح تعبیر دے کر تمہیں سات برس کے خوفناک قحط کی تباہ کاریوں سے بچا لیا۔ پھر انہوں نے ملک میں ایک ایسا نظامِ حکومت نافذ کیا جس سے بے خوف وخطر ہر گھر کی دہلیز پر انصاف پہنچا۔ اور لوگوں نے نہایت خوشدلی سے دوسروں کے حقوق ادا کئے اور اپنے حقوق حاصل کئے۔ اس طرح سے ملک بھر میں فارغ البالی کا دور دورہ ہوا۔ لیکن ان تمام احسانات کے اعتراف کے باوجود تم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کو مان کر نہ دیا۔ بلکہ ان کی تعلیمات کو نفس کی خواہشوں کے خلاف پا کر ہمیشہ شک وشبہ کا اظہار کرتے رہے۔ یہ صحیح ہے کہ تم نے بادشاہِ وقت کی ان کے ساتھ غیر معمولی عقیدت کو دیکھتے ہوئے کوئی معاندانہ رویہ اختیار نہ کیا۔ لیکن ان کی نبوت پر ایمان لانے کیلئے بھی تیار نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو تم اپنی روش پر غور کرنے کی بجائے اس بات پر شکر ادا کرنے لگے کہ چلئے ہماری جان چھوٹی۔ اب اللہ تعالیٰ ان کے بعد کوئی اور رسول نہیں بھیجے گا جو ہمیں ہماری خواہشات کیخلاف محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے زندگی گزارنے کی ترغیب دے۔ ممکن ہے تم میں ایسے لوگ بھی ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام کی غیر معمولی خوبیوں کے اعتراف میں یہ کہتے ہوں کہ ایسی خوبیوں کا مالک اب دوسرا کوئی رسول نہیں آ سکتا۔ لیکن اس کا نتیجہ انہوں نے بھی یہی نکالا کہ جب ایسی خوبیوں کا کوئی دوسرا حامل ہو ہی نہیں سکتا تو ظاہر ہے کہ کسی دوسرے پر ایمان لانے کا کیا سوال ہے۔

ہدایت وضلالت کے بارے میں چند وضاحتیں

اس آیت کا آخری جملہ اور اس کے بعد کی آیت یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردِ مومن کی تقریر میں اضافہ فرمایا ہے اور اس کی وضاحت میں چند باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ پہلی بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ تمہاری گمراہی اور تم سے پہلے گزرنے والے آباؤ اجداد کی گمراہی کے اسباب ایک ہی جیسے تھے۔ اور جب بھی کوئی قوم ان اسباب کے تحت زندگی گزارتی اور زندگی کے فیصلے کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی پسند کردہ ضلالت ہی کے ڈگر پر ان کیلئے چلنا آسان فرما دیتا ہے اور وہ اس پر بگٹٹ بھاگتے چلے جاتے ہیں۔ ان میں سے پہلی گمراہی یہ ہے کہ لوگ صرف کسی گمراہی کے ارتکاب تک محدود نہیں رہتے بلکہ اس گمراہی کو اپنی عادت بناتے ہیں پھر وہ وقت کا چلن بن جاتی ہے اور پھر اس کا ارتکاب پڑھے لکھے لوگوں کیلئے باعثِ فخر ہو جاتا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کو حد سے گزر جانا کہتے ہیں۔ انسانی فطرت یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت کیخلاف

Marfat.com

خواہشِ نفس کے تحت بعض دفعہ کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے لیکن اسے برائی سمجھتا ہے اس لئے اسے چھپا کے کرتا ہے اور کبھی کبھی اس پر نادم بھی ہوتا ہے لیکن جب یہ ارتکاب بڑھتا چلا جاتا ہے تو پھر وہ اس کی عادت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب جب بھی وہ اس کا ارتکاب کرتا ہے تو نہ اسے ندامت ہوتی ہے اور نہ وہ اسے چھپانے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ آخر ایک وقت آتا ہے جب وہی برائی اسے اچھائی معلوم ہونے لگتی ہے اور وہ بڑے لوگوں کی بڑائی کی شناخت بن جاتی ہے، کسی بھی معاشرے کی بالائی کلاس اس کا ارتکاب اس لئے کرتی ہے کہ وہ بڑے لوگوں کی ایک پہچان بن کر رہ گئی ہے اور عوام ہمیشہ خواص کی پیروی کرتے ہیں۔ جب وہ برائی اس سطح کو پہنچ جاتی ہے تو وقت کا چلن بن جاتی ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ بہت زمانہ نہیں گزرا کہ رشوت نہ صرف ایک برائی تھی بلکہ جب معلوم ہوتا کہ فلاں شخص رشوت دیتا یا لیتا ہے تو لوگ اس سے نفرت کرتے تھے، پھر آہستہ آہستہ یہ عادت بننے لگی، ہر دفتر کا چلن بن کر رہ گئی اور اب حال یہ ہے کہ جن محکموں میں زیادہ رشوت لی جاتی ہے ان میں ملازمت کا حصول ایک مقصد بن کر رہ گیا ہے۔ اور جو شخص ایسے محکموں میں ملازمت حاصل کر لیتا ہے تو وہ دوسروں سے اپنے آپ کو ممتاز سمجھتا ہے اور دوسرے بھی دل میں اس کی عظمت محسوس کرنے لگتے ہیں۔ یہ وہ چیز ہے جس کو حد سے گزر جانا کہتے ہیں اور جب کوئی شخص یا کوئی قوم اس سطح تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔

دوسری برائی یہ ہے کہ جب کوئی شخص نظریاتی فساد میں حد سے گزر جاتا ہے یا عمل کی خرابیاں اس کیلئے اچھائیاں بن جاتی ہیں تو پھر ایسے شخص کا ایک خاص مزاج بن جاتا ہے جو کسی بھی اچھی بات کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ اور ہر اچھا عمل اور ہر اچھائی اس کیلئے تمسخر کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ انہیں توحید اور آخرت کی باتیں اجنبی معلوم ہوتی ہیں اور خواہشِ نفس کو روک دینے والی نصیحتیں ان کے نزدیک دقیانوسی اور پسماندگی کی علامت بن جاتی ہیں۔ وہ ساتر لباس جو کل تک شرافت کی دلیل تھا ایسے لوگوں کے یہاں دیہاتی پن کہلاتا ہے۔ اور وہ قومی روایات جو کسی بھی قوم کی شناخت ہوتی ہیں وہ ان کے نزدیک جدید شعور سے بیگانگی کی علامت بن جاتی ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک ہر اچھی بات اور مذہب کی ہر حقیقت اور اخلاق کی ہر قدر شک و شبہ کا موضوع بن جاتی ہے۔ ایسے لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے راندۂ درگاہ قرار دیئے جاتے ہیں اور قبولیتِ ایمان کی استعداد ان سے چھین لی جاتی ہے اور ان کی گمراہی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

اور تیسری گمراہی جو خواہشِ نفس کی پیروی میں حد سے گزر جانے اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی ہر بات میں شک و شبہ کا اظہار کرنے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ بظاہر اللہ تعالیٰ کی کتاب کو تسلیم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن جب اس کی آیات پر گفتگو کرتے ہیں تو اس میں نہ کسی عقلی استدلال سے کام لیتے ہیں اور نہ کسی ایسی دلیل کو پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہو۔ بلکہ ان کی گفتگو میں ہر وہ چیز دلیل کا درجہ اختیار کر جاتی ہے جس کو وہ خود صحیح سمجھتے ہوں۔ یا وقت کے دانشوروں میں سے جن سے وہ مرعوب ہیں کے اقوال اس کی تائید کرتے ہوں۔ اور اگر کوئی ان سے یہ کہنے کی کوشش کرے کہ آپ قرآنِ کریم کی آیات پر گفتگو کرنے چلے ہیں لیکن آپ قرآنِ کریم کی مبادیات تک سے واقف نہیں ہیں، تو کیا آپ کو علمی طور پر اس کا حق پہنچتا ہے کہ آپ اس پر گفتگو کریں۔ تو وہ نہایت ڈھٹائی سے جواب دیتے ہیں کہ دین پر کسی کا اجارہ نہیں۔ ہم بھی اس پر کلام کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی کلاس کے سوا کسی ایسے شخص کو بات کرنے کا حق دینے کو تیار نہیں یا اس کی علمی عظمت کو وہ کبھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں جس کے پاس دولت نہ ہو اور یا ان کی طرح وہ خاص اسلوبِ زندگی نہ رکھتا ہو۔ یہ ان کا وہ جھوٹا پندار ہے جس کی بنا پر وہ حق کے آگے سر جھکانے کو اپنی حیثیت سے کمتر خیال کرتے ہیں۔ اور یہ وہ تکبر ہے جو ان کے اور حق کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اشرافِ قریش میں کتنے ایسے لوگ تھے جو محض اپنے

Marfat.com

اثر ورسوخ اور دولت کے پندار کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کو ماننے کیلئے تیار نہ تھے۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو چھوٹوں کے حقوق کو پامال کرتا اور ظلم اور جبر کے ذریعے اپنی شخصیت کو بالا بلند کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی ہر پابندی کو اس لئے ماننے سے انکار کر دیتا ہے کہ اس سے اس کے جبر کو لگام ملتی ہے اور اس کی شخصیت عبدیت کی بو سونگھنے لگتی ہے۔ ایسے شخص کو جبار کہتے ہیں۔ جس شخص میں پہلی تین صفات ہوں اور پھر وہ ان کے ساتھ ساتھ تکبر اور جبر کے نتیجے میں ہٹ دھرمی کا شکار بھی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیا کرتا ہے۔ یعنی وہ قبولیتِ ایمان، قبولیتِ حق اور ہر اچھائی کو قبول کرنے سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾

(فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لئے ایک بلند عمارت بنوا تاکہ میں اطراف میں پہنچوں۔ ۳۶) آسمانوں کے اطراف میں، اور موسیٰ کے رب کو جھانک کر دیکھوں، میں تو اس کو جھوٹا خیال کرتا ہوں، اور اس طرح فرعون کیلئے اس کی بدعملی خوشنما بنا دی گئی اور وہ سیدھی راہ سے روک دیا گیا، اور فرعون کی تدبیر برباد ہو کے رہ گئی۔ ۳۷)

اقتدار کی چالیں

مردِ مومن کی تقریر سے فرعون کو فکر لاحق ہوئی کہ کہیں اس کے دل سے نکلی ہوئی باتیں عمائدینِ سلطنت کے دلوں میں نہ اتر جائیں۔ ان میں چند آدمی بھی اس کے ہم خیال ہو گئے تو حکومت کیلئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اس نے فوراً ایک نیا شغلہ چھوڑا جس سے اس نے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ میرے نزدیک ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس لئے تم بھی ان باتوں کو دوسرے کان سے نکال دو۔ نہایت بے پروائی کے انداز میں اس نے اپنے نہایت معتمد وزیر ہامان سے کہا کہ میرے لئے ایک بلند و بالا عمارت بنواؤ تاکہ میں آسمانوں کے اطراف میں پہنچ کر دیکھوں کہ کیا وہاں موسیٰ کا وہ رب موجود ہے جس کی طرف سے اسے رسول بن کر آنے کا دعویٰ ہے۔ میں تو گمان کرتا ہوں کہ موسیٰ ایک بالکل جھوٹا آدمی ہے، اس نے محض ایک بات بنا رکھی ہے، لیکن اس کی تصدیق یا تردید کیلئے ضروری ہے کہ میں خود اوپر جا کر دیکھوں۔ اندازہ کیجئے کہ جو لوگ اقتدار کے نشے میں اندھے ہو جاتے ہیں اور ہٹ دھرمی کا شکار ہو کر کسی بات پر غور کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے، ان کی حماقت کا کیا حال ہوتا ہے۔ اس نے اپنے تئیں یہ فرض کر لیا کہ موسیٰ کا رب آسمان میں رہتا ہے۔ تو میں جب اس کے قریب پہنچوں گا تو وہ یقیناً کہیں نہ کہیں مجھے دکھائی دے گا۔ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح اچھائی ہر دور میں موجود رہی ہے اسی طرح حماقت آمیز برائیاں بھی ہر دور میں موجود رہی ہیں۔ فرعون کا زمانہ تو کہا جا سکتا ہے کہ قرونِ مظلمہ میں شامل ہے۔ لیکن ہمارا زمانہ تو علم و ہنر کی روشنی کا زمانہ ہے۔ اس کے باوجود کیا یہ حقیقت نہیں کہ روس کے ایک بہت بڑے لیڈر نے یہ بات کہی تھی کہ مسلمان نہ جانے کس خدا کی بات کرتے ہیں، ہمارے خلانورد کائنات کی وسعتوں میں گھوم پھر کر آئے ہیں انہیں تو کہیں خدا نظر نہیں آیا۔ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھتا ہے کہ سائنسدان آج تک کائنات کی وسعتوں کے سامنے بے بس کھڑے ہیں وہ آج تک آسمان کو دریافت نہیں کر سکے۔ ہمیں جو نیلی چھت نظر آتی ہے اسے وہ حدِ نگاہ سمجھتے ہیں۔ اور چاند تک جانے کے دعوے ضرور ہیں لیکن ساتھ ہی یہ اعتراف بھی ہے کہ چاند

Marfat.com

تو ہمارے قریب ترین سیاروں میں سے ہے، دور کے سیاروں کی انسان کو کچھ خبر نہیں۔ لیکن اقتدار میں سرمست آدمی کیسے کیسے دعوے کرتا ہے۔ اسی ایک نمونہ فرعون بھی ہے۔ مفسرین یہ کہتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ ایسی کوئی عمارت بنائی ہی نہیں گئی کیونکہ تاریخ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اور اگر بالفرض ایسی کوشش ہوئی بھی ہے تو وہ عمارت تکمیل پذیر ہونے سے پہلے زمین بوس ہوگئی۔

ایک سوال کا جواب

اس کے بعد ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ فرعون تاریخ کی شہادت کے مطابق اپنے دور کا ایک کامیاب حکمران تھا۔ اور اس نے بڑی کامیابی سے ایک وسیع خطے پر حکومت قائم کر رکھی تھی۔ اور اس کی قوت کا عالم یہ تھا کہ دوسری کوئی حکومت کبھی اس کو چیلنج نہ کر سکی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو شخص کامیاب طریقے سے حکومت کر سکتا ہے اسے اتنا غبی تو نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور آپ کی دلآویز شخصیت کو دیکھ کر بھی ان کی نبوت سچائی کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کو اس کے تکبر اور بدعملی پر اصرار کے میں سزا دینے کا فیصلہ کرتا ہے تو اسے تزیینِ اعمال کے فتنے میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یعنی وہ جن اعمال کی گرفت میں ہوتا ہے انہیں وہ حقائق کا درجہ دیتا ہے۔ وہ اپنی خواہشِ نفس کو عقل کا تقاضا سمجھتا ہے اور اپنی ہٹ دھرمی کو فکری پختگی سمجھتے ہوئے اپنے برے اعمال پر اصرار جاری رکھتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے اسے روک دیا جاتا ہے اور وہ شیطان کے رستے کا مسافر ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہی کچھ فرعون کے ساتھ بھی ہوا۔ اس نے مسلسل اپنی حکومت کی بقاء اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ناکام کرنے کیلئے تدبیریں کیں۔ لیکن اس کی ہر تدبیر کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہ تھا۔

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ
اَھْدِکُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ یٰقَوْمِ اِنَّمَا ھٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ
وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ ھِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓی
اِلَّا مِثْلَھَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْھَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَ
یٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ ﴿۴۱﴾

Marfat.com

تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا
اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿٤٢﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ لَيْسَ
لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ
الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿٤٣﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ
وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٤٤﴾ فَوَقٰىهُ
اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿٤٥﴾ ۚ
اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ قف
اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ
فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ
اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا
اِنَّا كُلٌّ فِيْهَاۤ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ
فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ
الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾ قَالُوْۤا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا
بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٥٠﴾ ع

Marfat.com

رکوع: ۵۔ (اور مردِ مومن نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! تم میری پیروی کرو، میں تمہیں صحیح راستہ بتا رہا ہوں۔
۳۸) اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ متاع ہے اور ہمیشہ کے قیام کی جگہ آخرت ہی ہے۔ ۳۹) جو شخص برائی کرے گا اس کو اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنی اس نے برائی کی ہوگی، اور جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، اور وہ مومن بھی ہوا تو یہی لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے جہاں ان کو بے حساب رزق دیا جائے گا۔ ۴۰) اور اے میری قوم کے لوگو! یہ کیا بات ہے میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے نارِ (جہنم) کی طرف بلا رہے ہو۔ ۴۱) تم مجھے دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں اور اس کے ساتھ ایسی ہستیوں کو شریک ٹھہراؤں جن کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں، حالانکہ میں تمہیں اس زبردست مغفرت کرنے والے خدا کی طرف بلا رہا ہوں۔
۴۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ جن کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو، ان کی کوئی دعوت نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں، اور بے شک ہم سب کو پلٹنا اللہ ہی کی طرف ہے، اور جو حد سے گزرنے والے ہیں وہی آگ میں جانے والے ہیں۔
۴۳) تو تم عنقریب ان باتوں کو یاد کرو گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں، اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ اپنے بندوں کا نگہبان ہے۔ ۴۴) پس اللہ نے اس کو ان کی چالوں کی آفتوں سے محفوظ رکھا، اور آلِ فرعون کو بدترین عذاب نے گھیر لیا۔ ۴۵) (جہنم کی) آگ ہے جس پر وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں، اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ آلِ فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کر دو۔ ۴۶) اور اس وقت کو یاد کرو جب یہ لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو زیردست ان لوگوں سے جو بڑے بنے رہے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے تو کیا تم لوگ نارِ جہنم کا کچھ حصہ ہماری جگہ اپنے سر لینے والے بنو گے۔ ۴۷) جو بڑے بنے رہے وہ جواب دیں گے، اب تو ہم سب اس میں ہیں، اور اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے۔ ۴۸) پھر یہ دوزخ میں پڑے ہوئے لوگ جہنم کے داروغوں سے کہیں گے اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے عذاب میں ایک دن کی تخفیف کر دے۔
۴۹) وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول بینات لے کر نہیں آئے تھے، وہ کہیں گے ہاں، تو جہنم کے داروغے بولیں گے پھر تم ہی دعا کرو، اور کافروں کی دعا اکارت ہی جانے والی ہے۔ ۵۰)

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۚ﴿۳۸﴾

(اور مردِ مومن نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! تم میری پیروی کرو، میں تمہیں صحیح راستہ بتا رہا ہوں۔ ۳۸)

مردِ مومن نے فرعون کی مداخلت کی پرواہ نہیں کی اور اس کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے اپنی بات کو جاری رکھا۔ فرعون نے اس سے پہلے کہا تھا کہ میں تمہیں سیدھی اور صحیح راہ کی طرف رہنمائی کر رہا ہوں۔ اس کے جواب میں مردِ مومن نے کہا کہ فرعون جس راہ پر تمہیں چلانا چاہتا ہے وہ ہدایت کی راہ نہیں بلکہ گمراہی کا راستہ ہے۔ اگر تم فرعون کی پیروی کرو گے تو وہ تمہیں تباہی کی طرف لے جائے گا۔ لیکن اگر تم صحیح راستے چلنا چاہتے ہو جس میں تمہیں دو عالم کی کامرانیاں نصیب ہوں تو اس کی طرف میں تمہیں رہنمائی کر رہا ہوں، اس لئے میری پیروی کرو۔

Marfat.com

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾

(اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو چندروزہ متاع ہے اور ہمیشہ کے قیام کی جگہ آخرت ہی ہے۔ ۳۹)

دنیادار کا اصل مرض

اس آیت میں جو بات ارشاد فرمائی گئی ہے یوں تو اس کا مخاطب ہر شخص ہے کیونکہ دنیا کا کوئی شخص ہی ایسا ہوگا جو دنیا کی چندروزہ زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح نہیں دیتا۔ لیکن جن لوگوں میں یہ بیماری سب سے زیادہ پائی جاتی ہے اور وہ توجہ دلانے پر بھی اپنے رویئے میں کبھی تبدیلی پیدا نہیں کرتے، وہ بادشاہ کے اہلِ دربار، حاشیہ بردار اور اس کے عمائدینِ سلطنت ہیں وہ علم و دانش کے حامل ہونے کے باوجود زندگی کے مقاصد کے تعین میں سب سے زیادہ کوتاہ فکر اور کوتاہ ہمت واقع ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ہدف حیاتِ چندروزہ کا عیش و آرام ہوتا ہے۔ اور یہ چیز انہیں چونکہ حاکمِ وقت کی ہاں میں ہاں ملانے سے ملتی ہے اس لئے وہ حاکمِ وقت کو ناراض کرنے یا اس کی کسی بات کی مخالفت کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ اس لئے بطورِ خاص ان سے خطاب کرتے ہوئے مردِ مومن نے کہا کہ یہ دنیا کی زندگی متاع چندروزہ کے سوا کچھ نہیں۔ اصل زندگی وہ ہے جو آخرت میں ملے گی، جس کے عیش و آرام میں کبھی خلل واقع نہیں ہوگا۔ اور جس کی کسی نعمت کو کبھی زوال نہیں ہوگا۔ تو اس کے مقابلے میں اگر یہ چندروزہ زندگی کو ترجیح دیتے ہیں تو یہ وہ بھول ہے جس کا کوئی تدارک نہیں ہوسکتا۔

دارِ دنیا کی سجاوٹ پہ نہ جا
آخرت میں اپنا اصلی گھر سجا

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

(جو شخص برائی کرے گا اس کو اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنی اس نے برائی کی ہوگی، اور جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، اور وہ مومن بھی ہوا تو یہی لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے جہاں ان کو بے حساب رزق دیا جائے گا۔ ۴۰)

ضابطۂ آخرت کی وضاحت

اوپر کی آیت میں آخرت کا جو حوالہ دیا گیا ہے اس کی مناسبت سے ضروری ٹھہرا کہ وہاں جزاء و سزا کا جو ضابطہ نافذ ہوگا اسے بیان کردیا جائے۔ چنانچہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہاں جو شخص برائیوں کا سرمایہ لے کر پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ چونکہ نہایت عادل ہے وہ برائیوں کے مطابق ایسے شخص کو سزا دے گا۔ یعنی ہر بدی کے مقابلے میں ایک ہی بدی کی متعین سزا اسے دی جائے گی۔ اور اس حوالے سے اس پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ نہ اس کی سزا میں زیادتی ہوگی اور نہ برائی کے بغیر اس کو سزا دی جائے گی۔ اور ایسا بھی نہیں ہوگا کہ کسی دوسرے کی برائی پر اسے پکڑ لیا جائے۔ کیونکہ وہاں کسی غلطی کا امکان نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو شخص نیکیوں کا سرمایہ لے کر پہنچے گا اور اس میں کوئی

Marfat.com

تخصیص نہیں کہ وہ مذکر ہو یا مونث، کیونکہ جزاء وسزا میں مرد وعورت دونوں برابر ہیں۔ لیکن نیکی کے بدلے کی صورت میں یہ ضروری ہے کہ نیکی کرنے والا ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہو۔ کیونکہ جو شخص ایمان کے بغیر کوئی بھلائی کا کام کرتا ہے دنیا میں ممکن ہے کہ اس کے اجر کے طور پر اس کے رزق میں اضافہ کر دیا جائے۔ لیکن قیامت کے دن اسے اس کی بھلائیوں کا کوئی صلہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ اس روز صرف اللہ تعالیٰ کی حکومت ہوگی۔ اور اس شخص نے اس پر ایمان لانے سے انکار کر کے اس کی حیثیت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ تو آج اس کی کسی نیکی اور بھلائی کا صلہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ جو شخص کسی ملک کے سربراہ اور یا ملک کے آئین کو ماننے سے انکار کرتا ہے اسے کسی بھی بھلائی کا حقدار نہیں سمجھا جاتا۔ تو ایسے لوگ، جو ایمان کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ڈر کر شریعت کی پابندی کرتے رہے وہ یقیناً جنت میں داخل ہوں گے۔ اور وہاں انہیں اجر وثواب اور نعمتوں کی صورت میں جو کچھ ملے گا آج اس کا حساب نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی ہمارے حساب کے پیمانے اسے ناپنے تولنے اور جانچنے اور پرکھنے سے عاجز ہو جائیں گے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کی کمیت اور کیفیت سے آگاہ نہیں ہوگا وہ یقیناً ہر چیز کو اس کی کمیت اور کیفیت سمیت جانتا ہے۔ اس کے یہاں کوئی چیز بھی بے حساب نہیں ہوتی۔

بے حساب کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا اظہار ہوتا ہے۔ یعنی وہ اپنے صاحبِ ایمان اور نیکوکار بندوں پر اس قدر مہربان ہوگا کہ بارش کی طرح ان پر نعمتیں برسیں گی۔ دیکھنے والی نگاہیں جس کا حساب نہیں کر سکیں گی۔ البتہ اس بات کا ہر شخص کو احساس ہوگا کہ آج اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں کو ڈھانپ لینا چاہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بے حساب کا لفظ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک استعارہ ہے جو بندوں کیلئے انتہائی قابلِ فخر اور انتہائی قابلِ احترام ہے۔ لیکن کس قدر دکھ کی بات ہے کہ ہمارے اردو اور فارسی لٹریچر نے جس طرح اس کو بے وقار کیا ہے اور اس کے مفہوم میں استخفاف کے جراثیم ڈالے ہیں وہ بجائے خود بجو د تکلیف دہ ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

آگے چل کر حساب ہونا ہے
اس لئے بے حساب پی لیجے
دو ہی گھونٹ ہیں جام کے اندر
کر کے زیرِ نقاب پی لیجے

اندازہ کیجئے کہ شاعر نے اس لفظ کے تقدس کو کس بری طرح پامال کیا ہے۔

وَيٰقَوْمِ مَالِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝۴۱

(اور اے میری قوم کے لوگو! یہ کیا بات ہے میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے نارِ (جہنم) کی طرف بلا رہے ہو۔ ۴۱)

قوم کے بعض لوگوں کے رویے کا جواب

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مردِ مومن کے خطاب کے درمیان عمائدینِ سلطنت میں سے بھی کچھ لوگوں نے آپ کی تقریر کو روک کر اپنی بات کہنے کی کوشش کی۔ اور بعض لوگوں نے انہیں اپنے آباؤ اجداد کے خیالات سے بغاوت کا طعنہ دیا۔ اور جن لوگوں نے زیادہ شائستگی دکھائی انہوں نے دھیمے لہجے میں انہیں آباء پرستی کی تلقین کی اور اسی طریقے پر چلنے کو کہا جس پر اب تک ان کے آباؤ اجداد قائم

Marfat.com

رہے تھے۔ چنانچہ ان تمام باتوں کے جواب میں مردِ مومن نے نہایت ناصحانہ اور حکیمانہ انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا یہ کیسی عجیب بات ہے اور عجب ماجرا ہے اور کیسی اپنے آپ سے دشمنی ہے کہ میں تو تمہیں اس راستے کی طرف لے جا رہا ہوں جو نجات کا راستہ ہے، لیکن تم مجھے اس بات کی تلقین کر رہے ہو جو جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔ یعنی ایک طرف خیر خواہی اور ہمدردی اور دوسری طرف دشمنی اور بدخواہی۔ ان دونوں باتوں میں آخر کیا تعلق ہے۔ اگر تم بھی خیر خواہی سے میری باتوں پر غور کرو گے تو ماننا پڑے گا کہ عافیت کا راستہ وہی ہے جس کی طرف میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں۔

تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

(تم مجھے دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں اور اس کے ساتھ ایسی ہستیوں کو شریک ٹھہراؤں جن کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں، حالانکہ میں تمہیں اس زبردست مغفرت کرنے والے خدا کی طرف بلا رہا ہوں۔ ۴۲)

گزشتہ مضمون کا تسلسل

یہ آیت گزشتہ آیت کے مضمون کا تسلسل ہے۔ یعنی تم مجھے جس فکری راستے اور طرزِ عمل کی طرف بلا رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے کفر کروں۔ یعنی یا تو اسے ماننے سے انکار کردوں کہ ہمارا کوئی خالق و مالک اور الٰہ نہیں۔ اور یا اسے زبانی حد تک تسلیم کروں لیکن اس کی اطاعت کرنے سے انکار کر دوں، یہ دونوں باتیں عقل کے بھی خلاف ہیں اور تمام مذاہب کی بنیادی تعلیم کے بھی خلاف ہیں۔ جس نے بھی مخلوق کی حقیقت پر غور کیا ہے اس نے ایک خالق کو ضرور مانا ہے۔ اور جس نے ربوبیت کے پھیلے ہوئے فیضان پر توجہ دی ہے اس نے بھی ایک رب کے وجود کو تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح جس نے بھی الوہیت اور ربوبیت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچا ہے جو خالق ہوتا ہے وہی حکم دینے کا حق رکھتا ہے۔ اور جو مخلوق ہوتا ہے اس کیلئے اپنے خالق کے حکم کو نہ ماننے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ خلق اور امر آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔

دوسری جس بات کی طرف تم مجھے دعوت دے رہے ہو وہ یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان چیزوں اور ان ہستیوں کو شریک کروں جنہیں تم اس کے ساتھ شریک ٹھہرا چکے ہو۔ یہ بات بھی علمی لحاظ سے ناقابلِ قبول ہے۔ کیونکہ جہاں تک اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا تعلق اور اس کی وحدانیت پر یقین لانے کا تعلق ہے یہ وہ چیز ہے جس کا کبھی کسی نے انکار نہیں کیا۔ جس کی طبیعت میں سلامتی ہے اور جس کی عقل مسموم خیالات سے کند نہیں ہو چکی وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرنے پر مجبور ہے۔ لیکن جہاں تک کسی اور کو اس کا شریک کرنے کا تعلق ہے اس پر آج تک کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکی، اس کے بارے میں کسی مذہب نے دعویٰ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کوئی سند اتاری ہے۔ تو پھر میں ایک بے سند اور بے دلیل بات کو کیسے تسلیم کرلوں۔ اور میں تمہیں ایک ایسے پروردگار کی طرف دعوت دے رہا ہوں جس کی قدرت و طاقت تمام کائنات کو تھامے ہوئے ہے۔ اور جس کے غضب و انتقام پر معذب قوموں کی تاریخ شاہد ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بات کہ وہ بخش دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ بڑے سے بڑا پاپی بھی اخلاص کے ساتھ اس کے دروازے پر آجائے اور استغفار کرے تو وہ کبھی محروم نہیں لوٹتا۔ اندازہ کیجئے میری دعوت اور تمہاری دعوت میں کتنا تضاد ہے۔

Marfat.com

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَا فِی الْاٰخِرَةِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَی اللّٰهِ وَ اَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

(اس میں کوئی شک نہیں کہ جن کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو، ان کی کوئی دعوت نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں، اور بے شک ہم سب کو پلٹنا اللہ ہی کی طرف ہے، اور جو حد سے گزرنے والے ہیں وہی آگ میں جانے والے ہیں۔ ۴۳)

لَا جَرَمَ کی تحقیق اور خلاصہ بحث

لَا جَرَمَ ...... اصل کے اعتبار سے تحقیق کے معنی میں ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ لَا بُدَّ، لامحالہ کے معنی میں ہے۔ قاموس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ بعض اہلِ علم نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ لَا سے اس کی نفی مطلوب ہے جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ اور جَرَمَ فعل ماضی ہے جو حَقَّ اور ثَبَتَ کے معنی میں ہے۔ مردِ مومن نے اپنے دلائل کو سمیٹتے ہوئے خلاصہ بحث کو سامعین کے سامنے رکھا کہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ تم جن قوتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے کی مجھے دعوت دے رہے اور پھر ان کی پوجا پاٹ کی مجھے ترغیب دے رہے ہو یا جو بڑے لوگ اللہ تعالیٰ کے اختیارات سنبھالتے ہوئے لوگوں سے اپنی غیر مشروط اطاعت کروا رہے ہیں تم مجھے ان کی اطاعت کی طرف بلا رہے ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ نہ ان کی دنیا میں کوئی دعوت ہے اور نہ آخرت میں۔ بعض اہلِ علم نے اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہاں فعل کی نفی اس کے فائدہ کی نفی کے پہلو سے ہے۔ یعنی ان کو پکارنے کا کوئی فائدہ نہ اس دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں۔ بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو نہ تو دنیا میں کوئی حق پہنچتا ہے اور نہ آخرت میں پہنچے گا کہ ان کی خدائی کو تسلیم کرنے کیلئے خلقِ خدا کو دعوت دی جائے۔ کیونکہ پرستش اور بندگی کیلئے الوہیت کی جو صفات ضروری ہیں ان میں سے کوئی صفت بھی ان کے اندر نہیں پائی جاتیں۔ اور نہ انہوں نے خود کبھی دنیا میں اپنے خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور نہ وہ آخرت میں یہ دعویٰ لے کر اٹھیں گے کہ ہم بھی تو خدا تھے، ہمیں تسلیم کیوں نہ کیا گیا۔ رہے وہ لوگ جن لوگوں نے شرک کا یہ کھڑاگ رچا رکھا ہے وہ درحقیقت حد سے گزر جانے والے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف شریعت کی حدود کو پامال کیا بلکہ عقل اور انسانیت کی حدود بھی روند ڈالیں۔ کیونکہ حد سے گزر جانے کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک تو یہ کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کی خدائی کا دعویٰ کرے اور ان کو مانے، یا خود خدا بن بیٹھے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے باغی ہو کر دنیا میں خودمختاری کا رویہ اختیار کرے۔ ظاہر ہے ان میں سے کسی کے حق میں بھی نہ کوئی عقلی دلیل قائم ہے اور نہ کوئی نقلی۔ صرف خواہشِ نفس کے پرستار حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں جو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

(تو تم عنقریب ان باتوں کو یاد کرو گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں، اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ اپنے بندوں کا نگہبان ہے۔ ۴۴)

Marfat.com

مردِ مومن کی تقریر کا اختتام

اس آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مردِ مومن کی تقریر کا آخری حصہ ہے جس میں اس نے خیر خواہی کی انتہا کر دی ہے۔ جس طرح ایک شفیق باپ اپنے بیٹے کو حقِ نصیحت ادا کر دینے کے بعد جب بیٹے کی طرف سے کوئی مثبت جواب نہیں پاتا بلکہ قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاید اس نصیحت پر کان دھرنے کیلئے تیار نہیں، تو وہ اپنے دل میں محبت اور شفقت کے تمام تر جذبات کو سمیٹتے ہوئے یہ بات کہتا ہے کہ بیٹا! تمہیں شاید آج یہ میری باتیں سمجھ نہیں آ رہیں لیکن وہ وقت دور نہیں جب تم میری باتوں کو یاد کیا کرو گے کہ میرے باپ نے ٹھیک کہا تھا۔ لیکن اس وقت شاید عمل کرنے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ یہاں بھی مردِ مومن نے عمائدینِ سلطنت کے سامنے تمام تر خطرات کو سامنے دیکھتے ہوئے حقِ نصیحت ادا کرنے کی کوشش کی اور جب ان کی طرف سے کسی مثبت جواب کی امید نہ ہوئی تو تب اس نے یہ کہا کہ مجھے جو کہنا تھا، کہہ چکا، تم اسے قبول کرو یا نہ کرو۔ لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب تمہیں میری باتیں یاد آئیں گی۔ لیکن اس وقت حسرت کے سوا تمہارے پاس کچھ نہیں ہوگا۔ یہاں جس وقت کا ذکر کیا جا رہا ہے اس سے مراد آخرت بھی ہو سکتی ہے کہ آخرت کے عذاب کو دیکھ کر تمہیں میری باتیں یاد آئیں گی۔ اور یا اس سے مراد رسول کی تکذیب کی صورت میں جو عذاب آیا کرتا ہے وہ عذاب بھی ہو سکتا ہے کہ جب اس عذاب کی علامتیں ظاہر ہوں گی تو تمہیں میری باتیں یاد آئیں گی، لیکن اس وقت بھی تمہاری ندامت نہ دنیا میں آنے والے عذاب کو روک سکے گی اور نہ آخرت کی سزا کو ٹال سکے گی۔

پھر مردِ مومن نے خطرات کو بھانپتے ہوئے نہایت جرأت سے یہ بات کہی کہ میں جانتا ہوں کہ تم میرے اظہارِ حق کی کوشش کو برداشت نہیں کر پاؤ گے اور مجھے اس کی بڑی سے بڑی سزا دینے کی کوشش کرو گے۔ لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں، میں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے، میں نے جو کچھ کہا سوچ سمجھ کر کہا اور اپنا فرض ادا کیا، اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے مجھے اس سے کوئی اندیشہ نہیں، میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے حالات سے پوری طرح باخبر ہے، وہ میری ان ادنیٰ کاوشوں کو بھی دیکھ رہا ہے اور تمہارے کافرانہ رویئے کو بھی، مجھے اپنا فرض انجام دینا ہے اور تمہیں اپنا فرض ادا کرنا ہے، اب میرا معاملہ بھی اور تمہارا معاملہ بھی اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ بعض اہلِ علم نے اس سے یہ بات بھی سمجھی ہے کہ تفویض صرف اپنے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے ہی کو نہیں کہتے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخالفین کے حالات اور انجام کو بھی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کرنے کے بعد ان کی عاقبت اور انجام کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے اور اپنی طرف سے کوئی بڑی بات کہنے کی کوشش نہ کی جائے۔

فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿٤٥﴾

(پس اللہ نے اس کو ان کی چالوں کی آفتوں سے محفوظ رکھا، اور آلِ فرعون کو بدترین عذاب نے گھیر لیا۔ ۴۵)

Marfat.com

مخالفین کی سازشوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت

سیاقِ کلام کو دیکھتے ہوئے گمان ہوتا ہے کہ مردِ مومن کی حق گوئی کے نتیجے میں حالات تیزی سے بگڑے۔ فرعون اور اس کے حواریوں نے مردِ مومن پر براہِ راست ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کی کیونکہ وہ اس وہم میں مبتلا ہو گئے تھے کہ جس سچائی نے مردِ مومن کو اتنے بڑے اقدام پر مجبور کر دیا ہے نہ جانے وہ سچائی کس کس دل میں اتر چکی ہے۔ ممکن ہے کہ عمائدینِ سلطنت میں سے اور بھی کچھ لوگ مردِ مومن کی طرح خفیہ ایمان لا چکے ہوں اور وقت آنے پر اپنے ایمان کا اظہار کریں۔ اس لئے اندر ہی اندر یہ کھوج لگانے کی کوششیں تیز ہو گئیں کہ ایسے لوگ جو اس سچائی سے متاثر ہیں ان کا سراغ لگایا جائے۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ صورتحال ایک عرصے تک چلتی رہی۔ لیکن انہوں نے مردِ مومن کیلئے زندگی اجیرن بنا دی۔ اس کو قتل کرنے کی سازشیں تو کامیاب نہ ہو سکیں لیکن اس کو بدنام کرنے اور اس کیلئے مشکلات پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ ممکن ہے کہ تعزیر اور تعذیب کے شکنجوں میں اسے کسا گیا ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان مکروہات اور مصائب سے مردِ مومن کو محفوظ رکھا جو فرعون اور آلِ فرعون کے پیشِ نظر تھے۔ اسی دوران وہ وقت آ گیا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صاحبِ ایمان لوگوں کو ساتھ لے کر ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ اور فرعون ان کا پیچھا کرتے ہوئے بحرِ قلزم تک جا پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ ایمان کو بحرِ قلزم سے خیریت سے گزار دیا۔ لیکن فرعون اپنے لشکروں سمیت بحرِ قلزم میں غرق کر دیا گیا۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۗ
اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

(جہنم کی) آگ ہے جس پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں، اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ آلِ فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کر دو۔ ۴۶)

سُوْٓءُ الْعَذَابِ کی وضاحت

گزشتہ آیتِ کریمہ میں جس عذاب کو سُوْٓءُ الْعَذَابِ قرار دیا گیا ہے وہ بحرِ قلزم میں غرقابی کے ساتھ ساتھ برزخ کا عذاب بھی ہے جس سے یہ لوگ دوچار ہوں گے۔ برزخی زندگی میں فرعون اور آلِ فرعون صبح و شام دوزخ کے عذاب پر پیش کئے جائیں گے۔ یعنی ہر صبح اور ہر شام انہیں اس عذاب کا مشاہدہ کرایا جائے گا جس عذاب میں وہ قیامت کے روز ڈالے جائیں گے۔ تاکہ وہ دیکھتے رہیں کہ وہ اصل ٹھکانہ کون سا ہے جس سے قیامت کے دن انہیں واسطہ پڑنے والا ہے۔ اس آیتِ کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ برزخ میں بھی مرنے والوں کو عذاب ہوگا۔ اور یہ وہ عذاب ہے جو ہلکا عذاب ہے کہ کافروں کو صبح و شام دوزخ کی آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا جسے دیکھ کر وہ ہر وقت ہول کھاتے رہیں گے کہ یہ ہے وہ دوزخ جس میں آخر کار ہمیں جانا ہے۔ لیکن جب قیامت آ جائے گی تو پھر اصلی اور بڑے عذاب میں مبتلا کر دیئے جائیں گے۔ اور یہ وہ قیامت کا عذاب ہوگا جس کا نظارہ انہیں صبح و شام عالمِ برزخ میں کرایا جاتا رہا۔ اور یہ معاملہ صرف فرعون اور آلِ

Marfat.com

فرعون کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں تمام کفار بھی شریک ہیں اور مسلمان بھی۔ باعمل مسلمانوں کو ان کا وہ ٹھکانہ دکھایا جاتا رہے گا جو قیامت کے دن جنت میں ان کو دیا جائے گا۔ اور کافروں کو وہ ٹھکانہ دکھایا جائے گا جو جہنم میں ان کا منتظر ہے۔ بخاری، مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص بھی مرتا ہے اسے صبح وشام اس کی آخری قیام گاہ دکھائی جاتی ہے، خواہ وہ جنتی ہو یا دوزخی۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں تو اس وقت جائے گا جب اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے روز دوبارہ اٹھا کر اپنے حضور بلائے گا۔

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾

(اور اس وقت کو یاد کرو جب یہ لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو زیردست ان لوگوں سے جو بڑے بنے رہے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے تو کیا تم لوگ نارِ جہنم کا کچھ حصہ ہماری جگہ اپنے سر لینے والے بنو گے۔ ۴۷)

اہلِ جہنم کے درمیان توتکار کا ایک منظر

جب بھی دنیا میں حق سے دوری کی وجہ سے حالات بگڑے ہیں تو ان میں سب سے بڑا بگاڑ یہ ہوتا ہے کہ ان میں طبقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ سب سے بڑا طبقہ جن کے پیچھے لوگ چلتے ہیں ان لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جو دولت وحکومت کے باعث اپنی بڑائی کے پندار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرا طبقہ وہ ہوتا ہے جو غریب اور کمزور ہونے کی وجہ سے ان بڑے لوگوں کے زیردست اور تابع بن کر رہتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ اپنے بالائی طبقے کے پیروکار بن کر رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ان کی دنیا بھی ان کے تابع ہوتی ہے اور ان کا دین بھی۔ وہ اپنی عقلیں بھی اپنے مفادات کے تابع کرتے ہیں۔ اور مفادات چونکہ بالائی طبقے کے قبضے میں ہوتے ہیں اس لئے وہ ان کی عقلوں پر بھی قابض رہتے ہیں۔ دنیا میں ان لوگوں نے صرف اس لئے اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت پر کان نہ دھرا، کیونکہ ان کے آقاؤں نے اپنے شخصی اور گروہی مفادات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے دین پر ایمان لانے سے انکار کیا تا کہ ان کی شخصی اور گروہی وجاہتوں کو نقصان نہ پہنچے۔ اب جب یہ دونوں جہنم میں اکٹھے ہوں گے تو غریب لوگ جو ان بڑے بننے والوں کے تابع ہو کر رہے ان سے کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں آپ کے تابع بن کر رہے اور آپ بڑے طمطراق سے ہم پر حکومت چلاتے رہے تو کیا اب بھی اپنی بڑائی کا ثبوت دیتے ہوئے جہنم کے عذاب کا کوئی حصہ اپنے سر لینے کیلئے تیار ہوں گے تا کہ ہمارے عذاب میں تھوڑی بہت کمی ہو جائے۔ جہنم میں جانے کے بعد ان پر یہ بات کھل چکی ہوگی کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور سہارا کام دینے والا نہیں۔ جس طرح ہم اس عذاب کا شکار ہیں اسی طرح بڑائی کے دعویدار بھی اس عذاب کا شکار ہیں۔ وہ ان سے یہ سمجھ کر مدد کی درخواست نہیں کریں گے کہ وہ ان کیلئے کچھ کر سکتے ہوں، بلکہ وہ انہیں ذلیل کرنے کیلئے ان سے یہ مطالبہ کریں گے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾

(جو بڑے بنے رہے وہ جواب دیں گے، اب تو ہم سب اس میں ہیں، اور اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے۔ ۴۸)

Marfat.com

تو بڑے طبقے کے لوگ اپنے پیروکاروں کو جواب دیں گے کہ یہاں ہم سب گرفتارِ عذاب ہیں، یہاں کوئی چھوٹا یا بڑا نہیں۔ یہاں عظمت اور بڑائی صرف ایک ذات کو حاصل ہے جسے اللہ کہتے ہیں۔ اور اس نے ہمارے درمیان فیصلہ کر دیا ہے کہ ہم سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ اب تمہارے یہ گلے شکوے یہاں کسی کام نہیں آئیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عقل اور شعور کی دولت سب کو دی تھی۔ رسول سب کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ہم نے اپنے مفادات کی خاطر ان کی بات نہیں سنی۔ اور تم نے اپنے مفادات کی خاطر ہماری پیروی کی۔ اور دونوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ کافر اور مشرک جہنم میں رہیں۔ تو اس فیصلے کے تحت ہم سب کو جہنم میں ڈال دیا گیا۔ اس میں اب کسی کم بیشی کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ کمی بیشی بھی وہی کر سکتا ہے جسے فیصلے کا اختیار ہو۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾

(پھر یہ دوزخ میں پڑے ہوئے لوگ جہنم کے داروغوں سے کہیں گے اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے عذاب میں ایک دن کی تخفیف کر دے۔ ۴۹) وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول بینات لے کر نہیں آئے تھے، وہ کہیں گے ہاں، تو جہنم کے داروغے بولیں گے پھر تم ہی دعا کرو، اور کافروں کی دعا اکارت ہی جانے والی ہے۔ ۵۰)

اہلِ جہنم کی آخری تدبیر اور اس کی ناکامی

جہنم میں ڈالے جانے والے جب یہ دیکھیں گے کہ آج کوئی سہارا ہمارے کام آنے والا نہیں اور کسی کے بس میں نہیں کہ ہماری سفارش کر سکے، تو وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر دوزخ کے داروغوں سے التجا کریں گے کہ آپ ہی اپنے رب سے درخواست کریں کہ ہمارے عذاب میں ایک ہی دن کی تخفیف کر دے تاکہ ہم ایک ہی دن کیلئے سکھ کا سانس لے سکیں۔ تو جہنم کے داروغے جواب میں ان سے یہ پوچھیں گے کہ کیا تم لوگوں کے پاس تمہیں راہِ راست دکھانے کیلئے اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں آئے تھے اور تمہارے فہم و ادراک کی آسانی کیلئے وہ اپنے پاس واضح دلائل اور معجزات لے کر نہیں آئے تھے۔ تو اہلِ دوزخ جواب دیں گے کہ ہاں، ہمارے پاس رسول بھی آئے اور انہوں نے نہایت واضح دلائل اور معجزات کے ساتھ اپنی رسالت اور اللہ تعالیٰ کے دین کی حقانیت کو ہمارے سامنے واضح فرمایا۔ لیکن ہماری قسمت پھوٹ گئی، ہم نے ان کی بات نہ سنی۔ تو جہنم کے اہلکار جواب دیں گے کہ پھر تم ہی بتاؤ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور تمہارے لئے دعا کیسے کریں، اور کس وجہ سے تمہارے عذاب میں تخفیف کی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کفر و شرک کے حوالے سے کوئی بھی سفارش کرنے کا مجاز نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں کسی تبدیلی کا تصور بھی کسی دوسرے کیلئے ممکن نہیں۔ البتہ اگر تم اس بات پر اصرار کرتے ہو تو ہم تو یہ جرأت نہیں کر سکتے، تم خود اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے دیکھو۔ لیکن ہم تمہیں یہ بات پیشگی بتائے دیتے ہیں کہ کافر اور مشرک کی کوئی دعا، فریاد یا چیخ و پکار قبول کرنا تو دور کی بات ہے، سنی بھی نہیں جاتی۔ تم جو بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرو گے وہ صدا بصحرا ثابت ہو گی۔

Marfat.com

اِنَّا

لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ
الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ
وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾
فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ
رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ
بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ
بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾
اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

Marfat.com

رکوع: ۶۔ (یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی لازماً کرتے ہیں، اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔ ۵۱) جب ظالموں کو ان کی معذرت کچھ نفع نہیں دے گی اور ان کے اوپر لعنت ہوگی اور ان کیلئے برا ٹھکانہ ہوگا۔ ۵۲) ہم نے موسیٰ کو ہدایت عطا فرمائی اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنا دیا۔ ۵۳) جو عقل و دانش رکھنے والوں کیلئے ہدایت اور نصیحت تھی۔ ۵۴) پس آپ صبر کریں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے، اور اپنے قصور کی معافی چاہیں اور شام و صبح اپنے رب کی تسبیح کرتے رہیں اس کی حمد کے ساتھ۔ ۵۵) بے شک جو لوگ اللہ کی آیات میں بغیر کسی سند اور حجت کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑا کرتے ہیں ان کے دلوں میں ایک گھمنڈ ہے جس کو وہ کبھی پہنچنے والے نہیں ہیں، پس تم اللہ کی پناہ مانگو وہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ ۵۶) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ۵۷) اندھا اور بینا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور جو برائی کرنے والے ہیں برابر نہیں ہو سکتے، تم لوگ بہت کم سمجھتے ہو۔ ۵۸) بے شک قیامت کی گھڑی آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں، لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے۔ ۵۹) اور تمہارے رب کا ارشاد ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، جو لوگ میری بندگی سے گھمنڈ میں آکر اعراض کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ ۶۰)

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

(یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی لازماً کرتے ہیں، اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔ ۵۱) جب ظالموں کو ان کی معذرت کچھ نفع نہیں دے گی اور ان کے اوپر لعنت ہوگی اور ان کیلئے برا ٹھکانہ ہوگا۔ ۵۲)

حق و باطل کی کشمکش اور اللہ تعالیٰ کی سنت

گزشتہ آیات میں مردِ مومن کی جرأتِ اظہار، حق گوئی، اللہ تعالیٰ پر توکل اور حکومتِ وقت کے جبر و استبداد سے بے نیازی کا ذکر فرمانے کے بعد اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی انتہائی بے بسی کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حکم پر فرعونِ وقت کی قوتوں سے جا ٹکرائے اور مردِ مومن اپنی حق گوئی کی وجہ سے فرعون اور آلِ فرعون کے عتاب کا ہدف بنا۔ لیکن آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فیصلہ آیا وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، مردِ مومن اور باقی تمام اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کے فضل سے کامیاب و کامران ٹھہرے۔ اور فرعون اور آلِ فرعون کو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے آ پکڑا اور وہ ہمیشہ کیلئے عبرت بن کر رہ گئے۔ اس بات کی وضاحت فرماتے ہوئے پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہر شخص جو حق و باطل کی کشمکش کو سمجھنا چاہتا ہے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ ہم ایسی کشمکش میں ہمیشہ اپنے رسولوں اور اخلاص کے ساتھ

Marfat.com

کی پیروی کرنے والوں کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور آخرت میں بھی مدد فرمائیں گے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ قریش کی دولت و رفاہیت نے جس طرح انہیں طاقت کے پندار میں مبتلا کر رکھا ہے اور وہ نبی کریم ﷺ اور اصحاب ایمان کی فقر و غربت کو دیکھ کر مذاق اڑاتے ہیں، لیکن وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق آنحضرت ﷺ اور ان پر ایمان لانے والوں کو فتح و نصرت سے نوازے گا اور ان کے مخالفین نہایت لجاجت اور عاجزی سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے جان کی امان مانگ رہے ہوں گے۔ اور جہاں تک آخرت کا تعلق ہے وہاں تو اللہ تعالیٰ کے تمام نبی اور رسول اور ان پر ایمان لانے والے یقیناً جنت کے انعامات سے نوازے جائیں گے۔

ایک اشکال کا جواب

اس پر بعض لوگوں کو اشکال ہوا ہے کہ یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء اور رسل کو ایسی ہی کامیابیوں سے نوازا۔ مگر بعض انبیاء علیہم السلام جیسے حضرت یحییٰ، زکریا اور شعیب علیہم السلام کو دشمنوں نے شہید کر دیا۔ اور بعض انبیاء اور رسل کو وطن سے ہجرت کرنا پڑی اور پھر کبھی وطن لوٹ کر نہ جا سکے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ ابنِ کثیر نے ابنِ جریر کے حوالہ سے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آیت میں نصرت سے مراد انتصار اور دشمنوں سے انتقام لینا ہے۔ خواہ ان کی موجودگی میں ان کے ہاتھوں سے یا ان کی وفات کے بعد یہ وہ حقیقت ہے جو تمام انبیاء اور مومنین پر بلا کسی استثنیٰ کے صادق آتی ہے۔ جن لوگوں نے اپنے انبیاء کو قتل کیا پھر وہ کیسے کیسے عذابوں میں گرفتار کر کے رسوا کیے گئے، تاریخ ان واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ حضرت یحییٰ، زکریا اور حضرت شعیب علیہم السلام کے قاتلوں پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا گیا جنہوں نے ان کو ذلیل و رسوا کر کے قتل کیا۔ نمرود کو اللہ تعالیٰ نے انتہائی عبرت آمیز سزا میں مبتلا کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں پر اللہ تعالیٰ نے روم کو مسلط کر دیا جنہوں نے ان کو ذلیل و خوار کیا۔

بعض اہلِ علم نے اس کی توجیہ اس طرح کی ہے کہ امداد، غلبہ اور استیلا کئی طرح کا ہوتا ہے۔ مثلاً دینی، اخلاقی اور سیاسی۔ بعض مواقع پر غلبے سے مراد یہ تینوں ہی غلبے ہوتے ہیں کہ وہاں رسول کا لایا ہوا دین غالب آ جاتا ہے۔ رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کو اپنے مخالفین پر اخلاقی تفوق حاصل ہوتا ہے اور دشمن بھی ان کی سیاسی برتری کو تسلیم کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں، رسولوں اور اصحاب ایمان کو سیاسی غلبے سے نوازتا ہے۔ ملک کے اقتدار کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آ جاتی ہے اور آہستہ آہستہ ان کے نظریات، ان کا طرزِ زندگی، اس ملک میں رہنے والوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر غالب آ جاتا ہے۔ تو ان تینوں میں سے کوئی نہ کوئی تفوق اور غلبہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو ضرور عطا کرتا ہے۔ بظاہر جن انبیاء کو شہید کر دیا گیا یا جن رسولوں کو ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا، تاریخ آج بھی ان کو سلام کرتی ہے۔ بڑے سے بڑے فلسفی کا فلسفہ اور اس کی فکری برتری آہستہ آہستہ تجربوں سے گزرنے کے بعد ناکام ہو جاتی ہے اور دنیا اسے ماننے سے انکار کر دیتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نبیوں نے جن حقائق کو ہزارہا برس پہلے لوگوں کے سامنے پیش کیا ان کی عظمت کا کبھی انکار نہ کیا جا سکا۔ وہ ہر دور میں ایک ایسی حقیقت بن کر رہے جس کی اہمیت و افادیت سے کبھی انکار ممکن نہ ہو سکا۔

ایک تیسرا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ نبی اور رسول میں فرق ہے رسولوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ جس قوم کی طرف بھیجے جاتے ہیں ان کیلئے وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت ہوتے ہیں۔ اگر قوم ان کی تکذیب کر دیتی ہے تو وہ لازماً فنا کر دی جاتی ہے۔ عام اس سے کہ وہ کسی خدائی عذاب سے تباہ ہو یا اہلِ حق کی تلوار سے شکست کھائے اور عام اس سے کہ یہ واقعہ رسول کے سامنے ہی پیش آئے یا رسول کے دنیا

Marfat.com

سے رخصت ہو جانے کے بعد۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک ہر رسول کی زندگی اس سنتِ الٰہی کی شہادت دیتی ہے۔ یہ تو دنیا کی زندگی میں ہے۔ اور جہاں تک آخرت کا تعلق ہے اس دن اللہ تعالیٰ ہر نبی اور ہر رسول سے گواہی دلوائے گا کہ اس نے لوگوں کو کیا تعلیم دی۔ اسی طرح امتوں سے سوال ہوگا کہ انہوں نے اپنے رسولوں کو کیا جواب دیا ان کی گواہی کے بعد۔ جن لوگوں نے ان کی دعوت کو رد کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہوگا وہ اپنے انجام کو پہنچیں گے۔ ان کا کوئی عذر بھی کارگر نہیں ہو سکے گا۔ یہاں تک کہ جو لوگ اپنی گمراہی کا ذمہ دار اپنے لیڈروں کو بنانا چاہیں گے ان کا عذر بھی مسموع نہیں ہوگا۔ دونوں اپنے اپنے جرم میں پکڑے جائیں گے۔ ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی پھٹکار ہوگی اور ان کا نہایت برا ٹھکانہ ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْهُدٰی وَاَوْرَثْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًی وَّ ذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

(ہم نے موسیٰ کو ہدایت عطا فرمائی اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنا دیا۔ ۵۳)
جو عقل و دانش رکھنے والوں کیلئے ہدایت اور نصیحت تھی۔ ۵۴)

نصرتِ الٰہی کی وضاحت

اوپر کی دو آیتوں میں پروردگار نے اپنی سنت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ہمیشہ رسول اور ان پر ایمان لانے والوں کی نصرت فرمائی ہے اور دشمنوں کو اپنے عذاب کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ اس کی وضاحت کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے آل و اتباع کا ذکر کیا کہ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کیسی بے سروسامانی میں فرعون جیسے جابر و قاہر حکمران کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے کیلئے اٹھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بے بسی کو دیکھتے ہوئے کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ یہ کبھی اپنی دعوت میں کامیاب ہوں گے اور ان کی دعوت فتح و نصرت کا پھریرا بن کر لہرائے گی۔ اور وقت کا فرعون اور اس کی فوجیں بحر قلزم میں غرقاب ہو جائیں گی۔ اور بنی اسرائیل جیسی غلامی کی خو بو رکھنے والی قوم ایک بہت بڑی قوم بن کر اٹھے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت عطا فرمائی۔ یعنی آپ کو رہنمائی دی کہ آپ نے کس طرح بنی اسرائیل کو ایک عظیم قوم میں تبدیل کرنا ہے اور کس طرح فرعون اور آلِ فرعون کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینی ہے۔ اور بنی اسرائیل کو ہم نے اس کتاب کا وارث بنایا جو کتاب دنیا میں رہنمائی دینے کیلئے آئی تھی اور عقل والوں کیلئے نصیحت تھی۔ وارث بنانے سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ کتاب کی وراثت کا مفہوم یہ ہے کہ اسے سمجھا جائے پڑھا جائے اسے یاد کیا جائے اور پھر اس کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں رہنما کی حیثیت دے کر ہر ادارہ اس کی رہنمائی کے مطابق چلے۔ کتاب کا پڑھنا اور یاد کرنا تو اقتدار کی قوت کے بغیر بھی ممکن ہے لیکن کتاب چونکہ احکام و قوانین کا مجموعہ ہوتی ہے اس لئے اس کا حق ادا کرنے کیلئے کسی قطعۂ زمین پر اقتدار کا ملنا بھی ضروری ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو غلبہ و تمکن بھی عطا کیا۔ یعنی اس کیلئے اس بات کا امکان پیدا کیا کہ وہ کتاب کی رہنمائی کے مطابق اجتماعی زندگی کو استوار کرے۔

Marfat.com

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَاللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾

(پس آپ صبر کریں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے، اور اپنے قصور کی معافی چاہیں اور شام وصبح اپنے رب کی تسبیح کرتے رہیں اس کی حمد کے ساتھ۔ ۵۵)

خلاصہ بحث

بحث کو سمیٹتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ لوگوں کی مخالفتوں اور ان کی اذیت رسانیوں کی طرف توجہ نہ دیں۔ ہم نے اس سے پہلے جس وعدہ کا ذکر کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا برحق اور پختہ وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کی ضرور مدد فرماتا ہے۔ تو آپ تو اس کے آخری رسول ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں آپ کی مدد نہ کرے۔ البتہ اس کی مدد کا طریقہ کیا ہوگا اور وہ نصرت کب آئے گی اس کا اظہار اپنے وقت پر ہو جائے گا۔ آپ کی دلبستگی اور حوصلہ مندی کیلئے اتنی بات کفایت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق ضرور آپ کو غلبہ دے گا اور آپ کے دشمن خائب وخاسر ہوں گے۔ البتہ آپ کیلئے اس راستے کے اثاثے کے طور پر جن چیزوں کی ضرورت ہے اور جن کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی نصرت آتی ہے ان میں پہلی چیز یہ ہے کہ آپ اپنی ہر فروگزاشت اور قصور کی اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے رہیں اور اپنے رب کی تسبیح وحمد کرتے رہیں۔ اس میں جس قصور سے استغفار کی بات کی گئی ہے اس کا ایک مطلب اہلِ علم نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ اس معاملے میں ذرا بھی بے صبری کا اظہار نہ کریں۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب مصیبتیں حد سے گزر جاتی ہیں اور مخالفین مخالفت میں شرافت کی ہر قدر کو پامال کر دیتے ہیں اور یا وہ استہزاء کے طور پر آئے دن نئے نئے معجزات کی طلب کرتے ہیں تو طبیعت میں بے قراری پیدا ہوتی ہے۔ تو کیا حرج ہے اگر ان کو ایسا معجزہ دکھا دیا جائے جس سے یہ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں۔ اور کبھی یہ بے قراری کی کیفیت اپنے ساتھیوں کی مظلومیت دیکھ کر پیدا ہوتی ہے کہ آخر یہ کب تک ناقابلِ برداشت تکلیفیں برداشت کرتے رہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی بات ظہور میں آنی چاہئے جس سے مخالفت کا طوفان ٹھنڈا ہو جائے۔ یہ بات بجائے خود گناہ نہیں کہی جا سکتی کیونکہ اس کا مقصد لوگوں کو راہِ حق کی طرف لانا اور ہدایت کا راستہ روشن کرنا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول جس مقام بلند پر سرفراز ہوتے ہیں وہ مقام زبردست اولوالعزمی کا تقاضا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرف سے ذرا سی جلد بازی آنے والی امت کیلئے بہت بڑی رخصت کا باعث بن سکتی ہے۔ لیکن بعض دیگر اہلِ علم کا خیال ہے کہ اس میں بظاہر نبی کریم ﷺ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے لیکن ایسے خطابات میں نبی کریم ﷺ شخصاً مخاطب نہیں ہوتے بلکہ امت کے وکیل کی حیثیت سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ کو جس استغفار کا حکم دیا گیا ہے وہ آپ پر ایمان لانے والوں کی ان کمزوریوں کے حوالے سے ہے جس کا صدور کبھی کبھی نو مسلموں سے تربیت کی کمزوری کے باعث ہو جاتا تھا۔ اور آخر میں صبح وشام جس تسبیح وتحمید کا حکم دیا گیا ہے اس میں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آپ پر ایمان لانے والے سبھی شامل ہیں۔ کیونکہ جس صورتحال سے اس وقت حق وباطل کی کشمکش گزر رہی تھی اس میں اہلِ حق کیلئے اللہ تعالیٰ سے نصرت طلب کرنے اور اپنے اندر غیر معمولی حوصلہ پیدا کرنے کیلئے یہی سب سے بڑا ذریعہ تھا۔

Marfat.com

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰـهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّـهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾

(بے شک جو لوگ اللہ کی آیات میں بغیر کسی سند اور حجت کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑا کرتے ہیں ان کے دلوں میں ایک گھمنڈ ہے جس کو وہ کبھی پہنچنے والے نہیں ہیں، پس تم اللہ کی پناہ مانگو وہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ ۵۶)

ایک اشتباہ کا ازالہ اور آنحضرت ﷺ کو تسلی

اس آیت میں ایک اشتباہ کا ازالہ بھی ہے اور آنحضرت ﷺ کو تسلی بھی۔ اشتباہ یہ ہے کہ سلسلۂ کلام کو دیکھتے ہوئے ایک غیر جانبدار شخص اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اتنے واضح موقف پر اس قدر واضح دلائل کی موجودگی میں کوئی شخص انکار اور مخالفت پر اڑا رہتا ہے تو یقیناً اس کی کوئی وجہ ہے ورنہ ایسے زوردار دلائل کے سامنے مخالفت کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کی مخالفت اس سبب سے نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت اپنے اندر اپیل نہیں رکھتی یا ان کی ذہنی رسائی سے بلند ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جو کچھ ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں وہ ان کے ذہنوں کو اپیل بھی کرتا ہے اور دلوں میں اترتا بھی ہے۔ لیکن قبولیت کی راہ میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ ان کے اندر کا وہ روگ ہے جسے آیتِ کریمہ میں کبر کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی ان کے اندر اپنی معاشرتی حیثیت، اپنی دولت و رفاہیت اور اپنے اثر و رسوخ کا جو گھمنڈ پیدا ہو چکا ہے اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ اور مومنوں کی غربت اور ناداری ان کیلئے ایک رکاوٹ بن کر رہ گئی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جس سطح کے لوگ ہیں ہماری بات سنی جاتی اور مانی جاتی ہے۔ غریب اور نادار لوگ ہمارے سامنے دستِ سوال پھیلائے رکھتے ہیں۔ ان کے اندر یہ جرأت کبھی پیدا نہیں ہوتی کہ وہ ہمارے سامنے اپنی بات کہہ سکیں۔ آنحضرت ﷺ اور ان کے ساتھی جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کو مان لینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ محمد (ﷺ) کو اپنا رہنما، اپنا قائد، اپنا محبوب اور اپنا مقتداء تسلیم کیا جائے۔ اور ان پر ایمان لانے والوں کو ان کی غربت سمیت برابری کا درجہ دیا جائے، بلکہ وہ اپنی سبقتِ ایمانی اور اپنی سرفروشیوں کے باعث وہ مقام حاصل کر چکے ہیں جس تک ہم شاید کبھی نہ پہنچ سکیں۔ اس حیثیت کو قبول کر لینے کے بعد نہ ہماری سیادت باقی رہتی ہے اور نہ ہمارا معاشرتی مقام باقی رہتا ہے۔ یہ چیز تو ہماری بڑائی کیلئے ایک ایسا چیلنج ہے جسے ہم کسی طرح قبول نہیں کر سکتے۔ درحقیقت یہ وہ بیماری ہے جس نے ان کیلئے آنحضرت ﷺ کی دعوت کو نا قابلِ فہم اور نا قابلِ قبول بنا دیا ہے۔

اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ ان کی بحث اور ان کی کٹ حجتیوں کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ وہ آپ کی دلیل کا توڑ دلیل سے نہیں کرتے۔ اور آپ کی حقیقت بیانی کو کسی حقیقت کے زور پر رد نہیں کرتے، بلکہ ان کی ہر بات بے سند اور بے دلیل ہے جس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ پروردگار نے کسی دور میں بھی اور کسی شخص پر بھی وہ باتیں نہیں اتاریں جس کا انہیں دعویٰ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک بے دلیل اور بے سند بات کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔ صرف ان کا کبر اور غرور ہے جو انہیں آپ کی دعوت قبول کرنے نہیں دیتا۔ وہ یہ سوچ کر پریشان ہو جاتے ہیں کہ آج جس شخص کو ہم اپنے برابر کا نہیں سمجھتے اس پر ایمان لانے کے بعد ہم نہ صرف اسے اپنے برابر کا سمجھنے پر مجبور ہیں بلکہ وہ ہمارا مقتداء اور آئیڈیل ہوگا جس کی رہنمائی میں ہم زندگی کا سفر کریں گے۔ اس لئے آپ کو ان کی مخالفت کی ہرگز پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

یہ فیصلہ ہے کہ وہ ان کی کاوشوں کو کبھی بامراد نہیں ہونے دے گا۔ یہ جتنی سازشیں چاہیں کرلیں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب یہ لوگ آپ کے سامنے ہاتھ باندھے امان طلب کررہے ہوں گے۔ رہی یہ بات کہ وہ آپ کو ہر ممکن نقصان پہنچانے کی تدبیر کررہے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ کے قتل کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ تو آپ اس کی بھی فکر نہ کریں، آپ کا کام صرف یہ ہے کہ آپ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہیں اور اس کی پناہ طلب کرتے رہیں۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی دھمکی کے بعد یہ کہا تھا کہ میں اپنے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر متکبر اور یوم الحساب پر ایمان نہ لانے والے کے مقابلے میں۔ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر مجھ پر وار کرنا چاہتا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ اس کی ذات سب سے عظیم ہے، اس کی قدرت بے پناہ ہے۔ جو شخص اس کی پناہ میں آجاتا ہے اسے کوئی قوت نقصان نہیں پہنچاسکتی۔ وہ ذات ہر وقت سننے والی اور دیکھنے والی ہے۔ کوئی سازش اس سے مخفی نہیں رہتی۔ اور کسی دھمکی دینے والے کی دھمکی اس کے علم سے باہر نہیں، وہ سب کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، سب کو اس کے مطابق صلہ دیا جائے گا۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

(آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ۵۷)

امکانِ آخرت پر دلیل

آنحضرت ﷺ لوگوں کو جس دین کی طرف بلاتے تھے اس کے تین بنیادی اجزاء تھے۔ توحید، رسالت اور آخرت۔ قریش اور اہلِ مکہ کو سب سے زیادہ جو چیز کھٹکتی تھی اور جس چیز کو وہ خلافِ عقل قرار دیتے تھے وہ عقیدۂ آخرت تھا۔ اس میں عجیب وغریب دلائل اور کٹ حجتیوں سے کام لیتے تھے۔ زیادہ زور اس بات پر تھا کہ بے شمار مخلوق اب تک مرچکی ہے اور دنیا کے گوشے گوشے میں ان کی قبریں بن چکی ہیں، لیکن نہ قبروں کے نشان باقی ہیں، نہ ان کے جسموں کے آثار باقی ہیں۔ ہواؤں نے ان کے ذرات تک نہ جانے کہاں کہاں بکھیر دیئے۔ اور آخرت کے وقوع پذیر ہونے تک نہ جانے اور کتنی مخلوق پیدا ہوگی اور مرے گی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں مرے ہوئے لوگوں کو زندہ کردیا جائے جبکہ ان کے نشانات اور آثار تک باقی نہیں۔ اس کے جواب میں پروردگار نے سب سے پہلے ایک ایسی بات ارشاد فرمائی ہے جس کا سمجھنا ایک عام آدمی کیلئے بھی مشکل نہیں۔ اور مزید یہ کہ اس کے سمجھ لینے سے کم از کم ایک بات تو واضح ہوجاتی ہے کہ آخرت کا وقوع محال نہیں، بلکہ ممکن ہے۔ جو بات ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ تم یہ بتاؤ کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا زیادہ بڑی بات ہے یا تمام مرے ہوئے انسانوں کو زندہ کرنا، جبکہ تم تسلیم کرتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے اور اس سے مراد پوری کائنات ہے جس میں نہ جانے کتنی اور مخلوقات ہیں، کتنے اور کرّے ہیں۔ اور پھر اس کائنات کی وسعتوں کا کسی کو اندازہ نہیں۔ انسان سب سے چھوٹے کرّے کا مکین ہے۔ تو جب اس سے بڑے کرّے اور بے اندازہ وسعتوں کی حامل کائنات اور بے شمار مخلوقات کو اللہ تعالیٰ پیدا کرچکا ہے اور اسے کوئی مشکل پیش نہیں آئی اور پھر انسانوں کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے تو آخر دوبارہ ان کا پیدا کرنا یعنی زندہ کرنا کیوں مشکل ہے۔ غبی سے غبی آدمی بھی اس بات کو سمجھنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتا کہ جو ذات بڑے کام کو سرانجام دے سکتی ہے اس کیلئے چھوٹے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا کبھی مشکل نہیں ہوتا۔ لیکن کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اتنی سامنے کی بات بھی اکثر لوگ نہیں جانتے۔

Marfat.com

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾

(اندھا اور بینا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور جو برائی کرنے والے ہیں برابر نہیں ہو سکتے، تم لوگ بہت کم سمجھتے ہو۔ ۵۸)

اخلاقی اعتبار سے آخرت کا وجوب

اس آیتِ کریمہ میں وجوبِ آخرت کی دلیل بیان کی گئی ہے۔ یعنی صرف ایسا نہیں کہ آخرت آسکتی ہے بلکہ اخلاقی امکانات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا چاہئے کہ آخرت کا آنا اخلاقی ضرورت ہے، ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ دنیا میں نیکی اور بدی برابر ہے، اچھے اور برے یکساں ہیں۔ جو آدمی دلِ بیدار کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اس میں اور مردہ دل میں کوئی فرق نہیں۔ ایک آدمی دوسروں کے بھلے کیلئے نقصان برداشت کرتا ہے اور دوسرا آدمی دوسروں کے کھنڈر پر اپنی عمارت تعمیر کرتا ہے، لیکن دونوں یکساں ہیں۔ کیونکہ اچھائی کرنے والا آخرت نہ ہونے کی صورت میں اس بات کا جواب نہیں دے سکتا کہ میں آخر اچھائی کیوں کر رہا ہوں اور مجھے اس کا کیا صلہ ملے گا۔ اس طرح برائی کرنے والے کو یہ کہہ کر نہیں روکا جاسکتا کہ تم برائی سے رک جاؤ۔ کیونکہ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ جب برائی پر کوئی سزا نہیں ہوگی اور نیکی کرنے والے اور برائی کرنے والے کا انجام ایک ہی جیسا ہوگا تو پھر میں برائی سے کیوں رکوں۔ اسی طرح کتنے ایثار کرنے والے اور جان پر کھیل کر صداقتوں کو تقویت دینے والے لوگ ہیں جو صرف اس امید پر یہ سب کچھ کرتے ہیں کہ ایک دن ایسا آئے گا جب اللہ تعالیٰ ہمارے ایثار اور ہماری قربانیوں کا ہمیں صلہ عطا فرمائے گا۔ ہمیں دنیا میں کچھ نہیں چاہئے اور ہم آخرت سنوارنے کیلئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ اسی طرح کتنے لوگ ایسے ہیں جو دنیا میں محرومیوں کا شکار ہیں۔ دنیا میں ہزار کوششوں کے باوجود ان کی محرومیوں کی تلافی نہیں ہوتی۔ ان کو سہارا دینے والی چیز کیا ہے جو انہیں زندگی گزارنے پر آمادہ کرتی ہے۔ ایک ماں جس کا جوان بیٹا اندھی گولی کا نشانہ بن گیا وہ پولیس کے پھیرے پھاڑتی اور عدالتوں کے چکر لگاتی اندھی ہو جاتی ہے لیکن کوئی اس کے بیٹے کے خون کی قیمت ادا نہیں کرتا اور کوئی اس قاتل کو نہیں پکڑتا جس نے اس گھر کو ویران کیا ہے۔ محرومیوں کی تلافی اور ایسے مایوس لوگوں کو زندہ رکھنے کیلئے اگر کوئی چیز امید کا دیا روشن کر سکتی ہے تو وہ صرف آخرت کا تصور ہے جو اچھائی کو باقی رکھنے اور برائی کو ختم کرنے کیلئے نہایت ضروری ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ لوگ اس اہم حقیقت کو سمجھنے کیلئے تیار نہیں۔

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

(بے شک قیامت کی گھڑی آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں، لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے۔ ۵۹)

Marfat.com

وقوعِ آخرت کا حتمی اعلان

گزشتہ دونوں آیتوں سے امکانِ آخرت اور آخرت کی اخلاقی ضرورت واضح ہو جاتی ہے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں وقوعِ آخرت کو یقینی اور حتمی انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ عقلی اور واقعاتی استدلال سے کسی چیز کا امکان اور اس کی ضرورت کو تو واضح کیا جا سکتا ہے لیکن حتمی انداز میں اس کے وقوع کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ اس کیلئے ایک ایسے علم کی ضرورت ہے جس کا سرچشمہ یقین کی قوت سے بہرہ ور ہو۔ اور وہ ظاہر ہے کہ وحیِ الٰہی ہے۔ آخرت ہوگی یا نہیں ہوگی اس پر دلائل تو دیئے جا سکتے ہیں لیکن حتمی انداز میں کوئی بات کہنا ممکن نہیں، کیونکہ انسان کے اکتسابی علم کا تعلق محسوسات، تجربات اور معقولات سے ہے۔ جو چیز ان سے ماوراء ہے انسان اس کے بارے میں صرف اندازہ لگا سکتا ہے اور ظن وگمان سے کوئی بات کہہ سکتا ہے، لیکن حتمی انداز میں نہیں کہہ سکتا۔ حتمی انداز میں بات کہنا صرف اللہ تعالیٰ کے رسول اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کا کام ہے۔ کیونکہ کتاب وحیِ الٰہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے رسول کے دل پر اس سرچشمۂ علم سے اتری ہے جس کا تعلق ذاتِ خداوندی سے ہے۔ اس لئے اسی کو یہ حق ہے کہ وہ یقینی اور حتمی انداز میں کوئی بات کہے۔ چنانچہ جب وحیِ الٰہی سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ قیامت یقیناً آ کے رہے گی تو اب اس کے آنے میں کسی شک وشبہ کا احتمال بے عقلی بھی ہے اور کفر بھی۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ
عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝۶۰

(اور تمہارے رب کا ارشاد ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، جو لوگ میری بندگی سے گھمنڈ میں آ کر اعراض کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ ۶۰)

عقیدۂ آخرت کو نقصان پہنچانے والے دو سبب اور ان کا رد

آخرت کے عقیدے کو جن تصورات نے نقصان پہنچایا ہے ان میں سے ایک تصور یہ ہے کہ اس کا وقوع بعید از عقل ہے۔ اوپر کی آیات میں اس کا جواب دیتے ہوئے ایک تو اس کا امکان واضح کیا گیا اور دوسرے اسے اخلاقی ضرورت قرار دیا گیا۔ اور دوسرا تصور جس سے عقیدۂ آخرت کو نقصان پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی آدمی یہ سمجھے کہ اگر قیامت آ ہی گئی تو ہمیں اس کی کوئی فکر نہیں۔ اس لئے کہ جن شرکاء وشفعاء کو زندگی بھر اپنی قربانیوں کے ذریعے خوش کرنے کی کوشش کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں ان کو شریک سمجھا ہے وہ یقیناً ہماری شفاعت کریں گے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچا لیں گے۔ اس کا جواب اس آیتِ کریمہ میں دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہاری دعائیں سننے والا اور کوئی نہیں۔ تم دنیا میں جن قوتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا چکے ہو کسی مشکل وقت میں انہوں نے کبھی تمہاری فریاد نہیں سنی۔ اور آخر کار تم نے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا اور اس نے تو ہمیشہ تمہاری مدد کی۔ اسی طرح آخرت میں بھی تم اپنے ان شرکاء کو پکارو گے تو وہ تمہاری کسی پکار اور کسی فریاد کا جواب نہیں دیں گے۔ کیونکہ وہ اس قابل نہیں کہ تمہاری مدد کر سکیں۔ اس لئے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ تمہیں مجھ سے مانگنے کیلئے درمیان میں کسی

Marfat.com

کو وسیلہ اور واسطہ بنانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ میں سمیع بھی ہوں اور قریب بھی۔ جسے جو بھی مانگنا ہو وہ مجھ سے مانگے، میں اس کی درخواست قبول کروں گا۔ میرے یہاں میری اجازت کے بغیر کسی شفاعت اور سفارش کا کوئی جواز نہیں۔

یہ جو فرمایا کہ تم مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا، اس سے بعض لوگوں شبہ پیدا ہوا کہ پروردگار تو ہر دعا کو قبول کرنے کی بشارت دے رہا ہے لیکن ہم بارہا دعائیں کرتے ہیں، لیکن ہماری دعائیں سنی نہیں جاتیں۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد نے اس شبے کا ازالہ فرمادیا۔ حضرت ابوسعید خدری نے حضورؐ سے روایت کی ہے کہ ایک مسلمان جب بھی کوئی دعا مانگتا ہے بشرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں قبول فرماتا ہے۔ یا تو اس کی وہ دعا اسی دنیا میں قبول کی جاتی ہے یا اسے آخرت میں اجر دینے کیلئے محفوظ کرلیا جاتا ہے اور یا اسی درجہ کی کسی آفت کو اس پر آنے سے روک لیا جاتا ہے۔ (مسند احمد)

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ بندے کی دعا قبول کی جاتی ہے بشرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو اور جلد بازی سے کام نہ لے۔ عرض کیا گیا کہ جلد بازی کیا ہے؟ فرمایا: جلد بازی یہ ہے کہ آدمی کہے کہ میں نے بہت دعا کی، بہت دعا کی، مگر میں دیکھتا ہوں کہ میری دعا قبول ہی نہیں ہوتی۔ اور یہ کہہ کر آدمی تھک جائے اور دعا مانگنی چھوڑ دے۔

بعض احادیث میں ان موانع کا ذکر فرمایا گیا ہے جن کی موجودگی میں دعا قبول نہیں ہوتی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بعض آدمی بہت سفر کرتے اور آسمان کی طرف دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے اور یارب، یارب کہہ کر اپنی حاجت مانگتے ہیں، مگر ان کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام، ان کو حرام ہی سے غذا دی گئی تو ان کی دعا کہاں قبول ہوگی۔ (رواہ مسلم)

اس آیتِ کریمہ میں دعا اور عبادت کو مترادف الفاظ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ پہلے فقرے میں جس چیز کو دعا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کو دوسرے فقرے میں عبادت کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دعا عین عبادت اور جامع عبادت ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ جملہ اِنَّ الدُّعَآءَ هُوَ الْعِبَادَةُ میں بقاعدہ عربیت یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ دعا عبادت ہی کا نام ہے۔ یعنی ہر دعا عبادت ہی ہے اور یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ہر عبادت ہی دعا ہے۔ یہاں دونوں احتمال ہیں۔ اور مراد یہاں یہ ہے کہ دعا اور عبادت اگرچہ لفظی مفہوم کے اعتبار سے دونوں جدا جدا ہیں مگر مصداق کے اعتبار سے دونوں متحد ہیں۔ کیونکہ عبادت نام ہے کسی کے سامنے انتہائی تذلل اختیار کرنے کا۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو کسی کا محتاج سمجھ کر اس کے سامنے سوال کیلئے ہاتھ پھیلانا بڑا تذلل ہے۔ یہی مفہوم عبادت کا ہے۔ چنانچہ جو آدمی گھمنڈ میں آکر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے سے اعراض کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی عبدیت سے انکار کرتا ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ ''دعا مغزِ عبادت ہے۔'' حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: مَنْ لَّمْ یَسْأَلِ اللّٰهَ یَغْضَبُ اِلَیْهِ ''جو اللہ سے نہیں مانگتا، اللہ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو ہر کام کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چاہئے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کو اپنی حاجت خدا سے مانگنی چاہئے حتیٰ کہ اگر اس کی جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا سے دعا کرے۔ یعنی جو معاملات بظاہر آدمی کو اپنی اختیار میں محسوس ہوتے ہیں ان میں بھی تدبیر کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چاہئے کیونکہ کسی معاملے میں ہماری کوئی تدبیر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔

Marfat.com

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ
بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۫ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ
لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ
نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا
اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ
وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ
وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٦٨﴾ ع

Marfat.com

رکوع: ۷۔ (اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تا کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا، بے شک اللہ لوگوں پر بڑا فضل والا ہے، مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ ۶۱) وہی اللہ تمہارا رب ہے ہر چیز کا خالق، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو پھر تم کس طرح اوندھے ہو جاتے ہو۔ ۶۲) اسی طرح وہ لوگ بھی اوندھے ہو جاتے رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ ۶۳) وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مستقر اور آسمان کو چھت بنایا، اور تمہاری صورت بنائی، پس اس نے تمہاری صورتوں کو بہترین بنایا، اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق بخشا، وہی اللہ تمہارا رب ہے، بس بڑی ہی برکتوں والا اللہ جو کائنات کا رب ہے۔ ۶۴) وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس اسی کو پکارو، اسی کیلئے دین کو خالص کرتے ہوئے، ساری تعریف (شکر) اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔ ۶۵) اے پیغمبر کہہ دیجئے! کہ مجھے روک دیا گیا ہے کہ میں ان کی بندگی کروں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، جبکہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے بینات آچکی ہیں، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے تئیں رب العالمین کے سپرد کردوں۔ ۶۶) وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر وہ تم کو وجود میں لاتا ہے ایک بچہ کی شکل میں، پھر وہ تمہیں پروان چڑھاتا ہے تا کہ اپنی جوانی کو پہنچو، پھر مزید بڑھاتا ہے تا کہ تم بڑھاپے کو پہنچو، اور تم میں سے بعض کو پہلے ہی وفات دے دی جاتی ہے۔ اور بعض کو مہلت دیتا ہے تا کہ تم اپنے مقررہ وقت تک پہنچ جاؤ، اور یہ اس لئے ہے تا کہ تم حقیقت کو سمجھو۔ ۶۷) وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور جو مارتا ہے، پس جب وہ کسی عمل کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اس کا حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ ۶۸)

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾

(اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تا کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا، بے شک اللہ لوگوں پر بڑا فضل والا ہے، مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ ۶۱) وہی اللہ تمہارا رب ہے ہر چیز کا خالق، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو پھر تم کس طرح اوندھے ہو جاتے ہو۔ ۶۲)

قرآنِ کریم کا اسلوب یہ ہے کہ جو بات کسی لفظ کے لازم کے طور پر خود بخود ذہن میں ابھرتی ہے اسے وہ لفظوں میں حذف کر دیتا ہے لیکن معنی میں باقی رہتی ہے اور اس کا لازم کے طور پر سمجھ میں آنا اس کیلئے قرینہ ہوتا ہے۔ اس آیت میں وہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات کو بنایا تا کہ تم اس میں آرام کرو۔ تو اس سے خود بخود یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آرام کیلئے چونکہ تاریکی اور خاموشی ضروری ہوتی ہے کیونکہ شور اور روشنی میں نیند آسانی سے نہیں آتی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں مُظْلِمًا کو حذف کر دیا گیا ہے جس کا معنی تاریک۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو تاریک بنایا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ دن کو روشن بنایا۔ سوال یہ ہے کہ روشن کیوں بنایا گیا جواب واضح ہے جو خود بخود سمجھ میں آتا ہے تا کہ تم دن کے وقت کام کر سکو۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں لِتَعْمَلُوْا محذوف ہے۔

Marfat.com

توحید، ربوبیت اور معاد کی تفہیم کیلئے چند نشانیوں سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی چند نشانیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جن پر غور کرنے سے توحید، ربوبیت اور آخرت کو سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔ سب سے پہلے توحید پر دلیل قائم کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات کو تاریک پیدا فرمایا اور دن کو روشن بنایا۔ اور اس طرح تمہارے آرام اور معاش کا انتظام فرمایا۔ رات اگر تاریک اور ٹھنڈی نہ ہوتی اور موسمِ گرما کے دن کی طرح لُو چلتی اور دھوپ کی شکل میں آگ برستی تو انسانوں کیلئے آرام کرنا محال ہوجاتا۔ اور دن کو اگر روشن نہ بنایا جاتا بلکہ رات کی طرح تاریک رکھا جاتا تو حصولِ معاش کی سرگرمیاں ماند پڑجاتیں۔ اور انسان کی محنت کا جذبہ اور کام کرنے کی امنگ سرد ہوجاتی۔ سوال یہ ہے کہ دن اور رات کا ایک دوسرے کے بعد نہایت پابندی کے ساتھ آنا اور کبھی اپنے وقت سے تخلف نہ کرنا اور کبھی معمولات میں تبدیلی کا واقع نہ ہونا۔ سورج کا اپنی تمام ضخامت اور قوت کے باوجود ایک طریقے کی پابندی کرنا اور کبھی اس سے اختلاف کی جرأت نہ کرنا اور چاند اور سورج کا اپنی اپنی منزلوں پر چلنا اور اپنے مدار میں قائم رہنا، یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ ان کا پیدا کرنے والا بھی ایک ہو۔ اور ان پر حکمران بھی ایک ہو۔ اگر ان کے خالق مختلف ہوتے تو ان کی صلاحیتوں میں کبھی یکسانی نہ ہوتی۔ اور باہمی تخالف کے باوجود ایک قانون کی پابندی پر کبھی مجبور نہ ہوتے۔ اس سے خود بخود نتیجہ نکلتا ہے کہ کائنات کے سفر کا بغیر کسی تصادم کے جاری رہنا اور کبھی کسی کُرّے کا ایک دوسرے سے نہ ٹکرانا اور کبھی باہمی تخالف کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ تعاون سے انکار نہ کرنا ایک ہی بات کا نتیجہ ہوسکتا ہے کہ ان کا خالق بھی ایک ہے اور ان کا حکمران بھی ایک ہے۔ اور اسی کا قانون پوری کائنات پر تکوینی طور پر نافذ ہے ورنہ ہمیں یہ ہم آہنگی اور یکسانی نظر نہ آتی۔

اور دوسری یہ بات کہ اگر دن اور رات کا آنا جانا اسی طرح ہوتا، کائنات اسی طرح محوِ سفر رہتی، تمام عناصر اپنی اپنی جگہ اسی طرح کام کرتے، لیکن وہ انسان کی منفعت کا کبھی خیال نہ کرتے۔ ان کی یہ ساری سرگرمیاں انسانی زندگی میں آسانی پیدا کرنے کیلئے نہ ہوتیں ان کی تمام قوتیں اپنی اپنی جگہ کام کرتیں لیکن انسان کی ضروریات اور حصولِ معاش میں کبھی مدد و معاون ثابت نہ ہوتیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ خالق اور حکمران تو ہے لیکن اپنے بندوں کیلئے ربوبیت کا فیضان اپنے اندر نہیں رکھتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سورج سمندر سے پانی کے ڈول بھر بھر کر فضا میں ابر کی چادریں بچھاتا ہے۔ ہَوا انہیں کھینچتی ہوئی مطلوب جگہ تک لے جاتی ہے اور وقتِ مقرر پر انہیں برسا دیتی ہے۔ زمین کی قوتِ روئیدگی اپنی سینہ انسانی ضروریات کو پیدا کرنے کیلئے کھول دیتی ہے۔ اس کی آغوش انسان کو اپنے اندر نہ صرف پناہ دیتی ہے بلکہ اس کی ضروریات بھی فراہم کرتی ہے۔ رات کی تاریکی اسے اگر سکون دیتی ہے تو دن کی روشنی اس کے اندر طلبِ معیشت کی امنگ پیدا کرتی ہے۔ یہ سب کچھ صرف اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہمارا خالق ہے وہ ہمارا رب بھی ہے۔ اس نے جس طرح ہمیں تخلیق فرمایا ہے اسی طرح اس نے ربوبیت کا دسترخوان بھی بچھایا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ انسان اس کے خوانِ ربوبیت سے فائدہ تو اٹھاتا ہے لیکن اس کا شکر ادا نہیں کرتا۔ حالانکہ حیوانات تک اپنے مالک کے احسانات کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں اور اس کی خدمت میں کوتاہی نہیں کرتے۔ لیکن انسان جس کیلئے سب کچھ پیدا کیا گیا ہے وہ نہ اپنے خالق و مالک کو پہچانتا ہے اور نہ اس کا شکر بجالاتا ہے۔ حالانکہ بالکل سیدھی بات ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے تمہارے کھانے پینے کا انتظام کیا اور تمہاری ضرورت کی ہر چیز پوری کی اور تمہیں اور تمہاری اولاد کو پیدا کیا تو کیا اس کے سوا کوئی اور بھی تمہارا

Marfat.com

معبود ہوسکتا ہے۔ انسان جس کا کھاتا ہے، اسی کا گاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے معاملے میں انسان عجیب واقعہ ہوا ہے کہ اسی کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر وہ اسی سے غداری اور بے وفائی کرتا ہے۔ اور جو لوگ انہیں الٹی پٹی پڑھاتے اور انہیں اتباعِ ہویٰ کا درس دیتے ہیں۔ وہ ان کی پیروی کرتے ہوئے ان کے بہکاوے میں آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے۔

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾

(اسی طرح وہ لوگ بھی اوندھے ہوجاتے رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ ۶۳)

قوموں کی دیرینہ بیماری

آنحضرت ﷺ کی دعوت کے مخالفین کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ حق سے انحراف اور اس راہ میں سیدھی سادھی باتیں ماننے سے بھی گریز آج کی نئی بیماری نہیں بلکہ یہ وہ پرانا مرض ہے جس کا شکار قدیم زمانے کی قومیں بھی ہوتی رہی ہیں۔ جو سبب ان کی بیماری کا تھا، وہی آج بھی ہے۔ وہ بیماری یہ ہے کہ انسان جب اتباعِ ہویٰ کا شکار ہوجاتا ہے اور وہ ہر بات کو خواہشِ نفس کے آئینہ میں دیکھتا ہے۔ وہ ہر بات کا مشورہ عقل سے نہیں بلکہ نفس امارہ سے لیتا ہے۔ اور وہ عقل کو نفسانی خواہشات اور سفلی جذبات کا خادم سمجھتا ہے۔ تو پھر اس کی عقل ماؤف ہوکر رہ جاتی ہے اور نفسانی جذبات اس کی طبیعت پر حکمرانی کرنے لگتے ہیں۔ اس بیماری کے علاج کیلئے پروردگار نے ہمیشہ اپنے رسول بھیجے اور کتابیں اتاریں۔ اور ان کی مدد سے ان کے سامنے زندگی کا صحیح راستہ روشن کیا، لیکن انہوں نے ہدایت کی پیروی کی بجائے ہمیشہ ہوائے نفس کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان لانے اور اس کی رہنمائی کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس کے نتیجے میں وہ لوگ تباہ ہوگئے۔ آج کے مخالفین نے بھی یہی روش اختیار کی ہے۔ اس لئے ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر انہوں نے اپنی روش نہ بدلی اور ایمان کی بجائے کفر اور انکار پر اڑے رہے تو پھر وہ تباہی سے کبھی نہیں بچ سکیں گے۔ اقبال نے اسی مضمون کو لپیٹتے ہوئے اپنے انداز میں کہا تھا:

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾

(وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مستقر اور آسمان کو چھت بنایا، اور تمہاری صورت بنائی، پس اس نے تمہاری صورتوں کو بہترین بنایا، اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق بخشا، وہی اللہ تمہارا رب ہے، بس بڑی ہی برکتوں والا اللہ جو کائنات کا رب ہے۔ ۶۴)

Marfat.com

توحید اور ربوبیت پر ایک اور دلیل

اللہ کی توحید اور اس کی ربوبیت کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا: بہت دور کی باتیں چھوڑو، اس زمین پر غور کرو جس میں تم نے سکونت اختیار کر رکھی ہے۔ یہ زمین تمہارا ایسا مستقر اور جائے قرار ہے کہ تم اپنی عقل اور ذوق سے کام لے کر جس طرح کا مکان تعمیر کرنا چاہتے ہو، زمین اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار نہیں کرتی۔ زمین پر دوڑنا چاہتے ہو، وہ اپنا سینہ نہیں پھیرتی، تم تھک کر اس پر لیٹ جاتے ہو تو وہ نہ تمہارے لئے اتنی نرم ہوتی ہے کہ تم اس سے اٹھ نہ سکو اور نہ وہ اتنی سخت ہوتی ہے کہ تمہاری کمر چھل کر رہ جائے۔ وہ آغوشِ مادر کی طرح تمہارے سامنے بچھ جاتی ہے۔ زمین کو جائے قرار بنانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے آسمان کو چھت بنایا اور اس طرح سے تمہارا وہ گہوارہ تعمیر ہوا جس میں تم زندگی بسر کر سکتے ہو۔ اس نے تمہیں پیدا کر کے غیر محفوظ حالت میں نہیں چھوڑا کہ عالمِ بالا کی آفات بارش کی طرح برس کر تمہیں تہس نہس کر دیں، بلکہ زمین کے اوپر ایک نہایت مستحکم سماوی نظام تعمیر کر دیا جس سے گزر کر کوئی تباہ کن چیز تم تک نہیں پہنچ سکتی۔ پھر زمین اور آسمان جو بظاہر ایک دوسرے کے متخالف ہیں ان دونوں میں اس طرح توافق پیدا کر دیا کہ دونوں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہو گئے۔ زمین غلہ اگاتی ہے تو آسمان آبیاری کرتا ہے۔ زمین پودوں کو ابھارتی ہے تو آسمان کا سورج ان میں پختگی پیدا کرتا اور پھر ان کے پھلوں اور دانوں کو پکاتا ہے۔ زمین کا مستقر ہونا اور آسمان کا چھت کی طرح پناہ مہیا کرنا اور دونوں کو انسانی ضروریات کی افزائش میں ایک دوسرے کا مددگار ہونا اور باہمی تخالف کی نسبت رکھنے کے باوجود توافق کا فرض انجام دینا کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک ہے، اس کا قانون سب پر حاوی ہے، زمین و آسمان کی ہر مخلوق اسی کے قبضے میں ہے اور عناصرِ حیات کا ہر عنصر اسی کے حکم کے تحت کام کر رہا ہے۔

زمین و آسمان کا گہوارہ جو انسان کیلئے خوبصورت گھر کا کام دیتا ہے اس کی آراستگی کے بعد اس نے انسانوں کو وجود بخشا، یعنی پہلے مکان تیار کیا اور اب مکین کو بنایا گیا اور مکین کی شکل و صورت، خوبصورتی اور رعنائی، اس کے جسم اور ذہن کا تناسب، اس کی جسمانی اور ذہنی قوتوں میں اعتدال، اس کا قد و قامت، اس کے ہاتھ اور پاؤں، آنکھ اور ناک، اس کی بولتی ہوئی زبان، اس کی استنباط اور استنتاج کی صلاحیت، غرضیکہ ہر چیز کو دوسری مخلوقات کی نسبت نہایت موزوں اور خوبصورت بنایا۔

مکان اور مکین کے بن جانے کے بعد جب ایک آراستہ گھر تیار ہو گیا تو پھر ان کے رزق کیلئے وسیع خوانِ یغما بچھایا گیا۔ کھانے اور پینے کی ایسی ایسی خوش ذائقہ اور خوش رائحہ نعمتیں عطا فرمائیں کہ جن کا تصور بھی ممکن نہ تھا۔ جن چیزوں کو حلال اور طیب بنایا ان میں سے ہر چیز حفظانِ صحت کے اصولوں کے معیار پر بنائی گئی۔ ہر غذا میں افادیت بھی رکھی اور طاقت بھی، جو جسم کی پرورش اور نشو و نما کیلئے ضروری ہے۔ پھر قسم قسم کی ترکاریاں، پھل، دودھ، شہد، گوشت، نمک، مرچ، مصالحے اور غلے پیدا فرمائے جو انسانی غذا کیلئے نہایت موزوں، زندگی کیلئے طاقت بخش اور ذوق کی تسکین کا باعث تھے۔ اور یہ تمام نعمتیں زمین پر اتنی افراط سے پیدا فرمائیں کہ ظلم اور لوٹ کھسوٹ کے سوا اس میں کمی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ ان تمام چیزوں کی طرف توجہ دلا کے فرمایا کہ جس نے تمہیں ان پاکیزہ نعمتوں کا رزق عطا فرمایا ہے وہی اللہ تمہارا رب ہے جو بے حساب برکتوں والا ہے جس کی ہر نعمت اپنے اندر نمو بھی رکھتی ہے اور نمود بھی۔ اور ہر ناگزیر ضرورت کے زمین میں خزانے پیدا کر دیئے اور پھر انسان کو تجسس اور تسخیر کی قوت دے کر بہت سی نعمتوں کا کھوج دے کر اس کی صلاحیتوں کیلئے چیلنج بنا دیا۔ اندازہ فرمایئے کہ

Marfat.com

جس پروردگار نے انسان پر یہ احسانات کیے ہیں اور نہ صرف بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے بلکہ غیر معمولی صلاحیتیں بھی عطا فرمائی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور الٰہ ہوتا تو کیا ان نعمتوں کا وجود ممکن تھا۔ اور اگر یہ نعمتیں ہوتیں بھی تو کیا ان میں یہی تناسب اور یہی توافق ہوتا اور کیا یہ زمین واقعی انسان کیلئے مستقر ثابت ہوتی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ جس نے انسان کو یہ سب کچھ عطا کیا ہے کیا اس نے یہ سب کچھ اس لئے دیا ہے کہ انسان خودرو پودے کی طرح اگے اور ختم ہو جائے یا وہ شتر بے مہار کی طرح زندگی گزارے اور کبھی اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کیلئے پیش نہ ہونا پڑے۔ نہ بھلائی کرنے والے کیلئے کوئی جزاء ہو اور نہ برائی کرنے والے کیلئے کوئی سزا۔ خیر اور شر، نیکی اور بدی ایک ہی نگاہ سے دیکھے جائیں۔ تو کیا عقل اور اخلاق اس صورتحال کو تسلیم کر سکتے ہیں۔

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۗ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾

(وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس اسی کو پکارو، اسی کیلئے دین کو خالص کرتے ہوئے،
ساری تعریف (شکر) اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔ ٦٥)

نتیجہ بحث

گزشتہ آیات میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس سے خود بخود جو نتیجہ نکلتا ہے اس کو اس آیت میں ذکر فرما دیا گیا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ حقیقی زندہ اور زندگی عطا کرنے والا وہی اللہ ہے۔ یعنی اپنے بل پر اور بغیر کسی کی عطا کے وہی زندہ ہے۔ ازلی اور ابدی حیات اس کے سوا کسی کو بھی میسر نہیں۔ اس کے مقابلے میں جن کو تم پکارتے ہو ان کی حیثیت اموات غیر احیاء کی ہے یعنی وہ زندگی سے محروم مردے ہیں۔ وہ نہ سنتے اور نہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں۔ نہ ان کے پکارنے سے کچھ فائدہ ہے اور نہ ان کے چھوڑ دینے سے کچھ نقصان۔ تمہارا کام یہ ہے کہ بجائے غیر اللہ کو پکارنے کی حماقت کرنے کے اللہ تعالیٰ ہی کیلئے دین کو خالص کرتے ہوئے پکارو۔ دین کو خالص کرنے سے مراد جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے، اطاعت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ماننے یا اس کو پکارنے کا معنی صرف اس کا وظیفہ کرنا اور کبھی مصیبت میں اسے یاد کر لینا نہیں بلکہ اسی کی خالص اطاعت ہونی چاہئے۔ کیونکہ زندگی کی کوئی نعمت ایسی نہیں جو اس کے سوا کسی اور نے عطا کی ہو اور خود زندگی جیسی نعمت کا وجود بھی اسی کا مرہونِ منت ہے۔ دوسرا معنی دین کا یہ ہے کہ اپنی زندگی کے مجموعی طرزِ عمل کو اسی کیلئے خالص کر دو۔ عبادت، معاشرت، معیشت، تجارت، حکومت، سیاست غرضیکہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ ہو جس پر کسی اور کا حکم چلے یا اس میں کسی اور کی رہنمائی قبول کی جائے یا کسی کی رضامندی پیشِ نظر ہو یا کسی کی ناراضگی کا اندیشہ ہو۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت اور اس کے دین کے حوالے سے پہچانی جانی چاہئیں۔ اس میں کسی دوسرے کی شرکت بھی اسے گوارا نہیں۔

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

وہی ہر طرح کی تعریف کا مستحق ہے اور ہر طرح کے شکر کا سزاوار بھی وہی ہے۔

Marfat.com

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ
مِنْ رَّبِّیْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٦٦﴾

(اے پیغمبر کہہ دیجئے! کہ مجھے روک دیا گیا ہے کہ میں ان کی بندگی کروں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، جبکہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے بینات آچکی ہیں، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے تئیں رب العالمین کے سپرد کردوں۔ ٦٦)

حتمی اعلانِ حق

تاریخ وسیر کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے اور احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مشرکینِ مکہ نے ایک سے زیادہ مرتبہ آنحضرت ﷺ سے مصالحت کی گفتگو کی۔ اور بعض دفعہ حضرت ابوطالب کو بھی واسطہ بنایا۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ آپ توحید کی دعوت میں کسی طرح کی مداہنت کیلئے تیار نہیں اور نہ آپ بتوں کی مذمت سے رکنے والے ہیں۔ تو انہوں نے کوشش کی کہ کوئی درمیان کا راستہ نکالا جائے۔ اس کیلئے انہوں نے جو پیشکش کی وہ یہ تھی کہ ہم آپ کے خدائے وحدہ لاشریک کو ماننے کیلئے تیار ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ہمارے خداؤں کو بھی تسلیم کریں۔ ہفتے کے دن تقسیم کر لئے جائیں۔ نصف ہفتہ ہم آپ کے رب کی پوجا کریں گے اور نصف ہفتہ آپ ہمارے بتوں کی پرستش کریں۔ چنانچہ اسی سلسلے میں سورۃ الکفرون بھی نازل ہوئی اور بعض دوسری آیات بھی۔ اسی سلسلے کی یہ آیت بھی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کی زبان سے فیصلہ کن جواب دلوایا گیا تاکہ ان کی ہر امید ٹوٹ جائے اور وہ اسلام کی دعوت پر پوری طرح توجہ دینے پر آمادہ ہوسکیں۔ آپ سے فرمایا گیا کہ آپ انہیں خبردار کردیں کہ مجھے میرے اللہ کی طرف سے ایسی ہر پیشکش کو قبول کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ میں کسی دیوتا کی پرستش کرنے کیلئے تیار نہیں جنہیں تم پوجتے ہو۔ کیونکہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی پرستش پر جو اصرار کر رہا ہوں اور باقی ہر طرح کی پرستش سے مجھے انکار ہے تو اس کی وجہ میری ضد نہیں، نہ اس کے پیچھے کوئی تعصب کارفرما ہے بلکہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی روشن دلیلیں نازل ہوچکی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے واضح احکام آچکے ہیں کہ جن کی موجودگی میں، میں کسی دوسرے کی عبادت اور بندگی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اور میرے لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کے سلسلے میں کسی دوسرے کی شرکت گوارا کروں کیونکہ میرا ایک ایک لحہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے اور اس کی نگرانی میں ہے۔ اور میری زندگی کا ہر شعبہ اسی کی ہدایت کے تابع ہے۔ اس لحاظ سے میں اس کا پابند ٹھہرایا گیا ہوں کہ میں اپنی پوری زندگی رب العالمین کے سپرد کردوں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ
لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا
اَجَلًا مُّسَمًّی وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

Marfat.com

(وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر وہ تم کو وجود میں لاتا ہے ایک بچہ کی شکل میں، پھر وہ تمہیں پروان چڑھاتا ہے تاکہ اپنی جوانی کو پہنچو، پھر مزید بڑھاتا ہے تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو، اور تم میں سے بعض کو پہلے ہی وفات دے دی جاتی ہے۔ اور بعض کو مہلت دیتا ہے تاکہ تم اپنے مقررہ وقت تک پہنچ جاؤ، اور یہ اس لئے ہے تاکہ تم حقیقت کو سمجھو۔ ۶۷)

اللہ تعالیٰ کی توحید اور ربوبیت پر انسان کے اپنے وجود سے استدلال

توحیدِ باری تعالیٰ اور اثباتِ آخرت پر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں سے استدلال کیا گیا ہے اور استدلال کا حوالہ ان چیزوں کو بنایا گیا ہے جس سے ہر انسان خود گزرتا ہے یا گزرنے والوں کو دیکھتا ہے اور اس سے زیادہ سامنے کی بات اور آپ بیتی شاید اور کوئی نہ ہو۔ جس انسان کو بھی اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا اور زندگی عطا کی ہے وہ جانتا ہے کہ میں کن کن مراحل سے گزرا ہوں۔ کیونکہ وہ اپنے جیسے انسانوں کو ان مراحل سے گزرتے دیکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے خلقت کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے کی اور انہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔ پھر میاں بیوی کے اتصال سے نطفے کی صورت میں ایک خوردبینی کیڑے کو ماں کے رحم میں پہنچایا۔ استقرارِ حمل کے بعد پانی کی اس بوند نے گوشت کے لوتھڑے کی شکل اختیار کی، پھر بتدریج نشوونما پاکر ایک جنین کی شکل اختیار کرگئی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو ایک جیتے جاگتے بچہ کی صورت میں ماں کے پیٹ سے باہر لے آیا۔ سوال یہ ہے کہ نطفے کے خوردبینی کیڑے سے انسان جیسی حیرت انگیز مخلوق کا وجود میں آنا اور پھر ماں کے پیٹ میں استقرارِ حمل کے وقت سے وضع حمل تک اندر ہی اندر اس کا اس طرح پرورش پانا کہ اس کی جنس، اس کی شکل وصورت، اس کے جسم کی ساخت، اس کے ذہن کی خصوصیات اور اس کی قوتیں اور صلاحیتیں سب کچھ وہیں متعین ہو جائیں اور ان کی تشکیل پر دنیا کی کوئی طاقت اثرانداز نہ ہو سکے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سوا کسی اور چیز کا اظہار ہے۔ کیا کسی انسان کی قدرت میں یہ بات ہے کہ وہ گندے پانی کے ایک قطرے کو ماں کے پیٹ میں باہر کے اثرات کے بغیر نہایت خفیہ طریقے سے جہاں کسی کی نظر بھی نہ پہنچ سکے انسان کی شکل میں تبدیل کردے اور اس کے اندر نہ صرف جان پیدا کرے بلکہ اس کی تمام صلاحیتوں اور خصوصیات حتیٰ کہ عمر اور قسمت کا تعین تک کردے، ظاہر ہے کہ اس میں سے کوئی بات بھی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اور پھر مزید عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت جس کے اسقاطِ حمل کا فیصلہ کرتی ہے وہ اسقاط ہو کر رہتا ہے۔ اور جسے بچپن میں مرنا ہے وہ بچپن ہی میں مر جاتا ہے۔ چاہے وہ کسی بادشاہ ہی کا بیٹا کیوں نے ہو۔ کوئی حکومت اور ریاست کسی کو موت کے منہ سے نہیں چھین سکتی۔ اور جسے جوانی یا بڑھاپے کی عمر تک پہنچنا ہے۔ وہ ہر طرح کے خطرناک حالات سے گزر کر بھی جوانی یا بڑھاپے تک پہنچ کر رہتا ہے۔ زندگی کا ہر مرحلہ اس کے ہاتھ میں ہے کوئی دوسرا ہزار کوشش کے باوجود بھی اس میں تبدیلی پیدا نہیں کرسکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا استقرارِ حمل سے لے کر وضع حمل تک اور پھر اس کی حیرت انگیز ساخت اور اس کی محیر العقول صلاحیتیں اور اس کی زندگی کے مختلف مراحل اور ہر مرحلے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور کیا یہ بتانے کیلئے کافی نہیں کہ انسان میں ہر تبدیلی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے آتی ہے، اس کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے گراں بار ہے، اس کی زندگی کے ہر شعبے پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات

Marfat.com

ہیں، اس قادرِ مطلق کے سوا ان تمام باتوں میں کسی اور کا اختیار نہیں۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی اور عبادت کا مستحق کیسے ہوسکتا ہے، کسی اور سے دعائیں کیسے کی جاسکتی ہیں، کسی اور کو یہ منصب کیسے دیا جاسکتا ہے کہ وہ تحلیل وتحریم کا مجاز ہو۔ اور کسی اور کی اس کے سوا غیر مشروط اطاعت کیسے کی جاسکتی ہے۔ یہ ہے وہ سوال جس پر غور وفکر کی اس آیتِ کریمہ میں دعوت دی گئی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۟﴿۶۸﴾

(وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور جو مارتا ہے، پس جب وہ کسی عمل کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اس کا حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ ۶۸)

گزشتہ دلیل کا نتیجہ

گزشتہ آیتِ کریمہ میں جو کچھ فرمایا گیا ہے یہ اس کا نتیجہ ہے جو غور وفکر کی دعوت دینے کے بعد ہر غور وفکر کرنے والے کے سامنے رکھ دیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات کی اصل چیز زندگی اور موت ہے کیونکہ نظریات سے لے کر اعمال تک ہر چیز کا تعلق زندگی سے ہے اور موت ہر چیز کے خاتمے اور فنا کا نام ہے۔ اور ان دونوں چیزوں کا سر رشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی ہزار انکار کرے اور نمرود کی طرح تاویل کی حماقت بھی کرے جب بھی یہ بات مُسلّم ہے کہ موت وحیات اسی کے قبضے میں ہے۔ اور دوسری یہ بات کہ کائنات وجود میں کیسے آئی اور کیسے یک لخت ختم ہو جائے گی اور مردہ انسان کس طرح از سرِ نو زندہ کر دیئے جائیں گے۔ اور کائنات کی بساط دوبارہ کیسے بچھائی جاسکے گی۔ ان سب کا جواب ایک ہی ہے کہ وہ پروردگار جو موت وحیات کا مالک ہے اس کی قدرت کا عالم یہ ہے کہ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ صرف ایک حکم دیتا ہے کہ ہو جا، تو وہ امر ہو جاتا ہے۔ اسے کسی تیاری یا محنت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ اسباب ووسائل کا محتاج نہیں۔ اس لئے اگر اللہ تعالیٰ کا رسول لوگوں کے سامنے اصرار کرتا ہے کہ تمام کائنات کی صف ایک دن لپیٹ دی جائے گی اور پھر از سرِ نو زندگی وجود میں آئے گی اور تمام انسان زندہ کئے جائیں گے اور وہ جواب دہی کیلئے میدانِ حشر میں جمع ہوں گے اور ایمان وعمل کے اعتبار سے جزاء اور سزا کا فیصلہ ہوگا۔ تو یہ بات کسی کیلئے چاہے کیسی بھی بعید از عقل ہو اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی مشکل نہیں۔ اس لئے کہ جب وہ حکم دے گا تو قیامت بپا ہو جائے گی۔

اَلَمْ

تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى یُصْرَفُوْنَ ۟﴿۶۹﴾ۛۖ الَّذِیْنَ

كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَاۤ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۟﴿۷۰﴾ۙ

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ ۟﴿۷۱﴾ۙ فِی الْحَمِیْمِ ۙ

Marfat.com

ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٧٢﴾ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ
تُشْرِكُونَ ﴿٧٣﴾ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَل لَّمْ نَكُن نَّدْعُوا
مِن قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿٧٤﴾ ذَٰلِكُم بِمَا كُنتُمْ
تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿٧٥﴾ ادْخُلُوا
أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٦﴾
فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي
نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٧٧﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا
رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن
لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ
إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ
هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٧٨﴾

رکوع: ۸۔ (کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آیات میں جھگڑے کرتے ہیں، وہ کہاں سے پھرائے جا رہے ہیں۔ ۶۹) جن لوگوں نے کتاب کو جھٹلایا اور ان چیزوں کو بھی جن کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا، وہ عنقریب جان لیں گے۔ ۷۰) جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی، وہ کھینچے جائیں گے۔ ۷۱) کھولتے ہوئے پانی میں، پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ ۷۲) پھر ان سے پوچھا جائے گا کہاں ہیں وہ جن کو تم شریک کرتے تھے۔ ۷۳) اللہ کے سوا، وہ جواب دیں گے وہ سب ہم سے کھوئے گئے

Marfat.com

بلکہ ہم اس سے پہلے کسی چیز کو بھی نہ پکارتے تھے، اس طرح اللہ کافروں کے حواس گم کردے گا۔ ۷۴) یہ اس سبب سے ہوا کہ تم زمین میں غیر حق پر خوشیاں مناتے اور اکڑتے تھے۔ ۷۵) داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں، اس میں ہمیشہ رہنے کیلئے، پس بہت برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا۔ ۷۶) پس اے نبی صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، یا تو ہم آپ کو اس کا کچھ حصہ جس کی ہم ان کو وعید سنا رہے ہیں، دکھا دیں گے اور یا ہم آپ کو وفات دے دیں گے، پھر وہ ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔ ۷۷) اے پیغمبر! ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے جن میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو سنا دیئے اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے حالات آپ کو نہیں سنائے، کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہ تھی کہ وہ کوئی نشانی اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر لا سکے، پھر جب اللہ کا حکم آ گیا تو حق کے مطابق فیصلہ کر دیا گیا اور اس وقت اہلِ باطل خسارے میں پڑ گئے۔ ۷۸)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ڟ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾

(کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آیات میں جھگڑے کرتے ہیں، وہ کہاں سے پھرائے جا رہے ہیں۔ ۶۹)
جن لوگوں نے کتاب کو جھٹلایا اور ان چیزوں کو بھی جن کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا، وہ عنقریب جان لیں گے۔ ۷۰)

کفار کی کٹ حجتی کا سبب

اوپر والی تقریر نے ہر فکری گمراہی کو کھول کر رکھ دیا ہے اور ہر ذہنی الجھن کی گرہ کھول دی ہے۔ حقائق بالکل واشگاف ہو کر سامنے آ گئے ہیں، اس کے باوجود جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات میں کٹ حجتی کرتے اور بات کو سمجھنے کی بجائے الجھانے کے درپے ہیں، کیا تمہیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ ان کی اس گمراہی اور کج روی کا سبب کیا ہے۔ اور وہ یہ کٹ حجتی کس بناء پر کر رہے ہیں۔ کیا ان کا ذہنی سانچہ الٹ گیا ہے یا ان کی صلاحیتوں کو زنگ لگ گیا ہے۔ آخر وہ کس سبب سے ہر چیز کو الٹا دیکھ رہے ہیں۔

دوسری آیت میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کی کٹ حجتی کا اصل سبب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآنِ کریم کی تکذیب کی۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے زندگی کو عیش پرستی کا ذریعہ سمجھتے ہوئے زندگی کے مسائل پر سنجیدگی سے غور کرنے سے انکار کر دیا اور عقل کو استعمال کرنے کی بجائے اتباعِ ہَویٰ کو اپنا شعار بنا لیا۔ اب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جب بھی ان کی ہوائے نفس کیخلاف کوئی بات کہی جاتی ہے اور دنیا کی بجائے آخرت کی فکر پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ اسے سنجیدگی سے لینے کی بجائے کٹ حجتی کا موضوع بنا لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی ہر بات میں جھگڑا کرنا اپنا معمول بنا چکے ہیں۔ عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ صرف آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے ہر چیز کھل کر سامنے آ جائے گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی جس کتاب کی تکذیب کی انہوں نے جسارت کی ہے عنقریب وہ اس کا انجام دیکھ لیں گے۔

Marfat.com

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾

فِی الْحَمِیْمِ ۙ۬ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

(جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی، وہ کھینچے جائیں گے۔ ۷۱)
کھولتے ہوئے پانی میں، پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ ۷۲)

آخرت میں مخالفین کا انجام

تکذیب رُسل اور تکذیب کتاب کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت میں ان کی گردنوں میں طوق ڈالے جائیں گے اور جسم کے مختلف حصے زنجیروں میں جکڑے جائیں گے۔ پھر جب وہ پیاس کی شدت سے مجبور ہو کر پانی مانگیں گے تو جہنم کے کارکن ان کو زنجیروں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے اور ان چشموں پر لے جائیں گے جن سے کھولتا ہوا پانی نکل رہا ہوگا۔ جب وہ پانی پی چکیں گے تو پھر وہ جہنم کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا
بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾

(پھر ان سے پوچھا جائے گا کہاں ہیں وہ جن کو تم شریک کرتے تھے۔ ۷۳) اللہ کے سوا، وہ جواب دیں گے وہ سب ہم سے کھوئے گئے بلکہ ہم اس سے پہلے کسی چیز کو بھی نہ پکارتے تھے، اس طرح اللہ کافروں کے حواس گم کردے گا۔ ۷۴)

مشرکین کا اعتراف

جب یہ لوگ اپنے کفر وشرک کی پاداش میں جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے تو پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کچھ قوتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا تھا اور ان کے بارے میں تمہارا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر ہم پر کوئی افتاد پڑی تو یہ شرکاء ہماری ضرور مدد کریں گے۔ اب جبکہ تم اپنے جرائم میں پکڑے گئے ہو اور جہنم کی بدترین سزا میں گرفتار ہو تو اب وہ تمہاری مدد کیلئے کیوں نہیں پہنچ رہے ہیں۔ تو وہ جواب میں کہیں گے کہ وہ تو سب ہم سے کھوئے گئے، یعنی ہم نے جن پر بھروسہ کیا تھا آج ان کا کوئی وجود نہیں۔ یہ ہماری حماقت تھی کہ ہم نے ان کے اعتماد پر شرک کا راستہ اختیار کیا اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے رہے۔ لیکن آج معلوم ہوا کہ وہ ہماری مدد کرنے کے قابل نہ تھے اس لئے وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہے۔ اس لئے آج ہم پر یہ بات کھلی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سہارا وہم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ تو آج ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بظاہر ہم نے ان کو دنیا میں اسی لئے پکارا کہ وہ آخرت میں ہمارے کام آئیں گے لیکن اب معلوم ہوا کہ جنہیں ہم سہارا سمجھتے تھے وہ کچھ بھی نہ تھے۔ اس طرح سے ہم نے دیواروں سے سر ٹکرایا، اور ہواؤں کو مٹھی میں تھامنے کی کوشش کی۔ اور جو قوتیں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بالکل ہیچ اور لاشئے تھیں انہیں سہارا سمجھنے کی حماقت میں مبتلا رہے۔

Marfat.com

بعض اہلِ علم نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ وہ جواب کے آغاز میں دوسروں کی پرستش اور ان سے استمداد کا اعتراف کریں گے۔لیکن پھر معاً ان کو خیال آئے گا کہ یہی تو وہ جرم ہے جس کی پاداش میں ہمیں پکڑا گیا ہے اور ہم اسی کا اعتراف کر کے اپنے جرم کی گواہی دے رہے ہیں۔اس لئے وہ فوراً اس سے مکر جائیں گے۔اور کہیں گے کہ ہم نے کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔اور ہم کسی کو نہیں پکارتے رہے۔خیال ان کا یہ ہوگا کہ شاید اس سخن سازی سے ہمارے عذاب میں کوئی تخفیف ہو جائے یا ہمیں اس سے کوئی نفع پہنچے۔انجام کے اعتبار سے دونوں معنوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ بلاشبہ عذاب کی شدت سے مشرکین پر ایک بدحواسی طاری ہوگی۔اس لئے کبھی وہ کچھ کہیں گے اور کبھی کچھ۔مقصد صرف یہ ہوگا کہ شاید اس طرح ہمارے چھوٹ جانے کا کوئی امکان پیدا ہو۔اس لئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اس طرح کافروں کو حواس باختہ کردے گا۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿٧٥﴾

(یہ اس سبب سے ہوا کہ تم زمین میں غیرِ حق پر خوشیاں مناتے اور اکڑتے تھے۔ ۷۵)

کافروں کے جرائم کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم جس انجام کو پہنچے ہو اس کا سبب کوئی ایک جرم نہیں بلکہ جرائم کی ایک فہرست ہے۔انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم نے زندگی کے جو اصول بنا رکھے تھے اور پھر ان میں جو ترجیحات قائم کر رکھی تھیں ان پر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ سند تمہارے پاس موجود نہ تھی۔تمہاری ہوس اور خواہشِ نفس نے جیسے تمہیں رہنمائی دی اسی کو تم نے حرفِ آخر جانا اور اسی کو حق قرار دے کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے حق کو ماننے سے انکار کر دیا۔ بلکہ تم اس اتباعِ نفس اور باطل پرستی پر اس قدر نازاں رہے کہ وہی تمہاری خوشیوں کا محور بن گئی اور اسی کو تم نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات پر ترجیح دی۔ جب بھی کسی نے تمہاری حالت بدلنے کیلئے نصیحت کی کوشش کی تو تم نے اسے دھتکار دیا۔اور اپنے مزعومہ عقائد اور خیالات پر نہ صرف قائم رہے بلکہ ان پر اکڑتے رہے۔

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٦﴾

(داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں، اس میں ہمیشہ رہنے کیلئے، پس بہت برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا۔ ۷۶)

تکبر کرنے والوں کا انجام

تم نے جس طرح دنیا میں حق کو نظر انداز کیا اور اہلِ حق کی باتوں کی تضحیک کی اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی دعوت کو ناقابلِ اعتنا ٹھہرایا اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جہنم کے دروازے کھلے ہیں ان میں داخل ہو جاؤ، اب ہمیشہ اسی میں رہنا ہے اور یہ توقع نہ رکھنا کہ تم اس سے کبھی نکل سکو گے۔ پھر ان سے منہ پھیر کر ارشاد ہوگا کہ کس قدر برا ٹھکانہ ہے جو ان متکبروں کا مقدر بنا ہے۔لیکن غیر متوقع ہرگز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے مقابلے میں جو بھی بڑائی اور عظمت کا صور پھونکے گا وہ ایک ایسا جرم کرے گا جس سے بڑے جرم کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٧٧﴾

(پس اے نبی صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے، یا تو ہم آپ کو اس کا کچھ حصہ جس کی ہم ان کو وعید سنا رہے ہیں، دکھادیں گے اور یا ہم آپ کو وفات دے دیں گے، پھر وہ ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔ ۷۷)

آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ قریش اور دیگر مخالفین جس طرح آپ کی ایذا رسانی میں روز بروز شدت اختیار کرتے جارہے ہیں آپ اس سے ہرگز غمزدہ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق اور ہو کے رہنے والا ہے۔ مراد اس وعدے سے دنیا میں آنے والا وہ عذاب ہے جو تکذیبِ رسول کے نتیجے میں قوم پر آتا ہے۔ اور یا اس سے مراد وہ وعدہ ہے جس میں آخرت کے روز کفار گرفتار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اگر کوئی قوم اس کے رسول کی دعوت کو قبول کرنے سے مکمل طور پر انکار کردیتی ہے اور پھر رسول کے قتل کے منصوبے باندھنے لگتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کو وہاں سے ہجرت کا حکم دے دیتا ہے۔ اور اس طرح سے انہیں کسی عافیت کی جگہ میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ اور پھر اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اترتا ہے جو ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ لیکن آخرت کا عذاب اس عذاب سے کہیں بڑھ کر ہے دنیا کے عذاب میں مبتلا ہونے والے بھی آخرت کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی جو امتِ دعوت تھی یعنی قریش اور دیگر اہلِ عرب ان پر عذاب کا کچھ حصہ آنحضرت ﷺ کے سامنے نازل ہوا۔ یعنی وہ لوگ جنگِ بدر میں اپنے تمام کروفر کے باوجود انتہائی ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوئے۔ ان کی قومی سیادت کی پہلی صف قتل ہوگئی اور دوسری صف نے قید کی ذلت اٹھائی۔ لیکن جو لوگ اس عذاب سے بچ گئے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ انہیں بہرصورت ہمارے پاس ہی لوٹ کے آنا ہے، اس لئے وہ قیامت کے اصل عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ کفر و شرک کے انجام کے طور پر اصل سزا آخرت میں جہنم کی صورت میں ہوگی۔ لیکن جن قوموں پر دنیا میں عذاب آتا ہے یا وہ عذاب کے کسی ایک حصے کا شکار ہوتے ہیں وہ بھی درحقیقت آخرت ہی کے عذاب کا ایک حصہ ہے۔ لیکن اصل عذاب، عذابِ آخرت ہے جسے قرآنِ کریم نے عذابِ اکبر قرار دیا ہے۔ جس میں تمام کافر ایک ہی ساتھ جھونک دیئے جائیں گے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٧٨﴾

(اے پیغمبر! ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے جن میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو سنا دیئے اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے حالات آپ کو نہیں سنائے، کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہ تھی کہ وہ کوئی نشانی اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر لاسکے، پھر جب اللہ کا حکم آگیا تو حق کے مطابق فیصلہ کردیا گیا اور اس وقت اہلِ باطل خسارے میں پڑ گئے۔ ۷۸)

Marfat.com

آیت میں تین باتوں کی وضاحت

اس آیتِ کریمہ میں تین باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ قریش کی طرف سے منہ مانگے معجزات کا مطالبہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس سے پہلے جتنے رسول آئے ہیں ان کی قوموں نے بھی ہمیشہ اس طرح کے مطالبات کئے ہیں۔ ان رسولوں میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو سنائے ہیں اور بعض کا ہم نے آپ سے ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ بات حقیقت ہے کہ ہر رسول کی امت معجزات طلب کرتی رہی ہے۔ اب اگر قریش کو عجیب وغریب معجزات کی طلب ہے تو اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں۔ اس لئے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو اس پر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ کسی قوم کی طرف کوئی رسول اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں بھیجا جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت عطا کی ہو کہ وہ لوگوں کے مطالبے پر اپنی مرضی سے ان کا منہ مانگا معجزہ دکھا دے۔ جب بھی کسی پیغمبر کے ہاتھ پر کسی معجزے کا ظہور ہوا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اِذن، اس کی اجازت اور اس کے حکم سے ہوا ہے۔ اس لئے معجزات کا دکھایا جانا سراسر اللہ تعالیٰ کی حکمت سے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ کے نبی کی پسند و ناپسند سے نہیں۔ اسے اگر کبھی ایسا خیال ہوتا ہے تو وہ اپنے اللہ سے دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق اس کا جواب دیتا ہے۔ اس لئے قریش اور دیگر مخالفین کو اولاً تو نبی کریم ﷺ سے اس طرح کے معجزات کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے رسول کا نہیں بلکہ پروردگار کا ہے۔ اور پروردگارِ عالم لوگوں کے مطالبات پر فیصلے نہیں کرتا، اپنی حکمت کے مطابق کرتا ہے۔ پیغمبر کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب اور اس کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے کی اپنی بساط کے مطابق کوشش کرے۔

تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ جب کبھی لوگوں کے مطالبات پر اللہ تعالیٰ کسی نشانی کو دکھانے اور کسی معجزے کے ظہور کا حکم دے دیتا ہے تو پھر قریش اور دیگر مخالفین کو یاد رکھنا چاہیے کہ معجزے کا مطالبہ کرنے والے بہت بڑے خسارے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ کبھی تو وہ اپنے پیغمبر کو سندِ ماموریت کے طور پر بعض معجزات کے ساتھ مسلح کر کے بھیجتا ہے۔ اور کبھی اس کی دعوت کو آسان بنانے اور مخالفین کی مخالفت کو کم کرنے کیلئے معجزات کا ظہور فرماتا ہے۔ لیکن وہ معجزات اور وہ نشانیاں جن کا مطالبہ قوم کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کے ساتھ یہ شرط لگا دی جاتی ہے کہ اگر ایسے معجزات دکھا دیئے جائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ اور پھر وہ قوم ان معجزات کے بعد بھی ایمان نہیں لاتی، تو لازمی طور پر تباہ کر دی جاتی ہے۔ اس لئے جس قوم کو اپنی خیریت مطلوب ہے اس کیلئے بہتر راستہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی پر ایمان لائے۔ اور اگر ایمان اس کے نصیب میں نہیں تو اپنے منہ مانگے معجزات کو مشروط طور پر پیش نہ کرے ورنہ اسے خسارے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اور یہاں اس خسارے سے مراد اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جو تباہی کا پیغام بن کر آتا ہے۔

Marfat.com

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا
مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۷۹ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا
حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَیْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝۸۰ؕ
وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖۗ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ۝۸۱ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا
فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ اَشَدَّ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۸۲ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ
فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸۳ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ
كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ۝۸۴ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ
لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَ
خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۵ع

رکوع: ۹۔ (اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے تا کہ تم ان میں سے کسی سے سواری کا کام لو اور کسی کا گوشت کھاؤ۔ ۷۹) ان کے اندر تمہارے لئے اور بھی بہت سے منافع ہیں تا کہ تم ان کے ذریعہ سے اس ضرورت تک پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان پر بھی اور کشتیوں پر بھی تم سوار کئے جاتے ہو۔ ۸۰) اللہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تو تم اللہ تعالیٰ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے۔ ۸۱) کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ ان سے تعداد میں زیادہ تھے۔ ان سے بڑھ کر طاقتور تھے اور زمین میں ان سے زیادہ شاندار آثار چھوڑ گئے۔ پس کام نہ آیا ان کے جو کچھ انہوں

Marfat.com

نے کمایا تھا۔ ۸۲) اور جب ان کے پاس ان کے رسول بینات لے کر آئے تو وہ اسی علم پر نازاں رہے جو ان کے پاس تھا۔ پھر اسی چیز نے ان کو گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ ۸۳) پس جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو پکار اٹھے کہ ہم نے مان لیا اللہ وحدہ لاشریک کو، اور ہم انکار کرتے ہیں ان سب معبودوں کا جنہیں ہم شریک ٹھہراتے تھے۔ ۸۴) پس نہ نفع دیا ان کے ایمان نے جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، یہی اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں جاری رہی ہے، اور اس وقت کافر لوگ خسارے میں پڑ گئے۔ ۸۵)

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

(اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کیے تا کہ تم ان میں سے کسی سے سواری کا کام لو اور کسی کا گوشت کھاؤ۔ ۷۹) ان کے اندر تمہارے لئے اور بھی بہت سے منافع ہیں تا کہ تم ان کے ذریعہ سے اس ضرورت تک پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان پر بھی اور کشتیوں پر بھی تم سوار کیے جاتے ہو۔ ۸۰) اللہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تو تم اللہ تعالیٰ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے۔ ۸۱)

گردوپیش میں پھیلی ہوئی نشانیوں کی طرف رہنمائی

اوپر کی آیت میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ پہلی امتیں بھی اپنے رسولوں سے مختلف قسم کے معجزات کا مطالبہ کرتی رہی ہیں اور ایسے ہی مطالبات قریش بھی کر رہے تھے۔ چنانچہ پہلے رسولوں کے طرزِ عمل اور امتوں کے انجام کے حوالے سے اس کا جواب دیا گیا۔ اب پیشِ نظر آیت میں ان کے مطالبات کا جواب ایک اور پہلو سے دیا جا رہا ہے۔ وہ یہ کہ تم اگر معجزات کا مطالبہ محض تفریحِ طبع کیلئے کر رہے ہو تو یہ ایک ایسی غیر سنجیدہ بات ہے جس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر معجزات کا مطالبہ تم اس لئے کر رہے ہو تا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے رسول کا سچا ہونے کا یقین ہو سکے تو اس کیلئے کسی نئی نشانی کی کیا ضرورت ہے۔ اس کیلئے وہ نشانیاں کافی ہیں جو تمہارے گردوپیش میں پھیلی ہوئی ہیں اور تمہارے مشاہدے اور تجربے میں آ رہی ہیں۔ ان نشانیوں میں سے ایک نشانی اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ وہ چار پائے ہیں جن سے انسان ہر روز مختلف قسم کے فوائد حاصل کر رہا ہے۔ ان میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جو جانور انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں مثلاً گائے، بیل، بھینس، بھیڑ بکری، اونٹ اور گھوڑے، ان میں سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ یہ اپنی تمام ضخامت و جسامت اور قوت و طاقت اور بہیمانہ خصائل کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح پیدا فرمایا ہے کہ وہ بڑی آسانی سے انسان کی خدمت کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں۔ اور مزید یہ کہ ان سے اس کی بے شمار ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ کسی پر انسان سواری کرتا ہے، کسی کو بار برداری کے کام میں لاتا ہے، کسی کو کھیتی باڑی میں استعمال کرتا ہے اور کسی کا دودھ نکال کر پیتا بھی ہے اور اس سے دہی، لسی، مکھن، گھی، کھویا، پنیر اور طرح طرح کی مٹھائیاں بھی بناتا ہے۔ پھر ان میں سے بعض کا گوشت کھاتا ہے، ان کی چربی استعمال کرتا ہے، ان کے اون، بال، کھال، آنتیں، ہڈی، خون اور گوبر ہر چیز اس کے کام آتی ہے۔ کیا یہ نشانیاں اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف رہنمائی کیلئے کافی نہیں۔ اور

Marfat.com

پھر لطف یہ ہے کہ نشانیوں کا معاملہ صرف اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ انسان کو اپنی ضروریات کے حصول کیلئے بڑی سفر بھی کرنے پڑتے ہیں اور بحری بھی۔ کیونکہ جس خطہ زمین پر قرآن کریم کا نزول ہو رہا تھا وہاں کے رہنے والوں کی ضروریات کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ یہ سفر ہی تھے۔ تجارت ان کی زندگی بن کر رہ گئی تھی۔ وہ ملکوں ملکوں تجارت کیلئے گھومتے تھے اور اس کی وجہ سے عرب کے شہروں میں دنیا بھر کی ہر چیز میسر ہوتی تھی۔ اشیائے خورد و نوش کی بھی کمی نہ تھی اور ضرورت کی دیگر اشیاء کی بھی فراوانی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں جن بڑی سفروں کے نتیجے میں ان کو حاصل ہوتی تھیں ان کا ذریعہ اونٹ تھا جو اہلِ عرب کیلئے صحرائی سفینہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور بحری سفروں میں جو ان کی تجارت کیلئے ضروری تھے انہیں کشتیاں استعمال کرنی پڑتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی تھی کہ انسانوں کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے جس طرح اس نے اونٹ پیدا فرمایا، اسی طرح پانی اور سمندروں اور ہواؤں کو ایسے قوانین کا پابند بنایا جن کی بدولت کشتیاں پانی پر تیرتی پھرتی ہیں۔ اور ان کے واسطے سے جن ملکوں میں بڑی سفر ممکن نہ تھا وہاں ان کشتیوں اور جہازوں کے ذریعے سے سامانِ تجارت لانا اور لے جانا ممکن بنا دیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جن سے انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کی وحدانیت اور اس کی بے پناہ قدرت کو بڑی آسانی سے جان سکتا ہے۔ اور اسی سے یہ بات بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ جس حکیم و علیم نے اپنی بے شمار چیزیں انسان کے تصرف میں دی ہیں اور اسے قسم قسم کی نعمتوں سے نوازا ہے اور بر و بحر کو اس کیلئے مسخر کر دیا ہے کیا اسے دنیا میں شترِ بے مہار بن کر زندگی گزارنے کی اجازت دے گا؟ اور کبھی ایسا دن نہیں لائے گا جب اس انسان سے وہ اپنی نعمتیں اور اپنی دی ہوئی صلاحیتوں کے حوالے سے جواب طلبی کرے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

(کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ ان سے تعداد میں زیادہ تھے۔ ان سے بڑھ کر طاقتور تھے اور زمین میں ان سے زیادہ شاندار آثار چھوڑ گئے۔ پس کام نہ آیا ان کے جو کچھ انہوں نے کمایا تھا۔ ۸۲)

ایک تنبیہ

آخر میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر ان لوگوں نے اپنے گرد و پیش میں پھیلی ہوئی نشانیوں سے سبق سیکھنے کی بجائے غیر معمولی معجزات کے ظہور پر اصرار جاری رکھا تو یہ وہی طرزِ عمل ہے جس کا ارتکاب اس سے پہلے امتیں کر چکی ہیں۔ ان کی تاریخ ان کیلئے اجنبی نہیں، وہ اپنے تجارتی سفروں میں ان کے کھنڈرات سے گزرتے ہیں۔ تو کیا ان کو وہاں یہ دکھائی نہیں دیتا کہ ان قوموں کا انجام کیا ہوا۔ حالانکہ وہ افرادی قوت میں ان سے بڑھ کر تھے۔ وہ اپنی ہیبت اور دبدبے میں اپنی مثال آپ تھے۔ اور انہوں نے اپنے پیچھے جو تمدنی آثار چھوڑے اور تعمیری یادگاریں چھوڑیں ان کا اس معاملے میں ان سے کوئی مقابلہ نہیں۔ آج تک پہاڑوں میں کھدے ہوئے محلات ان کی ترقی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ لیکن جب ان پر اخلاقی زوال مسلط ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت اور اپنی حقیقت کو بھول گئے تو ان کی یہ ساری ترقیاں ان کیلئے بیکار ثابت ہوئیں اور کوئی چیز بھی ان کو تباہی سے نہ بچا سکی۔ کیونکہ اخلاقی زوال میں مبتلا قومیں اپنے تمدنی آثار کے بل بوتے پر زندہ نہیں رہ سکتیں۔

Marfat.com

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾

(اور جب ان کے پاس ان کے رسول بینات لے کر آئے تو وہ اسی علم پر نازاں رہے جو ان کے پاس تھا۔ پھر اسی چیز نے ان کو گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ ۸۳)

جب اللہ تعالیٰ کے رسول ان کی زندگی کی اصلاح کیلئے ان کے پاس وہ علم لے کر آئے جس کے نتیجے میں انسانی زندگی کی ہر چول اپنی جگہ بیٹھ جاتی ہے۔ فکری صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے، قلبی انتشار سکون میں تبدیل ہو جاتا ہے، معاملات میں اعتدال پیدا ہوتا اور حقوق میں ایثار و اخلاص کی خُـو جنم لیتی ہے۔ تو یہ لوگ بجائے اس نسخۂ کیمیا کے قبول کرنے کے اپنے فلسفے اور سائنس، اپنے قانون، اپنے دنیوی علوم اور اپنے پیشواؤں کے گھڑے ہوئے مذہبی افسانوں اور دینیات ہی کو اصلی علم سمجھتے ہوئے اس پر جمے رہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے علم کو ہیچ سمجھ کر اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ تو آخر اس عذاب نے ان کو گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ جو کچھ ہم دنیا کے بارے میں جانتے ہیں یہی علم کی معراج ہے اور جو کچھ یہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے ہمیں بتا رہے ہیں یہ محض افسانے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا یہ پندار اور خود پسندی ان کی تباہی کا باعث بنی۔

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

(پس جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو پکار اٹھے کہ ہم نے مان لیا اللہ وحدہ لاشریک کو، اور ہم انکار کرتے ہیں ان سب معبودوں کا جنہیں ہم شریک ٹھہراتے تھے۔ ۸۴) پس نہ نفع دیا ان کے ایمان نے جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، یہی اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں جاری رہی ہے، اور اس وقت کافر لوگ خسارے میں پڑ گئے۔ ۸۵)

عذاب دیکھ کر ایمان قبول نہیں ہوتا

رسولوں نے ہر چند انہیں سمجھانے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے ان کی ایک بات بھی سن کر نہیں دی۔ تا آنکہ تکذیبِ رُسل کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا۔ جب انہوں نے عذاب کو دیکھا تو اب وہ ایمان کا دعویٰ کرنے لگے۔ اور اس شرک سے توبہ کرنے لگے جس کے خلاف بات سننے کے بھی روادار نہ تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ ایمان وہ معتبر ہے جو عذاب دیکھنے سے پہلے دلائل کی روشنی میں قبول کیا جائے۔ عذاب دیکھ لینے کے بعد ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح موت کے آثار شروع ہو جانے کے بعد بھی ایمان لانا یا توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ سنت ہے جس پر ہر دور میں عمل ہوتا رہا ہے۔ اس لئے کسی کو بھی اس سے استثناء نہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ

(۴۱)

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام حٰمٓ السَّجْدَةِ ہے۔

زمانۂ نزول:۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ کا زمانۂ نزول حضرت حمزہؓ کے ایمان لانے کے بعد اور حضرت عمر فاروقؓ کے ایمان لانے سے پہلے ہے۔ یہ دونوں مکہ کے بہادر سپوت اور بڑی نامور شخصیتوں کے مالک تھے۔ ان کے ایمان لانے سے مکہ میں ایک ہلچل مچ ہوگئی۔ وہ لوگ جنہوں نے کبھی اسلام کی دعوت کی طرف توجہ نہیں دی تھی، سنجیدگی سے اسلام کے بارے میں سوچنے لگے۔ اور وہ اشرافِ قریش جو مخالفت کے مختلف ہتھکنڈوں سے اسلام کی دعوت کو روکنے میں کامیابی کی امید لگائے بیٹھے تھے تازہ واقعات نے ان کو اس اٹھتی ہوئی نظریاتی قوت کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔ شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ بعض اصحابِ سِیَر نے مشہور تابعی محمد بن کعب القرظی کے حوالہ سے یہ قصہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ قریش کے کوئی سردار مسجد حرام میں محفل جمائے بیٹھے تھے اور مسجد کے ایک دوسرے گوشے میں رسول اللہ ﷺ تنہا تشریف فرما تھے۔ اور اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت ان کی گفتگو کا موضوع تھا۔ اس موقع پر عتبہ بن ربیعہ نے سردارانِ قریش سے کہا کہ صاحبو اگر آپ لوگ پسند کریں تو میں جا کر محمد (ﷺ) سے بات کروں، اور اس کے سامنے چند تجویزیں رکھوں، ممکن ہے ہمارے درمیان مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے اور ہم اپنے قومی شیرازے کے حوالے سے جس پریشانی میں مبتلا ہیں اس سے بچ جائیں۔ سب حاضرین نے اس سے اتفاق کیا اور عتبہ اٹھ کر نبی کریم ﷺ کے پاس جا بیٹھا۔ آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے، تو اس نے کہا: بھتیجے تم اپنی قوم میں اپنے نسب اور خاندان کے اعتبار سے جو حیثیت رکھتے ہو وہ تمہیں معلوم ہے، مگر تم اپنی قوم پر ایک بڑی مصیبت لے آئے ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہماری دعوت کا سرچشمہ قبیلے کے افراد کا اتحاد اور ان کی خاندانی شیرازہ بندی ہے۔ اگر اس میں دراڑیں پڑ جائیں اور ایک دوسرے سے اعتماد اٹھ جائے تو دوسرے قبائل ہمیں کھا جائیں گے۔ اور آج ہم جزیرۂ عرب میں جس حیثیت کے مالک ہیں ہم اس سے محروم ہو جائیں گے۔ لیکن تمہاری دعوت نے جماعت میں ایک تفرقہ ڈال دیا ہے۔ جو شخص تم پر ایمان لے آتا ہے اس کے صرف خیالات ہی میں تبدیلی نہیں آتی بلکہ اس کی وابستگیاں، اس کے مفادات، اس کے مقاصد اور اس کی منزل ہر چیز بدل کے رہ جاتی ہے۔ تم ایسی باتوں کی دعوت دے رہے ہو جن کے نتیجے میں ہمارے تمام معبود جھوٹے ٹھہرتے ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد کافر اور گمراہ ثابت ہوتے ہیں۔ اس سے دلوں کے جذبات مجروح ہوتے اور دشمنی کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سلسلہ دیر تک جاری نہیں رہ سکتا۔ ہماری باہمی کشمکش ہمیں کسی برے نتیجے سے دوچار کر دے گی۔ میں تمہارے سامنے کچھ تجویزیں رکھتا ہوں اگر ان میں سے کسی تجویز کو تم قبول کر لو تو ہو سکتا ہے کہ ہم اس مصیبت کے خطرناک نتائج سے بچ جائیں۔ آپ نے فرمایا:

Marfat.com

ابوالولید، آپ جو کہنا چاہتے ہیں کہیں، میں سن رہا ہوں۔ اس نے کہا: بھتیجے یہ کام جو تم نے شروع کیا ہے اس سے اگر تمہارا مقصد مال حاصل کرنا ہے تو ہم سب مل کر تم کو اتنا کچھ دے دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اگر اس سے اپنی بڑائی چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں، کسی معاملے کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کریں گے۔ اگر بادشاہی چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں، اور اگر تم پر کوئی جن آتا ہے جسے تم خود دفع کرنے پر قادر نہیں ہو تو ہم بہترین اطباء بلواتے ہیں اور اپنے خرچ پر تمہارا علاج کراتے ہیں۔ عتبہ یہ باتیں کرتا رہا اور حضورؐ خاموش سنتے رہے۔ آخر آپؐ نے فرمایا: ابوالولید آپ کو جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکے۔ اس نے کہا: ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا اب میری سنو۔ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اس سورۃ کی تلاوت شروع کی۔ اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے غور سے سنتا رہا۔ آیت ۳۸ جو سجدے کی آیت ہے اس پر پہنچ کر آپ نے سجدہ کیا۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا: اے ابوالولید، میرا جواب آپ نے سن لیا۔ اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔ عتبہ اٹھ کر سردارانِ قریش کی مجلس کی طرف چلا تو لوگوں نے دور سے اس کو دیکھتے ہی کہا: خدا کی قسم عتبہ کا چہرہ بدلا ہوا ہے۔ یہ وہ صورت نہیں ہے جسے لے کے وہ گیا تھا۔ پھر جب وہ آ کر بیٹھا تو لوگوں نے کہا کہ آپ نے محمد (ﷺ) سے کیا کہا اور اس نے کیا جواب دیا۔ اس نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا: بخدا! میں نے آج تک ایسا کلام کبھی نہیں سنا۔ خدا کی قسم نہ یہ شعر ہے اور نہ سحر ہے۔ نہ کہانت ہے۔ اے سردارانِ قریش! میری بات مانو اور اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میرا خیال ہے کہ یہ کلام کچھ رنگ لا کے رہے گا۔ فرض کرو اگر عرب اس پر غالب آ گئے تو اپنے بھائی کیخلاف ہاتھ اٹھانے سے تم بچ جاؤ گے اور دوسرے اس سے نمٹ لیں گے۔ لیکن اگر وہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہی تمہاری بادشاہی اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔ سردارانِ قریش اس کی یہ بات سن کر بول اٹھے کہ ابوالولید، اس کا جادو آخر تم پر بھی چل گیا۔ عتبہ نے کہا میری جو رائے تھی وہ میں نے تمہیں بتا دی، اب تمہارا جو جی چاہے کرتے رہو۔

عتبہ کی باتوں پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ یہ بات ماننے کیلئے تیار نہیں کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ اس لئے آپ کی دعوت اور اس کیلئے آپ کی مساعی کو دیکھتے ہوئے اس نے یہ اندازہ کیا کہ آپ کی اس تمام تگ و دو کے محرکات وہی ہیں جو عموماً ان دنیادار لوگوں کے ہوتے ہیں جو دنیا میں اپنے لئے بڑائی چاہتے ہیں۔ اس لئے اس نے آپ کی نیت پر حملہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ اگر آپ دولت چاہتے ہیں یا حکومت چاہتے ہیں تو ہم یہ سب کچھ آپ کو دینے کو تیار ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی ہی چیزیں آپ کی منزل ہوسکتی ہیں۔ اور اگر ایسا نہیں تو پھر یقیناً آپ کے دماغ یا آپ کی عقل میں فتور آ گیا ہے۔ یا کوئی جن آپ پر آتا ہے اور وہ آپ کو ایسی باتیں سکھاتا ہے جو آپ لوگوں سے کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ تو ہم اپنی قوم کے شیرازہ کو بچانے کیلئے اپنے خرچ پر آپ کا علاج کرانے کیلئے بھی تیار ہیں۔ اس طرح سے وہ بظاہر مفاہمت کیلئے آیا لیکن حقیقت میں وہ آپ کی توہین کر رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ جس بلند مرتبہ پر فائز تھے اس حوالے سے آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی تھی کہ آپ اس کی ان بے ہودگیوں کا جواب دیں۔ اس لئے آپ نے اس کی باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیشِ نظر سورۃ کی ابتدائی ۳۸ آیات اس کے سامنے پڑھیں۔ جس میں مشرکینِ عرب کی حقیقی بیماری پر تنقید کی گئی تھی۔ اور وہ اسلام کی دعوت کو روکنے کے سلسلے میں جو معاندانہ کارروائیاں کر رہے تھے ان میں سے ایک ایک کا پول کھولا گیا تھا۔ اور آئندہ آپ کی دعوت کے راستے میں جس طرح کی رکاوٹیں وہ کھڑی کرنا چاہتے تھے اس کا تذکرہ کیا گیا۔ اور وہ جس قسم کی بے ہودہ اور لایعنی اعتراضات کرتے تھے کہیں اس کا ذکر کئے بغیر اور کہیں ذکر کر کے جواب دیا گیا۔

Marfat.com

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

سب سے پہلے قرآنِ کریم کا تعارف کرایا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے اور افادیت کیلئے اسے عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ دنیوی اور اخروی زندگی کی کامیابی کیلئے جن حقائق پر ایمان لانا ضروری ہے انہیں لوگ آسانی سے سمجھ سکیں اور ان پر ایمان لاسکیں۔

کفار کے رویئے پر تنقید کی گئی ہے کہ تم نے جو اپنے دلوں پر غلاف چڑھا لئے ہیں اور اپنے کان بہرے کر لئے ہیں تو اس سے تم نے اپنی دنیا اور آخرت کا نقصان کیا ہے۔ نبی کا یہ کام نہیں کہ وہ تمہیں زبردستی سنائے اور سمجھائے اور دلوں میں زبردستی اپنی بات اتارے۔ وہ تو تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہے وہ سننے والوں کو ہی سنا سکتا ہے اور سمجھنے والوں کو سمجھا سکتا ہے۔

اس کارخانۂ کائنات میں جو قدرت وحکمت، جو رحمت و ربوبیت اور جو نظم و اہتمام کارفرما ہے وہ اس بات پر گواہ ہے کہ یہ کسی کھلنڈرے کا کھیل یا مختلف دیوتاؤں کی بازی گاہ یا رزم گاہ نہیں ہے بلکہ یہ خدائے عزیز وحلیم کی منصوبہ بندی ہی سے وجود میں آیا ہے۔ اس وجہ سے جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت سے غافل ہیں وہ صرف اپنی شامت کے منتظر ہیں۔

یہ قرآن ایک اٹل کتاب ہے تم اسے اپنی گھٹیا چالوں اور اپنے جھوٹ کے ہتھیاروں سے شکست نہیں دے سکتے۔ باطل خواہ سامنے سے آئے یا درپردہ اور بالواسطہ حملہ آور ہو اسے زک دینے میں کبھی کامیاب نہ ہوسکے گا۔

قریش کو تہدید کی گئی ہے کہ اگر تم رسول کی دعوت کی تکذیب ہی پر تل گئے ہو تو رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں کے انجام سے دوچار ہونے کیلئے بھی تیار ہو جاؤ۔ تم سے پہلے عاد اور ثمود نے بھی یہی روش اختیار کی۔ نتیجہ سامنے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ کر دیا۔ اور تمہیں خوب معلوم ہے کہ قوت وشوکت میں وہ تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔

قیامت کی منظرکشی کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ گمراہ لیڈروں اور ان کے گمراہ پیروؤں کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں جمع کرے گا۔ قرآنِ کریم کی دعوتِ توحید کی مخالفت میں انہوں نے آپس میں جو گٹھ جوڑ کیا اس کا انجام اس دن ان کے سامنے آئے گا۔ اس دن وہ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ اور گمراہ ہونے والے عوام اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ اے رب انسانوں اور جنوں میں سے جنہوں نے بھی ہمیں گمراہ کیا ہے تو ان کو ہمیں دکھا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں سے روند ڈالیں۔

ان لوگوں کو اجر وثواب اور مختلف نعمتوں کی بشارت دی گئی ہے جو تمام مخالفتوں اور سازشوں کے باوجود توحید پر جمے رہیں گے۔ قیامت کے دن ان کے پاس فرشتے اللہ تعالیٰ کی ابدی رحمت ونعمت کی بشارت لے کر آئیں گے۔

شدید مخالفتوں کے ہجوم میں جبکہ دعوت وتبلیغ کا کوئی راستہ نکلتا نظر نہیں آتا تھا اور دشمن ہر طرح کی مخالفت پر تلا ہوا تھا آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو عفو ودرگزر اور استقامت کی تلقین کی گئی ہے۔ اور ہر حال میں حُسنِ سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ نوید سنائی گئی ہے کہ تم اپنے اخلاقِ کریمانہ سے مخالفت کی بڑی بڑی چٹانوں کو توڑ سکو گے۔ اور مخالفین میں راستہ نکالنے کیلئے اس سے بہتر تجویز اور کوئی نہیں۔ صبر کے ساتھ اس سے کام لو۔ اور جب کبھی شیطان اشتعال دلا کر کسی دوسرے ہتھیار سے کام لینے پر اکسائے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو۔

یہود کے اٹھائے ہوئے بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور قرآنی تعلیمات کی حقانیت واضح کی گئی ہے۔

Marfat.com

جولوگ آخرت کا مذاق اس وجہ سے اڑا رہے تھے کہ اس کا ظہور نہیں ہو رہا یا پیغمبر اس کی تاریخ متعین نہیں کر سکتے، ان کو جواب دیا گیا ہے اور قیامت کیلئے جلدی مچانے والوں کی کم ظرفی پر اظہارِ افسوس کیا گیا ہے جبکہ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ ذرا سی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ جاتے ہیں تو فوراً بھنبھنا اٹھتے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کو ذرا ڈھیل دیتا ہے تو شیخی بگھارنے اور عذاب کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔

آخر میں یہ بات واضح فرمائی گئی ہے کہ آج تمہیں اسلام کی صداقت سمجھ میں نہیں آ رہی مگر عنقریب تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ اس قرآن کی دعوت تمام آفاق پر چھا گئی ہے۔ اور تم خود اس سے مغلوب ہو چکے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جولوگ شک میں مبتلا ہیں وہ عنقریب سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

Marfat.com

اٰیَاتُھَا ۵۴	سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ (۴۱)	رُکُوْعَاتُھَا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ
قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝٣ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ
فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝٤ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ
وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا
عٰمِلُوْنَ ۝٥ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝٦
الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝٧ اِنَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝٨

رکوع: ۱۔ (حٰ مٓ۔ ۱) یہ خدائے رحمٰن ورحیم کی تنزیل ہے۔ ۲) یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں، عربی قرآن کی صورت میں، ان لوگوں کیلئے جو جاننا چاہیں۔ ۳) خوشخبری دینے والی اور ڈرا دینے والی، پس ان میں سے اکثر لوگوں نے اس سے روگردانی کی اور وہ اس کو سن کر نہیں دیتے۔ ۴) اور وہ کہتے ہیں ہمارے دل اوٹ میں ہیں، ان باتوں سے جن کی آپ ہمیں دعوت دے رہے ہیں، ہمارے کان اس چیز سے بہرے ہیں (جو آپ ہمیں سنا رہے ہیں) اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب حائل ہے، پس آپ اپنا کام کیجئے، ہم اپنا

Marfat.com

کام کیے جائیں گے۔ ۵) اے پیغمبران سے کہہ دیجیے، میں تو تم جیسا ایک بشر ہوں، مجھ پر یہ بات وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود تو بس ایک ہی معبود ہے، پس تم سیدھے اسی کا رخ اختیار کرو اور اس سے مغفرت مانگو اور تباہی ہے مشرکوں کیلئے۔ ۶) جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہی آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔ ۷) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کیلئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ ۸)

حٰمٓ ۞ ۱ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ ۲ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ ۳ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۞ ۴

(ح م۔ ۱) یہ خدائے رحمٰن و رحیم کی تنزیل ہے۔ ۲) یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں، عربی قرآن کی صورت میں، ان لوگوں کیلئے جو جاننا چاہیں۔ ۳) خوشخبری دینے والی اور ڈرا دینے والی، پس ان میں سے اکثر لوگوں نے اس سے روگردانی کی اور وہ اس کو سن کر نہیں دیتے۔ ۴)

مخالفین کا اصل ہدف

ان آیات پر غور کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مخالفین کی مخالفت کا اصل ہدف قرآنِ کریم اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی ذات تھی۔ وہ کسی قیمت پر یہ بات ماننے کیلئے تیار نہیں تھے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آپ جس کتاب کو ہمارے سامنے پیش کر رہے ہیں اسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ اس لئے وہ ہر ممکن طریقے سے قرآنِ کریم کو سننے سے اعراض کرتے، اس کے وحیِ الٰہی ہونے کا انکار کرتے اور آنحضرت ﷺ کی رسالت پر مختلف قسم کے اعتراضات کرتے۔ اس لئے ان آیات میں قرآنِ کریم کا تعارف کرایا گیا ہے کہ تمہیں جس کتاب کو منزل من اللہ ماننے سے انکار ہے اور تم اسے آنحضرت ﷺ کی تصنیف قرار دیتے ہو، اس کے بارے میں تمہارے ذہنوں میں چند باتیں بالکل واضح ہونی چاہئیں ورنہ اندیشہ ہے کہ تم کبھی بھی قرآن اور صاحبِ قرآن سے استفادہ نہیں کر سکو گے اور نہ ان پر ایمان لا سکو گے۔

چند قابلِ توجہ باتیں

۱۔ ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ تم ہزار انکار کرو لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآنِ کریم کو نہایت اہتمام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے کیونکہ تنزیل کا لفظ اہتمام کی طرف اشارہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کتاب کو اللہ تعالیٰ نہایت اہتمام کے ساتھ نازل فرمائیں گے وہ یقیناً بہت عظمت والی اور بہت برکت والی کتاب ہوگی۔ رہی یہ بات کہ قرآنِ کریم کو کس طرح اہتمام کے ساتھ اتارا گیا اس کی شہادتیں نزولِ قرآن کے وقت اور آج بھی بالکل واضح ہیں کہ یہ وہ کتاب ہے جو تمام کتابوں کی جامع بنا کر سب سے آخر میں خاتم الکتب کی حیثیت سے نازل کی گئی ہے۔ اس میں دیئے ہوئے نظامِ زندگی کی حفاظت کی ذمہ داری پروردگار نے خود قبول فرمائی ہے۔ ڈیڑھ ہزار سال گزرنے میں آیا لیکن اس کا ایک شوشہ بھی ادھر سے اُدھر نہ ہو سکا جبکہ اتنے عرصے میں دنیا کی کوئی دستاویز اپنی حقیقت پر قائم نہیں رہتی۔

Marfat.com

اس کا نزول حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کے واسطے سے فرشتوں کی حفاظت میں نہایت اہتمام کے ساتھ ہوتا تھا۔اس کی تعلیمات میں قیامت تک کیلئے کسی ترمیم اور تبدیلی کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی۔انسانی احساسات اور انفعالات میں تبدیلی آتی رہتی ہے لیکن قرآنِ کریم کی تعلیمات ہر دور کیلئے قابلِ عمل ٹھہرائی گئی ہیں۔اسے جب بھی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں من وعن نافذ کیا گیا ہے تو دنیا نے نہ صرف اپنے ہر مسئلے کو حل ہوتے ہوئے دیکھا بلکہ اس کی برکات بھی بچشمِ سر مشاہدہ کیں۔یہ کتاب اُمیوں میں نازل ہوئی،لیکن اس نے انہیں اُمیوں کو دنیا کا معلم اور مربی بنا دیا۔اور تاریخ اس سے انکار نہیں کر سکتی کہ عہدِ نبوت اور عہدِ خلافتِ راشدہ ہر لحاظ سے بے مثال اور بے نظیر ادوار تھے اور وہاں کے رہنے والوں کو اس طرح کی آسودہ زندگی نصیب ہوئی تھی کہ ان کی دنیا جنت کا نمونہ بن گئی تھی اور وہ لوگ جو کل تک بہیمیت اور درندگی کی تصویر تھے اس انسانیت کا پیکر بنے جس پر آج بھی فخر کیا جا سکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جس کتاب کو اس قدر اہتمام سے نازل کیا گیا ہے اس کا نازل کرنے والا اس کتاب کے انکار اور اس کی اندھی مخالفت اور اس کے مقابلے میں توہین آمیز رویئے کو کیسے برداشت کر سکتا ہے۔چنانچہ اس آیت میں مخالفین کیلئے تنبیہ بھی ہے کہ تم اس کتاب کی مخالفت کرتے ہوئے یہ ضرور سوچ لینا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

۲۔ دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ جس ذاتِ والا تبار نے اس کتاب کو نازل کیا ہے وہ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔اس کی رحمت دنیا اور آخرت پر چھائی ہوئی ہے۔اس کتاب کا نزول درحقیقت اس کی رحمت کا اظہار ہے۔چنانچہ جو شخص اس کا انکار کرتا اور اس کی مخالفت کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ سے دشمنی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اپنے آپ کو محروم کرتا ہے۔اور ساتھ ہی ساتھ وہ اس بات کو بھی سمجھنے سے انکار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جس طرح تخلیق اور ربوبیت کے عمل میں کارفرما ہے،اسی طرح اس کا تقاضا یہ بھی تھا کہ انسان زندگی گزارتے ہوئے تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں نہ مارے بلکہ اسے رہنمائی کا وہ نور نصیب ہو جس کی روشنی میں اس کا گھر حقیقت میں حقوق و فرائض کی ادائیگی کا مرکز ہو،جس میں والدین کی شفقت بھی ہو اور بچوں کی اطاعت بھی۔اور جس کا معاشرہ ایک دوسرے سے بیگانگی نہیں بلکہ محبت اور مروت کی تصویر ہو،جس کا ہر گھر اپنے ہمسائے کے بارے میں فکر مند ہو،ہر شخص اپنے حقوق کیلئے کم اور دوسرے کیلئے زیادہ پریشان ہو،جو زندگی کے ہر مرحلے میں چاہے وہ مرحلہ عبادت کا ہو یا معاشرت کا،معیشت کا ہو یا سیاست کا،حکومت کا ہو یا عدل اجتماعی کا،وہ اس بات کو کبھی نہ بھولے کہ مجھے جو کتاب دی گئی ہے اس میں کتاب نازل کرنے والے نے اپنے فضل و کرم سے ہر مرحلے کے بارے میں ہدایات دی ہیں اور وہ مسلسل مجھے دیکھ رہا ہے کہ میں ان ہدایات پر عمل کرتا ہوں یا انہیں نظر انداز کرتا ہوں اور ایک دن ایسا آئے گا جب اسی کے حوالے سے مجھ سے باز پرس ہوگی اور جزاء و سزا سے مجھے واسطہ پڑے گا۔اندازہ فرمائیے کہ اس شخص سے بڑھ کر ناشکرا اپنا دشمن کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اس کا راستہ روکنے کیلئے اٹھ کھڑا ہو۔

۳۔ تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی تفصیل بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں،اس کی کوئی نصیحت الجھی ہوئی نہیں،اس کے آئین و قانون کی دفعات باہم متصادم نہیں،اور اس کا کوئی حکم ایسا نہیں جسے انسان سمجھ نہ سکتا ہو،اس میں حق بھی واضح ہے اور باطل بھی۔عقائد کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اور اخلاق کی ایک ایک تفصیل دی گئی۔فضائلِ اخلاق بھی ذکر کئے گئے ہیں اور رزائل کو بھی واضح کیا گیا ہے۔نیکی اور بدی کی پہچان بتا دی گئی ہے،خیر و فلاح کے راستے نمایاں کر دیئے

Marfat.com

گئے ہیں۔اس لحاظ سے کوئی شخص اس کتاب کو پڑھنے کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کتاب سے یہ نہیں سمجھ سکتا کہ زندگی کا صحیح رویہ کیا ہے اور وہ کیا چیزیں ہیں جس کے بارے میں قیامت کے روز مجھ سے باز پرس ہوگی۔

۴۔ جو لوگ اس کتاب کے اولین مخاطب تھے اور جنہیں سب سے پہلے امتِ اجابت ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ اہلِ عرب تھے، ان کی زبان عربی تھی۔اس لئے اسے عربی زبان میں اتارا گیا تا کہ اس کتاب کے سمجھنے میں انہیں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔کیونکہ اگر یہ قرآن کسی غیر زبان میں آتا تو اہلِ عرب یہ عذر پیش کر سکتے تھے کہ ہم تو اس زبان ہی سے ناواقف ہیں جس میں قرآن اتارا گیا ہے۔چنانچہ آگے اسی سورۃ میں قرآنِ کریم نے اس کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ءَ اَعْجَمِیٌّ وَّ عَرَبِیٌّ (سورۃ: فصلت، آیت ۴۴) ''اگر ہم اس کو عجمی قرآن کی صورت میں اتارتے تو یہ لوگ اعتراض اٹھاتے کہ اس کی آیتیں ہمارے لئے اچھی طرح کھولی کیوں نہ گئیں، کیا کلام عجمی اور مخاطب عربی۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو عربی زبان میں اتار کر اس طرح کے ہر اعتراض کو ختم کر دیا اور اس کی تعلیمات کو انسانوں کیلئے آسان کر دیا۔

۵۔ پانچویں بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ یہ کتاب بشارت دینے والی اور ڈرانے والی ہے۔یعنی لوگ محض اسے ایک فلسفہ یا ایک نصیحت نہ سمجھیں کہ جس کے ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔بلکہ اس کتاب کی حیثیت یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر ایمان لانے والوں اور عمل کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں کامیابیوں کی بشارت دیتی ہے۔اور جو لوگ اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں وہ ان کو پوری طرح خبردار کرتی ہے کہ انکار کا نتیجہ دنیا میں بھی برا ہوگا اور آخرت میں بھی نہایت تباہ کن ہوگا۔دنیا میں اس کے انکار کرنے والے اس کی افادیت اور اس کی برکات سے محروم رہیں گے اور ان کی زندگیاں دکھوں میں گزریں گی اور آخرت میں وہ جہنم کی نذر کر دیئے جائیں گے۔

۶۔ چھٹی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کیلئے خیر و برکت کا باعث ہے جو اس کتاب کا علم رکھتے ہیں اور جو اس سے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس نے انسانی زندگی کے ہر مرحلے کیلئے کیا ہدایات دی ہیں۔بعض اہلِ علم نے اس کا یہ مفہوم بھی لیا ہے کہ یہاں یعلمون کا فعل، فعل کے معنی میں نہیں بلکہ ارادۂ فعل کے معنی میں آیا ہے، اور یہ اسلوب عربی زبان میں شائع و ذائع ہے۔اس صورت میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس قرآنِ کریم سے وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو اس کو جاننے اور سمجھنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو جاننے کی خواہش ہی سے محروم ہیں وہ اس کتاب سے صحیح معنی میں استفادہ نہیں کر سکتے۔اس طرح سے عربوں کیلئے ایک تحریص و ترغیب بھی ہے کہ وہ آج تک امی رہے ہیں، لیکن اب انہیں اللہ تعالیٰ علم کی دنیا کا امام بنانا چاہتا ہے۔اس لئے انہیں دوسروں سے بڑھ کر جاننے اور سمجھنے کا حریص ہونا چاہئے۔

آخر میں فرمایا کہ اس کا کیا کیا جائے کہ اکثر لوگوں نے قرآنِ پاک کی یہ اہمیت اور آنحضرت ﷺ کی دعوت کو ملحوظ نہیں رکھا بلکہ انہوں نے اس کو ایک معمولی چیز سمجھ کر اس سے اعراض کر رکھا ہے اور وہ اس کو سننے کیلئے بھی تیار نہیں ہیں۔سمجھنے کا دارومدار تو سننے پر ہوتا ہے جب آدمی کسی نصیحت کو سننے سے بھی انکار کر دے تو اس کے ماننے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ یہ اس کے سننے کے بھی روادار نہیں ہیں۔لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں کہ یہ کسی واعظ کا وعظ نہیں، بلکہ یہ خدائی انذار ہے، اس سے اعراض انہیں بہت مہنگا پڑے گا۔

Marfat.com

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿٥﴾

(اور وہ کہتے ہیں ہمارے دل اوٹ میں ہیں، ان باتوں سے جن کی آپ ہمیں دعوت دے رہے ہیں، ہمارے کان اس چیز سے بہرے ہیں (جو آپ ہمیں سنا رہے ہیں) اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب حائل ہے، پس آپ اپنا کام کیجئے، ہم اپنا کام کئے جائیں گے۔ ۵)

اعراض کی تفصیل

اوپر کی آیت میں جس اعراض کا ذکر ہے اس آیت میں اس کی تفصیل ہے۔ یعنی ان کا اعراض صرف انکار کی حد تک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر بن کر آئی ہے اس سے انہیں ایسا بُعد پیدا ہو گیا ہے جس نے ایک نفرت کی صورت اختیار کر لی ہے اور انہیں اس کے اظہار میں کوئی شرم مانع نہیں ہوتی۔ وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ آپ جن باتوں کی ہمیں دعوت دے رہے ہیں وہ ہمارے دلوں میں نہیں اترتی۔ یہ تقریباً وہی بات ہے جو یہود کہتے تھے وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۔ یعنی ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں اور آپ کی کوئی بات ہمارے دلوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ اسی طرح ہمارے کانوں میں ڈاٹ اور بوجھ ہے یعنی ہم بہرے ہو گئے ہیں، اس لئے آپ کی کوئی صدا ہمارے کانوں سے گزر نہیں سکتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان عقائد و نظریات اور مسلک و مذہب کے اختلاف کی ایک ایسی دیوار حائل ہو گئی ہے کہ اب ہمارے مل سکنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ اس جدائی اور نفرت کی موجودگی میں بس ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ آپ کو چونکہ اپنے دین کی تبلیغ و دعوت پر اصرار ہے اور آپ اسے ایک فریضہ سمجھ کر بہر صورت ادا کرنا چاہتے ہیں تو آپ اپنا کام کرتے رہئے، لیکن یہ یاد رکھئے کہ ہم نے آج تک آپ کی اس دعوت کو روکنے کی کوشش کی ہے اور پورا جتن کیا ہے کہ کسی طرح آپ کی دعوت ہمارے معاشرے کو مسموم نہ کرنے پائے، تو ہم بھی اپنی اس مخالفت کو نہ صرف جاری رکھیں گے بلکہ اس میں مزید تیزی پیدا کریں گے کیونکہ ہمارے درمیان اس قدر مغائرت ہو گئی ہے کہ مفاہمت کی تمام کوششیں ناکام ہو گئی ہیں اور ہم نے ہراساں کرنے کے تمام وسائل آزما لئے ہیں لیکن آپ اپنے مؤقف سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں، تو اب اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ:

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا
کئے جاؤ مے خوارو کام اپنا اپنا

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٧﴾

(اے پیغمبر ان سے کہہ دیجئے، میں تو تم جیسا ایک بشر ہوں، مجھ پر یہ بات وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود تو بس ایک ہی معبود ہے، پس تم سیدھے اسی کا رخ اختیار کرو اور اس سے مغفرت مانگو اور تباہی ہے مشرکوں کیلئے۔ ۶) جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہی آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔ ۷)

Marfat.com

راہِ ہدایت کے موانع کا دور کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

گزشتہ آیت میں کفار نے اپنے اعراض کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، ہمارے کان بہرے ہوگئے ہیں یعنی نہ ہم تمہاری بات پر غور کرسکتے ہیں اور نہ اسے سن سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک حجاب حائل ہوگیا ہے اب ہمارے مل بیٹھنے کے امکانات ختم ہوگئے ہیں۔ اس کے جواب میں پروردگار نے آنحضرت ﷺ سے کہلوایا ہے کہ تمہارے دلوں کے یہ پردے اور تمہارے کانوں کی گراں گوشی اور تمہارے یہ حجاب ان کا دور کرنا میرے بس میں نہیں۔ انہیں تو صرف اللہ تعالیٰ ہی دور کرسکتا ہے۔ میں تو تمہاری طرح ایک انسان ہوں، میں اسے سنا سکتا ہوں جو سننا چاہے اور اسے سمجھا سکتا ہوں جو سمجھنا چاہے۔ البتہ مجھ میں اور تم میں فرق یہ ہے کہ تم جسمِ انسانی کی مانند ہو تو میری حیثیت ایک دیدۂ بینا کی ہے۔ وہ دیکھتی ہے تو جسم اس کے پیچھے چلتا ہے۔ اسی طرح مجھ پر وحی اترتی ہے، میں وحی کی رہنمائی کو تمہارے سامنے پیش کرنے کا مکلف ٹھہرایا گیا ہوں۔ اس وحی کے ذریعے مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔ وہی تمہاری عبادت کا سزاوار ہے اور اسی سے تم استمداد کرسکتے ہو۔ اسی سے تمہارے دلوں کی آبادی ہونی چاہئے اور اسی کی بازپرس کا خوف ہر وقت تم پر غالب رہنا چاہئے۔ تم نے اس کے مقابلے میں جو بہت سے شریک بنا رکھے ہیں اس کا کوئی جواز نہیں۔ کیونکہ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی صفات میں، اور نہ کوئی اس جیسے حقوق رکھتا ہے۔ وہ ان تینوں حوالوں سے واحد اور یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔ بس تم ہر طرف سے کٹ کر اور یکسو ہو کر اسی ربِ حقیقی کی طرف رجوع کرو، اسی کی بندگی اور پرستش کرو، اسی کے آگے سرِ تسلیم واطاعت خم کردو، اس کی شریعت کو واجب الاطاعت سمجھو، اور اس کے عطا کردہ قانون کو حرفِ آخر جانو۔ اور اب تک تم جو شرک میں آلودہ رہے ہو اور اب تک جو اس کی نافرمانی کرتے رہے ہو اس سے اس کی بخشش مانگو۔ اور یاد رکھو کہ کفر اور شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا جرم ہے۔ اس لئے شرک کرنے والوں کیلئے ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

زکوٰۃ کا مفہوم

دوسری آیت میں فرمایا کہ شرک نے مشرکین میں جو برا کردار پیدا کیا ہے ان میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ شرک کی وجہ سے جس طرح اپنے ربِ حقیقی سے کٹ گئے اسی طرح وہ بندوں کے حقوق سے بھی تہی دامن ہوگئے اور انسانوں کی خدمت کا کوئی جذبہ ان میں باقی نہ رہا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ زکوٰۃ کے معنی ومفہوم میں مفسرین میں اختلاف ہوا ہے۔ ابنِ عباسؓ اور ان کے بعض شاگردوں کا کہنا یہ ہے کہ اس مقام پر زکوٰۃ سے مراد اصطلاحی زکوٰۃ نہیں بلکہ وہ پاکیزگی نفس ہے جو توحید کے عقیدے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ''تباہی ہے ان مشرکین کیلئے جو پاکیزگی اختیار نہیں کرتے۔'' مفسرین کا دوسرا گروہ جن میں حضرت قتادہؒ اور حضرت حسن بصریؒ جیسے لوگ شامل ہیں اس لفظ کو یہاں بھی زکوٰۃ ہی کے معنی میں لیتے ہیں۔ لیکن زیادہ راجح یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ چونکہ مکی سورۃ ہے اور مکہ معظمہ میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی تھی، اس لئے اس سے مراد انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ زکوٰۃ بھی اسی کی ایک باضابطہ متعین شکل ہے جو مدینہ منورہ میں فرض ہوئی۔ لیکن مکہ مکرمہ میں اسے انفاق فی سبیل اللہ کے معنی میں استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ یہی معنی اس آیت میں بھی مراد ہے۔

Marfat.com

شرک اور بد عملی کا سبب انکارِ آخرت ہے

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر خرچ کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے یہ درحقیقت وہ لوگ ہیں جو آخرت کے منکر ہیں۔ چونکہ اس جملے میں مبتدا کے اعادہ سے حصر کا مضمون پیدا ہو گیا ہے اس لحاظ سے اس جملے کا معنی یہ ہوگا کہ جو لوگ اپنے اللہ سے بھی کٹ جائیں اور بندوں سے بھی، وہ بے شک زبان سے آخرت کا انکار نہ بھی کریں جب بھی یہی لوگ ہیں جو آخرت کے منکر ہیں۔ کیونکہ جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے حقوق کے بارے میں جواب دہی سے بے فکر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ اسے حقوق العباد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں ہونے والی باز پرس کی کوئی پرواہ نہ ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝٨

(بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کیلئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ ۸)

ایمان وعمل کے حاملین کے لیے بشارت

مشرکین کی تباہی وبربادی کا ذکر کرنے کے بعد ایمان وعمل کے حامل لوگوں کو بشارت سنائی گئی ہے۔ یعنی جو لوگ ایمان اور عملِ صالح کی روش اختیار کریں گے شرک کی ہر آلودگی سے بچیں گے اور اللہ تعالیٰ کی غیر مشروط اطاعت میں حتی الامکان کوئی کمی نہیں کریں گے اور ہر معاملے میں اخلاص اور استقامت کا ثبوت دیں گے، انہیں یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے اجر اور صلے سے نوازیں گے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اگرچہ غیر ممنون کے معنی اور بھی آتے ہیں لیکن یہاں اس کا یہی معنی ہے جس کی تائید قرآن کے دوسرے نظائر سے بھی ہوتی ہے۔ قرآن میں اسی مضمون کیلئے عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جس کے معنی ہیں ''ایسی بخشش جس کا صلہ کبھی منقطع نہ ہو۔''

قُلْ

اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ
لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٩ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ
فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً
لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝١٠ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ

Marfat.com

لِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴿١١﴾ فَقَضٰهُنَّ
سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحٰى فِي كُلِّ سَمَآءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا
السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ
الْعَلِيمِ ﴿١٢﴾ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ
عَادٍ وَّثَمُودَ ﴿١٣﴾ إِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ
خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللّٰهَ قَالُوا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً
فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُونَ ﴿١٤﴾ فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ
الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿١٥﴾
فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ
عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَخْزٰى
وَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ ﴿١٦﴾ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى
عَلَى الْهُدٰى فَأَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا
يَكْسِبُونَ ﴿١٧﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿١٨﴾ ع

رکوع: ۲۔ (اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ کیا تم اس ہستی سے کفر کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں بنایا اور اس کے شریک ٹھہراتے ہو، وہی تو تمام عالم کا رب ہے۔ ۹) اور اس نے اس زمین میں اس کے اوپر سے پہاڑ جما دیئے اور اس میں برکتیں رکھیں اور اس میں غذائی ذخیرے رکھے، سب ضرورتمندوں کیلئے یکساں طور پر، یہ سب کام چار دن میں

Marfat.com

ہو گئے۔ ۱۰) پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ محض دھواں تھا، پس اس کو اور زمین کو حکم دیا کہ تم ہمارے احکام کی تعمیل کرو طوعاً یا کرہاً، دونوں نے کہا، ہم آ گئے فرماں برداروں کی طرح۔ ۱۱) تب اس نے دو دن کے اندر ان کے سات آسمان ہونے کا فیصلہ فرما دیا، اور ہر آسمان میں اس کے فرائض وحی کر دیئے، اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا اور اس کو خوب محفوظ کر دیا، یہ ایک زبردست علیم ہستی کی منصوبہ بندی ہے۔ ۱۲) پس اگر یہ لوگ اعراض کرتے ہیں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں اسی طرح کے ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے، جیسا عذاب عاد اور ثمود پر نازل ہوا تھا۔ ۱۳) جبکہ آئے ان کے پاس رسول، ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے، یہ دعوت لے کر کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، تو انہوں نے کہا کہ اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے نازل کر دیتا، لہٰذا ہم اس بات کو نہیں مانتے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو۔ ۱۴) پس جہاں تک عاد کا تعلق ہے انہوں نے زمین میں کسی حق کے بغیر تکبر کیا اور بولے ہم سے زیادہ زور آور کون ہے؟ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ زور آور ہے، وہ ہماری آیات کا انکار ہی کرتے رہے ہیں۔ ۱۵) تو ہم نے ان پر چند منحوس دنوں میں ایک سخت طوفانی ہوا بھیجی تاکہ ان کو دنیا ہی کی زندگی میں رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں زیادہ رسوا کن ہوگا، اور وہ کوئی مدد نہیں کئے جائیں گے۔ ۱۶) اور رہے ثمود تو ان کے سامنے ہم نے راہِ راست پیش کی، مگر انہوں نے راستہ دیکھنے کی بجائے اندھے پن کو ترجیح دی، تو آ پکڑا ان کو ذلت کے عذاب کے کڑکے نے، اس سبب سے جو وہ کیا کرتے تھے۔ ۱۷) اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے تھے اور گمراہی و بدعملی سے بچتے تھے۔ ۱۸)

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ ۝۹

(اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ کیا تم اس ہستی سے کفر کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں بنایا اور اس کے شریک ٹھہراتے ہو، وہی تو تمام عالم کا رب ہے۔ ۹)

فکری تضاد کفر کا سبب ہے

گزشتہ آیات میں مشرکین کے تمام تر مطالبات اور آنحضرت ﷺ کی دعوت کے مقابلے میں ان کی ہٹ دھرمیوں اور لن ترانیوں کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ میں تو تمہاری طرح ایک بشر ہوں، میں نہ تمہارے مطالبات کو پورا کر سکتا ہوں اور نہ تمہارے اعذار کو ختم کر سکتا ہوں۔ میں تو تمہاری زندگی درست نہج پر چلانے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارے ٹوٹے ہوئے رشتے کو جوڑنے کیلئے آیا ہوں۔ چنانچہ اس سلسلے میں مجھ پر جو وحی کی جا رہی ہے اس میں پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی اور الٰہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کر لینے کے بعد اصلاح کا عمل شروع ہو سکتا ہے۔ لیکن تمہاری عجیب حالت ہے کہ ایک طرف تو تم اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کو خالقِ کائنات تسلیم کرتے ہو۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ تم اس کے ساتھ بتوں، فرشتوں، دیویوں اور دیوتاؤں کو اس کا شریک بھی بنانے لگتے ہو۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنے اعتقاد کی حقیقت سے ناواقف ہو اور یا یہ ہے کہ تم کہنے کو بعض اعتقادات کا دعویٰ کرتے ہو، لیکن حقیقت میں تمہارا رویہ اس کے برعکس ہے۔ تم جسے خالقِ کائنات تسلیم کرتے ہو اس کی صفات میں دوسروں کو شریک بھی ٹھہراتے ہو، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نظامِ کائنات چلانے میں دوسروں کی مدد کا محتاج ہے۔ اس لئے اس نے بہت سے کام دوسروں کے سپرد کر رکھے ہیں۔ چنانچہ مشرکین کے اس رویئے کی اصلاح کیلئے دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اعتراف کوئی معنی نہیں رکھتا۔ وہ جس طرح اپنی ذات میں تنہا ہے اسی طرح اپنی صفات اور اپنے حقوق میں بھی وحدہ لاشریک ہے۔ جو اسے اپنا الٰہ مانتا ہے اور پھر اس کی صفات اور اس کے حقوق میں دوسروں کو شریک بھی کرتا ہے یہ اپنے آپ کو یا دوسروں کو فریب دیتا ہے۔ کسی جاگیردار کی ملکیت میں کسی دوسرے کی شرکت جاگیردار کا انکار کرنے کے مترادف ہوتی ہے۔ کسی ملک کے حکمران کی حکومت میں دوسروں کی حاکمیت حکمران کی حکمرانی کیلئے چیلنج کا درجہ رکھتی ہے۔ جو شخص بھی ایسا کرتا ہے اس پر بغاوت کا مقدمہ قائم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو خالقِ کائنات اور احکم الحاکمین ہے اس کی ذات، صفات یا حقوق میں کسی کو بھی شریک ٹھہرانا درحقیقت اس کا انکار کرنا ہے۔ اس لئے یہاں ارشاد فرمایا گیا کہ تم جب دوسروں کو اس کا شریک اور ہمسر ٹھہراتے ہو تو اس طرح سے تم صرف شرک کا ارتکاب نہیں کرتے بلکہ کفر کا ارتکاب کرتے ہو۔ سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ میں جن مشرکین نے مفاہمت کیلئے حضورؐ کے سامنے چند تجاویز رکھی تھیں جن میں بنیادی بات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کی شرکت کو گوارا کرنا تھا قرآنِ کریم نے انہیں اے کافرو! کہہ کر خطاب فرمایا، کہ شرک دراصل کفر ہی کا دوسرا نام ہے۔ کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے:

باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

یا دوسرے لفظوں میں:

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آذری

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ تم جن قوتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہو، ان میں کسی میں یہ طاقت نہیں کہ وہ زمین کی مٹی بنا سکیں یا زمین پر ایک پودا اُگا سکیں یا زمینی مخلوقات میں سے کسی مخلوق کا ایک بال بھی پیدا کر سکیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت یہ ہے کہ اس نے اس زمین کو دو دنوں میں تخلیق کر ڈالا۔ تم ذرا یہ بتاؤ کہ تم نے جن قوتوں کو اس کا شریک بنا ڈالا ہے کیا زمین کی تخلیق کے عمل میں وہ اس کے ساتھ شریک تھیں؟ کیا زمین کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ تو پھر آخر تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کا ہمسر کیونکر بنا ڈالا ہے۔ ایک ایسی ذات جو ایسی صفات کی مالک ہے جن میں سے ہر صفت بے مثال اور بے نظیر ہے اور کسی مخلوق کا ویسی صفات کے حامل ہونے کا تصور کرنا بھی جہالت ہے۔ تو پھر کیا ایسی ذات کو رب العالمین کہنے کی بجائے دوسروں کو اس میں شریک مانا جائے، تو یہ اگر کفر نہیں تو اور کیا ہے؟

Marfat.com

آیتِ کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دنوں میں پیدا فرمایا۔ اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ اس سے ہمارے دن مراد ہیں، یعنی ۴۸ گھنٹے۔ بلکہ اس سے مراد خدائی دن ہیں، جسے قرآنِ کریم نے ایک دن کو ایک ہزار سال کے برابر اور بعض سورتوں میں پچاس ہزار کے برابر قرار دیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہاں دنوں کو ادوار کے مفہوم میں لیا جائے، جس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو مرحلوں میں یا دو ادوار میں پیدا فرمایا۔ یعنی اس کی تخلیق مکمل فرمائی۔

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَآ
اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾

(اور اس نے اس زمین میں اس کے اوپر سے پہاڑ جما دیئے اور اس میں برکتیں رکھیں اور اس میں غذائی ذخیرے رکھے، سب ضرورتمندوں کیلئے یکساں طور پر، یہ سب کام چار دن میں ہو گئے۔ ۱۰)

اللہ تعالیٰ کی صفات سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر استدلال

پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں زمین کی اندرونی تخلیق کی کچھ تفصیلات بہم پہنچائی گئی ہیں جن میں سب سے پہلی بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جب زمین کو بچھا دیا گیا تو وہ چپٹی ہونے کی وجہ سے ایک فرش کی طرح بچھی ہوئی نہیں تھی بلکہ اس میں اس بات کا امکان تھا کہ کسی بھی حادثے سے وہ کسی طرف لڑھک سکتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس پر بسنے والے ممالک خطرے کی زد میں آجاتے۔ تو وہ زمین جو انسان کیلئے آغوشِ مادر کی طرح آرام پہنچانے والی ہے وہ خطرے کی علامت بن جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس خطرے سے بچانے کیلئے اس کے اوپر پہاڑ جما دیئے۔ اور انہیں اس حکمت کے ساتھ ایسی جگہوں میں جمایا گیا ہے جن کی وجہ سے زمین میں توازن پیدا ہو گیا ہے۔ اب کسی حادثے کی وجہ سے زمین اس وقت تک کسی طرف لڑھک نہیں سکتی، جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو۔ اور مزید یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ان پہاڑوں کو زمین کے اندر سے اگایا نہیں گیا بلکہ اوپر سے جمایا اور گاڑا گیا ہے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کی ایسی نشانیاں ہیں جو زمین پر بسنے والے انسانوں کو دور سے دکھائی دیتی ہیں۔ پہاڑوں کا قد و قامت، ان کا استقلال، ان کی ضخامت اور ان کی سنگینی انسان کیلئے آج تک حیرت کا باعث بنی ہوئی ہے۔ اور یہ حیرت مزید حیرت میں ڈوب جاتی ہے جب ان پہاڑوں کے اندر سے عجیب و غریب خزانے نکلنے لگتے ہیں۔ ان کی سنگینی کے باوجود ان کے اندر سے چشمے ابلتے اور آبشاریں گرتی ہیں۔ جو شخص بھی ان پہاڑوں کی ہیئت، افادیت اور عظمت پر نظر کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اس کا دل بار بار اس کی کبریائی اور عظمت کے سامنے جھکتا چلا جاتا ہے۔ اور پھر جب وہ زمین کو دیکھتا ہے جو بظاہر مٹی کا ایک تودہ ہے، تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کیسی کیسی برکتیں رکھی ہیں۔ اس کے اندر بے پناہ روئیدگی کے خزانے ہیں جو خوردبینی کیڑوں سے لے کر زمین پر بسنے والی بے شمار مخلوقات کی ضرورتوں کو پورا کر رہے ہیں۔ کیسی کیسی نباتات اگتی ہیں اور کیسے کیسے پھل اور پھول انسان کے ذوق کی تسکین کا کام دیتے ہیں۔ اور دوسری مخلوقات کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ انسان ایک دانہ بوتا ہے اور زمین سینکڑوں دانوں کی شکل میں اس کا حاصل اسے واپس کرتی ہے۔ ایک گٹھلی یا ایک قلم آدمی زمین میں لگاتا ہے اور زمین درخت کی شکل میں اس کا حاصل اسے واپس کرتی ہے جس پر سینکڑوں پھل لہلہاتے ہیں اور ایک مدتِ دراز تک لگانے والا ہی نہیں اس کے اخلاف بھی اسے کھاتے ہیں۔

Marfat.com

زمین کی برکت کا حال تو یہ ہے کہ انسان اپنی سائنس کے ذریعے سے اس کے جتنے پرت الٹتا جاتا ہے اتنے ہی اس کے اندر سے خزانے پر خزانے نکلتے آ رہے ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ انسان کی سائنس تھک جائے گی، لیکن زمین کے خزانے کم نہیں ہوں گے۔

آیت میں مزید فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خشکی اور تری میدانوں اور پہاڑوں میں مخلوقات کی بے شمار انواع پیدا کی ہیں اور نباتات کی ان گنت قسمیں پہاڑوں اور بحر و بر میں پھیلا دی ہیں۔لیکن ان میں سے کوئی مخلوق ایسی نہیں جس کی غذائی ضروریات فراہم نہ کی گئی ہوں، جبکہ ہر مخلوق کی غذائی ضرورت دوسری جنس کی مخلوق سے الگ ہے، لیکن کسی کو شکایت کا موقع نہیں کہ جیسی غذا مجھے ملنی چاہیے تھی ویسی مہیا نہیں کی گئی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر، زمین کی تہوں میں اور سمندروں کی تاریکیوں میں بے شمار مخلوقات پیدا کی گئی ہیں اور ان کے ذوق کے مطابق انہیں غذا بہم پہنچائی گئی ہے۔ایک بکری گھاس کھا کر زندہ رہتی ہے، اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے گھاس پیدا کی۔ایک شیر گوشت سے زندہ رہتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے شکار کے اسلحہ بھی دیئے ہیں اور شکار کیلئے جانور بھی پیدا کئے ہیں۔حیرت کی بات یہ ہے کہ مخلوقات کی اجناس اور ان میں تنوع انسان کیلئے حیران کن ہی نہیں بلکہ اس کی تحقیق کا ایک اہم موضوع بن گیا ہے۔اسی طرح اس سے بھی بڑھ کر حیران کن بات یہ ہے کہ پتھروں کے نیچے رہنے والی مخلوقات اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسنے والی مخلوقات اور سمندر کی تہوں میں زندہ رہنے والے جانور ہر ایک کو ان کے ذوق کے مطابق ایسی فراوانی سے غذا پہنچ رہی ہے کہ جس کا امکان اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سوا اور کسی کے بس میں نہیں۔اور ان میں سے ہر مخلوق آیت میں مذکور لفظ ''سائلین'' میں شامل ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات کا چاہے ہماری نگاہ میں وہ کتنی حقیر کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر یکساں حق ہے۔جس طرح انسان کو بھوکا رکھنا اس کے ساتھ ظلم ہے، اسی طرح سانپوں اور بچھوؤں اور کیڑے مکوڑوں کو بھی قدرتِ خداوندی کبھی بھوکا نہیں رکھتی، اور انہیں بھی غذا بہم پہنچائی جا رہی ہے۔اس حق کی یکسانی کو یہاں سواء کے لفظ سے یاد کیا گیا۔لیکن اللہ تعالیٰ رحم کرے ہمارے تصورِ اشتراکیت سے مسموم ذہنوں پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو صرف انسان تک محدود سمجھ کر سائلین کا مصداق قرار دیتے ہیں۔اور پھر سواء کا ترجمہ برابر کرنے کے بعد قرآنی نظامِ ربوبیت کے نام سے اشتراکیت کا جواز پیدا کرتے ہیں جس کا اس آیت سے کم از کم دور کا بھی تعلق نہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ زمین کی تخلیق، اس میں پہاڑ گاڑنے اور غذائی ذخیرے مختلف مخلوقات کی مناسبت سے زمین میں رکھنے جیسے تمام امور کیلئے سب ملا کر چار دن صرف ہوئے۔یعنی اس میں زمین کی تخلیق کے دو دن بھی شامل ہیں اور باقی کاموں کے بھی۔یعنی یہ پورا کام چار دنوں میں اختتام کو پہنچا۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾

(پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ محض دھواں تھا، پس اس کو اور زمین کو حکم دیا کہ تم ہمارے احکام کی تعمیل کرو طوعاً یا کرہاً، دونوں نے کہا، ہم آگئے فرماں برداروں کی طرح۔ ۱۱)

ثُمَّ ...... جس طرح ترتیبِ زمانی کیلئے آتا ہے، اسی طرح ترتیبِ بیان کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔اس لئے ثُمَّ سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین بنائی اور اس کے بعد آسمان بنایا۔

Marfat.com

استواءِ شمس سے مراد

اِسْتَوٰی اِلَی الشَّیْ ءِ کے معنی ہیں، اس کی طرف توجہ کی، اس کا ارادہ کیا، اس کا قصد کیا۔ تخلیقِ زمین کے جن مراحل کا ذکر گزشتہ آیت میں کیا گیا ہے ان کے بعد آسمان کی طرف توجہ فرمائی، اور اس وقت وہ دھویں کی شکل میں تھا۔ اور دھویں سے مراد سائنسدانوں کی اصطلاح میں مادے کی وہ ابتدائی حالت ہے جس میں وہ کائنات کی صورت گری سے پہلے ایک بے شکل منتشر الاجزاء غبار کی طرح فضا میں پھیلا ہوا تھا۔ موجودہ زمانے کے سائنسدان اسی کو نبیولا (Nebula) یا سحابیہ کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت آسمان اپنی ابتدائی اور نا تمام شکل میں موجود تھا۔ اس لئے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ خام مواد جو آسمان کی تعمیر کیلئے ضروری تھا وہ سب مہیا کیا جاچکا تھا۔ اب صرف اس کی تعمیر اور تشکیل باقی تھی۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ گزشتہ آیت میں تخلیقِ ارض کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ بھی زمین کی ابتدائی خلقت کا مرحلہ ہو۔ اور جن دو دنوں میں زمین کے ابتدائی مراحل طے ہوئے ہیں انہیں دنوں میں آسمان کا ہیولا بھی تیار کیا گیا ہو۔ چنانچہ اب پروردگار نے اس کی تکمیلی شکل کیلئے توجہ فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کا طریق تخلیق

اللہ تعالیٰ کے تخلیقی عمل کا یہ طریقہ نہیں کہ پہلے وہ کسی مخلوق کا نقشہ تیار کرے اور پھر اس کیلئے مٹیریل فراہم کرے اور پھر درجہ بدرجہ تشکیلی مراحل طے پائیں۔ اور آخر میں اسے تکمیلی مراحل سے گزارا جائے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے تخلیقی عمل کا حال تو یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو وجود دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کُنْ کہتا ہے، وہ ہو جاتی ہے۔ جسے قرآنِ کریم نے اس طرح بیان کیا ہے اِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ اس لحاظ سے زمین و آسمان دونوں کو ابتدائی مراحل سے گزارنے کے بعد اس نے فرمایا کہ تم دونوں حاضر ہو جاؤ، یعنی وجود میں آجاؤ، مرضی سے یا مجبوراً۔ انہوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اس صورتحال کو سامنے رکھیں تو یہ بحث غیر متعلق معلوم ہوتی ہے کہ پہلے زمین وجود میں آئی یا آسمان۔ بلکہ ایسا لگتا ہے کہ انسان کی رہائش کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک گھر بنایا جس میں زمین کی حیثیت فرش کی ہے، اور آسمان کی چھت کی۔ اس طرح دونوں سے جب ایک مکان تیار ہو گیا تو تب اس میں انسان کو بھیجا گیا اور اسے اپنا خلیفہ بنایا گیا۔ رہی یہ بات کہ قرآنِ کریم بعض دفعہ آسمان کے حوالے سے کسی تخلیقی عمل کا ذکر کرتا ہے اور کبھی زمین کے حوالے سے۔ تو یہ بلاتشبیہ اس طرح کی بات ہے جیسے کسی بڑی عمارت کی تعمیر ایک ہی وقت میں شروع کی جاتی ہے، لیکن اس کے متعلقات میں سے کبھی کسی کو پہلے شروع کیا جاتا ہے اور کسی کو بعد میں۔ ایک ابھی نا تمام ہوتا ہے کہ دوسرے کی تعمیر شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن تکمیل سارے پراجیکٹ یا پورے مکان کی ایک ساتھ ہوتی ہے۔ اس لئے ان میں سے کسی کو بھی نہ پہلے کہا جاسکتا ہے اور نہ بعد میں۔ اسی طرح پروردگار نے چار دنوں میں زمین و آسمان کے ابتدائی مراحل اور اس میں رکھے جانے والے والے غذائی ذخیروں اور دونوں کے سپرد کیئے جانے والے وظائف اور ان کو روبہ عمل لانے والی صلاحیتوں کو عطا فرمانے کے بعد دونوں کی تکمیلی تشکیل کی طرف توجہ فرمائی، اور اپنی سنت کے مطابق انہیں حکم دیا کہ وہ اس طرح وجود میں آجائیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے۔ اور ساتھ ہی ان پر یہ بات بھی واضح فرما دی کہ تمہیں بہر صورت ہماری اطاعت کرنی ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے کہا کہ ہم رضامندانہ اطاعت کیلئے حاضر ہیں۔ اس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ تمام مخلوقات پر کہیں تکوینی طور پر اور

Marfat.com

کہیں تشریعی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت لازم ہے۔تشریعی طور پر جنہیں احکام کا مکلف بنایا گیا ہے ان کیلئے انکار اور نافرمانی کی گنجائش بھی چھوڑی گئی ہے۔لیکن جنہیں تکوینی اطاعت کا پابند ٹھہرایا گیا ہے ان پر اطاعت کیلئے جبر تو نہیں کیا گیا لیکن ان کے اندر معصیت اور انکار کی خواہش پیدا نہیں کی گئی۔وہ اپنی جبلت کے تقاضوں سے ہمیشہ اطاعت کی طرف مائل رہتے ہیں۔یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے آدمی کو کھانا کھانے، پانی پینے، حفظانِ صحت کے اصولوں کی پابندی کرنے، موسم کی شدت سے بچنے اور اپنے ذوق کی تسکین کا سروسامان کرنے کا پابند نہیں ٹھہرایا گیا، لیکن اس کی فطرت اور جبلت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ان چیزوں کی طرف میلان رکھتا اور پابندی اختیار کرتا ہے۔دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہم جن چیزوں کو لایعقل جمادات کا درجہ دیتے ہیں ان کی یہ حیثیت ہماری نسبت سے ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ سے تعلق کے حوالے سے انہیں لایعقل کہنا ٹھیک نہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو سمجھتے، اس کے ارشادات کی تعمیل کرتے اور اپنی جبلت کے مطابق اس کی تسبیح وتحمید میں لگے رہتے ہیں۔اسی لئے ارض وسما نے پروردگار سے عرض کیا کہ ہم نیازمندانہ حاضر ہیں اور اطاعتِ امر میں کبھی کمی نہیں کریں گے۔

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۱۲﴾

(تب اس نے دو دن کے اندر ان کے سات آسمان ہونے کا فیصلہ فرمادیا، اور ہر آسمان میں اس کے فرائض وحی کر دیئے، اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا اور اس کو خوب محفوظ کر دیا، یہ ایک زبردست علیم ہستی کی منصوبہ بندی ہے۔ ۱۲)

ساتوں آسمانوں کی تکمیل

آسمان ابتدائی مراحل سے گزرنے کے بعد دھویں کی شکل میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تکمیلی تشکیل کی طرف توجہ فرمائی تو اس کا ابتدائی ہیولا چونکہ سات آسمانوں کیلئے تھا اور ممکن ہے اس میں زمین کی ابتدائی حالت بھی شامل ہو۔اس لئے ضمیر کو جمع لایا گیا تاکہ ان سب کی طرف اشارہ ہو سکے۔چنانچہ انہیں سات آسمان بن جانے کا فیصلہ فرمادیا۔اور ہم پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کے بن جانے کا فیصلہ فرماتا ہے تو اسے کُن کہتا ہے اور وہ ہو جاتی ہے۔چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔اور اگر اس جمع کی ضمیر میں اشارہ آسمانوں اور زمین دونوں کی طرف ہو تو پھر سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سے پوری کائنات مراد ہوگی۔تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں یعنی پوری کائنات کے بننے کا فیصلہ فرمادیا اور وہ وجود میں آگئی۔اور پھر ان میں سے ہر آسمان کے کائنات کے مجموعی نظام میں جو فرائض ہیں ان کی طرف ان کی وحی کر دی گئی۔یعنی انہیں بتا دیا گیا کہ تمہیں اپنے فرائض کس طرح انجام دینے ہیں، اور وہ فرائض کیا کیا ہے۔

مزید فرمایا گیا کہ یہ آسمانِ دنیا جو اہلِ زمین کو نظر آتا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے ستاروں سے آراستہ فرمایا اور ہم ان ستاروں کو چونکہ چراغوں کی صورت میں دیکھتے ہیں اس لئے فرمایا گیا کہ ان چراغوں سے آسمان کو سجایا گیا۔اور مزید فرمایا کہ ان ہی چراغوں کے ذریعے اس آسمان کی حفاظت بھی کی گئی۔اور شیاطین کی دراندازیوں سے محفوظ کر دیا گیا۔ حِفْظًا یہ محذوف فعل کا مصدر ہے جسے تاکید کیلئے لایا گیا۔یعنی آسمانِ دنیا میں چمکتے ہوئے چراغوں کو دیکھ کر صرف زینت آرائی کا تصور کافی نہیں بلکہ یہ چراغ ان جنات کیلئے جو ممنوعہ علاقوں سے گزرنے کی

Marfat.com

کوشش کرتے ہیں شہابِ ثاقب بن کران کی ہلاکت کا باعث بنتے ہیں۔اور قرآنِ کریم کے دوسرے مواقع پر اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور جو بھی اس تخلیق کے عمل کو سمجھنے کی کوشش کرے گا اور اس کی تشکیل اور تکمیل کے مراحل کو جاننے کی کوشش کرے گا وہ یہ مانے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ ایک ایسی ذات کی منصوبہ بندی ہے جو بیک وقت عزیز بھی ہے کہ کوئی چیز اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی اور علیم بھی ہے کہ اس کا کوئی کام علم وحکمت سے خالی نہیں۔اس پوری صورتحال کو سامنے رکھ کر ان چار آیتوں میں سے پہلی آیت کے اندازِ تخاطب پر غور کیا جائے تو بات بڑی آسانی سے کھل جاتی ہے کہ وہ ذات جو ایسی غالب اور زبردست اور ایسی علم و حکمت والی ہے کہ جس نے نہایت حکیمانہ تدبر اور منصوبہ بندی کے ساتھ کائنات کی تخلیق فرمائی اور تمام مخلوقات کیلئے ربوبیت کا دسترخوان بچھایا اور پھر کائنات کے اہم ستونوں یعنی زمینوں اور آسمانوں کو ان کے فرائض سے اچھی طرح باخبر فرمایا اور انہیں ایک ایسے نظام کا پابند کیا جس میں آج تک خرابی پیدا نہیں ہو سکی اور نہ آئندہ پیدا ہونے کا امکان ہے۔تو جو لوگ اس کے مقابلے میں دیویوں اور دیوتاؤں، اجرامِ فلکی، جنات یا بتوں کو اس کا شریک بناتے ہیں انہیں کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں۔وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے کافر ہیں، ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی بعض صفات کا اقرار یا تو فریب خوردگی کا شاخسانہ ہے اور یا فریب دہی کی ایک واردات ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾

(پس اگر یہ لوگ اعراض کرتے ہیں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں اسی طرح کے ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے، جیسا عذاب عاد اور ثمود پر نازل ہوا تھا۔ ۱۳)

قریش کو تنبیہ

محدثین نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے مختلف طریقوں سے نقل کیا ہے کہ جب حضورؐ عتبہ کے سامنے حم السجدة کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے، تو عتبہ نے بے اختیار آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، اور کہا: ''خدا کیلئے اپنی قوم پر رحم کرو۔'' بعد میں اس نے سردارانِ قریش کے سامنے اپنے اس فعل کی وجہ یہ بیان کی کہ ''کیا آپ لوگ جانتے نہیں کہ محمد (ﷺ) کی زبان سے جو بات نکلتی ہے پوری ہو کر رہتی ہے، اس لئے میں ڈر گیا کہ کہیں ہم پر عذاب نازل نہ ہو جائے۔''

اس روایت کو سامنے رکھتے ہوئے اس آیت کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ گزشتہ آیات میں جس طرح کفر اور شرک پر تنقید کی گئی ہے اور قریشِ مکہ کے رویوں پر دلائل سے رد کیا گیا ہے ان سے کوئی اثر قبول کئے بغیر اگر یہ لوگ اپنے اعراض کے رویئے کو جاری رکھتے ہیں اور اپنے کفر وشرک پر مبنی تصورات کو بدلنے کیلئے تیار نہیں ہوتے تو پھر انہیں ان قوموں کے انجام بد کی خبر دیجئے جنھوں نے بالکل ان کی طرح اعتقادات اختیار کئے اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تمام تر کاوشوں کے باوجود کسی طرح بھی اپنے تصورات میں تبدیلی کیلئے تیار نہ ہوئے، بلکہ ہر ممکن کوشش کی کہ رسول کی دعوت کو ناکام کر دیا جائے اور اگر ممکن ہو تو اللہ تعالیٰ کے رسول کے قتل سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔تو آخر اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر ٹوٹ پڑا۔اور وہ عذاب ان پر شمال کی طرف سے آنے والی بادِ تند، ژالہ باری اور ہولناک رعد

Marfat.com

وبرق کا مجموعہ تھا جوان پر اچانک آیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان قوموں کے ایک ایک فرد کو نہایت ذلت کے ساتھ پامال کر دیا گیا۔ ان کی زندگی کی جڑیں کھود ڈالی گئیں اور ایک شخص بھی ان کا نام لیوا باقی نہ رہا۔ اگر قریش نے بھی ان ہی جیسا رویہ اختیار کئے رکھا تو ظاہر ہے کہ یہ اس انجام سے بچ نہیں سکیں گے جس سے وہ قومیں دوچار ہوئیں۔

اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾

(جبکہ آئے ان کے پاس رسول، ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے، یہ دعوت لے کر کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، تو انہوں نے کہا کہ اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے نازل کر دیتا، لہٰذا ہم اس بات کو نہیں مانتے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو۔ ۱۴)

لفظِ رُسُل کے جمع لانے کا سبب

اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں بھیجتا جب تک ان پر اتمامِ حجت نہیں کر لیتا۔ اور اتمامِ حجت کا سب سے بڑا ذریعہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوتا ہے۔ چنانچہ ان قوموں کی طرف جن کا ذکر اوپر کی آیت میں آیا ہے ایک رسول نہیں آیا بلکہ یکے بعد دیگرے کئی رسول آئے۔ اگرچہ دونوں قوموں کی طرف قرآنِ کریم نے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کی بعثت کا ذکر فرمایا ہے۔ لیکن اس آیت میں دو سے زیادہ رسولوں کی تشریف آوری کا ذکر معلوم ہوتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں قوموں کی طرف اگرچہ متذکرہ بالا دو ہی رسول آئے لیکن دوسری قوموں کی طرف آنے والے رسولوں کی دعوت بھی ان تک پہنچتی رہی۔ اور رسولوں کی دعوت چونکہ ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو، تو اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کئی رسول ان کے پاس آئے۔ اور پھر ان کی شب و روز تبلیغی کاوشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ وہ ان کے آگے سے آئے اور ان کے پیچھے سے آئے۔ مطلب یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت کیلئے جس طرح کی کاوشیں بھی ممکن ہو سکتی تھیں انہوں نے اس سے دریغ نہیں کیا۔ انہیں سمجھانے میں انہوں نے اپنی جان تک لڑا دی۔ اپنی شخصیتوں کا سارا وزن اس میں جھونک دیا۔ لیکن انہوں نے جواب میں وہی کچھ کہا جو اس سے پہلے قومیں کہتی رہی ہیں۔ ان کی شب و روز کی کاوشوں سے ان پر کوئی اچھا اثر ہونے کی بجائے ان کی ضد اور ہٹ دھرمی میں اضافہ ہو گیا۔ حالانکہ ایک معمولی شخص بھی جب کسی ہمدرد کو حق نصیحت ادا کرتے ہوئے بے حال ہوتے دیکھتا ہے تو وہ یقیناً اس کا اثر قبول کرتا ہے۔ لیکن ان قوموں نے کوئی اثر قبول کرنے کی بجائے ان کے قتل کے منصوبے باندھے۔ اور ان کی دعوت کے جواب میں یہ کہا کہ تم تو ہماری طرح انسان اور بشر ہو، نبوت اور رسالت کا مقام بہت بلند ہے اور بشر کا مقام نہایت فروتر۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک بشر کو ایسے عظیم منصب پر فائز کر دیا جائے۔ اس لئے تمہارا دعویٰ جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو واقعی ہماری ہدایت منظور ہوتی اور اس کی نظر میں ہماری موجودہ زندگی کا انداز غلط ہوتا تو وہ ہماری اصلاح کیلئے فرشتوں میں سے کسی کو بھیج دیتا۔ لیکن اس کا فرشتے کو نہ بھیجنا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ہماری موجودہ حالت سے مطمئن ہے۔ اس لئے ہم تمہارے اس دعوے کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص پیغام لے کے آئے ہو، اس لئے ہم ہر حال میں تمہارے اس پیغام کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

Marfat.com

کفار کا یہ کہنا کہ جس چیز کیلئے تم بھیجے گئے ہو ہم اسے ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا سمجھتے تھے اور پھر ان کی بات ماننے سے انکار کرتے تھے، بلکہ یہ اسی طرح کا اندازِ بیان ہے جیسے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے درباریوں سے کہا تھا کہ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۔الشعراء، آیت:۲۷) ''یہ رسول صاحب جو تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں بالکل ہی پاگل معلوم ہوتے ہیں۔''

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

(پس جہاں تک عاد کا تعلق ہے انہوں نے زمین میں کسی حق کے بغیر تکبر کیا اور بولے ہم سے زیادہ زور آور کون ہے؟ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ زور آور ہے، وہ ہماری آیات کا انکار ہی کرتے رہے ہیں۔ ۱۵)

قومِ عاد اور اس کے رویئے پر تنقید

گزشتہ سے پیوستہ آیت میں قریش کو یہ تنبیہ کی گئی تھی کہ اگر انہوں نے حق سے اعراض کی روش ترک نہ کی اور اپنے کفر و شرک میں بڑھتے چلے گئے تو پھر ان کا بھی وہی انجام ہو سکتا ہے جو عاد و ثمود کا ہوا۔ عاد و ثمود کی تاریخ سے اہلِ عرب عموماً اور قریش خصوصاً بہت حد تک واقف تھے۔ لیکن جس چیز کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئے اس کی طرف دھیان بہت کم دیا جاتا تھا۔ اس لئے اس اصل مرض کی نشاندہی پیشِ نظر آیت میں خاص طور پر فرمائی گئی۔ عاد اور ثمود میں چونکہ قومِ عاد کو زمانی تقدم حاصل ہے اس لئے پہلے ان کا ذکر فرمایا کہ ان کا اصل مرض یہ تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو بیش از بیش نعمتیں عطا فرمائی تھیں خوشحالی سے نوازا تھا، ریاستی استحکام بخشا تھا اور دوسری قوموں پر انہیں ہر طرح کا تفوق حاصل تھا، ان پر شکر گزار ہونے کی بجائے انہوں نے ان نعمتوں کو ذاتی استحقاق اور ذاتی کاوشوں کا نتیجہ سمجھ کر تکبر کا شکار ہو گئے۔ دوسروں کو اپنے مقابلے میں حقیر جاننے لگے اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر ظلم اور فساد برپا کرنے میں بے دریغ ہو گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی قوم مالی اور سیاسی لحاظ سے یا دفاعی نقطۂ نگاہ سے ان کی ہمسر نہیں اور یہ طاقت میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں تو ان کی زندگی کی ہر روش میں تکبر نے راہ پالی۔ صحیح سے صحیح بات کو قبول کرنے میں بھی انہیں صرف اس لئے تأمل ہونے لگا کہ یہ بات دوسروں کی جانب سے کہی جا رہی ہے۔ ہر امیر، غریب کو حقیر جاننے لگا، ہر منصب دار اپنے منصب پر اترانے لگا، حتیٰ کہ جب ان کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ان کی ہدایت کیلئے تشریف لائے تو انہوں نے بجائے ان کی تعلیمات پر غور کرنے کے ان کی غربت اور ناداری کو تمسخر اور انکار کا ہدف بنایا۔ ان کی یہاں بڑی سے بڑی صداقت، مال و زر اور عہدہ و منصب کے ترازو میں تلنے لگی۔ قریشِ مکہ کی طرح انہوں نے بھی طاقت اور دولت کو دین کی سب سے بڑی حقیقت سمجھا۔ اور اس کی وجہ سے ان کے اندر غیر معمولی تکبر اور اپنے اندر غیر معمولی خودسری پیدا ہو گئی۔ اور جب کسی نے ان کی غلطیوں پر انہیں ٹوکا تو بجائے غلطیوں کی اصلاح کے اپنی قوت پر اکڑتے ہوئے اپنی برتری کا اظہار کرنے لگے۔ پروردگار نے ان کو

Marfat.com

بے بصیرتی پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا انہوں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ وہ اپنی قوت وطاقت کے بل بوتے پر جس رسول کی رسالت اور دعوت سے انکار کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طاقت کے مقابلے میں کسی مخلوق کی طاقت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ وہ ذات جو ساری کائنات کی خالق و مالک ہے اور جس کے خوانِ ربوبیت سے تمام مخلوقات فیض پا رہی ہیں کیا ان کی طاقت اس کی طاقت سے بڑھی ہوئی ہے اگر وہ ایسا سوچتے ہیں تو اسے ان کی دماغی خرابی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ چونکہ ان کا تکبر ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر رویئے پر غالب آ گیا تھا نہ کوئی سوچ ان کی اس سے مبرا تھی اور نہ کوئی عمل اس سے آزاد تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے جو احکام رسول کی معرفت ان تک پہنچتے رہے اور یا اللہ تعالیٰ کے رسول نے جن نشانیوں اور معجزات کا اظہار کیا ان کے تکبر اور بڑائی کے مرض نے ان میں سے کسی بات کو بھی انہیں ماننے پر آمادہ نہ ہونے دیا بلکہ وہ ہر بات کا انکار کرتے چلے گئے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انہیں آ پکڑا۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۱۶

(تو ہم نے ان پر چند منحوس دنوں میں ایک سخت طوفانی ہوا بھیجی تا کہ ان کو دنیا ہی کی زندگی میں رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں زیادہ رسوا کن ہوگا، اور وہ کوئی مدد نہیں کیے جائیں گے۔ ۱۶)

قومِ عاد پر آنے والے عذاب کی تفصیل

یہ اس عذاب کی تفصیل ہے جو قومِ عاد پر بھیجا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان پر ایک طوفانی ہوا بھیجی، یہ وہ بادِ تند ہے جو عرب میں شدید سردیوں کے زمانے میں شمال سے چلتی ہے اور جس کے ساتھ سرما کے بادل بھی ہوتے ہیں اور برق چمک بھی۔ اہلِ لغت نے اگرچہ ریحِ صرصر کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ بعض اہلِ لغت اسے گرم اور تیز لُو کے معنی میں لیتے ہیں اور بعض اسے یخ کر دینے والی تیز ہوا کے معنی میں بولتے ہیں۔ لیکن دونوں کے نزدیک اس کے بادِ تند ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گرمیوں میں چلنے والی تیز لُو نہیں تھی بلکہ جما دینے والے تیز ہوا تھی جس میں گرد چمک کے ساتھ ژالہ باری بھی تھی۔ قرآنِ کریم کے دوسرے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہوا مسلسل سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی۔ اس کے زور اور شدت کی وجہ سے لوگ اس طرح گر گر کر مرتے رہے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے گرے پڑے ہوتے ہیں۔ اور جس چیز پر سے بھی یہ ہوا گزر گئی اس کو بوسیدہ کر کے رکھ دیا۔ لوگوں نے اسے ایک اٹھتی ہوئی گھٹا سمجھا، جیسے گھٹائیں برسات میں اٹھا کرتی ہیں، دیکھ کر خوش ہوئے کہ زمین کی سیرابی سے ہماری قسمت سنور جائے گی لیکن وہ رحمت کا پیغام لے کر نہیں بلکہ ہلاکت کی پیغامبر بن کر آئی تھی جس نے پورے علاقے کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا۔

آیت میں منحوس دنوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھا کہ یہ دن ایسے منحوس تھے کہ جن کی نحوست نے اس قوم کو تباہ کر دیا۔ حالانکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان ایام میں چونکہ اس قوم پر خدا کا عذاب نازل ہوا اس بناء پر وہ قومِ عاد کیلئے منحوس تھے۔ ورنہ اپنی ذات میں دن نہ منحوس ہوتے ہیں اور نہ مسعود ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ سخت سردیوں کے دنوں میں سردی کی شدت

Marfat.com

کی وجہ سے جب درختوں کے پتے گر جاتے اور ہر چیز پر اداسی اور افسردگی چھا جاتی ہے تو ہر دیکھنے والی نگاہ یوں محسوس کرتی ہے کہ جیسے ہر چیز پر نحوست چھا گئی ہے۔ اس لئے ان دنوں کو منحوس قرار دیا گیا ہے۔

قومِ عاد نے چونکہ استکبار کی وجہ سے حق سے اعراض کی روش اختیار کی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ عذاب بھیجا جس نے ان کے استکبار کے جواب میں ذلت کا عذاب ان پر مسلط کر دیا، کہ جب اللہ تعالیٰ کا رسول اور یا ایمان لانے والے لوگ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے تھے تو وہ اپنی قوت و طاقت کے حوالے سے ان کا مذاق اڑاتے اور تکبر کا اظہار کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے انہیں عذاب کا شکار کر کے ذلت کی تصویر بنا دیا۔ اور ان کی دوسری ہم چشم قوموں کی نگاہ میں بھی وہ ایک نمونۂ عبرت بن کر رہ گئے۔ یہ تو ان کا انجام ہوا دنیوی عذاب کے حوالے سے۔ لیکن جب وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے تو آخرت کا عذاب اس سے کہیں زیادہ رسوا کن ہوگا۔ ان کے سب جاننے والے وہاں موجود ہوں گے اور وہ ان کی ذلت کا تماشا دیکھیں گے۔ اور جن قوتوں کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا کر ان سے مدد کی امیدیں باندھ رکھی تھیں ان کی طرف سے بھی انہیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ اور نہ ان کی وہ قوت و جمعیت کام آئے گی جس کی وجہ سے ان کے اندر تکبر کا مرض پیدا ہوا۔ وہ چیختے رہیں گے لیکن کسی طرف سے ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں آئے گا۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝١٧

(اور رہے ثمود تو ان کے سامنے ہم نے راہِ راست پیش کی، مگر انہوں نے راستہ دیکھنے کی بجائے اندھے پن کو ترجیح دی، تو آ پکڑا ان کو ذلت کے عذاب کے کڑکے نے، اس سبب سے جو وہ کیا کرتے تھے۔ ۱۷)

قومِ ثمود کا رویہ اور ان پر عذاب

قومِ عاد کے بعد قومِ ثمود کے انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ قوم بھی قومِ عاد کی طرح بڑی مضبوط حیثیت کی مالک اور بڑی ترقی یافتہ قوم تھی۔ اور ہم مختلف مواقع پر ان کی تاریخ کا ذکر کرتے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کیلئے بھی اپنے رسول کو بھیجا اور اس طرح سے ان کے سامنے ہدایت کا راستہ کھولا اور ان کیلئے اس بات کا امکان پیدا کیا کہ وہ اگر چاہیں تو دنیا میں بھی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور آخرت میں بھی سرخرو ہو سکتے ہیں۔ لیکن انہوں نے ہدایت پر اندھا رہنے کو ترجیح دی۔ یعنی بجائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی حقانیت کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کرتے، اس کے معجزات کو دیکھتے اور ان پر غور کرتے۔ لیکن انہوں نے طاقت کے گھمنڈ میں نہ کسی بات کو سن کر دیا اور نہ صداقت کو دیکھنے کی کوشش کی۔ تو آخر اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد ہی کی طرح ان پر بھی ذلت کا عذاب مسلط کر دیا۔ یعنی ان کا عذاب بھی ویسا ہی جیسا عذاب قومِ عاد پر آیا تھا۔ اور انہوں نے چونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ استکبار کا رویہ اختیار کیا تھا اور اپنی ہم چشم قوموں کے سامنے قوت و حشمت کی بناء پر تکبر کا رویہ اختیار کئے ہوئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب کے ذریعے پامال کر کے دوسروں کیلئے ان کی ذلت کا سامان کیا اور تاریخ میں انہیں عبرت بنا دیا۔ اور یہ جو کچھ ہوا یہ ان کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ اور ثمرہ تھا۔

Marfat.com

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

(اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے تھے اور گمراہی و بدعملی سے بچتے تھے۔ ۱۸)

نجات پانے والے اور ان کا رویہ

عاد و ثمود کے انجام سے ان لوگوں کے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جنہوں نے ان قوموں جیسی روش اختیار کر رکھی ہے کہ وہ اپنی طاقت و دولت کے گھمنڈ میں کسی صحیح بات سننے کے روادار نہیں۔ لیکن اب پیشِ نظر آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان لائے اور اس کی دعوت سے متاثر ہو کر انہوں نے تقویٰ کی زندگی اختیار کی۔ ہر کام سے پہلے اللہ تعالیٰ کی شریعت کو دیکھنے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو جاننے کو انہوں نے اپنی روش بنا لیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے ہمیشہ اس بات کا دھیان رکھا کہ ان کا ہر عمل صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو۔ نہ اس میں بے عملی راہ پائے اور نہ وہ ریا کا شکار ہو۔ اور ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف اس طرح جگہ بنا لے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا تصور بھی ان کیلئے تکلیف دہ ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس انجام سے بچا لیا جس سے ہدایت سے منہ پھیرنے والے دوچار ہوئے تھے۔ انہیں عذاب سے پہلے ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے عافیت اور حفاظت کا سامان بہم پہنچایا۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ

اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ

عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ

اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ

اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ

كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ

Marfat.com

بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ
مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَ
قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ ع

رکوع: ۳۔ (اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے، پھر وہ روکے جائیں گے۔ ۱۹) یہاں تک کہ جب وہ سب وہاں پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان پر گواہی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ ۲۰) اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی، وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اسی اللہ نے گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کیا ہے، اور وہی ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا اور اب اسی کی طرف لوٹائے جا رہے ہو۔ ۲۱) اور تم یہ اندیشہ نہیں رکھتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی بلکہ تمہارا گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا۔ ۲۲) تمہارے اسی گمان نے جو تم نے اپنے رب کے بارے میں کیا تھا تمہیں ہلاک کر دیا، اور تم خسارے میں پڑنے والے بن گئے۔ ۲۳) پس اگر وہ صبر کریں تو نارِ جہنم ہی ان کا ٹھکانہ ہے، اور اگر وہ معافی مانگیں گے تو ان کو معافی نہیں ملے گی۔ ۲۴) اور ہم نے ان پر ایسے ساتھی مسلط کر دیئے تھے جو انہیں آگے اور پیچھے ہر چیز خوشنما بنا کے دکھاتے تھے۔ آخر ان پر بھی وہی بات پوری ہو کے رہی جو ان سے پہلے گزرے ہوئے جنوں اور انسانوں کے گروہوں پر پوری ہو چکی تھی۔ یقیناً وہ خسارے میں رہنے والے تھے۔ ۲۵)

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿١٩﴾

(اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے، پھر وہ روکے جائیں گے۔ ۱۹)

يُحْشَرُ کے بعد اِلٰی کا صلہ اس بات کا قرینہ ہے کہ يُحْشَرُ، يُسَاقُوْنَ یا اس کے ہم معنی کسی لفظ کے مفہوم میں ہے۔ یعنی وہ لوگ گھیر کر اور کھینچ کر ہانکتے ہوئے لائے جائیں گے۔ يُوْزَعُوْنَ وزع سے مشتق ہے جس کے معنی روکنے اور منع کرنے کے آتے ہیں۔

Marfat.com

دنیا کے عذاب کے بعد آخرت کی رسوائی

تکذیبِ رُسل کے نتیجے میں قومیں دنیا ہی میں جس طرح عذاب کا شکار ہو کر رسوائی کا حوالہ بنتی رہی ہیں عاد و ثمود کے ذکر سے اس کی یاددہانی کرائی گئی ہے۔ اور قریش کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم بھی ہمارے آخری رسول کی دعوت کا انکار کر کے جس راستے پر چل رہے ہو یہ راستہ وہی ہے جو عاد و ثمود نے اختیار کیا تھا۔ ایک جیسے اعمال کا صلہ اور نتیجہ چونکہ یکساں ہوتا ہے اس لئے تم بھی یقیناً اس انجام سے دوچار ہو کے رہو گے جس انجام سے عاد و ثمود دوچار ہوئے تھے۔ اب پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ان کی تنبیہ میں اضافہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا میں جو قومیں عذاب کا شکار ہوئی ہیں یہ مت سمجھو کہ دنیا کا عذاب ان کے تمرد اور سرکشی کی کافی سزا تھی بلکہ اس سے بڑی سزا ان کے انتظار میں ہے۔ جو قیامت کو انہیں دی جائے گی اور اس وقت حال یہ ہوگا کہ قیامت کا اعلان ہو جانے کے بعد تمام قوموں کے افراد اپنی اپنی قبروں سے نکالے جائیں گے۔ کوئی زمین میں دفن ہوا یا کسی کو درندہ کھا گیا، یا کسی کی لاش پانی کی نذر کر دی گئی۔ یہی ان کی قبریں ہیں اور ان سے ہر شخص کو نکالا جائے گا۔ پھر ایک میدانِ حشر ہوگا جس میں ان سب کو ہانک کر لایا جائے گا۔ ان کا یہ ہانک کر لایا جانا اگرچہ میدانِ حشر کی طرف ہوگا لیکن مقصود چونکہ انہیں جہنم کی آگ کے سپرد کرنا ہے اس لئے میدانِ حشر کے ذکر کی بجائے اصل مقصود کو ذکر کیا گیا ہے کہ انہیں نارِ جہنم کی طرف کھینچ کر لایا جائے گا۔ لیکن ساتھ ہی یہ فرمایا کہ لائے جانے والے تمام لوگ یقیناً میدانِ حشر میں ایک ساتھ نہیں پہنچیں گے۔ کچھ قومیں پہلے پہنچ جائیں گی، کچھ پیچھے آ رہی ہوں گی۔ پہلے پہنچنے والی قوموں کو روک دیا جائے گا تاکہ سب میدانِ حشر میں ایک ساتھ پہنچیں اور سب کا حشر ایک ساتھ برپا ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جس طرح افراد کا عمل اپنے اثرات کے اعتبار سے دوسروں تک متعدی ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ آدمی مسکراتا ہے تو دیکھنے والا مسکرانے لگتا ہے۔ آدمی روتا ہے تو دیکھنے والے کی شکل خود بخود رونے والی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح آدمی کوئی کام کرتا ہے تو اس کے اثرات اس کی اپنی ذات تک بہت کم محدود رہتے ہیں بلکہ بیشتر مواقع پر دوسرے لوگ یا دوسری چیزیں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ مثلاً ایک شخص ایک تعلیمی ادارہ کھولتا ہے تو اس کا یہ عمل چند افراد تک نہیں بلکہ نسلوں تک پھیل جاتا ہے۔ اس کی تعلیمی کاوشوں سے ذہنوں میں جو تخریبی یا تعمیری خیالات پیدا ہوئے ہیں اس کے دائرۂ اثر کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ جس طرح جھیل میں پھینکا ہوا ایک کنکر جو لہریں پیدا کرتا ہے وہ لہریں اس وقت تک پھیلتی جاتی ہیں جب تک ساحل سے جا کر نہیں ٹکراتیں، یہی حال انسانی اعمال کا بھی ہے۔ اسی طرح قوموں کے بھی اجتماعی طرزِ عمل سے دوسری قومیں متاثر ہوتی ہیں۔ ایک کی تہذیب دوسروں کی تہذیب پر اثرانداز ہوتی ہے۔ اب تو قومیں بہت سے حوالوں سے ایک دوسرے سے اس قدر قریب آ چکی ہیں کہ ایک کے اثرات سے دوسری قوموں کو محفوظ رکھنا ناممکن ہو گیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ افراد ہوں یا اقوام ان کے اعمال کا الگ الگ حساب ممکن ہی نہیں، کیونکہ دنیا میں تو ایک شخص کے صرف عمل کا حساب ہوتا ہے کیونکہ عدالت نہ اس کے عمل کے محرکات کو یقینی طور پر جان سکتی ہے اور نہ اس سے پیدا ہونے والے اثرات سے پوری طرح آگاہی حاصل کر سکتی ہے۔ قوموں کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ مشکل اور گھمبیر ہے۔ تاتاریوں نے مسلمان شہروں کو تاراج کرنے اور اسلامی تہذیب کو پامال کرنے میں جو کردار ادا کیا، جرمنی نے یہودیوں کے ساتھ جو کچھ کیا اور جرمن کے یہودی سائنسدانوں نے انتقام میں آ کر جس طرح پوری انسانیت کے مستقبل کو خطرے میں ڈالا اور عیسائیوں نے صلیبی جنگوں کا انتقام لینے کیلئے مسلمان ملکوں کے خلاف جو سازشیں کیں اور جس طرح ان میں غدار تیار کئے اور ان کے واسطے سے اسلام، اسلامی

Marfat.com

تہذیب، اسلامی ثقافت، اسلامی تمدن اور مسلمانوں کی سیاست کو جس طرح اپنے مفاد کیلئے استعمال کیا ان کا فیصلہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مؤثر اور متاثر قومیں آمنے سامنے نہ ہوں۔ زخم لگانے والا بھی شمشیر بدست کٹہرے میں کھڑا ہو اور زخمی بھی اپنے گھاؤ سمیت عدالت میں موجود ہو، اس وقت تک عدل کے ترازو کو ٹھیک بروئے کار لانا ممکن نہیں۔ چنانچہ اسی لئے اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں لے جانے سے پہلے تمام قوموں کو ایک جگہ جمع ہونے کیلئے روک دے گا اور اس کے بعد ان کے محشر میں داخل کیا جائے گا۔

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾

(یہاں تک کہ جب وہ سب وہاں پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان پر گواہی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ ۲۰)

جرائم پر اعضاء کی گواہی

جب سب لوگ یا سب مجرم محشر کے پاس یا جہنم کے پاس جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے ان کے عقائد اور جرائم کے بارے میں سوال کرے گا کہ کیا تم نے کفر و شرک کا ارتکاب کیا تھا، اور کیا واقعی تم نے فلاں فلاں جرم کی جسارت کی تھی؟ تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اپنے جرائم کو تسلیم کر لیں گے۔ لیکن کچھ ایسے ہٹ دھرم بھی ہوں گے کہ جو اپنی حماقت سے یہ سمجھیں گے کہ شاید ہم جرم کا انکار کر کے یا سخن سازی سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کی عدالت کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جائیں اور سزا سے بچ جائیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے جرائم ثابت کرنے کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا جائے گا کہ ان کے اعضاء ان کیخلاف گواہی دیں گے کہ ہم سے اس شخص یا اس قوم نے اس اس جرم کا ارتکاب کرایا تھا۔ ان کے کان گواہی دیں گے کہ ہماری سماعتوں کو کس طرح استعمال کیا گیا، یا ہم نے اپنی سماعتوں سے کیسے کیسے جرائم کئے۔ ان کی آنکھیں بھی گواہی دیں گی کہ ہماری بیباک نگاہوں نے کس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی اور کس طرح دیکھتے ہوئے بھی ہماری نگاہوں نے ظلم کو چھپایا۔ اور ان کی کھالیں بھی گواہی دیں گی کہ ہمارے جسم کے مَس نے کیا کیا جرائم پیدا کئے اور جرائم میں کیسے کیسے اضافے کئے۔ بعض اہلِ علم نے جلود کا ترجمہ رونگٹوں سے کیا ہے۔ اور سورۃ زمر کی آیت ۲۳ اس مفہوم کی تائید بھی کرتی ہے۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر مجرم کے بدن کا رُواں رُواں زبان بن جائے گا اور وہ بتائے گا کہ آج انکار کرنے والے مجرم کیسے کیسے جرائم کا ارتکاب کرتے رہے ہیں۔

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

(اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی، وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اسی اللہ نے گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کیا ہے، اور وہی ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا اور اب اسی کی طرف لوٹائے جا رہے ہو۔ ۲۱)

Marfat.com

اعضاء کی گواہی، مجرمین کی حیرت

کفار جب اپنے روئیں روئیں کو اپنے خلاف گواہی دیتا ہوا سنیں گے تو انہیں حیرت ہوگی کہ وہ کان جو سننے میں ہمارے ارادے کی پیروی کرتے تھے اور وہ آنکھیں جو ہماری چاہتوں سے کھلتی تھیں اور وہ کھالیں جو ہماری قوتِ احساس کے تحت کام کرتی تھیں آج انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم سے بغاوت کر کے ہمارے ہی خلاف سلطانی گواہ بن گئی ہیں، تو وہ اپنی کھالوں یعنی اپنے جسموں سے مخاطب ہو کر کہیں گے کہ تم کس طرح ہمارے خلاف گواہی دے رہے ہو۔ اور یہ تم میں بولنے کی قوت کہاں سے آئی ہے؟ تو وہ جواب میں صرف اسی بات کے جواب پر اکتفا نہیں کریں گے کہ ہم میں یہ بولنے کی قوت کہاں سے آئی ہے بلکہ ایک اور عقدہ کی بھی گرہ کھول دیں گے جس سے اس بات کی وسعت کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔ وہ جواب میں یہ کہیں گے کہ ہمیں اسی اللہ نے قوتِ گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے۔ یعنی ہم جو تمہارے خلاف گواہی دے رہے ہیں اور تمہیں اس پر تعجب ہو رہا ہے، لیکن تم اگر آنکھیں کھول کر دیکھو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ آج تمہارا جسم ہی تمہارے خلاف گواہی نہیں دے رہا بلکہ زمین بھی تمہارے خلاف گواہ بن گئی ہے کہ انسان نے جو کچھ زمین پر کیا ہے اس نے اپنے جرائم کو جس طرح اس میں دفن کیا ہے اور جس طرح اس نے زمین کی ذرخیزی کو لوگوں کی محرومیوں کا سبب بنایا ہے اور اس کے سینے کو اپنے خزانوں کیلئے دفینہ اور اپنے جرائم کو چھپانے کیلئے قبروں میں تبدیل کیا ہے، ان میں سے ہر چیز کو وہ کھول کر بیان کرے گی۔ قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ○ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ○ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ○ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ○ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ○ ”جبکہ زمین پوری شدت کے ساتھ ہلا دی جائے گی، اور زمین اپنے سارے بوجھ نکال پھینکے گی، اور انسان پکار اٹھے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے، اس روز زمین اپنی ساری سرگزشت سنا دے گی، کیونکہ تیرا رب اسے بیان کرنے کا حکم دے چکا ہوگا“ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ زمین کی ہر حالت اور ہر کیفیت انسان کیخلاف یا اس کے حق میں گواہ بن جائے گی۔ جو جرائم اس کی دھرتی پر کیئے گئے اور ان کا نشان مٹانے کیلئے اس کے پیٹ کا استعمال کیا گیا اور اپنے ظلم کی بقاء کیلئے اس کے خزانوں سے قوم کو محروم رکھا گیا وہ ہر چیز اگل ڈالے گی، قصہ خوانی بازار بتائے گا کہ یہاں کتنے لوگوں کا خون بہایا گیا تھا، دہلی کے گلی کوچے مسلمانوں کے خون کی ارزانی کی گواہی دیں گے، عیسائیوں کی نام نہاد مہذب قوم کی اندلس اور ایشیا کے مختلف ملکوں میں قائم کردہ نوآبادیوں اور جدید دور میں لبنان، فلسطین، عراق، افغانستان اور بوسنیا میں روا رکھے جانے والے ظلم کی داستان بیان ہوگی۔ جامعہ حفصہ کی معصوم بچیوں کا خون بولے گا اور ان کی جلائے جانے والی لاشوں کے ملبے کو کہاں جا کے پھینکا گیا، زمین چیخ چیخ کر گواہی دے گی۔ غرضیکہ:

یہاں لٹی تھی کسی کی عصمت، وہاں گرا تھا لہو کسی کا
یہاں جلائے گئے تھے انساں، ہر ایک شے کا حساب ہوگا

جس قادرِ مطلق کی قدرت کا عالم یہ ہے کہ اس کی قدرت سے انسانوں کے جسم اور زمین کا ذرہ ذرہ انسان کے خلاف یا اس کے حق میں گواہی دینے کیلئے اٹھ کھڑا ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان تمام بے جان چیزوں کو قوتِ گویائی عطا فرمائے گا اور تم اس کی قدرت کے حوالے سے خود اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ تم قیامت کے برپا ہونے کو اس لئے خلافِ عقل سمجھتے ہو

Marfat.com

کہ اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ حالانکہ امکانات تو بہت ہیں لیکن اگر تم اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر یقین کرلو تو جس کی قدرت نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا ہے تو کیا وہ تمہیں دوبارہ پیدا نہیں کرسکتا۔ اور جس نے تمہیں پہلی مرتبہ دنیا میں بھیجا ہے تو کیا تم دوبارہ اس کے سامنے حاضری کیلئے لے جائے نہیں جاسکتے۔ لیکن تمہاری حماقت صرف یہیں تک نہیں کہ تم قیامت کا انکار کرتے ہو بلکہ تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری واپسی تمہارے ان مزعومہ دیویوں اور دیوتاؤں میں سے کسی کی طرف ہوگی، جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ حالانکہ معمولی عقل کا آدمی بھی بات سمجھ سکتا ہے کہ جن کو خلق وتدبیر میں کوئی دخل نہیں ہے وہ مولیٰ اور مرجع کس طرح بن جائیں گے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِىْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

(اور تم یہ اندیشہ نہیں رکھتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی بلکہ تمہارا گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا۔ ۲۲) تمہارے اسی گمان نے جو تم نے اپنے رب کے بارے میں کیا تھا تمہیں ہلاک کردیا، اور تم خسارے میں پڑنے والے بن گئے۔ ۲۳)

تَسْتَتِرُوْنَ، تَخَافُوْنَ کے معنی میں

بعض اہلِ علم نے تَسْتَتِرُوْنَ کو تَخَافُوْنَ کے معنی میں لیا ہے۔ یہ دراصل لازم سے ملزوم پر استدلال کیا گیا ہے۔ یعنی تم جو برے اعمال کرتے ہوئے اس سے چھپتے نہیں ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں کہ تمہارے اپنے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دے سکتے ہیں۔ کیونکہ اگر تمہیں اس بات کا خیال ہوتا کہ جن اعضاء سے کام لے کر تم برائیوں کا ارتکاب کرتے ہو، وہ تمہارے خلاف گواہی بھی دے سکتے ہیں، تو تم کبھی بھی ان برائیوں کا ارتکاب کرنے کی جسارت نہ کرتے۔ لیکن یہ اندیشہ تمہارے تصور پر کبھی حاوی نہیں ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے میں دلیر ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ شرک اور کفر جیسا جرم بھی تمہارے نزدیک مباح ہوگیا۔ اس صورتحال نے تمہیں ہلاکت کی نذر کردیا اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل خسارہ جنت کے استحقاق سے محرومی اور جہنم کا عذاب ہے۔ یہ لوگ چونکہ جہنم میں ڈالے گئے ہیں اس لئے سب سے بڑے نقصان اور خسارے میں پڑ گئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان جو بھی طرزِ عمل اختیار کرتا ہے وہ اس خیال کے تابع ہوتا ہے وہ اپنے رب کے متعلق قائم کرتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے ایمان کی بنیاد کے طور پر عقیدۂ توحید کو ماننا لازم ٹھہرایا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے حقوق میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ جب ایک شخص اپنے دل کے خیالات، اپنے دماغی تصورات اور اپنے اعمال پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کو مکمل طور پر تسلیم کرلیتا ہے اور وہ یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نگاہوں کے سامنے ہوں، میرا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں ہے یقیناً ایک دن جواب دہی کیلئے اس کے سامنے حاضر ہونا ہے وہاں میرے ایک ایک عمل کا حساب ہوگا اور اسی کے مطابق جزاء وسزا کا فیصلہ ہوگا۔ اس تصور کے راسخ ہوجانے کے بعد کفر وشرک یا فسق وفجور میں انسان کا مبتلا ہونا ناممکن نہیں تو محال ضرور ہوجاتا ہے۔

Marfat.com

فَاِنْ یَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ ۚ وَاِنْ یَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِیْنَ ﴿۲۴﴾

(پس اگر وہ صبر کریں تو نارِ جہنم ہی ان کا ٹھکانہ ہے، اور اگر وہ معافی مانگیں گے تو ان کو معافی نہیں ملے گی۔ ۲۴)

قیامت کا عذاب حتمی ہے، رویوں سے متاثر نہیں ہوگا

جن لوگوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر مطمئن ہو کر صبر کریں، یعنی نہ اس سے نکلنے کی جستجو کریں اور نہ زبان سے اس کیخلاف کچھ کہیں بلکہ اس بات کا یقین کرلیں کہ ہم اسی سزا کے مستحق تھے، ہم نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے رسول کو ماننے سے انکار کیا، اس پر نازل ہونے والی کتاب سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اس کی مخالفت کی اور نیکی کی ہر بات سے ہمیں ضد سی ہوگئی۔ تو ایسی صورتحال کا جو انجام ہونا چاہئے تھا وہی ہوا۔ تو جو لوگ یہ رویہ اختیار کریں گے تو ان کا یہ صبر اور فیصلے پر یکسوئی ان کے عذاب میں کمی نہیں کرے گی اس لئے کہ قیامت کے برپا ہوجانے کے بعد کوئی اچھی سے اچھی بات بھی صلہ یا انعام کی مستحق نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ دارالجزاء ہے دارالعمل نہیں۔ اس لئے ان لوگوں کا ٹھکانہ ہر صورت میں نارِ جہنم ہی ہوگا۔ لیکن اگر وہ صبر کی بجائے استعتاب چاہیں استعتاب کا معنی ہوتا ہے رجوع کرنا یا گناہوں سے معافی مانگنا۔ یعنی وہ اپنی گزشتہ زندگی پر نادم ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی کے طلبگار ہوں تو انہیں معافی نہیں ملے گی۔ وہ گزشتہ گناہوں سے پاکیزہ زندگی اختیار کرنے کا عہد کریں گے تو ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اور اگر وہ اچھی زندگی کے وعدے پر دوبارہ دنیا میں جانے کی درخواست کریں گے تو ان کی درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ
فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

(اور ہم نے ان پر ایسے ساتھی مسلط کردیئے تھے جو انہیں آگے اور پیچھے ہر چیز خوشنما بنا کے دکھاتے تھے۔ آخر ان پر بھی وہی بات پوری ہو کے رہی جو ان سے پہلے گزرے ہوئے جنوں اور انسانوں کے گروہوں پر پوری ہو چکی تھی۔ یقیناً وہ خسارے میں رہنے والے تھے۔ ۲۵)

مسلسل اعراض کا نتیجہ

بعض دفعہ تبلیغ و دعوت کا کام کرنے والوں کو ایسی صورتحال سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو انہیں بعض دفعہ تبلیغی کاوشوں سے مایوس کردینے کا باعث بنتی ہے۔ اور یا کم از کم ان کے اندر اشتباہات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ وہ صورتحال یہ ہے کہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی پڑھا لکھا ہے، سمجھدار ہے، بات کو سنتا بھی ہے لیکن بات کو قبول نہیں کرتا۔ تمام تبلیغی کاوشیں اس کے سامنے بےبس ہو کر رہ جاتی ہیں۔ تو مبلغ پریشان ہو کے رہ جاتا ہے کہ کیا میری دعوت میں اخلاص نہیں یا میں جس بات کی دعوت دے رہا ہوں اس کی صداقت محلِ نظر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مسلسل اعراض کرتا ہے اور اس کی نصیحت سے ہمیشہ منہ پھیرتا ہے اور اچھے لوگوں کی صحبت سے تنفر کا

Marfat.com

اظہار کرتا ہے اور دین کی ہر بات سے اِباء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے بندے پر ایک شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو اس کا ہر وقت ساتھی بنا رہتا ہے اور اسے اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک اسے کسی کھائی میں گرا نہیں دیتا۔ چنانچہ اوپر جن لوگوں کے حوالے سے گفتگو جاری تھی ان کے حوالے سے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ چونکہ دین سے ہمیشہ اعراض کرنے والے لوگ تھے تو ہم نے ایسے ساتھی اور دوست انہیں عطا کیے یا ان پر مسلط کر دیئے کہ جنہوں نے ان کی ہر بری بات کو بھی نیکی بنا کر دکھایا۔ انہوں نے ماضی میں اگر برائیاں کی تھیں تو انہوں نے انہیں بھی حُسن کی تصویر بنا دیا۔ اور آئندہ اس کے عزائم اسلام کیلئے چاہے کیسے ہی تباہ کن کیوں نہ ہوں اور خود اس کی اپنی ذات کیلئے کیسے ہی رسوا کن کیوں نہ ہوں وہ انہیں بھی اس طرح مزین کر کے پیش کریں گے کہ گویا اس سے بہتر بات اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ تزیینِ اعمال شیطان کا ایک ایسا دھوکہ ہے جس سے انسان کو ہمیشہ گمراہ کیا گیا ہے۔ انسان کی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنے خیالات اور اپنے اعمال پر تنقید پسند نہیں کرتا۔ تاوقتیکہ تنقید کرنے والے کا اخلاص اور اس کی ہمدردی و غمگساری اس کا دل نہ جیت لے۔ لیکن اگر وہ ایسے اہلِ مجلس میں گھرا رہے اور اس کے گرد ایسے احباب اکٹھے ہو جائیں جو ہمیشہ اس کے افکار و اعمال کی تزیین کرتے رہیں اور اس کی غلطیوں کو بھی کارنامے بنا کر دکھائیں تو پھر اسے تباہ ہونے سے بچانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ جن قوموں نے بھی یہ رویہ اختیار کیا وہ ہمیشہ تباہ ہو کے رہیں۔ چنانچہ قریش کو بھی اس صورتحال سے تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تمہارے اشراف جن کے سروں پر تم نے سیادت کا تاج رکھا ہوا ہے وہ اسلام کی دعوت سے اس لئے دور ہیں کہ تم انہیں کبھی ان کی برائیوں اور افکار کی غلطیوں پر متنبہ ہونے کا موقع نہیں دیتے۔ اور یا وہ خود ایسے دوست بنا چکے ہیں جو ہمیشہ انہیں اسی فریب خوردگی کا شکار رکھتے ہیں۔ تو نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ وہ پہلی امتوں کی طرح بالآخر تباہ ہو کے رہیں گے۔ اور آخرت میں تو وہ یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝٢٦
فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ
اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٢٧ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ
النَّارُ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
يَجْحَدُوْنَ ۝٢٨ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ
اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا
مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ۝٢٩ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

Marfat.com

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا
بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ
وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾

رکوع: ۴۔ (اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ اس قرآن کو نہ سنو، اس کے بیچ میں شور برپا کرو تاکہ تم غالب آجاؤ۔ ۲۶) پس ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے، اور ان کو عمل کا بدترین صلہ دیں گے۔ ۲۷) یہ اللہ کے دشمنوں کی جزاء ہے یعنی دوزخ، اسی میں ہمیشگی کا ان کیلئے گھر ہے، یہ سزا ہے اس جرم کی کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے ہیں۔ ۲۸) اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کو دکھا جنہوں نے جنوں اور انسانوں میں سے ہم کو گمراہ کیا، ہم انہیں اپنے پاؤں کے نیچے پامال کریں گے تاکہ وہ ذلیل ہو جائیں۔ ۲۹) بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوں گے کہ اب نہ کوئی اندیشہ کرو اور نہ کوئی غم کرو، اور خوشخبری قبول کرو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔ ۳۰) ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی رہے ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں، اور تمہارے لئے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم چاہو گے اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم طلب کرو گے۔ ۳۱) یہ ہے سامانِ ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور و رحیم ہے۔ ۳۲)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾

(اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ اس قرآن کو نہ سنو، اس کے بیچ میں شور برپا کرو تاکہ تم غالب آجاؤ۔ ۲۶)

قرآنی دعوت کو بے اثر کرنے کا ایک حربہ

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے سرزمینِ مکہ پر حق و باطل کی جو کشمکش برپا ہوئی جہاں اس میں نبی کریم ﷺ نے اظہارِ حق کی ہر ممکن کوشش کی اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف مائل کرنے کیلئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا وہیں کفارِ مکہ نے بالخصوص ان کے سرداروں نے مخالفت کا ہر طریقہ آزمایا۔ کبھی مذاق اڑایا، کبھی اعتراضات کی بوچھاڑ کی، کبھی الزامات کا طومار باندھا اور کبھی اذیت رسانی کی انتہاء کر دی۔ جب ان میں سے کوئی حربہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا تو پھر انہوں نے آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ اس دعوت کا راستہ روکنے کی ایک ہی شکل ہے کہ جب بھی نبی کریم ﷺ لوگوں کو دعوتِ حق پیش کرتے ہوئے قرآنِ کریم کی تلاوت کریں تو اسے نہ خود سنو اور نہ لوگوں کو سننے دو۔ کیونکہ قرآنِ کریم کی فصاحت و

Marfat.com

بلاغت، اس کی دلآویزی اور اس کی معجزانہ اثر اندازی کو اپنا کام کرنے سے نہیں روکا جا سکتا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی بھرپور اور پُرعزم شخصیت، آپ کا دل کو موہ لینے والا لہجہ اور آپ کا دل میں اتر جانے والا حسنِ کردار اور آپ کی خوبصورت اور دلآویز آواز میں قرآنِ کریم کی تلاوت اپنے اندر وہ شان رکھتی ہے کہ جو ایک دفعہ اسے دل لگا کر سن لیتا ہے وہ گھائل ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اس لئے آپ کی دعوت اور قرآنِ کریم کے اثرات سے بچاؤ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب آپ قرآنِ کریم کی تلاوت کریں تو شور مچا دیا جائے، آوازے کسے جائیں، تالیاں پیٹی جائیں، اعتراضات کی بوچھاڑ کی جائے، غرضیکہ ایسی ہر حرکت کی جائے جس سے قرآن کی آواز دب جائے اور لوگوں کے کانوں تک شور کے سوا کچھ نہ پہنچے۔ اس طرح ممکن ہے کہ تم غالب آ جاؤ، یعنی حق و باطل کی کشمکش میں تمہارا پلڑا جھک جائے اور اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کے پیغام کے غلبے کی جو دعوت دی جا رہی ہے وہ ناکام ہو جائے۔

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾

(پس ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے، اور ان کو عمل کا بدترین صلہ دیں گے۔ ۲۷)

کفار کو تنبیہ اور مسلمانوں کو تسلی

اس میں کفار کو نہایت سخت تنبیہ بھی کی گئی ہے اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے۔ تنبیہ سے مراد یہ ہے کہ کفار آج جو کچھ کر رہے ہیں انہیں شاید اندازہ نہیں کہ وہ اپنے آپ کو کتنے عظیم خطرے سے دوچار کر رہے ہیں۔ وہ بظاہر قرآنِ کریم کو دبانے اور ناکام کرنے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف ہیں۔ اور اسی سلسلے میں وہ شور وشغب اور ہڑبونگ کو اپنے لئے سہارا بنا رہے ہیں۔ لیکن اس کے نتیجے میں کل کو جو انہیں عذاب ہونے والا ہے اور جو انہیں سزا ملنے والی ہے انہیں آج اس کا تصور نہیں ہے، ورنہ وہ یہ حرکت کبھی نہ کریں۔

اور تسلی کا مفہوم یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی دعوت اور قرآنِ کریم کی تلاوت کو جن گھٹیا طریقوں سے روک دینا چاہتے ہیں ان سے نبی کریم ﷺ کو اور مسلمانوں کو کوئی اثر قبول نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ اپنی بات نہیں بلکہ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا کلام پیش کر رہے ہیں۔ اور وہ ہر ممکن طریقے سے اسے روک دینا چاہتے ہیں۔ تو یہ کشمکش درحقیقت اللہ تعالیٰ اور ان منکرینِ حق کے درمیان برپا ہے۔ ایسی صورت میں وہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کا بظاہر ہدف تو آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے لیکن حقیقی ہدف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ تو وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ اس کا نوٹس لے گا اور منکرینِ حق کی اس حرکت کی انہیں سخت سزا دے گا۔

اس آیتِ کریمہ میں دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے اور یہ درحقیقت اس عذابِ شدید کی وضاحت ہے جس سے قیامت کے دن مخالفینِ حق دوچار ہونے والے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا میں انسان کا ہر عمل نیک ہو یا بد، اپنے اندر متعدی اثرات رکھتا ہے۔ انسان کی ایک چھوٹی سی نیکی بڑھتے بڑھتے احد پہاڑ کے برابر ہو سکتی ہے اور ایک چھوٹی سے برائی بڑھتے بڑھتے خوفناک جنگل بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی دنیا میں حق کی ایک چھوٹی سی شمع جلاتے ہیں لیکن وہ بڑھتے بڑھتے زمین کے بہت بڑے حصے پر روشنی کا سامان کر دیتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جب نبوت کا چراغ روشن کیا تو اسے بجھانے کیلئے اہلِ مکہ نے جو کچھ کیا، اسے دیکھ کر کون اندازہ کر سکتا تھا کہ یہ چراغ دیر تک روشنی دے سکے گا۔ لیکن نصف صدی کا عرصہ گزرنے نہیں پایا کہ آدھی زمین سے زیادہ اس چراغ کی روشنی سے منور ہو گئی اور زمین پر بسنے والے لوگوں

Marfat.com

کے دل اس کے نور سے روشن ہو گئے۔اسی طرح کتنے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ذاتی حیثیت میں برائی کا ایک بیج بویا، جو بڑھتے بڑھتے بہت بڑے فساد کا باعث بن گیا۔کارمارکس ایک شخص تھا لیکن اس کے اثرات کتنے ملکوں تک پھیلے اور کتنی نسلیں اس کی بھینٹ چڑھ گئیں۔سینٹ پال نے عیسائیت کو پٹڑی سے اتارا اور شریعت موسوی سے انہیں آزاد کر دیا۔یہ بظاہر ایک ابتدائی کوشش تھی لیکن آج دنیا میں عیسائیت شریعت سے آزاد ہو کر کھل کھیل رہی ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا لایا ہوا دین ان کے کسی گرجے میں دکھائی نہیں دیتا۔قیامت کے دن عمل کی ابتدائی صورت نہیں بلکہ قیامت تک پھیلے ہوئے اس کے اثرات کو سامنے رکھ کر اس کی آخری صورت متعین کی جائے گی، اور اسی حساب سے جزاء اور سزا ہوگی۔چنانچہ قیامت تک پھیلے ہوئے مشرکین مکہ کے ان برے اعمال کے اثرات جو صورت پیدا کریں گے اس کے مطابق ان کے اعمال کی سزا انہیں دی جائے گی۔یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ سے اشارہ فرمایا گیا ہے۔یعنی مشرکینِ مکہ اور ان کے سرداروں کو اس کا اندازہ نہیں کہ قرآنِ سے لوگوں کو روک کر وہ اپنے لئے کیسی پُر بھری فصل تیار کر رہے ہیں۔جب اس کا حاصل ان کے سامنے آئے گا تب وہ اس کا بدترین پہلو دیکھیں گے۔اس وقت انہیں اندازہ ہوگا کہ وہ اپنی تباہی کا کیا سامان کر کے آئے ہیں۔

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ
جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

(یہ اللہ کے دشمنوں کی جزاء ہے یعنی دوزخ، اسی میں ہیشگی کا ان کیلئے گھر ہے، یہ سزا ہے اس جرم کی کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے ہیں۔ ۲۸)

قرآنی دعوت کو روکنے کی سزا

ذٰلِكَ سے اشارہ اسی بدترین جزاء کی طرف ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت میں ہوا ہے۔البتہ اس سے مراد دوزخ ہے جسے النَّارُ سے تعبیر کیا گیا ہے۔اور النَّارُ سے پہلے مبتدا محذوف ہے، اس لحاظ سے کہنا چاہئے کہ یہ پورا جملہ ہے۔اور اَعْدَآءُ اللّٰهِ سے مراد وہی لوگ ہیں جنہوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ قرآنِ کریم کو نہ خود سنو اور نہ دوسروں کو سننے دو۔اور جب اس کی تلاوت کی جائے تو خوب شور مچاؤ۔مزید فرمایا کہ یہ سزا چند دنوں کیلئے نہیں ہوگی، اسی میں ان بدنصیبوں کے گھر ہوں گے جن میں انہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔پھر اس سزا کی وجہ بھی بیان فرما دی گئی کہ یہ سزا انہیں اس جرم کی بناء پر ملے گی کہ وہ برابر اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے رہے ہیں۔نہ قرآنِ کریم کا معجزانہ انداز انہیں راس آیا، نہ نبی کریم ﷺ کی غیر معمولی ہمدردی وغمگساری ان پر اثر انداز ہو سکی۔وہ بگڑے ہوئے حیوان کی طرح اپنے مالک کی ہمدردی کو سمجھنے کی بجائے سینگ ہی مارتے رہے ہیں اور اسی طرح اپنے آپ کو برباد کر لیا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ
نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

(اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کو دکھا جنہوں نے جنوں اور انسانوں میں سے ہم کو گمراہ کیا، ہم انہیں اپنے پاؤں کے نیچے پامال کریں گے تاکہ وہ ذلیل ہو جائیں۔ ۲۹)

Marfat.com

آخرت میں عوام کا اپنے لیڈروں پر غصہ

اس آیتِ کریمہ میں پروردگار عوام اور ان کے لیڈروں کے تعلق کی حقیقت کھول رہے ہیں کہ آج اشرافِ قریش اور ان کے پیچھے چلنے والے نبی کریم ﷺ کی مخالفت میں پوری طرح شریک اور ہم آواز ہیں۔ عوام اور رہنماؤں کے سامنے ایک ہی ہدف ہے جس کیلئے وہ کوشاں دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن یہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کتنا اخلاص رکھتے ہیں اس کا اندازہ قیامت کے دن ہوگا، جب عام لوگ دیکھیں گے کہ ہمارے لیڈر ہمیں کس برے انجام سے دوچار کرنے کا باعث بنے ہیں، ہم نے ان کی قیادت پر اندھا اعتماد کیا، لیکن آج وہ ہمیں جہنم کے دروازوں تک لے آئے ہیں۔ اس انجام کو دیکھ کر اور یہ گمان کر کے کہ ہمارے لیڈر ہی اس کا سبب بنے ہیں اللہ تعالیٰ سے التجا کریں گے کہ یا اللہ اس واردات میں جو لوگ بھی شریک رہے ہیں اور جنہوں نے ہمیں ان برے حالوں تک پہنچایا ہے چاہے وہ انسان ہوں یا جنات ایک دفعہ تو انہیں ہمارے سامنے لے آ تاکہ ہم انہیں اپنے پاؤں تلے روند کر اپنے دل کی بھڑاس نکالیں اور جس طرح وہ ہماری رسوائی کا باعث ہوئے ہیں ہم بھی انہیں پاؤں تلے روند کر ذلت کی انتہاء تک پہنچا دیں۔ لیکن ان کا اس طرح سے غصے کا اظہار ان کے کسی کام نہ آئے گا جس طرح ان کے لیڈر جہنم میں پھینکے جائیں گے یہ بھی انہیں کی طرح جہنم میں ڈالے جائیں گے اور اس طرح سے دونوں اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٠﴾

(بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوں گے کہ اب نہ کوئی اندیشہ کرو اور نہ کوئی غم کرو، اور خوشخبری قبول کرو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔ ۳۰)

ایمان پر ثابت قدم رہنے والوں کو بشارت

منکرینِ حق کا قیامت کے دن جو حشر ہوگا اس کا ذکر کرنے کے بعد اب یہ ان لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے جو نبی کریم ﷺ کی دعوت پر ایمان لائے، پھر نہایت جرأت اور پامردی کے ساتھ اعلان کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور پھر اس نعرے اور قول کے نتیجے میں جب ان پر مصائب کی بوچھاڑ ہوئی اور قدم قدم پر انہیں ادھیڑا اور کدھیڑا گیا تو بجائے سراسیمہ اور مضمحل ہونے کے استقامت کی تصویر بن گئے۔

اس میں سب سے پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں وہ درحقیقت اس کے رب ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ مشرکینِ عرب اگرچہ اللہ تعالیٰ کو مانتے اور اس کے خالق ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو رب تسلیم نہیں کرتے بلکہ انہوں نے بہت ساری دوسری قوتوں کو اپنا رب بنا رکھا ہے۔ اس کی حقیقت حضرت عدی بن حاتم طائی کے اس واقعہ سے کھلتی ہے جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس اسلام کی حقیقت جاننے اور ان پر ایمان لانے کیلئے حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں حاتم طائی کا بیٹا ہونے کی وجہ سے بڑے لحاظ کے ساتھ اپنے گھر میں اپنی مسند پر بٹھایا۔ اور ان سے اسلام کی حقیقت کے بارے میں گفتگو شروع کی۔ تو حضرت عدی بن حاتم طائی نے اپنے اشتباہات کو دور کرنے کیلئے آپ سے ایک سوال کیا کہ میں نے مسلمانوں سے سنا ہے کہ وہ قرآنِ کریم کی ایک آیت کے حوالے سے عیسائیوں

Marfat.com

پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے احبار ورہبان کو رب بنا رکھا ہے۔ میں عیسائی ہوں، میں اس کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ ہم نے اپنے احبار ورہبان کو کبھی رب نہیں مانا۔ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے تو اس میں تو کسی ایسے غلط الزام کا وجود بھی ناقابلِ یقین ہے۔ تو پھر اس الزام کی حقیقت کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ قرآنِ کریم واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اور قرآنِ کریم کا یہ الزام بھی حقیقت پر مبنی ہے۔ اس کی وضاحت کیلئے آپ نے حضرت عدی بن حاتم طائی سے ایک سوال کیا کہ تم یہ بتاؤ کہ تم جب تحلیل وتحریم اور جائز وناجائز کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو تو کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی تورات کو دیکھتے ہو یا اپنے علماء سے پوچھتے ہو۔ اور تمہارے علماء تمہیں جو بتادیں وہ چاہے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، تم اسے قبول کر لیتے ہو، جبکہ قانون سازی کا غیر مشروط حق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں۔ شریعت کا سرچشمہ صرف اس کی ذات ہے اور اس کی کتابیں اسی کی طرف سے نازل کردہ ہیں اس لئے کتاب اللہ کے احکام کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی سند سمجھ کر قبول کرنا فرض اور واجب ہے۔ لیکن تم نے جب یہ حیثیت کتاب اللہ کی بجائے احبار ورہبان کو دے دی تو گویا تم نے احبار ورہبان کو اپنا رب بنالیا۔ کیونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حقوق ان کی طرف منسوب کردیئے۔ یہی وہ بات ہے جو قرآنِ کریم نے ارشاد فرمائی۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ”انہوں نے اللہ کے علاوہ اپنے احبار ورہبان کو اپنا رب بنالیا۔“ تو سب سے پہلی بات جو اس آیت میں فرمائی گئی ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ پر ایمان لاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنا رب مانتے ہیں۔ یعنی وہ تحلیل وتحریم اور جائز وناجائز کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو دیتے ہیں۔ وہ غیر مشروط اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی کرتے ہیں۔ کسی وضعی قانون کو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مقابلے میں پرکاہ کے برابر بھی حیثیت دینے کیلئے تیار نہیں۔ اور دوسری یہ بات فرمائی کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا رب زبان ہی سے نہیں کہتے بلکہ ان کا عمل اور ان کا عزم بھی اس کی گواہی دیتا ہے۔ حالات چاہے کیسے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں اور مخالفین مخالفت کا چاہے کیسا ہی طوفان کھڑا کردیں لیکن وہ کبھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں کسی دوسرے کی شرکت کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ اور وہ اپنے اس عقیدے کیلئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کیلئے تیار رہتے ہیں۔ نہ طاقت انہیں جھکا سکتی ہے اور نہ دولت انہیں بہلا سکتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کو یہاں استقامت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آیت میں مزید فرمایا گیا ہے کہ جب کوئی مومن اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر جم جاتا ہے تو پھر اس پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ بعض اہلِ علم کا گمان یہ ہے کہ ان فرشتوں کا نزول موت کے وقت یا قبر کی تنہائی میں ہوتا ہے اور وہ انہیں آکر تسلی دیتے ہیں کہ اب تمہارے لئے خوف و حزن کا کوئی موقع نہیں۔ اور بعض اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ فرشتوں کا نزول قیامت کے دن فیصلۂ امور سے پہلے ان کی دلداری اور تسلی کیلئے ہوگا تاکہ وہ انہیں اطمینان دلائیں کہ بس اب آپ لوگوں کی آزمائش کا دور ختم ہوا اور اب آپ کیلئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔ لیکن سلسلۂ کلام کو دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فرشتوں کا نزول کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ وہ موت کے وقت بھی آتے ہیں اور قبر میں بھی۔ اور قیامت کے دن بھی مختلف مواقع پر ان کا نزول ہوگا۔ اور ہر موقع پر وہ مومن کیلئے تسلی کا باعث ہوتے ہیں۔ بلکہ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ حق و باطل کی کشمکش میں جس طرح باطل پرستوں کے ساتھ ان کے ساتھی ان کے کرتوتوں کو خوشنما بنا کر دکھاتے ہیں کہ حق کو نیچا دکھانے کیلئے جو ظلم وستم تم کر رہے ہو اسی میں تمہاری کامیابی ہے اور اسی میں تمہاری سرداری اور تمہاری وجاہت کی بقاء مضمر ہے۔ اسی طرح فرشتے بھی اس وقت مومنوں پر اترتے ہیں جب ان پر مصائب کا ہجوم ہوتا ہے تو وہ انہیں یقین دلاتے ہیں کہ تم ان مصائب میں اپنے آپ کو لاوارث مت سمجھو، تمہارے یہ مصائب اور یہ غم عارضی ہیں۔ عنقریب تمہارے لئے کامیابی وکامرانی کے دروازے کھلنے والے ہیں اس لئے رنج وغم کا تمہارے لئے کوئی موقع نہیں، قیامت کے دن جنت تمہارے انتظار میں ہے، اس کی بشارت قبول کرو اور خوش ہوجاؤ۔

Marfat.com

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَاتَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝٣١

(ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی رہے ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں، اور تمہارے لئے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم چاہو گے اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم طلب کرو گے۔ ۳۱)

صاحبِ ایمان لوگوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں فرشتوں کی مصاحبت حاصل ہوتی ہے

جب کبھی نامساعد حالات میں تمہارا حوصلہ جواب دینے لگتا تو ہم تمہارے حوصلے کو قائم رکھنے کیلئے تمہارے ساتھ ہوتے تھے۔ جب کبھی شیطانی قوتیں تمہیں مصائب کے سامنے جھکانے کیلئے ہراساں کرنے کی کوشش کرتیں تو ہم ہمیشہ تمارے دل پر استقامت کی ٹھنڈک اتارتے تھے۔ تم اگرچہ ہمیں دیکھ نہیں پاتے تھے لیکن شیطانی وساوس سے محفوظ رکھنا اور حالات کو ایک حد سے بے قابو نہ ہونے دینا اور بڑی قوتوں کا بوجھ اٹھانے کیلئے ہمت کا عطا ہونا، یہ تم نے بھی ہمیشہ محسوس کیا کہ کوئی غیر مرئی قوت ہے جو ہمارے لئے ایسا کر رہی ہے۔ ظاہر ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے تھے جو اس طرح اصحابِ ایمان کے ساتھ ہوتے اور ان کی مدد کرتے۔ اور اسی طرح ہم آخرت میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گے کہ وہاں ہم قدم قدم پر تمہاری تسکین واطمینان کا باعث بنیں گے، تمہارا استقبال کریں گے اور خوشی اور مسرتوں میں بیش از بیش اضافہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور مزید فرمایا گیا کہ تم نے جو بے پناہ مصائب جھیلے ہیں ان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں جو کچھ ملنے والا ہے اس کا تصور تو کسی کے بس میں نہیں لیکن نہایت اجمال کے ساتھ یہ ذہن میں رکھو کہ وہاں تمہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی کبھی چاہت تمہارے دل میں پیدا ہوگی۔ اور وہ سب کچھ ملے گا جس کو کبھی تم طلب کرو گے۔ حالانکہ دنیا میں بڑے سے بڑا شہنشاہ بھی اس نعمت سے کبھی بہرہ ور نہیں ہوا۔ نہ جانے کتنے ارمان ہیں وہ جو دل ہی میں ساتھ لئے آخرت کو سدھار جاتا ہے، کتنے سکندر ہیں جو خالی ہاتھ دنیا سے جاتے ہیں۔ اور جب کامیابیاں ان کے سامنے ہوتی ہیں تو موت انہیں آدبوچتی ہے اور کتنے ایسے مطالبات ہیں جنہیں وہ اپنوں یا بیگانوں سے کرتے ہیں لیکن ان کے حصول میں کامیاب نہیں ہوتے۔ لیکن یہ غیر معمولی بات اہلِ جنت کو حاصل ہوگی۔ کیونکہ وہ اس قادرِ مطلق کے مہمان ہوں گے جس کی قدرت کے سامنے کوئی چیز ناممکن نہیں۔

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝٣٢

(یہ ہے سامانِ ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور ورحیم ہے۔ ۳۲)

نُزُلٌ...... مہمان کی ابتدائی ضیافت کو کہتے ہیں۔ یعنی جب کوئی مہمان ہمارے پاس اترتا ہے تو کھانے کے وقت سے پہلے یا کھانا تیار ہونے تک ہم کسی ٹھنڈے یا گرم مشروب سے مہمان کی ضیافت کرتے ہیں تو یہ اس کی ابتدائی مہمانی ہوتی ہے جس میں مہمان اور میزبان دونوں کو احساس ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی چیزیں ہیں ابھی حقیقی ضیافت کا وقت نہیں آیا۔ اوپر کی آیت میں اصحابِ ایمان کیلئے جن نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو جاتے ہی ان کو جنت میں ملیں گی وہ ابتدائی مہمانی ہوگی۔ اور اس کا حال بھی یہ ہے کہ ہم دنیا میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن بڑی اور حقیقی مہمانی جو اس کے بعد ہوگی اور ہمیشہ جاری رہے گی وہ اس سے بہت بڑھ چڑھ کر ہوگی۔ ہم صرف اس پر یقین کر سکتے ہیں، اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ اس کی حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔

Marfat.com

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ
اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ
اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ
كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ
مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ
الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾
وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا
لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ
كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ
رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدة
وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا
الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا
لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا
يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ ﴿۴۱﴾

Marfat.com

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ
مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ
مِن قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ
جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ أَأَعْجَمِيٌّ
وَعَرَبِيٌّ ۗ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۖ وَالَّذِينَ
لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ أُولَٰئِكَ
يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٤٤﴾ ع

رکوع: ۵۔ (اور اس شخص سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ ۳۳) اور نیکی اور بدی برابر نہیں، بدی کو اس نیکی سے ہٹاؤ جو بہترین ہو، پھر تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی دشمنی تھی گویا کہ وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ ۳۴) اور یہ بات نہیں ملتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ دولت ہاتھ نہیں آتی مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔ ۳۵) اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ سے پناہ مانگو، بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۳۶) اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند، سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ ۳۷) پس اگر یہ لوگ تکبر کریں تو جو لوگ آپ کے رب کے پاس ہیں وہ شب و روز اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور وہ کبھی نہیں تھکتے۔ ۳۸) اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ زمین دبی پڑی ہے، پھر جیسے ہی ہم نے اس پر پانی اتارا تو وہ پھبک اٹھتی ہے اور پھول جاتی ہے، بے شک جس ذات نے اس کو زندہ کیا ہے وہ مُردوں کو بھی زندہ کرے گا، بے شک وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ۳۹) بے شک جو لوگ ہماری آیات کو الٹے معنی پہناتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں، بھلا وہ شخص بہتر ہے جو آگ میں ڈالا جائے گا یا وہ شخص جو قیامت کے روز امن کی حالت میں آئے گا، کیے جاؤ جو چاہو، بے شک وہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ ۴۰) بے شک جن لوگوں نے قرآنِ

Marfat.com

کریم کو ماننے سے انکار کیا جب وہ ان کے پاس آ گیا، (تو انہوں نے اپنی قسمت پھوڑ لی) بے شک وہ ایک نادر کتاب ہے۔ ۴۱) اس میں باطل نہ سامنے سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، یہ خدائے حکیم وحمید کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ ۴۲) اے پیغمبر! آپ کو وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو آپ سے پہلے آنے والے رسولوں کو کہا گیا ہے، بے شک آپ کا رب بڑی مغفرت والا بھی ہے اور دردناک عذاب دینے والا بھی۔ ۴۳) اگر ہم اس کو عجمی قرآن بنا کر بھیجتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیات کی وضاحت کیوں نہیں کی گئی۔ کیا کلام عجمی اور مخاطب عربی، آپ کہہ دیجئے یہ ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائیں ہدایت اور شفاء ہے۔ اور جو لوگ ایمان نہ لائیں ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ ان پر اندھا پن ہے، یہ لوگ دور کی جگہ سے پکارے جائیں گے۔ ۴۴)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾

(اور اس شخص سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ ۳۳)

سب سے بہتر وہ ہے جو قول وعمل سے دین کی دعوت دیتا ہے

انتہائی بدترین حالات میں اور کافروں کی منہ زور مخالفت کے باوجود ان لوگوں کا رویہ یقیناً انتہائی قابلِ تحسین ہے اور یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان کے ٹوٹے ہوئے دلوں اور زخم زخم جسموں پر تسکین واطمینان کا مرہم رکھتے ہیں۔ جن لوگوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنا رب بنایا، اس کے قانون کو اپنا قانون سمجھا، اس کی اطاعت کو زندگی کا رویہ بنا لیا اور دنیا بھر کے مخالفین کی مخالفت کے باوجود استقامت کی تصویر بنے رہے۔ یہ وہ بات ہے جو آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو تسکین دیتے ہوئے گزشتہ آیتوں میں فرمائی گئی ہے۔ اب ایک قدم آگے بڑھ کر یہ فرمایا جا رہا ہے کہ بات صرف اقرار اور استقامت کی نہیں بلکہ جس اللہ کی اطاعت کا عہد کیا ہے اور جس اللہ کو اپنا رب ماننے کا اعلان کیا ہے بات اس کے دین کی دعوت کی بھی ہے۔ سب سے زیادہ قابلِ قدر اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مستحق وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو رب ماننے اور ہر طرح کے حالات میں استقامت کی تصویر بن جانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتا ہے، اپنے قول سے بھی اور اپنے عمل سے بھی۔ کیونکہ اسے یہ بات بتا دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین انفرادی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اجتماعی تبدیلی کیلئے آیا ہے، وہ ایک ہمہ گیر انقلاب ہے۔ اس میں صرف اپنے ضمیر کو روشن کرنا کافی نہیں بلکہ اس روشنی کو عام کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کی مشعل صرف اپنے گھر میں جلتی رہنے سے اس کا وہ حقیقی مقصد پورا نہیں ہوتا جب تک وہ مشعل ہر گھر میں نہیں پہنچتی۔ اور اس کی روشنی سے ماحول منور نہیں ہو جاتا۔ اس لئے سب سے بہتر بات اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتا ہے اپنے قول سے بھی اور اپنے عمل سے بھی، کہ اللہ تعالیٰ نے جو بنیادی عقائد اس دین کی بنیاد بنائے ہیں اور جن چیزوں کو ضروریاتِ دین قرار دیا گیا ہے وہ ہر شخص کے سامنے ان میں سے ایک ایک بات کی وضاحت کرتا ہے اور ان کے دلوں کو ان بنیادی صداقتوں پر مطمئن کرنے اور دماغوں کے شک وارتیاب کے کانٹے چننے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر اسلام کے مخالفین اس کے قول وعمل کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور ان کی مخالفت بعض دفعہ انتہائی خطرناک صورت اختیار کر جاتی ہے۔ تو وہ بجائے منقارِ زیرِ پر ہونے کے پوری جرأت سے اپنے مسلمان ہونے اور اپنے فرمانبردار ہونے کا

Marfat.com

اعلان کرتا ہے۔ اور کوشش کرتا ہے کہ وہ ماحول جو کفر اور انکار کے کہر میں ڈوب گیا ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کے دین کی بات کہنا موت کی دعوت دینے کے مترادف ہو گیا ہے میں اس ماحول کو اپنی جرأت واستقامت اور اپنے عمل کی قوت سے اگر تار تار نہ کر سکا تو ایک چراغ جلا کر آنے والوں کو روشنی مہیا کرنے کی کوشش ضرور کروں گا تاکہ تاریکیاں ان پر حملہ آور ہو کر ان کی منزل کھوٹی کرنے کی کوشش نہ کریں۔

وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾

(اور نیکی اور بدی برابر نہیں، بدی کو اس نیکی سے ہٹاؤ جو بہترین ہو، پھر تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی دشمنی تھی گویا کہ وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ ۳۴)

مخالفانہ ماحول میں ایک داعی کا رویہ

اس آیتِ کریمہ میں انتہائی مخالفانہ ماحول کو بدلنے کی ترکیب بتائی گئی ہے۔ سب سے پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ مسلمانوں کو اس بات کا ادراک ہونا چاہئے کہ تم نے جو شمع جلا رکھی ہے جسے کافر ہر ممکن طریقے سے بجھا دینا چاہتے ہیں وہ نیکی کی شمع ہے اور کافروں کی کوششیں اس کے مقابلے میں ایک برائی اور بدی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نیکی کے سلسلے میں دو باتیں ہمیشہ ذہن میں رہنی چاہئیں۔ ایک تو یہ بات کہ نیکی کو قبول کرنے کیلئے بہت سی نفسانی خواہشات کی قربانی دینی پڑتی ہے، بگڑے ہوئے ماحول کا چلن اسے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے جو شخص بھی اس نیکی کا مبلغ بن کر اٹھتا ہے اسے اچھی طرح یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ میں ایک طوفان سے لڑنے کیلئے اٹھا ہوں۔ مخالف ہوائیں مجھے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیں گی۔ لیکن میں چونکہ نیکی کا مبلغ ہوں اس لئے اس کی ضرورت اور اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ میں اس کی قیمت ادا کرنے کی کوشش کروں۔ اور وہ قیمت یہ ہے کہ برائی میرا راستہ روکنے کیلئے کیسی بھی سر توڑ کوشش کرے میں اس تصور کو کبھی نہ بھولوں کہ نیکی اور بدی برابر نہیں۔ نیکی کو پھیلانے اور عام کرنے کیلئے ان تمام تکالیف کا سامنا کرنا اس راستے کی وہ سنت ہے جو کبھی نہیں بدلتی۔ اور دوسری یہ بات کہ میں جن لوگوں کو اپنا مخاطب سمجھتا ہوں اور نیکی کی روشنی ان کے دل و دماغ میں اتارنا چاہتا ہوں وہ نفسانی خواہشات، سفلی جذبات اور انفرادی اور اجتماعی مفادات کے بندے اور رسیا لوگ ہیں۔ وہ میری بات کو آسانی سے قبول نہیں کریں گے مجھے ان کے رویئے پر ہر حال میں صبر کرنا ہے۔ مجھے دلیل کی قوت اور اپنے عمل کی صداقت سے ان پر حق واضح کرنا ہے۔ یہ کام چونکہ بہت مشکل ہے اس لئے مجھے اس راستے میں آنے والی مشکلات سے دل گرفتہ نہیں ہونا چاہئے۔

مخالفانہ ماحول کو بدلنے کیلئے دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ دین کے دشمن اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کو روکنے والے کسی قاعدہ اور قانون کے پابند نہیں ہوتے۔ وہ نہ انسانی شرافتوں کو مانتے ہیں اور نہ اخلاقی قدروں کو۔ اللہ تعالیٰ کے دین کا راستہ روکنے کیلئے گھٹیا سے گھٹیا حرکت کو بھی اپنے لئے جائز سمجھتے ہیں۔ تم ان کے اس رویئے کو کبھی دشمنی پر محمول نہ کرنا۔ ان کی یہ حرکتیں ایسے لوگوں کی حرکتیں ہیں جو دماغی توازن کھو چکے ہوں اور قلبی احساسات سے محروم ہو چکے ہوں۔ ان کے پیشِ نظر صرف دین کی دعوت کو روکنا ہے اور تمہارے پیشِ نظر ایک فرض کی انجام دہی اور اس کیلئے ہر ممکن قربانی دینا ہے۔ اس لئے اگر وہ مخالفت میں تمہیں گالی دیں یا تمہارا گریبان پھاڑ دیں یا اس سے بھی قدم آگے

Marfat.com

بڑھاتے ہوئے کوئی اور نامناسب حرکت کریں تو تمہیں نہ صرف اسے برداشت کرنا ہے بلکہ اس پر دعا دینی ہے۔اور اگر کبھی موقع ہاتھ آئے تو ان کی زیادتیوں کے جواب میں ان پر احسان کرنا ہے۔ جیسے سیدنا حضرت حسنؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ جب وہ اپنے مہمانوں کے پاس بیٹھے تھے اور ان کا غلام کھانا لا رہا تھا، وہ گرم شوربے کا لبریز پیالہ لے کر آیا، اس کا پاؤں الجھا تو پیالہ اچھل کر سیدنا حسنؓ کی کمر پر جا گرا۔ گرم گرم شوربے نے ان کی کھال ادھیڑ ڈالی۔ انہوں نے نہایت غضب ناک ہو کر اپنے غلام کی طرف دیکھا۔ وہ بھی چونکہ خاندانِ نبوت میں پلا بڑھا تھا۔ فوراً اس نے قرآنِ کریم کی ایک آیت کا ایک جملہ پڑھا والکاظمین الغیظ ''اللہ کے نیک بندے غصے کو پی جایا کرتے ہیں۔'' حضرت حسنؓ نے فوراً آنکھیں جھکا لیں۔ پھر اس نے اگلا جملہ پڑھا والعافین عن الناس ''وہ لوگوں کو معاف کر دیا کرتے ہیں۔'' تو آپ نے کہا جا میں نے تجھے معاف کیا۔ پھر اس نے تیسرا جملہ پڑھا واللہ یحب المحسنین ''اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' حضرت حسنؓ نے فرمایا جا میں نے تجھے آزاد کیا۔ اندازہ فرمایئے کہ غلام سے ایک غلطی ہوئی تو آپ نے نہ صرف اس کی غلطی معاف فرمائی بلکہ اس پر احسان کرتے ہوئے اسے آزاد فرما دیا۔ یہاں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ آپ مخالفین کی اذیتوں کے مقابلے میں ان پر احسان کریں، مشکلات میں ان کے کام آئیں، کوئی ضرورت پیدا ہو تو ان کی مدد کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو آج آپ کے بدترین دشمن ہیں ایک وقت آئے گا کہ وہ آپ کے جگری دوست بن جائیں گے۔ کیونکہ بالعموم جس انسان میں انسانیت مر نہیں گئی وہ نیکی اور برائی کے فرق کو سمجھتا ہے۔ وہ نیکی کا راستہ روکتا ہے لیکن دل ہی دل میں شرمندہ بھی ہوتا ہے۔ اور اگر اس کی اذیتوں کے مقابلے میں نیکی کرنے والا بدی یا ظلم کا بدلہ لینے کی بجائے احسان و مروت سے کام لے تو کم ہی ایسے بدفطرت لوگ ہوتے ہیں جو اس کے بعد بھی اپنی مخالفت پر جمے رہیں۔

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾

(اور یہ بات نہیں ملتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ دولت ہاتھ نہیں آتی مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔ ۳۵)

داعیانہ رویہ بڑے صبر اور نصیب کی بات ہے

جفا کے مقابلے میں دعا اور ظلم کے مقابلے میں احسان کہنے کو تو ایک آسان سی بات ہے مگر اس پر عمل کرنا آسان نہیں۔ اس کیلئے بڑا دل گردہ، بڑا عزم، حوصلہ اور بڑی قوتِ برداشت چاہیے۔ وقتی طور پر ایک آدمی کی برائی کے مقابلے میں خاموش رہنا یا نیکی کا رویہ اختیار کرنا غیر معمولی بات نہیں۔ لیکن جہاں سالہا سال مخالفین کا رویہ بدلنے نہ پائے اور پھر جیسے ہی انہیں طاقت و اختیارات ملیں تو وہ بالکل بے قابو ہو جائیں، ایسے لوگوں کے ساتھ ہر برائی کے مقابلے میں نیکی کا رویہ اختیار کرنا اور کبھی بھی ضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا یہ آسان کام نہیں۔ یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس نے سوچ سمجھ کر صبر کا رویہ اختیار کیا ہو اور وہ یہ فیصلہ کر چکا ہو کہ مجھے صلہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے لینا ہے۔ میں جیسے جیسے صبر دکھاؤں گا ویسے ویسے میرے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اور پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک بلند مرتبے کا انسان ہو۔ اس کی سوچ بہت بلند، اس کا حوصلہ ناقابلِ شکست اور اس کی نگاہ دنیا کی بجائے ہمیشہ آخرت پر ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایسے ہی لوگ نصیبے والے لوگ ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو کسی شخص نے برا بھلا کہا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم اپنے کلام میں سچے ہو اور میں مجرم اور خطار ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے۔ اور اگر تم نے جھوٹ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرما دے۔ (قرطبی)

Marfat.com

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

(اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ سے پناہ مانگو، بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۳۶)

صاحبِ تفہیم القرآن نے اس پر ایک خوبصورت نوٹ لکھا ہے ہم یہاں اسے نقل کر رہے ہیں۔

شیطان کی اکساہٹ کا علاج

شیطان کو سخت تشویش لاحق ہوتی ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ حق و باطل کی جنگ میں کمینگی کا مقابلہ شرافت کے ساتھ اور بدی کا مقابلہ نیکی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح ایک ہی مرتبہ سہی، حق کیلئے لڑنے والوں اور خصوصاً ان کے سربرآوردہ لوگوں اور سب سے بڑھ کر ان کے رہنما سے کوئی ایسی غلطی کرا دے جس کی بنا پر عامۃ الناس سے یہ کہا جا سکے کہ دیکھئے صاحب، برائی یکطرفہ نہیں ہے، ایک طرف سے اگر گھٹیا حرکتیں کی جا رہی ہیں تو دوسری طرف کے لوگ بھی کچھ بہت اونچے درجے کے انسان نہیں، فلاں رکیک حرکت تو آخر انہوں نے بھی کی ہے۔ عامۃ الناس میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ ٹھیک انصاف کے ساتھ ایک طرف کی زیادتیوں اور دوسری طرف کی جوابی کارروائی کے درمیان موازنہ کر سکیں۔ وہ جب تک یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ مخالفین ہر طرح کی ذلیل حرکتیں کر رہے ہیں مگر یہ لوگ شائستگی و شرافت اور نیکی و راستبازی کے راستے سے ذرا نہیں ہٹتے، اس وقت تک وہ ان کا گہرا اثر قبول کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اگر کہیں ان کی طرف سے کوئی بیجا حرکت یا ان کے مرتبے سے گری ہوئی حرکت سرزد ہو جائے خواہ وہ کسی بڑی زیادتی کے جواب ہی میں کیوں نہ ہو تو ان کی نگاہ میں دونوں برابر ہو جاتے ہیں اور مخالفین کو بھی ایک سخت بات کا جواب ہزار گالیوں سے دینے کا بہانہ مل جاتا ہے۔ اسی بنا پر ارشاد ہوا کہ شیطان کے فریب سے چوکنے رہو، وہ بڑا دردمند و خیر خواہ بن کر تمہیں اشتعال دلائے گا کہ فلاں زیادتی تو ہرگز برداشت نہ کی جانی چاہئے اور فلاں بات کا تو منہ توڑ جواب دیا جانا چاہئے اور اس حملے کے جواب میں تو لڑ جانا چاہئے ورنہ تمہیں بزدل سمجھا جائے گا اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ ایسے ہر موقع پر جب تمہیں اپنے اندر اس طرح کا کوئی نامناسب اشتعال محسوس ہو تو خبردار ہو جاؤ کہ یہ شیطان کی اکساہٹ ہے جو غصہ دلا کر تم سے کوئی غلطی کرانا چاہتا ہے اور خبردار ہو جانے کے بعد اس زعم میں نہ مبتلا ہو جاؤ کہ میں اپنے مزاج پر بڑا قابو رکھتا ہوں، شیطان مجھ سے کوئی غلطی نہیں کرا سکتا ہے یہ اپنی قوتِ فیصلہ اور قوتِ ارادی کا زعم شیطان کا دوسرا اور زیادہ خطرناک فریب ہوگا۔ اس کی بجائے تم کو خدا سے پناہ مانگنی چاہئے کیونکہ وہی توفیق دے اور حفاظت کرے تو آدمی غلطیوں سے بچ سکتا ہے۔

اس مقام کی بہترین تفسیر وہ واقعہ ہے جو امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بے تحاشا گالیاں دینے لگا۔ حضرت ابو بکرؓ خاموشی کے ساتھ اس کی گالیاں سنتے رہے اور نبی کریم ﷺ انہیں دیکھ کر مسکراتے رہے۔ آخر کار جناب صدیقؓ کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور انہوں نے بھی جواب میں اسے ایک سخت بات کہہ دی۔ ان کی زبان

Marfat.com

سے وہ بات نکلتے ہی حضورؐ پر شدید انقباض طاری ہوا جو چہرہ مبارک پر نمایاں ہونے لگا اور آپ فوراً اٹھ کر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی اٹھ کر آپ کے پیچھے ہو لئے اور راستے میں عرض کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے، وہ مجھے گالیاں دیتا رہا اور آپ خاموش مسکراتے رہے، مگر جب میں نے اسے جواب دیا تو آپ ناراض ہو گئے؟ فرمایا: ''جب تم خاموش تھے، ایک فرشتہ تمہارے ساتھ رہا اور تمہاری طرف سے اس کو جواب دیتا رہا، مگر جب تم بول پڑے تو فرشتے کی جگہ شیطان آ گیا، میں شیطان کے ساتھ تو نہیں بیٹھ سکتا تھا۔''

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾

(اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند، سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ ۳۷)

توحید کے راستے کی ایک غلط فہمی کا ازالہ

توحید اور اس کے متعلقات کا مضمون جاری تھا کہ درمیان میں ایک تقریب کے تحت چند جملہ ہائے معترضہ پیش آ گئے، اب پھر اصل مضمون کو لیا جا رہا ہے اور مخاطب عام لوگ ہیں جو توحید اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بارے میں چند غلط فہمیوں کا شکار تھے۔ ان ہی میں سے ایک غلط فہمی یہ تھی کہ کائنات کے بڑے بڑے کُرّے اور اجرامِ فلکی جن کے ساتھ انسانوں کی بہت سی ضرورتیں وابستہ ہیں ان میں قوت و شوکت اور افادیتِ عامہ کو محسوس کرتے ہوئے لوگوں نے یہ تصور باندھ لیا کہ ان کی قوت اور ان کی افادیت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی نمود ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے خاص حیثیت دے رکھی ہے۔ ان کی پوجا پاٹ اور عبادت سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے کیونکہ ان کی عبادت درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہے۔ چنانچہ اس تصور کے تحت انہوں نے سورج اور چاند کی پوجا پاٹ اور بندگی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے ارشاد فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی ذات کی نمود نہیں بلکہ اس کی قدرت پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں ان پر غور کرنے سے کائنات اور اس کے نظام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس لئے جب تم ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی نمود سمجھ کر ان کو سجدہ کرتے ہو تو تم درحقیقت مخلوق کو خالق اور عابد کو معبود بنا دیتے ہو۔ ان کی عظمت اور افادیت اپنی جگہ لیکن وہ ان کی ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ سورج اسی کے حکم اور اسی کی عطا سے چمکتا ہے۔ اور چاند اسی کی مہربانیوں سے دمکتا ہے۔ سورج اور چاند کے ذکر سے پہلے رات اور دن کا ذکر درحقیقت ان کی محکومیت اور ان کے مخلوق ہونے کو نمایاں کرتا ہے۔ سورج چھپتا ہے تو رات آ جاتی ہے اور چاند نکل آتا ہے۔ اور پھر چاند چھپتا اور سورج نمودار ہو جاتا ہے تو دن آ جاتا ہے۔ اور شب و روز کا آنا جانا یہ ہماری روز کی دیکھی بھالی بات ہے۔ تو یہ دو کُرّے جس پابندی کے ساتھ شب و روز کے آنے کا سبب بنتے ہیں کیا ان کے بارے میں اس غلط فہمی کا کوئی جواز ہے کہ وہ خود خدا ہوں یا خدا کا مظہر۔ وہ تو ایسے ہی مجبور اور لاچار بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قانون میں بندھے ہوئے ہیں جیسے کائنات کا گوشہ گوشہ اس کے احکام کا پابند ہے۔ تو جو شخص ان دونوں کو سجدہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی نشانیوں کو سجدہ کرتا ہے۔ اور غیر اللہ کو سجدہ کرنا چونکہ حرام ہے اس لئے وہ ایک حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔

Marfat.com

عبادت کی نیت سے کسی بھی مخلوق کو سجدہ کرنا ہر شریعت میں حرام رہا ہے۔ البتہ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ تعظیم و تکریم کی نیت سے سجدہ پہلی شریعتوں میں جائز تھا لیکن اب باجماعِ امت سجدۂ عبادت کی طرح یہ بھی حرام ہے۔ البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ جو شخص عبادت کی نیت سے کسی کو سجدہ کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ اور جس نے محض تعظیم و تکریم کیلئے سجدہ کیا اس کو کافر تو نہ کہیں گے مگر ارتکابِ حرام کا مجرم اور فاسق ضرور کہا جائے گا۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ۩ ﴿۳۸﴾

(پس اگر یہ لوگ تکبر کریں تو جو لوگ آپ کے رب کے پاس ہیں وہ شب و روز اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور وہ کبھی نہیں تھکتے۔ ۳۸)

اللہ تعالیٰ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں ہے

گزشتہ آیت کے مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ مشرکینِ مکہ اتنے واضح دلائل کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے سے باز نہیں آتے اور مخلوقات میں سے بعض کو سجدہ کرتے ہیں اور بجائے آپ کی نصیحتوں پر کان دھرنے کے وہ تکبر کی وجہ سے انہیں سننے کے بھی روادار نہیں تو آپ بھی ان کی پرواہ نہ کریں۔ کائنات کا نظام جن فرشتوں کے ذریعے سے چل رہا ہے وہ شب و روز اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں، وہ ہمیشہ اس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہتے ہیں اور وہ ہر وقت یہ شہادت دے رہے ہیں کہ ان کا رب ہر طرح کے شرک سے بلند پاک اور منزہ ہے۔ اور پھر یہ ان کی تسبیح و تحمید اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لگے رہنا کوئی چند دنوں کی بات نہیں وہ تو ہمیشہ اس پر لگے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اس بندگی میں وہ کبھی نہیں تھکتے۔

اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ تمام اہلِ علم کے نزدیک یہاں سجدہ ہے۔ البتہ فقہاء کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ پیشِ نظر دو آیتوں میں سے کون سی آیت، آیتِ سجدہ ہے۔ قاضی ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ پہلی آیت کے ختم پر سجدہ کرتے تھے۔ یعنی اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ پر۔ اور اسی کو امام مالک نے اختیار فرمایا۔ لیکن حضرت ابنِ عباس، ابنِ عمر، سعید بن المسیب، مسروق، قتادہ، حسن بصری اور متعدد دوسرے اکابر وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ پر سجدے کے قائل تھے۔ امام ابوحنیفہ کا قول بھی یہی ہے اور شوافع بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ امام ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اختلاف کی بنا پر احتیاط بھی اسی میں ہے کہ دوسری آیت کے ختم پر سجدہ کیا جائے۔ کیونکہ اگر سجدہ پہلی آیت سے واجب ہو چکا ہے تو وہ اب ادا ہو جائے گا اور اگر اسی آیت سے واجب ہوا ہے تو اس کا ادا ہونا تو ظاہر ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

(اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ زمین دبی پڑی ہے، پھر جیسے ہی ہم نے اس پر پانی اتارا تو وہ پھبک اٹھتی ہے اور پھول جاتی ہے، بے شک جس ذات نے اس کو زندہ کیا ہے وہ مُردوں کو بھی زندہ کرے گا، بے شک وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ۳۹)

Marfat.com

توحید اور قیامت پر دلیل

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی توحید پر بھی دلیل ہے اور وقوع قیامت پر بھی۔ اور دلیل میں کاٹ ایسی ہے کہ اَن پڑھ سے اَن پڑھ آدمی کے دل میں بھی اتر جاتی ہے۔ اور پڑھے لکھے آدمی کے خیالات کے شبہات کو کاٹ کے رکھ دیتی ہے۔ اور ایسی عام فہم ہے کہ جو شخص بھی جزیرۂ عرب میں رہتا ہے یا اس جیسی سرزمین کے حالات سے واقف ہے وہ بہت دفعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوگا کہ بعض دفعہ مہینوں اور کبھی سالوں تک بارش برسنے کی نوبت نہیں آتی۔ پانی کے جوہڑ ختم ہو جاتے ہیں، چشمے خشک ہو جاتے ہیں اور کہیں سبزے کی پتی بھی دکھائی نہیں دیتی۔ زمین پر ایسی مردنی طاری ہوتی ہے کہ ہر طرف موت کا سناٹا چھا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں پروردگار کی رحمت جوش میں آتی ہے اور بارش نازل ہو جاتی ہے۔ وہ زمین جس میں زندگی کے آثار گم ہو چکے تھے، اچانک پھبک اٹھتی اور پھول جاتی ہے۔ موت کی جگہ جابجا زندگی کے آثار دکھائی دینے لگتے ہیں، سوکھے ہوئے درختوں میں نئی نئی کونپلیں نکل آتی ہیں، جوہڑوں میں پانی بھرنے سے مینڈکوں کے ٹرانے کی آوازیں آنے لگتی ہیں۔ چند ہی دنوں میں زمین مخمل کا لباس پہن لیتی ہے۔ یہ صرف بارش کے چند چھینٹوں سے مردہ زمین کا زندہ ہو جانا کیا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ جو قادرِ مطلق مردہ زمین کو زندہ کر سکتا ہے وہ مردوں کو بھی از سرِ نو زندہ کر سکتا ہے، کیونکہ وہ ہر بات پر قادر ہے جس کی قدرت سوکھے درختوں اور مردہ زمین سے اپنا ظہور کرتی ہے آخر وہ مردوں کو زندگی کیوں نہیں عطا کر سکتی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴۰﴾

(بے شک جو لوگ ہماری آیات کو الٹے معنی پہناتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں، بھلا وہ شخص بہتر ہے جو آگ میں ڈالا جائے گا یا وہ شخص جو قیامت کے روز امن کی حالت میں آئے گا، کیے جاؤ جو چاہو، بے شک وہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ ۴۰)

اس آیت کی تفسیر میں صاحبِ معارف القرآن نے جو کچھ لکھا ہے ہم اسے افادۂ عام کیلئے نقل کر رہے ہیں۔

کفر کی ایک خاص قسم الحاد ہے، اس کی تعریف اور احکام

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا اس سے پہلی آیات میں ان منکرینِ توحید و رسالت کو زجر و تنبیہ اور ان کے عذاب کا ذکر تھا جو رسالت و توحید کا کھل کر صاف انکار کرتے تھے۔ یہاں سے انکار کی ایک خاص قسم کا ذکر کیا جاتا ہے جس کا نام الحاد ہے۔ لحد اور الحاد کے لغوی معنی ایک طرف مائل ہونے کے ہیں۔ قبر کی لحد کو بھی اسی لئے لحد کہتے ہیں کہ وہ ایک طرف مائل ہوتی ہے۔ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں آیات قرآنی سے عدول و انحراف کو الحاد کہتے ہیں۔ لغوی معنی کے اعتبار سے یہ عام ہے صراحۃً کھلے طور پر انکار و انحراف کرے یا تاویلات فاسدہ کے بہانہ سے انحراف کرے۔ لیکن عام طور سے الحاد ایسے انحراف کو کہتے ہیں کہ ظاہر میں تو قرآن اور اس کی آیات پر ایمان و تصدیق کا دعویٰ کرے مگر ان کے معانی اپنی طرف سے ایسے گھڑے جو قرآن و سنت کی نصوص اور جمہور امت کے خلاف ہوں اور جس سے قرآن کا مقصد ہی الٹ

Marfat.com

جائے۔حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں الحاد کے معنی یہی منقول ہیں فرمایا الا لحادھو وضع الکلام علیٰ غیر موضعه۔اور آیت مذکورہ میں ارشاد لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا بھی اس کا قرینہ ہے کہ الحاد کوئی ایسا کفر ہے جس کو یہ لوگ چھپانا چاہتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہم سے اپنا کفر نہیں چھپا سکتے۔

اور آیت مذکورہ نے صراحۃً یہ بتلا دیا کہ آیاتِ قرآنی سے انکار و انحراف صاف اور کھلے لفظوں میں ہو یا معانی میں تاویلات باطلہ کر کے قرآن کے احکام کو بدلنے کی فکر کرے یہ سب کفر وضلال ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ الحاد ایک قسم کا کفر اور نفاق ہے کہ ظاہر میں قرآن اور آیاتِ قرآن کو ماننے کا دعویٰ اور اقرار کرے لیکن آیاتِ قرآنی کے معانی ایسے گھڑے جو دوسری نصوص قرآن وسنت اور اصول اسلام کے منافی ہوں۔امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں فرمایا:

کذالک الزنادقة الذین یلحدون وقد کانوا یظھرون الاسلام

(ایسے ہی وہ زندیق لوگ ہیں جو الحاد کرتے ہیں اور بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ ملحد اور زندیق دونوں ہم معنی ہیں جو ایسے کافر کو کہا جاتا ہے جو ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرے اور حقیقت میں اس کے احکام کی تعمیل سے انحراف کا یہ بہانہ بنائے کہ قرآن کے معانی ہی ایسے گھڑے جو خلافِ نصوص وخلافِ اجماعِ امت ہوں۔

ایک مغالطہ کا ازالہ

کتب عقائد میں ایک ضابطہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ متاوّل کو کافر نہیں کہنا چاہئے یعنی جو شخص عقائد باطلہ اور کلماتِ کفریہ کو کسی تاویل سے اختیار کرے وہ کافر نہیں۔لیکن اس ضابطہ کا مفہوم اگر عام لیا جائے کہ کیسے ہی قطعی اور یقینی حکم میں تاویل کرے اور کیسی ہی فاسد تاویل کرے وہ بہر حال کافر نہیں تو اس کا نتیجہ یہ لازم آتا ہے کہ دنیا میں مشرکین، بت پرست اور یہود ونصاریٰ میں سے کسی کو بھی کافر نہ کہا جائے کیونکہ بت پرست مشرکین کی تاویل تو قرآن میں مذکور ہے۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی یعنی ہم بتوں کی فی نفسہ عبادت نہیں کرتے بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں سفارش کر کے اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں تو درحقیقت عبادت اللہ ہی کی ہے۔مگر قرآن نے ان کی اس تاویل کے باوجود انہیں کافر کہا، یہود ونصاریٰ کی تاویلیں تو بہت ہی مشہور ومعروف ہیں جن کے باوجود قرآن وسنت کی نصوص میں ان کو کافر کہا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا ہے کہ متاول کو کافر نہ کہنے کا مفہوم عام نہیں۔

اسی لئے علماء وفقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ تاویل جو تکفیر سے مانع ہوتی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ ضروریاتِ دین میں ان کے مفہوم قطعی کے خلاف نہ ہو۔ضروریاتِ دین سے مراد وہ احکام ومسائل ہیں جو اسلام اور مسلمانوں میں اتنے متواتر اور مشہور ہوں کہ مسلمانوں کے اَن پڑھ جاہلوں تک کو بھی ان سے واقفیت ہو جیسے پانچ نمازوں کا فرض ہونا۔صبح کی دو،ظہر کی چار رکعت کا فرض ہونا۔رمضان کے روزے فرض ہونا،سود،شراب،خنزیر کا حرام ہونا

Marfat.com

وغیرہ۔ اگر کوئی شخص ان مسائل سے متعلق آیاتِ قرآن میں ایسی تاویل کرے جس سے مسلمانوں کا متواتر اور مشہور مفہوم الٹ جائے، وہ بلاشبہ باجماع امت کافر ہے، کیونکہ وہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے انکار ہے اور ایمان کی تعریف جمہور امت کے نزدیک یہی ہے کہ:

تَصدیق النّبی صلّی اللّٰہ عَلیہِ وسَلّم فیما علم مجیئہٗ بہٖ ضرورۃ (یعنی نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرنا ان تمام امور میں جن کا بیان کرنا اور حکم کرنا رسول اللہ ﷺ سے ضرورۃً ثابت ہو یعنی ایسا یقینی ثابت ہو کہ علماء کے سوا عوام بھی اس کو جانتے ہوں۔

اس لئے کفر کی تعریف اس کے بالمقابل یہ ہوگی کہ جن چیزوں کا لانا رسول اللہ ﷺ سے ضروری اور قطعی طور پر ثابت ہو ان میں سے کسی کا انکار کفر ہے۔

تو جو شخص ایسی ضروریاتِ دین میں تاویل کر کے اس حکم کو بدلے وہ آپ کی لائی ہوئی تعلیم کا انکار کرتا ہے۔

اس زمانے میں کفر والحاد کی گرم بازاری

اس زمانے میں ایک طرف تو دین اور احکام دین سے جہالت اور غفلت انتہا کو پہنچ گئی کہ نئے لکھے پڑھے لوگ بہت سی ضروریاتِ دین سے بھی ناواقف رہتے ہیں۔ دوسری طرف جدید بے خدا تعلیم جس کی بنیاد ہی مادہ پرستی پر ہے۔ کچھ اس کے اثر سے، اس پر مزید یورپ کے مستشرقین کے پھیلائے ہوئے اسلام کے خلاف شبہات واوہام سے متاثر ہو کر بہت سے ایسے لوگوں نے اسلام اور اصول اسلام پر بحث و گفتگو شروع کر دی ہے جن کو اسلام کے اصول و فروغ، قرآن و حدیث کے علوم سے کوئی واسطہ نہیں۔ انہوں نے اسلام کے متعلق اگر کچھ معلومات بھی حاصل کی ہیں تو اہلِ یورپ دشمنان اسلام سے حاصل کی ہیں۔ ایسے لوگوں نے قرآن و حدیث کی نصوص قطعیہ ضروریہ میں طرح طرح کی باطل تاویلیں کر کے شریعت اسلام کے متفق علیہ اور نصوص قطعیہ سے ثابت شدہ احکام کی تحریف کو اسلام کی خدمت سمجھ لیا۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ کھلا کفر ہے تو وہ مشہور ضابطہ کا سہارا لیتے ہیں کہ ہم اس حکم کے منکر تو نہیں بلکہ ایک تاویل کر رہے ہیں اس لئے ہم پر یہ کفر عائد نہیں ہوتا۔

اسی لئے وقت کی اہم ضرورت سمجھ کر ہمارے استاذ حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ہے اکفار المحدین والمتاولین فی شیءٍ من ضروریات الدین۔ اس میں ہر طبقہ ہر مسلک کے علماء و فقہاء کی تصریحات سے ثابت کیا ہے کہ ضروریاتِ دین میں کسی کی تاویل مسموع نہیں اور یہ تاویل ان کی تکفیر سے مانع نہیں۔ یہ کتاب بزبان عربی شائع ہوئی ہے، احقر نے اس کا خلاصہ اردو زبان میں بنام "کفر و اسلام قرآن کی روشنی میں" شائع کر دیا ہے۔ اور احکام القرآن حزبِ خامس میں اس کا خلاصہ بزبان عربی بیان کر دیا ہے اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ایک تحریر سے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

حضرت شاہ عبدالعزیز نے فرمایا کہ آیات قرآن میں تاویل باطل جس کو قرآن کی آیت مذکورہ میں الحاد فرمایا ہے اس کی تین قسمیں ہیں اول وہ تاویل باطل جو نصوص قطعیہ متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو وہ تو بلاشبہ کفر ہے۔ دوسری یہ کہ وہ ایسی نصوص کے خلاف ہو جو اگر چہ ظنی ہیں مگر قریب بہ یقین ہیں یا اجماع عرف کے خلاف ہو۔ ایسی تاویل گمراہی اور فسق ہے، کفر نہیں۔ ان دو قسم کی تاویلوں کے علاوہ باقی تاویلات جو قرآن وحدیث کے الفاظ میں مختلف احتمالات ہونے کی بنا پر ہوں وہ تاویل عام فقہاء امت کا میدان اجتہاد ہے جو بتصریح حدیث ہر حال میں باعث اجر وثواب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ﴿۴۲﴾

(بے شک جن لوگوں نے قرآنِ کریم کو ماننے سے انکار کیا جب وہ ان کے پاس آ گیا، (توانہوں نے اپنی قسمت پھوڑ لی) بے شک وہ ایک نادر کتاب ہے۔ ۴۱) اس میں باطل نہ سامنے سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، یہ خدائے حکیم وحمید کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ ۴۲)

قرآنِ کریم جیسی عظیم کتاب کے انکار پر اظہارِ تعجب

آنحضرت ﷺ کی دعوت کے مخالفین پر ایک طرح سے اتمامِ حجت کرتے ہوئے پروردگار ارشاد فرما رہا ہے کہ ان لوگوں کو اندازہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی نعمت ان کی دنیا وعقبیٰ سنوارنے کیلئے ان پر نازل فرمائی ہے۔ اور انہوں نے نبی آخر الزماں ﷺ کی اثر آفریں زبان سے اس کی تلاوت بھی سنی۔ اور ان کی دلآویز شخصیت کو اس کی وضاحت کرتے اور اس کا حق ادا کرتے ہوئے بھی دیکھا۔ لیکن اس کا انکار کر کے انہوں نے اپنی قسمت پھوڑ لی۔ اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کا انکار محض سنی سنائی باتوں پر نہیں کیا بلکہ اس وقت اس کا انکار کیا جب وہ فی الواقع ان کے درمیان پڑھی جا رہی تھی، اس کے حقائق واضح کیے جا رہے تھے اس کی فصاحت وبلاغت ان کی زبانوں کو بند کیے دے رہی تھی اور جو شخص بھی ایک دفعہ اسے قبول کر لیتا تھا اس کا ایمان اور استقامت بجائے خود ان کیلئے سوالیہ نشان بن جاتی تھی۔ لیکن بدنصیبی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ انہوں نے پھر بھی اس کا انکار کیا، حالانکہ حقیقت میں وہ کتاب ایک نادر کتاب ہے، ایک زوردار کتاب ہے اور ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ اور اس کے حقائق، اس کی تعلیم، اس میں پیش کردہ نظام زندگی اس قدر محفوظ ہے کہ باطل نہ اسے سامنے سے چیلنج کر سکتا ہے اور نہ پسِ پشت اس پر عیب لگا سکتا ہے۔ زمانے کے ہزاروں انقلابات کے بعد بھی کبھی اس کے بیان کردہ حقائق اور حکمتوں میں کوتاہی یا کمی تلاش نہیں کر سکتا۔ باطل سے مراد شیطان اور شیطانی قوتیں بھی ہیں اور تمام بگڑی ہوئی انسانی قوتیں بھی۔ جو کتاب انسانی فہم وفراست سے اس قدر بلند اور اس کی زندگی کیلئے اتنی بڑی نعمت اور اپنے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے اتنی عظیم ہو۔ کس قدر بدنصیب ہے وہ شخص جو اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔

Marfat.com

قرآنِ کریم کے نزول سے پہلے جتنی کتابیں بھی اتاری گئی ہیں ان میں سے کسی کتاب کی حفاظت کے بارے میں پروردگار نے کبھی وعدہ نہیں فرمایا۔ کیونکہ پروردگار سے بڑھ کر اس بات کو کوئی نہیں جانتا تھا کہ بڑی سے بڑی حقیقت بھی فکری ارتقاء کے ساتھ ساتھ اور حالات کے تغیرات کے نتیجے میں کبھی نہ کبھی تبدیلی کا شکار ہوتی ہے۔ اور انسانی حالات کے تقاضے کے طور پر نئے احکام کی ضرورت پڑتی اور تربیت کے نئے انداز اختیار کئے جاتے ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم واحد کتاب ہے کہ جس کی نہ صرف حفاظت کا وعدہ فرمایا بلکہ اس کے جمع کرنے، اس کے سنانے اور پھر اس کی وضاحت کی ذمہ داری بھی پروردگار نے خود اپنے ذمہ لی۔ سورۃ القیمۃ کی آیت ۱۶ تا ۱۹ میں یہی بات ارشاد فرمائی گئی ہے۔ اور پھر اس کی حفاظت کے اسباب اس طرح فراہم فرمائے کہ جب اس کتاب کو نازل کیا جاتا تو فرشتوں کی فوجیں اس کی حفاظت کیلئے حاملِ وحی کی ہمرکاب ہوتیں۔ اس طرح شیاطین کی دخل اندازی سے اسے محفوظ کر دیا گیا۔ پھر جس عظیم فرشتے کو اس کتاب کا حامل بنایا گیا وہ حضرت جبریلِ امین علیہ السلام ہیں جسے قرآنِ کریم نے ذِی قُوَّۃٍ، مطاع، قوی، امین اور عندذی العرش مکین قرار دیا ہے۔ اس کی قوتوں کے سامنے یقیناً تمام ارواحِ خبیثہ بے بس ہیں۔ پھر اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کیلئے جس ذاتِ عزیز کو منتخب فرمایا گیا وہ نہ صرف خیر الخلائق ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمایت و نصرت اور فرشتوں کی تائید ہر وقت اس کے ہمرکاب رہتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ان عظیم صحابہ کی معیت عطا فرمائی جن سے زیادہ پاکیزہ صفت، سرفروش، وفاشعار اور اطاعت و اتباع کے پیکر کسی پیغمبر کو نہیں دیئے گئے۔ اور حفاظتِ قرآن کا انہیں ایسا ذوق بخشا گیا کہ جتنا قرآنِ کریم نازل ہوتا جلیل القدر صحابہ اسے پہلی فرصت میں یاد کرنے کی کوشش کرتے۔ اور پھر پانچ وقت نمازوں میں قرآنِ کریم کو دہرایا جاتا۔ جہری نمازوں میں آنحضرت ﷺ بعض اوقات لمبی سورتیں تلاوت فرماتے تاکہ صحابہ اپنے حفظ کو تازہ رکھ سکیں۔ جب رمضان المبارک آتا تو آنحضرت ﷺ حضرت جبریل کے ساتھ اس کا مذاکرہ فرماتے اور صحابہ کرام ٹولیوں میں بٹ کر ایک دوسرے سے مذاکرہ کرتے۔

اور پھر قرآنِ کریم کو ایسی فصیح و بلیغ زبان میں نازل کیا گیا اور اس میں بے شمار اعجاز کی صورتیں پیدا فرمائی گئیں جن میں سے کسی ایک کا جواب بھی انسانوں کے بس کی بات نہ تھی۔ حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کا اپنا کلام بھی باوجودیکہ آپ افصح العرب والعجم ہیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس وجہ سے اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ کسی غیر کا کلام اس کے ساتھ مخلوط ہوسکے۔ اور پھر قیامت تک آنے والی امت کے نونہالوں میں حفظِ قرآن کی ایسی جوت جگادی گئی کہ ہر دور میں قرآنِ کریم کے حفاظ کی تعداد کروڑوں میں شمار کی گئی جنہوں نے اپنی قوتِ حفظ سے قرآنِ پاک کی ایسی حفاظت کی کہ دنیا سے اگر پریس ختم بھی ہوجائیں تو قرآنِ کریم کے مٹ جانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ جو کتاب ان صفات کی حامل ہو اور جسے اللہ تعالیٰ نے یہ عظمت بخشی ہو اس کا انکار کرنا اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے تو دوسری طرف اپنی دنیا و عقبیٰ سے دشمنی کرنے کے مترادف ہے۔

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾

(اے پیغمبر! آپ کو وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو آپ سے پہلے آنے والے رسولوں کو کہا گیا ہے، بے شک آپ کا رب بڑی مغفرت والا بھی ہے اور دردناک عذاب دینے والا بھی۔ ۴۳)

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کو تسلی

اس آیتِ کریمہ میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ یہ گمان نہ کریں کہ آپ کی قوم نے آپ کے ساتھ جوروبیہ اختیار کر رکھا ہے اور نہایت دریدہ دہنی اور سنگدلی کا جو معاملہ آپ کے ساتھ کیا جارہا ہے یہ تاریخ مذہب میں شاید پہلا واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر رسول کے ساتھ اس کی قوم نے ہمیشہ یہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ وہ ان کی اصلاح اور بھلائی کیلئے خون کے گھونٹ پی پی کر کوششیں کرتے تھے، لیکن قوم ان کی دعاوٴں کے جواب میں گالیاں دیتی تھی، ان کے دلائل کو خرافات کہا جاتا تھا اور ان کی غمگساری کی باتوں کو جنون سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ لیکن وہ سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ یہی کچھ آپ کے ساتھ ہورہا ہے۔ اس لئے اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں۔

زمانہ یونہی اپنے محسنوں کو تنگ کرتا ہے
وہ درسِ صلح دیتے ہیں یہ ان سے جنگ کرتا ہے

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایسے ظالموں کو پروردگار کھلی چھوٹ دے دیتا ہے اور کبھی انہیں سرزنش نہیں کرتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس قوم کی طرف بھی اپنا رسول بھیجتا ہے انہیں تاحدِ امکان سنبھلنے کی مہلت دیتا ہے۔ ایمان لانے کیلئے زیادہ سے زیادہ ڈھیل دیتا ہے۔ لیکن جب ان کے انکار و تمرد کا پیمانہ بھر جاتا ہے اور مہلت کا وقت گزر جاتا ہے تو پھر ان کی گرفت ہوتی ہے۔ یہ انہیں زیادہ سے زیادہ ڈھیل دینا اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ نہایت عفوو درگزر روالا اور مغفرت فرمانے والا ہے۔ وہ کسی کیلئے یہ کہنے کا موقع نہیں چھوڑتا کہ ہمیں سزا دینے میں جلدی کی گئی ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام مراعات کے باوجود وہ اپنا رویہ بدلنے کی کوشش نہیں کرتے تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجاتا ہے۔ قریش اور ان کے ہم خیال لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے جو ڈھیل دے رکھی ہے وہ اس کی اسی عادت کا نتیجہ ہے۔ لیکن وہ وقت دور نہیں کہ اگر انہوں نے اپنی ہٹ دھرمی نہ چھوڑی تو اللہ تعالیٰ انہیں بدترین سزا دے گا۔ لیکن یہ سزا آخری اور مکمل نہیں ہوگی بلکہ آخری اور مکمل سزا قیامت کے دن ملے گی۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ ؕ
قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ
وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾

(اگر ہم اس کو عجمی قرآن بنا کر بھیجتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیات کی وضاحت کیوں نہیں کی گئی۔ کیا کلام عجمی اور مخاطب عربی، آپ کہہ دیجئے یہ ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائیں ہدایت اور شفاء ہے۔ اور جو لوگ ایمان نہ لائیں ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ ان پر اندھاپن ہے، یہ لوگ دور کی جگہ سے پکارے جائیں گے۔ ۴۴)

Marfat.com

ایک اعتراض اور اس کا جواب

قرآنِ کریم کی دعوت کو لوگوں میں بے اثر بنانے کیلئے اشرارِ قریش نے بالعموم یہود کی مدد سے طرح طرح کے اعتراضات اٹھاتے تا کہ انہیں اعتراضات میں الجھا کر عام لوگوں کو قرآنِ کریم کی دعوت سے اتنا بدگمان کر دیا جائے کہ وہ کبھی بھی آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں۔ ایسے اعتراضات میں سے یہ بھی ایک اعتراض تھا کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تو اس میں یقیناً کوئی غیر معمولی بات ہوتی، اور ہر سننے والا اور دیکھنے والا پہلی نظر میں جان لیتا کہ اس قرآن کا پیش کرنے والا یقیناً اللہ تعالیٰ کا رسول ہے ورنہ ایسی بات کسی اور سے تو ممکن ہی نہیں ہو سکتی۔ یعنی اگر یہ قرآن نبی کریم ﷺ نے خود نہیں بنایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو پھر اسے کسی اور زبان میں نازل ہونا چاہئے۔ جو زبان رسالت کا دعویٰ کرنے والا نہ جانتا ہوتا تو خود بخود یہ بات واضح ہو جاتی کہ جب انہیں یہ زبان سرے سے آتی ہی نہیں تو اس میں کسی کتاب کا پیش کرنا یا کسی ایک سورۃ کا بھی پڑھ کے سنا دینا یقیناً اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوگا۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور عربی زبان خود محمد ﷺ کی مادری زبان ہے۔ اپنی زبان میں کوئی تقریر کر لینا یا مضمون پیش کر دینا کون سی حیران کن بات ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں نازل کرتے تو تم میں سے ہر شخص اعتراض کرتا کہ جس زبان کو ہم نہیں جانتے اس زبان میں وحی کے نازل ہونے کا کیا مطلب ہے۔ کیونکہ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے زبان کی اجنبیت کے باعث ہم تو اسے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یا تو پھر اس کا ترجمہ کیا جاتا اور اس کی ایک ایک بات کی وضاحت کی جاتی، ورنہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ جنہیں سنایا جا رہا ہے وہ عربی ہیں اور قرآنِ کریم عجمی زبان میں نازل کیا جا رہا ہے۔ یہ بے تکا پن اللہ تعالیٰ کے کلام میں تو کبھی نہیں ہو سکتا۔ غرضیکہ اس طرح کے اعتراضات قریش اور دوسرے لوگوں کے آنحضرت ﷺ کی دعوت کو ناکام کرنے کے بہانے تھے۔ اصل بیماری انہیں یہ ہے کہ وہ کسی قیمت پر ایمان نہیں لانا چاہتے۔ اور انہیں کسی طرح یہ گوارا نہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مان لیا جائے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ انہیں یہ بتا دیجئے کہ قرآنِ کریم ان لوگوں کیلئے ہدایت اور شفاء ہے جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی قدر کرتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اس کا اعتراف کرنے کیلئے تیار نہیں اور وہ کسی طور پر بھی ایمان لانا پسند نہیں کرتے۔ وہ اس کتاب سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ ان کے کان بھی اس کے سننے سے بند ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کانوں میں بوجھ ہے جس نے ان کی قوتِ سماعت سلب کر دی ہے۔ اور ان کی بصارت نے بھی کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اس طرح سے وہ قبولِ حق کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا رسول جب ان کے سامنے قرآنِ کریم پڑھتا ہے اور ان کے سامنے دین کی دعوت پیش کرتا ہے تو چونکہ یہ لوگ کسی طرح بھی قرآنِ کریم کی ہدایت کو قبول نہیں کرنا چاہتے اس لئے وہ دعوت ان کیلئے ایسی اجنبی ہو کر رہ گئی ہے جیسے کسی شخص کو دور سے پکارا جائے تو ظاہر ہے اسے ایک مجمل سی آواز تو سنائی دے گی لیکن کیا کہا جا رہا ہے اس کو وہ نہیں سمجھ سکے گا۔

Marfat.com

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ
فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ ۗ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿٤٥﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا
فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٤٦﴾
اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۗ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَ
مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۗ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ
قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ
مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٤٨﴾ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ
الْخَيْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا
مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ
وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٥٠﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا
عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ
عَرِيْضٍ ﴿٥١﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ
اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۗ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ

Marfat.com

اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴿۵۴﴾

رکوع: ۶۔ (ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب عطا کی تو اس میں اختلاف پیدا کر دیا گیا، اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، بے شک یہ لوگ اس کی طرف سے سخت اضطراب انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۴۵) جو نیک عمل کرے گا اپنے ہی لئے کرے گا، اور جو بدی کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا، اور آپ کا رب بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ ۴۶) اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم، اور کوئی پھل اپنے غلاف سے باہر نہیں نکلتا، اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ جنتی ہے مگر اسی کے علم سے، پھر جس روز وہ ان لوگوں کو پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک؟ تو وہ کہیں گے ہم نے تجھ سے عرض کر دیا کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کی گواہی دینے والا نہیں ہے۔ ۴۷) اور گم ہو جائیں گے ان سے وہ سارے معبود جن کو وہ اس سے پہلے پکارتے رہے تھے اور وہ یقین کر لیں گے کہ اب ان کیلئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ ۴۸) انسان کبھی بھلائی کی دعا سے نہیں تھکتا، اور اگر اس کو کوئی تکلیف آ جائے تو مایوس و دل شکستہ ہو جاتا ہے۔ ۴۹) اور اگر ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں اس تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں اسی کا مستحق ہوں اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئے گی، اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو بے شک میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہے، بس ہم ضرور آگاہ کریں گے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا، ان کے اعمال سے متعلق، اور انہیں ایک سخت عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے۔ ۵۰) جب ہم انسان کو نعمتوں سے نوازتے ہیں تو وہ منہ پھیرتا ہے اور پہلو بچا کے نکل جاتا ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے۔ ۵۱) اے پیغمبر ان سے کہہ دیجئے تم نے کبھی غور کیا کہ اگر واقعی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوا اور تم نے اس کا انکار کیا تو اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اس کی مخالفت میں دور تک نکل گیا ہو۔ ۵۲) عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں دکھائیں گے اور خود ان کے اندر بھی، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن بالکل حق ہے، کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے۔ ۵۳) آگاہ رہو یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات میں شک رکھتے ہیں، خبردار وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ۵۴)

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۴۵﴾

(ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب عطا کی تو اس میں اختلاف پیدا کر دیا گیا، اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، بے شک یہ لوگ اس کی طرف سے سخت اضطراب انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۴۵)

Marfat.com

ایک اور اعتراض اور اس کا جواب

اس آیت میں بھی کفارِ مکہ کے ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ اعتراض پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات انہیں یہود کی طرف سے سجھائی گئی ہوگی۔ اعتراض یہ ہے کہ قرآنِ کریم اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں ایک عظیم رسول کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تھے اور ان پر پروردگار نے تورات نازل فرمائی تھی۔ وہ آج بھی یہود کے پاس موجود ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اس کتاب کی موجودگی میں آخری کتاب نازل کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ قرآنِ کریم نے مختلف مواقع پر مختلف پہلوؤں سے اس کا جواب دیا ہے۔ یہاں ایک نئے پہلو سے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تورات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ کتاب اپنی اصل حالت پر قائم ہے؟ کیا خود اس کے اسفار میں اس قدر اختلاف اور تناقض پیدا نہیں کر دیا گیا کہ اصل بات کو سمجھنا مشکل ہو گیا ہے۔ تورات کے مختلف حصوں میں ایک ہی بات اتنے متضاد طریقوں سے بیان کی گئی ہے کہ اصل حقیقت گم ہو کر رہ گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کی پیشگوئیاں جو تورات میں موجود تھیں یہود نے جس طرح انہیں توڑا اور مروڑا اور ان کی حالت کے بدلنے کی کوشش کی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تورات میں کس حد تک تحریف اور ترمیم کی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعلق کو مکہ معظمہ سے منقطع کرنے کیلئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح اللہ ہونے سے انکار کیلئے جس طرح جگہوں کے نام بدلے گئے، پہاڑوں کے ناموں کے تلفظ میں تبدیلیاں کی گئیں اسے آج بھی تورات میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور اس پر مزید یہ کہ تورات کو ایسے حوادث سے واسطہ پڑا کہ جس سے اس کی بقاء مخدوش ہو کر رہ گئی۔ ایک سے زیادہ مرتبہ اسے جلایا گیا اور بختِ نصر نے صرف ہیکلِ سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ نہیں بجائی بلکہ تورات کو بھی ختم کرنے کی انتہائی کوشش کی اور جہاں بھی اس کا کوئی نسخہ ملا اسے جلا ڈالا۔ اس کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام نے علماء یہود کی مدد سے تورات کو از سرِ نو مرتب کیا اور اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ وہ مرتب ہونے والی تورات اصل تورات نہیں بلکہ یہود کی تاریخ اور تورات کی بعض آیات کا ایک مرکب ہے جسے عہدِ عتیق کے نام سے پیش کیا گیا ہے۔ جو شخص بھی تورات کے تناقضات اور تورات کی تاریخ پر نظر رکھتا ہے اس کیلئے یہ بات سمجھنا مشکل نہیں کہ قرآنِ کریم کے نزول کی ضرورت کیوں تھی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا تھا کہ جب اہلِ کتاب کی مہربانیوں سے تورات و انجیل بدل ڈالی گئی اور انسانیت اللہ تعالیٰ کی حقیقی رہنمائی سے محروم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ضرورت کے تحت اپنی آخری کتاب نازل فرمائی اور اپنے آخری رسول کو مبعوث فرمایا۔

یہود نے تورات کے ساتھ جو کچھ کیا اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا برستا اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ ہر امت کے فیصلہ کیلئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اس وجہ سے ان کو بھی مہلت دی گئی۔ اور پھر قدرت نے عبرت کے طور پر آج تک انہیں زندہ رکھا ہے تاکہ لوگ بچشم سر دیکھ سکیں کہ ایسی قوم جو کبھی حاملِ دعوت امت رہی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ کے احسانات بارش کی طرح برستے رہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے دین سے اعراض کر کے اپنا مقدر کھو دیتی ہے تو اس کے بگاڑ کی صورتیں کیا ہوتی ہیں۔ اور اس کے سیرت و کردار میں وقت کے ساتھ ساتھ کیا تبدیلیاں آتی ہیں۔ آج اگر کوئی اجتماعی زندگی کے مقاصد اور حکمتوں کو جاننے اور عروج و زوال کے فلسفہ کو سمجھنے کیلئے قومِ یہود کی تاریخ اور عہد بہ عہد ان کی بدلنے والی حالت کو سمجھنے کی کوشش کرے تو یہود کا وجود اس کیلئے بسا غنیمت ہے۔

Marfat.com

آیت کے آخر میں کفارِ مکہ کی ذہنی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ بظاہر آنحضرت ﷺ کی دعوت کی ایک ایک بات کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔ ہر بات کا مذاق اڑاتے اور مسلمانوں کو تختۂ مشق بنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور انہوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ وہ اسلام کی دعوت کو یہاں پنپنے نہیں دیں گے۔ لیکن حقیقت میں وہ ایک ذہنی اذیت میں مبتلا ہیں۔ ایک طرف ان کا ذاتی مفاد، ان کے نفس کی خواہشات اور ان کے جاہلانہ تعصبات انہیں اکساتے ہیں کہ تم اسلام کی دعوت کو جمنے اور آگے بڑھنے کا موقع نہ دو اور دوسری طرف ان کی ذہنی کیفیت یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی شخصیت، آپ کے بے عیب کردار، حق پر آپ کی استقامت اور ان کی تمام دنیوی پیشکشوں سے آپ کی بے نیازی بار بار انہیں سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ہم جو کچھ اس ذاتِ عزیز کے بارے میں کہتے ہیں کیا وہ سچ ہے، کیا ایسا شخص کبھی مجنون ہو سکتا ہے، کیا ایسے شخص پر شیاطین اتر سکتے ہیں، کیا کبھی کسی شاعر نے اس طرح کا کلام اور اس طرح کی خدا پرستی، نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم بھی دی ہے، وہ شخص جس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا کیا وہ اب ڈھلتی ہوئی عمر میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے گا۔ اسی طرح اس پر نازل ہونے والی کتاب جس فصاحت و بلاغت کے ساتھ، خیالاتِ عالیہ، ایک مکمل نظامِ زندگی اور قدیم قوموں کے صحیح حالات اور ان کے زوال کے صحیح اسباب جس طرح بیان کرتی ہے کیا ایسی کتاب محمد (ﷺ) خود یا دوسرے لوگوں کی مدد سے لکھ سکتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی زبان تو انسانی زبان سے بہت بلند ہے۔ تو پھر ہم محمد (ﷺ) کی طرف اس کا انتساب کیونکر کرتے ہیں۔ یہ وہ اضطراب انگیز شک ہے جو ان کے ذہنوں میں بسیرا کر چکا ہے اور ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ کسی بھی شخص کیلئے یہ کتنی بڑی سزا ہے کہ وہ اپنے مفادات اور خواہشات کے تحت جس دعوت کا راستہ روکنے کی کوشش کر رہا ہے اس کا ذہن نہ صرف اس سے مطمئن نہ ہو بلکہ وہ اس کے دل کی پھانس بن چکا ہو۔

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۴۶﴾

(جو نیک عمل کرے گا اپنے ہی لئے کرے گا، اور جو بدی کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہو گا، اور آپ کا رب بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ ۴۶)

مخالفین سے بے نیازی کا اعلان

بات کو پوری طرح واضح کر دینے کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ جو شخص آپ کی دعوت کو قبول کر لیتا ہے اور آپ کی ہدایت کے مطابق اپنا رویہ بدلتا اور اپنے اعمال کو درست کر لیتا ہے تو اس کا فائدہ اسے ہی پہنچے گا، نہ پروردگار کو اس کا کوئی فائدہ ہو گا اور نہ آپ اس سے کوئی فائدہ اٹھائیں گے۔ اسی طرح جو شخص کوئی برائی کرتا ہے تو اس کا وبال بھی اسی کی طرف لوٹ کے آتا ہے۔ پروردگار یا اس کے رسول کا تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لئے آپ نے انہیں سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کی جتنی کوششیں کی ہیں وہ کافی ہیں۔ اس لئے آپ کیلئے فکرمندی کی کوئی بات نہیں۔ لوگ اگر اپنی بھلائی کیلئے بھی راہِ راست اختیار نہیں کرنا چاہتے تو خود اس کا انجام بھگتیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعے جزاء و سزا کے قانون کو پوری طرح ان پر واضح کر دیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس کی گرفت میں آتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر ظلم نہیں بلکہ اس کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔

آخری جملے میں مبالغے پر نفی وارد ہوئی ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب مبالغہ پر نفی آئے تو اس سے مقصود مبالغہ فی النفی ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ کے معنی ہوں گے ''اور آپ کا رب بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''

Marfat.com

اِلَیۡہِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ؕ وَ مَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَکۡمَامِہَا وَ مَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی وَ لَا
تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِہٖ ؕ وَ یَوۡمَ یُنَادِیۡہِمۡ اَیۡنَ شُرَکَآءِیۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰکَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَہِیۡدٍ ﴿۴۷﴾

(اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم، اور کوئی پھل اپنے غلاف سے باہر نہیں نکلتا، اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ جنتی ہے مگر اسی کے علم سے، پھر جس روز وہ ان لوگوں کو پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک؟ تو وہ کہیں گے ہم نے تجھ سے عرض کر دیا کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کی گواہی دینے والا نہیں ہے۔ ۴۷)

مشرکین کے ایک سوال کا جواب

یہ بھی مشرکین کے ایک سوال کا جواب ہے۔ وہ عموماً مذاق اڑاتے ہوئے یہ سوال کرتے کہ آپ ہمیں بار بار قیامت کے آنے سے ڈراتے ہیں جسے سن سن کے ہمارے کان پک گئے ہیں لیکن وہ قیامت آنے میں نہیں آتی۔ آخر اسے کس چیز نے روک رکھا ہے، ہمیں بتا کیوں نہیں دیا جاتا کہ قیامت کے آنے کا وقت کیا ہے اور وہ کب آئے گی۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے آنے کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس کے ٹھیک وقت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قیامت کا آنا ایک حقیقت ہے۔ اس کائنات اور اس کے خالق کی صفات کا یہ ایک بدیہی تقاضا ہے۔ عقل بھی اس کا تقاضا کرتی ہے اور اخلاق بھی اس کی ضرورت کا احساس دلاتے ہیں۔ کتنے ایسے سوالات ہیں وقوعِ قیامت کے سوا جن کا کوئی جواب نہیں۔ البتہ یہ سوال کہ وہ کب آئے گی اس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے۔ رہی یہ بات کہ جب تک ہمیں یہ نہ بتایا جائے کہ اس کے آنے کا ٹھیک وقت کیا ہے ہم اس پر یقین کیسے کر لیں۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ زندگی کی کتنی پیش پا افتادہ حقیقتیں ہیں جنہیں انسان نہیں جانتا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے حقیقت ہونے سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ گندم ایک خوشہ نمودار ہوتا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ اس کے پکنے کی نوبت آئے گی یا نہیں۔ اور آئے گی تو اس میں کتنے دانے ناقص نکلیں گے، کتنے صحیح کتنے ضائع جائیں گے اور کتنے محفوظ رہیں گے۔ ان کے پکنے کی ٹھیک ٹھیک تاریخ کیا ہے۔ اور ان میں سے کتنے دانے کسان کے نصیب میں ہوں گے۔ اور کتنے چرند و پرند کی نذر ہو جائیں گے۔ ان ساری باتوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ لیکن اس قدر ناواقفیت کے باوجود انسان کبھی گندم کے پکنے سے انکار نہیں کرتا۔ اور نہ اس کی کبھی امید ٹوٹتی ہے کہ نہ جانے میرے گھر میں گندم کا کھلیان آتا ہے یا نہیں۔

کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے تو اس کے حمل میں ہونے والی تبدیلیوں سے اللہ تعالیٰ کے سوا کون واقف ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں کیا صورت اختیار کرے گا، اس کی زندگی اور موت کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ اس کی قسمت کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، اس کے شقی یا سعید ہونے کی کوئی پیشگوئی نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان سب باتوں کو جانتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے ہی بے شمار حقائق ہیں جن سے ہم واقف نہیں ہیں۔ بایں ہمہ ہمیں ان سے انکار بھی نہیں ہے۔ لیکن ایک پروردگار ہے جو ان تمام چیزوں کی جزئیات تک سے واقف ہے۔ بالکل سامنے کی بات ہے کہ ہم بہت ساری چیزوں کو نہ جانتے ہوئے بھی اس کا انکار نہیں کرتے تو قیامت کے وقت سے ہماری ناواقفیت قیامت کے انکار کا سبب کیوں بنتی ہے۔ اسی طرح وہ ذات جو امورِ غیب کا علم رکھتی ہے اور جس کے سامنے کوئی جز بھی پردۂ غیب میں نہیں۔ اس کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ وہ انسان کے اعمال و افعال کی تفصیلات کو کیسے جان سکتا ہے اور پھر اربوں کھربوں انسانوں کی موت کے بعد انہیں کیسے ازسرِنو زندہ کر سکتا ہے، یہ کس قدر خود فریبی اور سامنے کی بات کے انکار کے مترادف ہے۔

Marfat.com

بات دراصل یہ ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو قیامت کا انکار تو نہیں کرتے لیکن اس کی طرف سے بے پروائی اور بے نیازی برف اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے مزعومہ شرکاء کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہیں کہ اگر قیامت آ ہی گئی تو یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لیں گے، بلکہ اس کا موقع ہی نہیں آنے دیں گے کہ ہمارے اعمال کا حساب لیا جائے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے فرمایا گیا ہے کہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ تم نے جنہیں میرا شریک گمان کر رکھا ہے ان کو بلاؤ، وہ آج میری پکڑ سے تم کو بچائیں۔ تو یہ جواب دیں گے کہ ہم نے عرض کر دیا کہ اب ہم میں سے کوئی بھی ان کی گواہی دینے والوں میں سے نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی بھی تیرا شریک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کی ہولناکی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دیکھ کر یہ لوگ ان مزعومہ شرکاء کا انکار کر دیں گے جن کی شفاعت کا نہیں ہمیشہ یقین رہا ہے۔ اور پہلی ہی پکار پر ان کی عقیدت کا نشہ ہرن ہو جائے گا۔

وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِن قَبْلُ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ﴿٤٨﴾

(اور گم ہو جائیں گے ان سے وہ سارے معبود جن کو وہ اس سے پہلے پکارتے رہے تھے اور وہ یقین کر لیں گے کہ اب ان کیلئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ ۴۸)

گزشتہ مضمون کا تسلسل

گزشتہ آیت کے مضمون ہی کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب ان سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جنہیں تم نے میرا شریک بنا رکھا تھا تو اللہ کی طرف سے پکار اور قیامت کی ہولناکی سے ان تمام معبودوں کا تصور ان کے دماغ سے نکل جائے گا اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ جنہیں ہم نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنا معبود بنا رکھا تھا یا جن کی شفاعت پر ہم بھروسہ رکھتے تھے وہ آج ہمارے کام آنے والے نہیں۔ آج اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں، اور آج کوئی نکلنے کا راستہ نہیں جس سے نکل کر ہم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکیں۔ اور آج کسی کی پناہ ہمارے کام نہیں آ سکتی۔

لَا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ ﴿٤٩﴾

(انسان کبھی بھلائی کی دعا سے نہیں تھکتا، اور اگر اس کو کوئی تکلیف آ جائے تو مایوس و دل شکستہ ہو جاتا ہے۔ ۴۹)

مخالفین کا نفسیاتی تجزیہ

وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کی مخالفت میں بڑھ بڑھ کر باتیں بناتا اور قیامت کے حوالے سے مذاق اڑانے سے باز نہیں آتا اور بات بات پر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کو چیلنج کرنے لگتا ہے اس کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی حوصلہ مندی کا حال یہ ہے کہ کبھی اپنے لئے کانٹے کی چبھن کو پسند نہیں کرتا۔ اولاً تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے روگردانی اس کا معمول بن جاتا ہے لیکن جب کبھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلانے کا موقع آتا ہے تو وہ ہمیشہ اس سے بھلائی اور خیر کی دعائیں کرتا ہے۔ خیر سے مراد یہاں نیکی یا آخرت کی کامیابی نہیں بلکہ

Marfat.com

دنیوی نعمتیں اوراس کی سرفرازیاں ہیں۔ وہ غموں سے لرزاں وترساں اور خوشیوں کا حریص رہتا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی تکلیف کو بھی اپنے لئے بڑی مصیبت جانتا ہے۔اس لئے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے فائدے کی طلب کی بات کرے۔لیکن اگر کبھی اسے کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے،کوئی ناگوار بات ہوجاتی ہے،کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے تو پھراللہ تعالیٰ سے ہرامید توڑ بیٹھتا ہے،نہایت مایوس اوردل شکستہ ہوجاتا ہے یعنی خوشحالی اسے مزید خوشحالی کی طلب دیتی ہے اور تکلیفیں اسے مایوس اور دل شکستہ کردیتی ہیں۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کتنی کمزور شخصیت کا مالک اور حوصلوں کے اعتبار سے کتنا مفلس انسان ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِیْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْٓ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۰﴾

(اور اگر ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھادیتے ہیں اس تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں اسی کا مستحق ہوں اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئے گی،اوراگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو بے شک میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہے،پس ہم ضرور آگاہ کریں گے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا،ان کے اعمال سے متعلق،اورانہیں ایک سخت عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے۔ ۵۰)

گزشتہ مضمون کا تسلسل

وہ شخص جو تکلیف پہنچنے سے مایوس اوردل شکستہ ہوجاتا ہے اس کے مزاج کے تلون کا سفر یہیں پرختم نہیں ہوتا بلکہ اس کی غیر متوازن طبیعت کا حال یہ ہے کہ اگر ہم تکلیف سے اسے نجات دے دیتے ہیں مثلاً وہ بیمار تھا ہم اس کو صحت دے دیتے ہیں،اس کا کاروبار تباہ ہوگیا تھا ہم بحال کردیتے ہیں اور مزید نوازشات کی بارش کرتے ہیں،تو بجائے شکرگزار ہونے کے برخود غلط ہوجاتا ہے۔اپنی اس بدلی ہوئی حالت کو اللہ تعالیٰ کی نوازشات سمجھنے کی بجائے اپنا استحقاق سمجھنے لگتا ہے کہ مجھ پر جو مصیبت آئی وہ دنوں کا پھیر تھا،ایسے تغیرات ہوتے ہی رہتے ہیں۔اصل میرا استحقاق یہ ہے کہ میں ہمیشہ خوشحالی کے جھولے جھولوں۔اور عیش وعشرت میں شب وروز گزاروں۔اوراگر کوئی ہمدرد اور بہی خواہ اسے توجہ دلاتا ہے کہ اگلی فکر بھی کرو،قیامت یقیناً آئے گی،وہاں اپنے اعمال کا حساب بھی دینا ہے تو فوراً پکاراٹھتا ہے کہ میں یہ خیال نہیں کرتا کہ قیامت بھی کبھی آئے گی۔یہ تو محض لوگوں کے بہلاوے ہیں۔

کہاں کا آنا کہاں کا جانا فریب ہے امتیازِ عقبیٰ
نمود ہر شے میں ہے ہماری کوئی ہمارا وطن نہیں ہے

Marfat.com

بفرضِ محال اگر قیامت آ ہی گئی اور میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو مجھے یقین ہے کہ وہاں بھی اللہ تعالیٰ کے پاس میرے لئے بھلائیاں ہی بھلائیاں ہیں۔ وہاں بھی مزے ہی مزے ہیں۔ جس نے دنیا میں بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ آخرت میں ہمیں ان سے محروم رکھے جیسے میری دنیا شاندار ہے ایسے ہی میرا انجام بھی شاندار ہوگا۔ پروردگار نے اس پر نہایت سخت الفاظ میں تنبیہ فرمائی کہ یہ لوگ خود فریبی کا شکار ہیں نہ جانے کس جنت الحمقاء میں بستے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہم آخرت میں ان کے اعمال ان کے سامنے رکھیں گے۔ یہ اپنے اعمال دیکھ کر ہی اپنے سر پیٹ لیں گے۔ انہیں اندازہ ہو جائے گا کہ ہم دنیا میں جو کچھ کرتے رہے ہیں آج اس کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑے گا۔ پھر اس کا نتیجہ ان کے سامنے آئے گا جب ہم انہیں ایک عذابِ شدید کا مزہ چکھائیں گے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿٥١﴾

(جب ہم انسان کو نعمتوں سے نوازتے ہیں تو وہ منہ پھیرتا ہے اور پہلو بچا کے نکل جاتا ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے۔ ۵۱)

انسان کی غیر متوازن شخصیت کا ایک انداز

انسان کی غیر متوازن شخصیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب ہم اسے نعمتوں سے نوازتے اور اپنے فضل و کرم سے گراں بار کر دیتے ہیں تو بجائے شکر گزار ہونے کے اسے دولت کا خمار آ پکڑتا ہے اور غرور و استکبار اس کی شخصیت کا لازمہ بن جاتا ہے۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کے شکر سے اعراض کرتا اور اس کے ذکر سے پہلو بچاتا اور کندھے جھٹکتا ہوا وہاں سے چل دیتا ہے۔ بھلائی اور نیکی کی ہر بات سے اسے تنفر ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور انسانی رشتوں سے اسے اس حد تک بیگانگی ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی اکڑتا اور انسانوں سے بھی تکبر سے معاملہ کرتا ہے۔ لیکن اس کی شخصیت کے بودے پن کا حال یہ ہے کہ یہ غرور و تکبر اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک دولت کی توانائی اس کے احساس کو قوت بخشتی رہتی ہے۔ لیکن جب اسے کوئی مصیبت آ پکڑتی ہے، ناکامیاں اور تکالیف اسے گھیر لیتی ہیں، کاروبار مندا پڑ جاتا ہے اور محرومیاں اس کا مقدر معلوم ہونے لگتی ہیں تو پھر یہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بھی اعراض کرتا تھا اور جسے عاجزی اور انکساری چھو کے بھی نہیں گئی تھی، اب اللہ تعالیٰ سے لمبی لمبی دعائیں مانگنے والا بن جاتا ہے۔ آیت میں لمبی دعاؤں کو چوڑی دعاؤں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ جس کی چوڑائی غیر معمولی ہو اس کی لمبائی خود بخود غیر معمولی دکھائی دینے لگتی ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں لمبی دعاؤں کو پسند کیا گیا ہے، لیکن ان سے مراد وہ دعائیں ہیں جنہیں اخلاص، للّٰہیت اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے احساس نے طویل کیا ہو۔ لیکن وہ دعائیں جو محض اپنی ضرورت کے باعث طویل و عریض ہوتی ہیں اور حرص اور خود غرضی جنہیں طویل و عریض کرتی ہے وہ ممدوح و محبوب نہیں بلکہ مذموم ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت کس قدر کمزور اور ان کا طنطنہ کس قدر بے بنیاد ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی دھرتی کا بوجھ ہوتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾

(اے پیغمبر ان سے کہہ دیجئے تم نے کبھی غور کیا کہ اگر واقعی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوا اور تم نے اس کا انکار کیا تو اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اس کی مخالفت میں دور تک نکل گیا ہو۔ ۵۲)

Marfat.com

منکرینِ قرآن سے ایک سوال

پروردگار نے اس آیت کے آغاز میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ سے فرمایا ہے کہ آپ ان لوگوں کو اپنے رویئے پر غور و فکر کی دعوت دیں، کیونکہ بات صرف اتنی سادہ نہیں کہ آپ کی دعوت کو قبول کیا جائے یا نہ کیا جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی دعوت کے قبول کرنے یا رد کر دینے پر ان کے انجام کا دارومدار ہے بے وقوف سے بھی بے وقوف آدمی بھی کسی ایسی بات کا فیصلہ گہرے غور و فکر کے بغیر نہیں کرتا جس پر اس کی زندگی کے کسی بڑے مسئلے کا انحصار ہو۔ لیکن اگر وہ مسئلہ اس کے دنیوی اور اُخروی انجام سے متعلق ہے تو پھر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس کا فیصلہ کس قدر سنجیدگی، باہمی مشاورت اور دل و دماغ کی صلاحیتوں کو پوری طرح بروئے کار لا کر کرے گا۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت کا تعلق انسانوں کے دنیوی انجام سے بھی ہے اور اُخروی انجام سے بھی۔ دنیا بھی ان کی معرضِ خطر میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کی تکذیب نزولِ عذاب کا باعث ثابت ہوتی ہے۔ اور آخرت میں بھی یقینی سزا سے واسطہ پڑنے کا اندیشہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کو قبول نہ کیا گیا۔ لیکن قریش اور دیگر اہلِ مکہ جس طرح آنحضرت ﷺ کی دعوت کے ساتھ غیر سنجیدہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں اس سے کہیں بھی یہ مترشح نہیں ہوتا کہ وہ نہایت فکرمندی کے ساتھ اپنے انجام کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔

دوسری بات جس کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی اہم معاملہ جس سے انسان کی فوز و فلاح کا تعلق ہو انسان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، تو وہ اس کا فیصلہ کرنے سے پہلے یقیناً اس کے صحیح اور غلط ہونے کے جتنے ممکن ذرائع ہو سکتے ہیں انہیں بروئے کار لا کر فیصلہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی دعوت اور آپ کی نبوت یقیناً اپنے ساتھ دو پہلو رکھتی ہے کہ یا وہ صحیح ہے اور یا وہ غلط ہے۔ اور سرسری نگاہ میں دونوں پہلو برابر دکھائی دیتے ہیں، کیونکہ فیصلہ ہونے تک ہر خبر اور ہر نظریئے کے بارے میں یہ دونوں باتیں سامنے ہوتی ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ غلط ہو اور ہو سکتا ہے کہ یہی صحیح ہو۔ اور یہ بات واضح ہے کہ کسی مضبوط دلیل سے ابھی تک لوگوں کے سامنے آنحضرت ﷺ کی دعوت اور قرآنِ کریم کی حقانیت کو غلط ثابت نہیں کیا گیا۔ تو پھر اس صورتحال کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ تم انتہائی سنجیدگی اور فکرمندی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی دعوت اور قرآنِ کریم کے بارے میں اس طرح فیصلہ کرنے کی کوشش کرو، کیونکہ اس بات کو بہر حال رد نہیں کیا جا سکتا کہ جس طرح اس دعوت کے غلط ہونے کے امکانات ہیں اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ صحیح ہونے کے امکانات بھی ہیں۔ آپ نے اگر غور و فکر کیے بغیر اس دعوت کو رد کر دیا اور قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب ماننے سے انکار کر دیا اور اس کی مخالفت اور مخاصمت میں بڑھتے چلے گئے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس منزل پر پہنچ جائیں جہاں سے بازگشت کا کوئی امکان ہی باقی نہ رہ جائے۔

دونوں پہلوؤں پر غور کرنے کی صورت میں ایک بات تو بالکل واضح ہے کہ اگر آپ کے انکار کا پہلو درست نکلا تو تمہارے اپنے خیال کے مطابق زیادہ سے زیادہ بس یہی ہو گا کہ ماننے والے اور نہ ماننے والے دونوں یکساں رہیں گے کیونکہ دونوں ہی کو مر کر مٹی میں مل جانا ہے اور آگے کوئی زندگی نہیں ہے۔ لیکن اگر دوسرا پہلو صحیح نکلا اور یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے اور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو پھر سوچ لو کہ اس کا انکار کر کے اور اس کی مخالفت میں اتنی دور جا کر کس انجام سے دوچار ہونے کا اندیشہ ہے۔

Marfat.com

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ
اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾

(عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں دکھائیں گے اور خود ان کے اندر بھی، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن بالکل حق ہے، کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے۔ ۵۳)

قرآنِ کریم کی صداقت پر دلائل

گزشتہ آیتِ کریمہ میں مخالفین کے اپنے نفع وضرر کے حوالے سے نہایت دھیمے انداز میں انہیں قرآنِ کریم اور آنحضرت ﷺ کی دعوت پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی تھی اور عقلی اسلوب اختیار کرتے ہوئے انہیں عقل سے کام لینے کی ہدایت کی گئی تھی۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں مخالفین کو تہدید کرتے ہوئے آگاہ فرمایا گیا ہے کہ تم نہ نصیحت قبول کرتے ہو اور نہ کوئی عقل کی بات تمہیں پسند آتی ہے، بلکہ بات بات پر نشانیاں طلب کرتے ہو۔ ہم تمہارے مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے عنقریب تمہیں ایسی نشانیاں دکھائیں گے جن کا تعلق آفاق سے بھی ہوگا اور انفس سے بھی۔ اللہ تعالیٰ کے رسول کی جس دعوت پر تم نے مکہ کی سرزمین تنگ کر دی اور اپنے دل اس کیلئے سخت کر دیئے اور اس پر تم خوش ہو کہ تم نے اس دعوت کے راستے مسدود کر دیئے، لیکن عنقریب تم دیکھو گے کہ علاقوں پر علاقے فتح ہوتے چلے جائیں گے، لوگوں کی گردنیں ہی نہیں بلکہ ان کے دل بھی اس دعوت کے سامنے جھک جائیں گے۔ جس دعوت کو تمہاری نگاہ میں چند نفوسِ قدسیہ کے سوا کسی نے قبول کرنا پسند نہیں کیا وہی دعوت عرب وعجم کا سب سے بڑا انقلاب بن جائے گی۔ تمہارے اپنے گھروں سے خاموشی سے اسلام قبول کرنے والے اٹھیں گے اور وہ خود اپنے لئے نئے نئے راستے نکالیں گے۔ چنانچہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ہجرت فرمانے کے بعد اہلِ مدینہ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کا حق ادا کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس دین اور اس کے قبول کرنے والوں کو ایسی پذیرائی بخشی کہ ان کے اخلاص کا دامن پھیلتا چلا گیا۔ چند ہی سالوں میں مکہ ان کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔ حنین اور ثقیف کی وادیاں ان کے سامنے جھک گئیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورے جزیرۂ عرب سے وفود کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ اور پھر آنحضرت ﷺ کی تیار کردہ امت کے سرفروش جب جزیرۂ عرب سے باہر نکلے تو ملکوں کے ملک ان کے سامنے بچھتے چلے گئے۔ ربع صدی گزرنے نہ پائی کہ مشرقِ وسطیٰ اسلام کی آغوش میں آ گیا۔ مزید قدم آگے بڑھا تو نہ صرف ایشیا ان کے سامنے سمٹ گیا بلکہ یورپ کے بعض علاقوں کے دروازے بھی کھل گئے۔ اور پھر یہ فتوحات صرف سروں کے جھکنے تک محدود نہیں رہیں بلکہ لوگوں نے اپنا دین تک بدل ڈالا، اپنی زبانیں بدل لیں۔ اور ایک بہت بڑی تعداد ہر ملک سے مبلغین اور مجاہدین کی نکلی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان میں ان تمام خصوصیات کو نمایاں کیا جو کبھی صرف زہاد اور عباد میں دیکھی جا سکتی تھی۔ انہوں نے جس طرح عبادات کے چراغ جلائے، اخلاق کی شمع روشن کی، علم کا شوق پیدا کیا، معاملات کی ادائیگی میں خوفِ خدا کو بنیاد بنایا، ہر انسان کو مسؤلیت کیلئے فکر مند بنایا۔ حتیٰ کہ جب اس دور کی سب سے بڑی حکومت کے چلانے کی ذمہ داریاں ان پر ڈالی گئیں تو دنیا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ یہ لوگ جس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے درویش اور فقیر تھے اسی طرح حکومتوں کے تخت نشین ہو کر بھی فقیر کے فقیر ہی رہے۔ اقبال نے ٹھیک کہا:

ان کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب
سلطنتِ اہلِ دیں فقر ہے شاہی نہیں

Marfat.com

آخر میں فرمایا کہ غلبۂ حق کی جو بشارت تمہیں دی جارہی ہے اس کا تعلق اگرچہ مستقبل سے ہے لیکن تمہارا رب ماضی، حال اور مستقبل کی ہر چیز سے واقف ہے اس لئے اس کی کوئی بات اور کوئی وعدہ بھی وقت کی تنگنائے میں سمٹا ہوا نہیں ہوتا۔ وہ ہر دور کی ہر بات سے واقف ہے۔ اس کا وعدہ جس طرح آج اپنی نمود دکھا رہا ہے اس کا مستقبل بھی اسی سے روشن ہوگا۔

اَلَآ اِنَّهُمْ فِىْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۗ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

(آگاہ رہو یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات میں شک رکھتے ہیں، خبردار وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ۵۴)

معاندین کی اصل علتِ فساد

سورۃ کی اس آخری آیت میں معاندین اور مخالفین کی اصل علتِ فساد سے آگاہ کیا جارہا ہے کہ جب ایک شخص دیکھتا ہے کہ ان لوگوں پر نہ نصیحت اثر کرتی ہے نہ کوئی تنبیہ اثر انداز ہوتی ہے اور بڑی سے بڑی بات کو بھی یہ لوگ سنجیدگی سے لینے کو تیار نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول کی دلآویز شخصیت انتہائی ہمدردی اور غمگساری سے انہیں ان کے انجام سے فکرمند کرنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن یہ چکنے گھڑے ثابت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دیکھنے والے کی حیرانی کو دور کرنے کیلئے ان کی اصل خرابی کی اطلاع دی کہ ان کے عقیدہ و عمل کے فساد کا اصل سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور قیامت کے دن اس کے سامنے جواب دہی کے بارے میں انہیں شک ہے۔ گمان یہ ہے کہ قیامت کے بارے میں ہمیں جو کچھ کہا جارہا ہے اس کی حیثیت ڈراوے اور بہکاوے سے زیادہ نہیں۔ ان کے اسی تصور نے انہیں زندگی کے معاملات میں ناعاقبت اندیش اور حق کی مخالفت میں دلیر بنا دیا ہے۔ انہیں آگاہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کوئی چیز بھی اس کے حیطۂ اقتدار سے باہر نہیں۔ اور کوئی شخص اس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں نکل سکتا۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، کوئی شخص اس کے ارادے کو چیلنج نہیں کرسکتا۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ
کیاایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟(الحدید)

هُدًی لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی

(۴۲)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام الشُّوْرٰی ہے۔یہ اس سورۃ کی آیت ۳۸ سے ماخوذ ہے۔اس سورۃ کے پانچ رکوع،۵۳ آیتیں ہیں۔
زمانۂ نزول:۔ کسی صحیح حدیث سے اس سورۃ کے زمانۂ نزول کا تعین نہیں ہوتا۔البتہ اس کے مضامین پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورۃ حٰمٓ السَّجْدَۃِ کے متصلاً بعد نازل ہوئی ہوگی۔کیونکہ دونوں کے مضامین میں اس قدر اشتراک پایا جاتا ہے کہ یہ سورۃ سابقہ سورۃ کا تتمہ نظر آتی ہے۔بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ یہ سورۃ مکی دور کے آخر میں ہجرت کے جلدی بعد نازل ہوئی۔چنانچہ آنحضرت ﷺ کی زبان سے قریش کے لیڈروں کو جو خطاب ہے اس کی نوعیت وداعی خطاب کی ہے۔گویا ان سے متعلق پیغمبر کی جو ذمہ داری تھی وہ پوری ہوگئی، اب ذمہ داری لوگوں کی اپنی ہے۔اگر انہوں نے یہ ذمہ داری محسوس نہ کی تو انہیں اس کے نتائج کیلئے تیار رہنا چاہئے۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

پہلی آیات میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اہلِ مکہ کی طرف سے آپ پر وحی کے نزول کے سلسلے میں جس اچنبھے اور اجنبیت کا اظہار کیا جارہا ہے وہ حیران کن ہے، کیونکہ یہ پہلی وحی نہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے بلکہ اسی طریقہ سے اور ان ہی مضامین پر مشتمل آپ سے پہلے آنے والے رسولوں پر وحی کی جاتی رہی ہے۔اللہ تعالیٰ کیلئے کیا مشکل ہے کہ وہ کسی دور میں اپنے کسی بندے کو نبوت کیلئے منتخب کرے اور اپنی وحی اس پر نازل فرمائے۔اس نے انسانی ہدایت کیلئے ہمیشہ یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔پہلے بھی اسی طریقہ سے انسانوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا ہے اور اب بھی اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا جارہا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند اور عظیم ہے۔آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔اس کی اس عظمت کے باوجود انسانوں نے جس طرح اس کے شرکائے باطلہ ٹھہرائے ہیں اور اس کی صفات میں جس طرح غیر اللہ کو شریک کیا ہے وہ ایک ایسا ہولناک جرم ہے، قریب ہے کہ آسمان اس کی شناعت کی وجہ سے پھٹ جائے۔جن فرشتوں کو ان جہلاء نے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بنا رکھا ہے اور پھر شفاعتِ باطلہ کی امیدیں ان سے باندھ رکھی ہیں وہ فرشتے ان کی حرکتوں کو دیکھ کر کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں اور اہلِ زمین کو عذاب سے بچانے کیلئے برابر اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اہلِ زمین کیلئے استغفار میں لگے رہتے ہیں۔جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دیکھ رہا ہے۔ان کے ایمان کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔آپ کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عربی قرآن آپ پر اتارا ہے اس کے ذریعہ سے اہلِ مکہ اور اس کے اطراف کے لوگوں کو اس دن سے آگاہ کر دو جس دن وہ سب کو اکٹھا کرے گا۔اور پھر ایمان لانے والوں کو جنت میں اور کفر کرنے والوں کو دوزخ میں داخل کرے گا۔

Marfat.com

یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ آسمان وزمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، ان کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں، اولاد اور رزق اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے، اس کی خدائی میں کوئی اس کا شریک نہیں، یہ وہ توحید ہے جس کی تعلیم تمام نبیوں نے دی، اور اسی پر قائم رہنے اور اس میں اختلاف نہ پیدا کرنے کی برابر تلقین کی۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ نبیوں کی اس تعلیم کو بھول جانے کے نتیجے میں لوگوں نے اس میں اختلاف نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح علم آجانے کے بعد محض باہمی عناد اور تعصب کی وجہ سے انہوں نے اختلاف کا راستہ کھولا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ایسے جھگڑوں کا فیصلہ ایک مقررہ دن پر اٹھا رکھا جائے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو فوراً ایسے لوگوں کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ آنحضرت ﷺ کو ہدایت کی گئی ہے کہ آپ اسی دینِ توحید کی دعوت لوگوں کو دیں اور خود بھی اس پر استقامت اختیار کریں۔ اور لوگوں کو آگاہ کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب میزانِ عدل بنا کر اتاری ہے میں اس پر ایمان لایا ہوں اور مجھے یہ ہدایت ہوئی ہے کہ اسی میزانِ عدل کے ذریعے سے تمہارے درمیان فیصلہ کروں۔ جو لوگ اس کے بعد بھی آپ سے جھگڑا کریں ان کیلئے عذابِ شدید ہے۔

پھر اس حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کو پیدائشی طور پر راست رو کیوں نہ بنایا، اور یہ مجالِ اختلاف کیوں رکھی، جس وجہ سے لوگ فکر وعمل کے الٹے سیدھے راستے پر چل پڑتے ہیں۔ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آزادی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جس کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی اس رحمتِ خاص کو حاصل کر سکتا ہے جو دوسری بے اختیار مخلوقات کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ اس ذی اختیار مخلوق کیلئے ہے جو جبلی طور پر نہیں، شعوری طور پر اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کو اپنا ولی بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جو انسان اپنے اختیار کو صحیح استعمال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنی توفیق سے نوازتا ہے اور پھر اپنی رحمت خاص میں داخل کر لیتا ہے۔ اور جو انسان اپنے اختیار کو غلط استعمال کر کے غیر اللہ کو ولی بناتا ہے وہ اس کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے اور یہ بات بھی واضح کی گئی ہے کہ انسان کا اور ساری مخلوقات کا ولی حقیقت میں پروردگار ہی ہے۔ دوسرے نہ حقیقت میں ولی ہیں اور نہ ان میں یہ طاقت ہے کہ ولایت کا حق ادا کر سکیں۔

مزید فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ڈھیل سے کسی کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے، ہر چیز اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ جب چاہے لوگوں کو پکڑ سکتا ہے لیکن وہ لوگوں کی ناشکری اور انسان کے طغیان کے باوجود ان سے درگزر کرتا ہے۔ انسان کی روزمرہ کی زندگی میں تجربات اور مشاہدات تو ہوتے رہتے ہیں۔ اگر وہ دیدۂ بینا رکھتا ہو تو انہیں کے اندر دیکھ سکتا ہے کہ انسان ہر وقت خدا کی مٹھی میں ہے۔ اگر خدا حفاظت نہ کرے تو انسان کے تمام وسائل اس کی حفاظت سے قاصر ہیں۔ کافروں کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ عارضی اور فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ابدی بادشاہی ان لوگوں کو حاصل ہوگی جو ایمان لائیں گے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں گے۔

اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ جس دین کو نبی کریم ﷺ پیش کر رہے ہیں وہ حقیقت میں کیا ہے۔

اس کی اولین بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ کائنات اور انسان کا خالق، مالک اور ولی حقیقی ہے اس لئے وہی انسان کا حاکم بھی ہے۔ اور اسی کو یہ حق ہے کہ انسان کو دین اور شریعت یعنی اعتقاد وعمل کا نظام دے اور انسانی اختلافات کا فیصلہ کر کے بتائے کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے۔ دوسری کسی ہستی کو انسان کیلئے شارع بننے کا سرے سے حق ہی نہیں ہے۔ بالالفاظِ دیگر فطری حاکمیت کی طرح تشریعی حاکمیت بھی اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے۔ انسان یا کوئی اور مخلوق اس حاکمیت کی حامل نہیں ہو سکتی۔ اور اگر اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اس حاکمیت کو نہیں مانتا تو اس کا اللہ تعالیٰ کی فطری حاکمیت کو ماننا لاحاصل ہے۔ اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ابتداء سے ہی انسان کیلئے ایک دین مقرر کیا ہے۔

Marfat.com

وہ ایک ہی دین تھا جو ہر زمانے میں تمام انبیاء کو دیا جاتا رہا۔کوئی نبی بھی اپنے کسی مذہب کا بانی نہیں تھا۔ جو دین اللہ تعالیٰ نے اول روز سے انسان کیلئے مقرر کیا تھا سارے انبیاء اسی کے پیرو اور داعی رہے ہیں۔

نوعِ انسانی کا اصل دین یہی تھا مگر انبیاء کے بعد ہمیشہ یہ ہوتا رہا ہے کہ خود غرض لوگ اس کے اندر اپنی خود پسندی، خود رائی اور خودنمائی کے باعث اپنے مفاد کی خاطر تفرقے برپا کر کے نئے نئے مذہب نکالتے رہے۔ دنیا میں جتنے بھی مختلف مذاہب پائے جاتے ہیں سب اسی ایک دین کو بگاڑ کر پیدا کئے گئے ہیں۔

خاتمہ سورۃ کی آیات میں مخالفین کو تنبیہ کی گئی ہے اور پھر انہیں دینِ توحید کی طرف دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ پیغمبر کی دعوت قبول کر کے اپنی عاقبت سنوار لو۔ اگر یہ وقت نکل گیا تو پھر کبھی واپس آنے والا نہیں ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو آپ کو تردد کی ضرورت نہیں۔ آپ پر جو ذمہ داری تھی وہ آپ نے ادا کردی۔ ان کے دلوں میں ایمان اتار دینا آپ کی ذمہ داری نہیں۔ پھر انسان کی تنگ ظرفی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اس کا حال تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے نوازتا ہے تو اتراتا اور اکڑتا ہے اور اگر اس کے اعمال کی پاداش میں اس کو کوئی مصیبت پیش آجائے تو مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے۔ مشرکین اپنے غرور کے سبب سے طرح طرح کے مطالبے کرتے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے سے بات کرتا ہے صرف وحی کے ذریعے سے ہی کرتا ہے۔ اسی طرح کی وحی اس نے آپ پر بھی کی ہے اور یہ آپ پر اور آپ کے واسطے سے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل ہے۔ ورنہ اس سے پہلے نہ تم کتاب سے آشنا تھے اور نہ ایمان کی تفصیلات اور اس کے مطالبات سے۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ۵۳	سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ (۴۲)	رُكُوْعَاتُهَا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ
اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ
الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۴﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ
حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ
الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ﴿۷﴾ وَلَوْ
شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ
رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۸﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۹﴾ ع

Marfat.com

رکوع: ا۔ (ح م۔ ا) ع س ق۔ ۲) اسی طرح اللہ تعالیٰ جو غالب اور حکیم ہے آپ کی طرف اور ان رسولوں کی طرف جو آپ سے پہلے تھے وحی کرتا رہا ہے۔ ۳) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ برتر اور عظیم ہے۔ ۴) قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑے اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور زمین والوں کے حق میں استغفار کرتے رہتے ہیں، آگاہ رہو کہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا اللہ ہی ہے۔ ۵) اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں اللہ ہی ان پر نگران ہے، آپ ان پر ذمہ دار نہیں۔ ۶) اور اسی طرح ہم نے اے پیغمبر! ایک عربی قرآن آپ کی طرف وحی کیا ہے تا کہ آپ اہلِ مکہ اور اس کے گرد و پیش میں رہنے والوں کو خبردار کر دیں، اور اس دن سے ڈرا دیں جو سب کے اکٹھے کرنے کا دن ہوگا جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں، ایک گروہ کو جنت میں جانا ہے اور ایک گروہ کو دوزخ میں۔ ۷) اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے، اور ظالموں کا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ مددگار۔ ۸) کیا ان لوگوں نے اس کے سوا دوسرے ولی بنا رکھے ہیں۔ ولی تو اللہ ہی ہے، وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۹)

حٰمٓ ۝۱ عٓسٓقٓ ۝۲ کَذٰلِکَ یُوْحِیْٓ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ ۙ اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝۳

(ح م۔ ا) ع س ق۔ ۲) اسی طرح اللہ تعالیٰ جو غالب اور حکیم ہے آپ کی طرف اور ان رسولوں کی طرف جو آپ سے پہلے تھے وحی کرتا رہا ہے۔ ۳)

پہلی دونوں آیتیں حروفِ مقطعات پر مشتمل ہیں اور ان کے بارے میں ہم سورۃ البقرۃ کے آغاز میں گفتگو کر چکے ہیں۔

کَذٰلِکَ کا اشارہ کس طرف ہے؟ اور آنحضرت ﷺ کو تسلی

تیسری آیت کے بارے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کَذٰلِکَ کا اشارہ کس طرف ہے۔ بعض اہلِ علم نے تو یہ کہا ہے کہ جس طرح اصولِ دینیہ کی تحقیق اور فوائدِ عظیمہ سے متعلق قرآنِ کریم اور دیگر آسمانی کتابوں میں وحی نازل ہوئی ہے اسی طرح یہ کتاب بھی اور یہ سورۃ بھی پروردگار وحی فرما رہا ہے۔ لیکن بعض دیگر اہلِ علم کا خیال ہے کہ کَذٰلِکَ سے اشارہ ان چہ میگوئیوں کی طرف ہے جو ہر گلی کوچے، ہر چوپال اور ہر مکان میں آنحضرت ﷺ کی دعوت اور قرآنِ کریم کے مضامین کے حوالے سے ہو رہی تھیں۔ مکے کے چھوٹے بڑے لوگ بڑی حیرانی سے یہ باتیں کر رہے تھے کہ ہم نے آباؤ اجداد سے ایک دین پایا ہے جس سے ہمیں یہ اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً کائنات کا خالق و مالک ہے لیکن اس نے اپنی کائنات کی دیکھ بھال اور بالخصوص زمین پر بسنے والی مخلوقات کی ضروریات کے حوالے سے اپنے بیشتر اختیارات بہت سی قوتوں کو سونپ رکھے ہیں۔ کیونکہ اتنی بڑی کائنات کی دیکھ بھال اور اس میں بسنے والی مخلوقات کی ضروریات کی فراہمی ایک شہنشاہِ معظم کے بس کی بات نہیں۔ زمین کے کسی دور دراز گوشے یا آسمان کے کسی کونے میں کوئی واقعہ ہوتا ہے یا کوئی اپنی محرومیوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا

Marfat.com

ہے تو وہ پکار اس تک کیسے پہنچ سکتی ہے۔ لازماً درمیان میں واسطے ہونے چاہئیں جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات سے اس کی ضروریات پورا کریں۔ اور اگر ضروری سمجھیں تو اللہ تعالیٰ تک ان کی دعاؤں کو پہنچا دیں۔ چنانچہ اس مفروضے کی بنیاد پر انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ یہ درمیان کے جتنے واسطے ہیں چاہیں وہ بتوں اور مجسموں کی شکل میں ہوں یا دیوتاؤں اور اوتاروں کی شکل میں، سب کیلئے قربانیاں کرنا اور انہیں خوش رکھنا اپنی زندگی کی آسانیوں کے حصول کیلئے ضروری ہے۔ ورنہ ان کی ناخوشی ہمارے لئے مشکلات کا باعث ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ان کا گمان یہ تھا کہ ہمیں آباؤ اجداد سے ایک شریعت ملی ہے جس میں اوامر و نواہی بھی ہیں اور حلت و حرمت کے بہت سے حوالے ہیں۔ ان کی پابندی ہمارے لئے ضروری ہے۔ رہی یہ بات کہ ہمارے آباؤ اجداد نے ہمارے لئے کوئی تحریری ماخذ نہیں چھوڑا، کوئی سند ہمارے پاس نہیں جس سے ہمیں یہ جاننے میں آسانی ہو کہ ہمیں یہ شریعت کن حوالوں اور واسطوں سے ملی۔ کیونکہ آباؤ اجداد تو ہمارے معبودوں اور احکام دینے والوں میں سے نہیں ہیں۔ لیکن وہ اس خیال سے اپنے آپ کو مطمئن کر لیتے تھے کہ صدیوں سے ہمارے اندر جو طریقہ رائج ہے اور کبھی کسی مخالفت نہیں کی تو اس سے خود بخود یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یقیناً اس کی کوئی سند ہو گی اور اللہ تعالیٰ نے کسی مصدقہ واسطے سے ہم تک یہ احکام پہنچائے ہوں گے۔ اب جبکہ ہم ہی میں سے ایک شخص جسے ہم جانتے پہچانتے ہیں اور وہ قریش کے قبیلے کا ایک فرد ہے وہ اچانک اٹھ کر یہ بات کہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنایا ہے، مجھ پر کتاب نازل کی جا رہی ہے۔ اس لئے میں تمہیں اس کی روشنی میں یہ بات کہتا ہوں کہ تمہارے اعتقادات اور تمہارے مصنوعی شرعی قوانین تمام تر جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ تم جس ملتِ ابراہیمی سے اپنا تعلق رکھتے ہو اسے یکسر فراموش کر چکے ہو۔ اس لئے تم اگر عاقبت میں اپنے لئے عافیت چاہتے ہو تو مجھ پر ایمان لاؤ اور میری اطاعت کرو، ورنہ تمہیں تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ تو اہلِ مکہ جگہ جگہ ان باتوں پر تبصرہ کرتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ایسا شخص جسے ہم جانتے بوجھتے ہیں اور اس میں اور ہم میں بظاہر کوئی فرق نہیں، اس کے پاس اللہ تعالیٰ آتا ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کے پاس جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ اس سے ہم کلام ہوتا ہے اور اپنے احکام اس کے حوالے کرتا ہے اور اپنی کتاب اس پر نازل کرتا ہے، یہ تو کوئی سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ ہمارے پاس کیوں نہیں آتا، ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا۔ اس کا تو ایک ہی مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ یہ محض بنائی ہوئی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حوالہ محض ہمیں مرعوب کرنے کیلئے ہے۔ چنانچہ ان ہی باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی چہ میگوئیوں میں جس سلسلۂ ہدایت کو ایک نرالی بات کہہ رہے ہو اس میں ایسی کوئی بات نہیں۔ جب بھی پروردگار نے کسی قوم کی ہدایت کا ارادہ فرمایا ہے تو اس نے ہمیشہ یہی طریقہ اختیار کیا کہ ان ہی میں سے ایک صاحبِ کردار شخص کو نبوت کیلئے منتخب کیا اور پھر اس پر اپنا کلام اتارا اور اسے اس کی تبلیغ و دعوت کا مکلف ٹھہرایا۔ تم جن رسولانِ گرامی کے نام جانتے ہو اور ان کی قوموں کے احوال سے بھی واقف ہو، ان سب پر وحی اسی طرح آتی رہی اور وحی کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ کے احکامات انہیں ملتے رہے۔ وہ چونکہ عزیز ہے اس لئے جب بھی وہ ایسے کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہیں جانے یا کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی وہ اپنی حکمت سے اس کام کیلئے وحی کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ یعنی براہِ راست اپنا حکم اپنے رسول کے دل پر اتارتا ہے یا اپنے فرشتے کو اپنا پیغام دے کر اس کے پاس بھیجتا ہے۔ اور وہ چونکہ حکیم بھی ہے اس لئے اس کے ہر کام کی پشت پر حکمت کارفرما ہوتی ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ④

(اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ برتر اور عظیم ہے۔ ۴)

Marfat.com

گزشتہ آیت میں مذکور صفتِ عزیز کی وضاحت

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے اسمِ مبارک "عزیز" کو ذکر فرمایا گیا تھا، یہ آیتِ کریمہ اس کی وضاحت ہے۔ یعنی وہ پروردگار اس قدر غالب اور عزت اور ہیبت والا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کی ملکیت اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ کوئی چیز اس کے حیطۂ اقتدار سے باہر نہیں۔ وہ بڑی ہی بلند اور بڑی عظیم ہستی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس میں یہ بات بھی فرمائی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اسی ذاتِ بلند و بالا کی عبادت اور اطاعت کی تمہیں دعوت دیتے ہیں اور تمہیں اس کی وحدانیت پر قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو تم تعجب سے کان کھڑے کرنے لگتے ہو کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ایک اللہ ہی معبود، حاجت روا اور شارع ہے تو پھر ہمارے بزرگوں کا کیا بنے گا جنہیں ہم نے اللہ تعالیٰ کی کئی صفات تفویض کر رکھی ہیں اور اپنی ضروریات اور حاجات میں ہم ان کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں اور ان پر چڑھاوے چڑھاتے اور قربانیاں دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کی غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے فرمایا گیا ہے کہ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے اس نظام میں دخیل سمجھتے ہو اور تمہارا گمان یہ ہے کہ بہت سارے اختیارات ان کے پاس ہیں تو کیا وہ آسمان و زمین کے مالک ہیں یا آسمان اور زمین کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے یا ان کے پاس کوئی غیر معمولی قوت ہے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ باقی مخلوق کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مِلک یعنی اس کی مملوک ہیں۔ تو کیا مملوک مالک کی ملکیت میں شریک ہوسکتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اس کی کوئی بھی حیثیت تسلیم کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ برتر اور عظیم ہے۔ اور وہ اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی اس کا ہمسر ہو۔ تو یہ کس طرح اس کی ذات، صفات اور حقوق میں اس کے حصہ دار بن سکتے ہیں۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵

(قریب ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑے اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور زمین والوں کے حق میں استغفار کرتے رہتے ہیں، آگاہ رہو کہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا اللہ ہی ہے۔ ۵)

اللہ تعالیٰ کے علوِ مرتبت اور عظمت کی یاددہانی

وہ ذاتِ بزرگ و برتر کہ کائنات کی ایک ایک مخلوق اس کی مملوک اور غلام ہے اور آسمانوں میں جا بجا فرشتے اس کی عظمت اور ہیبت کے سامنے جھکے ہوئے اور لرزاں و ترساں ہیں۔ جس کی عظمت و ہیبت کا یہ عالم ہے اگر اس کی عظمت کی وجہ سے آسمان پھٹ جائے تو یہ اس کی عظمت کا عین تقاضا ہے۔ کیونکہ جس طرح قرآن کے نزول سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوسکتے ہیں تو قرآن جس عظیم ذات کا کلام ہے اس ذات کی ہیبت سے آسمان یقیناً دبے رہیں گے اور اگر اس کے ساتھ یہ حادثہ ہوجائے کہ زمین پر بسنے والے نادان لوگ ایک بڑی تعداد میں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور اس کے حقوق میں مخلوق کو شریک کرنے لگیں، کوئی اس کی کسی مخلوق کو خدا قرار دینے لگے اور کسی کو اس کا بیٹا یا بیٹی قرار دے دیا جائے، کسی کو اس کی طرح ہی حاجت روا اور فریاد رس گمان کرلیا جائے اور انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس کے قانون کو نظر انداز کر کے اپنے وضعی قوانین کی اطاعت کرنے لگے اور جس طرح اس کے سامنے جھکا جاتا ہے اسی طرح تخت پر براجمان ہونے والے انسانوں کو خدائی کا

Marfat.com

مرتبہ دے دیا جائے اور ان کے سامنے سجدۂ تعظیمی کیا جائے۔ تو کیا ان حماقتوں کی وجہ سے اس کا اندیشہ نہیں پیدا ہوجاتا کہ آسمان واقعی پھٹ جائے، جبکہ فرشتوں کا حال یہ ہے کہ وہ جب اہلِ زمین کو ایسی حرکتیں کرتے دیکھتے ہیں تو وہ بھی حیرت زدہ رہ جاتے ہیں اور اہلِ زمین کی جسارتوں پر شب و روز استغفار کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کہیں ان پر نازل نہ ہوجائے۔ وہ بار بار اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ الٰہی ان کو اور مہلت عطا فرما، ممکن ہے یہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح کرلیں۔ اور ساتھ ہی مزید تسبیح و تحمید میں لگے رہتے ہیں۔ یعنی جس طرح کی بعض کمزور باتوں کو مشرکین اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس سے منزہ ٹھہراتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ کے حوالے سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور آخر میں پروردگار نے اپنی دو صفات بیان فرما کر مشرکین کو تنبیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بخشنے والا اور رحم فرمانے والا نہیں، تم نے جس طرح بعض آستانے بنا رکھے ہیں کہ یہ دولت تمہیں وہاں سے بھی مل سکتی ہے اپنی اس غلط فہمی کو دور کرو اور خاص طور پر فرشتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ تمہاری بخشش پر قادر ہوتے تو وہ اس عاجزی کے ساتھ لوگوں کی مغفرت کیلئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کیوں کرتے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦

(اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں اللہ ہی ان پر نگران ہے، آپ ان پر ذمہ دار نہیں۔ ۶)

مشرکین کو نہایت سخت تنبیہ

اس آیتِ کریمہ میں مشرکین کو نہایت سخت الفاظ میں تنبیہ کی گئی ہے اور آنحضرت ﷺ کیلئے تسلی ہے۔ مشرکین سے فرمایا جارہا ہے کہ اگر اس قدر واضح دلائل کے باوجود بھی ان لوگوں نے اپنے سرپرست اور کارساز اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں یا اسے نظر انداز کرتے ہوئے کچھ دوسری قوتوں کو بنا رکھا ہے چاہے وہ اجرامِ فلکی میں سے ہوں یا زمین کے طواغیت میں سے، وہ ارواحِ خبیثہ ہوں یا کسی علاقے کے جنات، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ برابر ان پر نگرانی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول نے ان پر یہ بات واضح کردی تھی کہ ان کا ولی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی وہی ان کا حقیقی رہنما ہے، وہی ان کا معبودِ برحق ہے، وہی قادرِ مطلق ہے، وہی ہر موقع پر اور ہر حال میں ان کی مدد کرنے والا ہے وہ ان کی مرادیں برلانے والا ہے۔ اور فوق الفطری طریقے سے انسانوں کے کام آنا صرف اس کی قدرت اور اس کی صفت ہے۔ لیکن انہوں نے اسے چھوڑ کر نہ جانے یہ صفات کن کن لوگوں میں تقسیم کر رکھی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو ولی مان کر جس طرح اس کی بندگی بجالائی جاتی اور اس کی پوجا پاٹ کی جاتی تھی اور جس طرح اس کے سامنے دستِ سوال پھیلایا جاتا تھا اور جس طرح اس کے دیئے ہوئے قانون کو حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا یہی ساری حیثیتیں انہوں نے غیر اللہ کو دے رکھی ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی یہ ساری حرکتیں اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی نگرانی میں ہیں۔ اس نے محض سنبھلنے کیلئے انہیں مہلت دے رکھی ہے۔ وہ برابر اس انتظار میں ہے کہ جیسے ہی ان کی مہلتِ عمل ختم ہو تو اس کے قہر و غضب کوڑا ان پر برسے۔ ساتھ ہی آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ کو رسول، مبلغ اور داعی الی الحق بنا کے بھیجا گیا ہے ان کے ایمان و عمل کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔ اگر یہ آپ پر ایمان نہیں لاتے یا آپ کی ہدایات پر عمل نہیں کرتے تو اس کی پرسش بہرحال ان ہی سے ہونی ہے۔ کیونکہ آپ ان پر نہ داروغہ بنائے گئے ہیں اور نہ حوالہ دار۔ نہ یہ آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ آپ انہیں ہدایت سے ضرور بہرہ ور کردیں۔ آپ سے ان کی ہدایت کے بارے میں کوئی سوال نہیں ہوگا۔

Marfat.com

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ۝

(اور اسی طرح ہم نے اے پیغمبر! ایک عربی قرآن آپ کی طرف وحی کیا ہے تا کہ آپ اہلِ مکہ اور اس کے گرد وپیش میں رہنے والوں کو خبردار کر دیں، اور اس دن سے ڈرا دیں جو سب کے اکٹھے کرنے کا دن ہوگا جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں، ایک گروہ کو جنت میں جانا ہے اور ایک گروہ کو دوزخ میں۔ ۷)

عربوں پر قرآن کی صورت میں احسان اور اتمامِ حجت کی طرف اشارہ

کَذٰلِکَ کا اشارہ سابقہ مضمون کی طرف ہے کہ جس طرح ہم نے انسانوں کی ہدایت کیلئے آپ سے پہلے آنے والے نبیوں اور رسولوں پر وحی نازل کی تھی، اسی طرح ہم نے آپ پر بھی یہ عربی قرآن اتارا ہے۔ اس کو عربی کہہ کر اہلِ عرب پر احسان بھی کیا ہے اور اتمامِ حجت بھی فرمایا ہے۔ اہلِ عرب پر اس سے بڑا احسان اور کیا ہوگا کہ وہ اُمی محض ہیں۔ لکھنا پڑھنا تک نہیں جانتے اور ایک طویل عرصے سے نہ ان کی طرف کوئی نبی اور رسول آیا اور نہ ان پر کوئی شریعت نازل کی گئی۔ اس لئے نہ وہ نبوت سے واقف ہیں اور نہ علومِ نبوت سے ان کا کوئی تعلق ہے۔ اس تہی دامنی کے باوجود ان پر قرآن جیسی کتاب کا نازل ہونا جو پہلے آنے والی تمام کتابوں کے علوم کی جامع ہے احسان نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی طرح عربی کا لفظ بول کر ان پر اتمامِ حجت فرمایا گیا ہے کیونکہ اگر یہ قرآنِ کریم کسی اور زبان میں آتا جسے تم نہ سمجھتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے یہاں تم یہ عذر کرتے کہ ہم قرآنِ کریم سے کیا فائدہ اٹھا سکتے تھے جبکہ وہ ایک ایسی زبان میں نازل ہوا تھا جس سے ہم بالکل واقف نہیں تھے۔ ہم نے عربی زبان میں اسے نازل کیا تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر ایمان نہ لانے اور اس کی دعوت کو قبول نہ کرنے پر کوئی عذر پیش نہ کر سکو۔ اس طرح ہم نے عربوں پر اپنی حجت تمام کر دی۔ مزید فرمایا کہ ہم نے یہ کتاب اس لئے نازل کی ہے تا کہ تم اُم القریٰ اور اس کے گرد وپیش رہنے والے لوگوں کو خبردار کر دو کہ تمہاری دنیا اور آخرت کی فلاح و کامیابی کا دارومدار اب اس دین کے قبول کرنے میں ہے جو نبی کریم ﷺ پیش کر رہے ہیں اور قرآنِ کریم جس کی دعوت دے رہا ہے۔ اور اگر تم نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو پھر اس کے نتیجے میں تمہارے برے انجام سے میں تمہیں خبردار کرتا ہوں۔ اُم القریٰ مکہ معظمہ کا نام ہے۔ اس کا معنی ہے مرکزی بستی۔ القریٰ قریہ کی جمع ہے اور اُم کہتے ہیں ایسی چیز کو جس کے نیچے بہت سے توابع ہوں، جسے ایک مرکزی حیثیت حاصل ہو۔ ماں چونکہ اپنے بچوں کیلئے اصل کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کیلئے سائے کی مانند ہوتی ہے اس لئے اس کو اُم کہا گیا ہے۔ دماغ سارے جسم کو کنٹرول کرتا ہے اور باقی تمام اعضاء اس کے پیچھے چلتے ہیں، اس لئے اس کو اُم الرأس کہا جاتا ہے۔ مکہ معظمہ جزیرۂ عرب میں ایسی ہی حیثیت کی حامل بستی تھی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا گھر تھا اس لئے اس بستی کی حیثیت سارے عرب کے مرجع کی تھی۔ جزیرۂ عرب کی ساری دانش قیادت کی صورت میں یہاں جمع ہو گئی تھی، تمام قبائل کے بت یہاں موجود تھے اس لئے اللہ تعالیٰ کے گھر کے علاوہ بتوں کی صورت میں بھی تمام قبائل کی عقیدت کا مرکز یہی بستی تھی۔ جس بات کا چلن اس بستی میں ہو جاتا تھا وہ بات سارے جزیرۂ عرب کی آواز بن جاتی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو براہِ راست اس بستی میں بھیجا تا کہ ان کی

Marfat.com

دعوت اس بستی کے واسطے سے تمام جزیرۂ عرب میں پھیل جائے۔ مَنْ حَوْلَهَا سے مراد اس کے اردگرد پھیلی ہوئی بستیاں ہیں جن سے مراد پورا جزیرۂ عرب ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے مراد پوری دنیا لی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی بعثت عامہ تمام دنیا کی طرف ہے کیونکہ آپ ساری دنیا کی طرف پیغمبر بنا کے بھیجے گئے تھے۔ آپ آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ حقیقت اور معنویت کے اعتبار سے یہ بات بالکل صحیح ہے۔ لیکن مَنْ حَوْلَهَا کی یہ تعریف الفاظ کی حدود سے صریح تجاوز ہے۔ اور پھر اس کی یہاں ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ خود آنحضرت ﷺ کے ارشادات سے یہ بات واضح ہے کہ آپ کی بعثت دو حیثیتوں سے ہوئی ہے ایک بعثت عام اور دوسری بعثت خاص۔ بعثت عام کے اعتبار سے آپ ساری دنیا کیلئے رسول بن کر آئے۔ لیکن بعثت خاص کے اعتبار سے آپ براہِ راست مکہ معظمہ اور جزیرۂ عرب کی طرف مبعوث ہوئے۔ چنانچہ بعثت خاص کے حوالے سے آپ کو اہلِ مکہ اور اہلِ عرب پر حجت تمام کرنے کا مکلّف ٹھہرایا گیا۔ اور ان کے سامنے دینِ حق کی شہادت دینے کی ذمہ داری آپ پر عائد کی گئی۔ اور جہاں تک بعثت عام کا تعلق ہے، اس کی ذمہ داری قرآن نے بھی اور نبی کریم ﷺ نے بھی پوری امتِ مسلمہ پر عائد کی ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے بھی آپ کو خیرِ امت قرار دیا جسے تمام لوگوں کیلئے نکالا گیا ہے اور مسلمانوں کو شہداء اللہ فی الارض قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے اقبال مرحوم نے امتِ مسلمہ کی ذمہ داری کے حوالے سے کہا:

وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اور آپ پر وحی کے ذریعے قرآنِ عربی کے نزول کا دوسرا مقصد یہ بیان فرمایا تاکہ آپ لوگوں کو خبردار کردیں یوم الجمع سے۔ اس سے مراد قیامت ہے۔ اور یوم الجمع قیامت کو اس لئے کہا گیا ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ بلا استثنیٰ سب کو اکٹھا کرے گا۔ نوعِ انسانی کی پہلی کھیپ سے لے کر قربِ قیامت کی آخری نسل تک سب کو جمع کیا جائے گا۔ اور پھر کسی کو استثنیٰ حاصل نہیں ہوگا۔ وہاں عابد بھی لائے جائیں گے اور معبودانِ باطلہ بھی، لیڈر بھی ہوں گے اور ان کے پیروکار بھی، کفار بھی ہوں گے اور ان کے حمایتی بھی، انبیائے کرام بھی ہوں گے اور ان پر ایمان لانے والے بھی، طبقۂ زہاد کے لوگ بھی ہوں گے اور فساق و فجار بھی۔ ان سب کی موجودگی میں ان سب کے اعمال کا حساب ہوگا، سب سے باز پرس ہوگی۔ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ جو اچھائی یا برائی کی اور جو رول ادا کیا، پاسِ عہد کیا یا بے وفاتی دکھائی۔ ہر چیز کھول کے رکھ دی جائے گی۔ اور کسی کو سزا دی جائے گی تو اس میں زیادتی نہیں ہوگی اور کسی کو انعام دیا جائے گا تو اس میں کمی نہیں ہوگی۔ اس فیصلے کے نتیجے میں کوئی جہنم میں جائے گا اور کوئی جنت میں۔ ایمان و عمل سے بہرہ ور لوگ جنت سے بہرہ ور ہوں گے۔ اور دوسرا گروہ جو اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں پر مشتمل ہوگا وہ جہنم میں جائے گا۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۸

(اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے، اور ظالموں کا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ مددگار۔ ۸)

Marfat.com

ایک شبہ کا جواب

اس آیتِ کریمہ میں ایک شبہ کا جواب دیا گیا ہے جسے علمی زبان میں دفع دخلِ مقدر کہتے ہیں۔ شبہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم یا دوسری کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کی ہدایت کیلئے ہر دور میں ایک ہی دین نازل فرمایا۔ اور اس دین کے اتباع پر دنیوی اور اخروی کامیابیوں کی نوید سنائی اور جنت کا وعدہ فرمایا۔ اور جو لوگ اس دین کو قبول کرنے سے انکار کریں گے یا اس پر عمل کرنے سے گریزاں ہوں گے انہیں نافرمانوں اور کفار کا گروہ قرار دیا گیا ہے اور انہیں جہنم میں داخل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ سب لوگ اس کے ایک ہی دین کے تابع رہ کر زندگی گزاریں ورنہ انہیں جہنم میں جانا پڑے گا تو اس نے ایسا کیوں نہ کیا کہ لوگوں میں دین سے اختلاف کرنے کی جرأت اور صلاحیت پیدا نہ کی جاتی اور فرشتوں کی طرح سب کو ایک ہی دین پر چلنے کا نہ صرف پابند کیا جاتا بلکہ اس دین کی پابندی ان کی فطرت اور جبلت میں رکھ دی جاتی۔ اور اس طرح سے تمام دنیا کے انسان امتِ واحدہ کی شکل میں زندگی گزارتے۔ نہ انسانوں میں مسائل پیدا ہوتے اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی وجود میں آتی۔ جس طرح فرشتوں اور دوسری مخلوقات میں رائے کے اختلاف کی وجہ سے مسائل جنم نہیں لیتے، نہ مفادات میں تصادم ہوتا ہے نہ عزائم باہم دست و گریباں ہوتے ہیں۔ اور ان کی زندگی اس طرح گزرتی ہے کہ کسی کو کسی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ ایسی ہی زندگی جن و انس کی بھی ہوتی، اگر ان میں اختیار اور ارادے کی آزادی نہ ہوتی، اور ان میں نافرمانی کی جرأت پیدا نہ کی جاتی۔ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا کہ زبردستی سب کو نیک بنا دے اور اس کے نتیجے میں سب لوگ امتِ واحدہ بن کر رہیں تو پھر اس دنیا کی بساط بچھانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیونکہ دنیا میں جن و انس کو اس لئے بھیجا گیا ہے تا کہ انہیں جوہرِ عقل دے کر اور قوتِ امتیاز بخش کر خیر و شر میں تمیز کی قوت پیدا کی جائے۔ اور پھر ہر ایک کو قوتِ ارادہ دے کر، مفادات کی ہوس دے کر، خواہشات کی محبت دے کر دنیا میں زندگی گزارنے کا حکم دیا جائے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ مفادات کے تصادم سے بچنے، خواہشات کے اتباع کے نقصانات سے محفوظ رہنے اور سفلی جذبات کی گندگی کو سمجھنے اور ایک دوسرے کے حقوق پہچاننے کیلئے آسمانوں سے ہدایت نازل کی جائے جنہیں باقاعدہ کتابی شکل میں لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیا جائے تا کہ وہ اس سے بیگانہ نہ رہیں اور انسانوں میں سے چند انسانوں کو رسالت دے کر ان کی زندگیوں کو خیر کا نمونہ بنا دیا جائے۔ اور پھر یہ حکم دیا جائے کہ ہم نے تمہیں ارادے کی آزادی دی ہے چاہو تو زندگی کی وہ روش اختیار کرو جس میں ہوائے نفس کی حکمرانی ہے اور چاہو تو ہدایت کا وہ طریقہ اختیار کرو، اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول جس کا نمونہ ہیں اور جس میں اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہے۔ پہلی صورت میں تمہیں قیامت کے روز جہنم میں جانا ہوگا اور دوسری صورت میں تم اللہ تعالیٰ کے انعامات کے حقدار ٹھہرو گے اور تمہیں جنت سے نوازا جائے گا۔ یہ سکیم دے کر ہم نے تمہیں دنیا میں بھیجا اور دنیا کے قیام کو مہلتِ عمل بنایا ہے۔ اب اگر ہم تم سے آزادی چھین لیں اور زبردستی تمہیں نیک یا بد بنا دیں تو پھر یہ سکیم تو ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اگر سب کو زبردستی نیک بنا دیا جائے تو پھر انعام کس بات پر، اور جنت کا کیا معنی؟ اور اگر سب کو بد بنا دیا جائے تو پھر سزا کس چیز پر اور جہنم کا کیا مفہوم؟ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو امتِ واحدہ بنا دیتا۔ لیکن اس کی مشیت کا تقاضا یہ ہوا کہ وہ جسے چاہے یعنی جو اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت کرے اور اس کے عمل کا یہ تقاضا ہو کہ اسے جنت میں بھیجا جائے تو اسے وہ اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ لیکن جو لوگ اس کے دین و شریعت کی نافرمانی کر کے اپنے آپ پر ظلم توڑیں ان کیلئے قیامت کے دن نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔

Marfat.com

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ‌ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الۡوَلِىُّ وَهُوَ يُحۡىِ الۡمَوۡتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝٩

(کیاان لوگوں نے اس کے سوا دوسرے ولی بنا رکھے ہیں۔ ولی تو اللہ ہی ہے، وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۹)

ولی کی وضاحت اور مشرکین کے رویئے پر اظہارِ تعجب

گزشتہ آیات میں یہ بات اچھی طرح واضح کی گئی ہے کہ ولی اسے کہتے ہیں جس کے اندر صفتِ ولایت پائی جاتی ہو۔ اور صفتِ ولایت ایسی صفت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا فوق الفطری طریقے سے کوئی دوسرا شخص نہ کسی کی مدد کرسکتا ہے نہ آفات و مصائب سے اس کی حفاظت کرسکتا ہے نہ اسے رزق کے وسائل مہیا کرسکتا ہے نہ اس کی حاجتیں پوری کرسکتا ہے اور نہ وہ انسانوں کو ایسی رہنمائی مہیا کرسکتا ہے جو ہر طرح کی غلطی اور نارسائی سے پاک ہو اور دنیا و آخرت کی فلاح کی جس میں ضمانت دی جاسکے۔ نہ کسی کی یہ حیثیت ہے کہ اس کے احکام اور اس کے دیئے ہوئے دستور کی غیر مشروط اطاعت ضروری ہو۔ اس لئے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو اولیاء بنا رکھا ہے اللہ تعالیٰ ان کی برابر نگرانی کررہا ہے۔ جیسے ہی مہلتِ عمل گزرے گی تو ان کی ان جسارتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا عتاب نازل ہوگا۔ ان تمام وضاحتوں کے باوجود پھر بھی اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی بجائے دوسرے کسی بھی بڑے آدمی کو اپنا ولی بنا لیتا ہے تو پروردگار اس پر اظہارِ تعجب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ کسی کو ولی بنانا کوئی من مرضی کا کھیل تو نہیں کہ آپ جسے چاہیں اپنا ولی بنالیں اور وہ حقیقت میں بھی آپ کا سچا اور اصلی ولی بن جائے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ ولایت تو ایک ایسا منصب ہے جس کا تعلق سراسر الوہیت اور قدرتِ مطلقہ سے ہے۔ ظاہر ہے کہ ان صفات کا مخلوق میں ہونا نہ صرف یہ کہ ناممکن ہے بلکہ کسی کے اندر یہ صفات ماننا کفر بھی ہے۔ اس لئے مشرکینِ عرب پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو کیسے ولی بنالیتے ہیں اور پھر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ولی ہونے کیلئے کم از کم یہ بات ضروری ہے کہ وہ موت و حیات کی حقیقت سے نہ صرف واقف ہو بلکہ اس پر قدرت بھی رکھتا ہو۔ وہ موت کو حیات میں تبدیل کرسکتا ہو اور حیات کو موت میں۔ اور جو اس طرح کے اختیارات نہیں رکھتا اسے ولی بنانا تو ایسا ہی ہے جیسے کسی بے نوا اور بے بس شخص کے سر پر شہنشاہِ دو عالم کا تاج سجا دیا جائے۔ یہ مثال اگرچہ بات کو سمجھنے کیلئے کافی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ہمہ مقتدر ذات اور انسان کی بے بس ذات کے تقابل کیلئے نہایت ناقص مثال ہے۔ اس سے تصور کیا جاسکتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ولی بناتا ہے وہ کس قدر حماقت کا اظہار کرتا ہے کہ کہاں بے بس انسان اور کہاں وہ ذات جو ہر چیز پر قادر ہے۔

وَمَا اخۡتَلَفۡتُمۡ فِيۡهِ مِنۡ شَىۡءٍ فَحُكۡمُهٗۤ اِلَى
اللّٰهِ‌ ؕ ذٰ لِكُمُ اللّٰهُ رَبِّىۡ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ ‌ۖ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ ۝١٠ فَاطِرُ
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّمِنَ
الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا ‌ۚ يَذۡرَؤُكُمۡ فِيۡهِ‌ ؕ لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ‌ۚ وَهُوَ
السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ۝١١ لَهٗ مَقَالِيۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ۚ يَبۡسُطُ

Marfat.com

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٢﴾ شَرَعَ لَكُمْ
مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا
وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ
لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۚ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ
اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ
مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا
الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿١٤﴾ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ
وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۚ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ لَنَآ
اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۚ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ
وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا
اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ
وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿١٦﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۚ
وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿١٧﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ
اَنَّهَا الْحَقُّ ۚ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿١٨﴾
اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿١٩﴾

Marfat.com

رکوع: ۲۔ (اور جس کسی چیز میں بھی تم نے اختلاف کیا ہے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، وہی اللہ میرا رب ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ ۱۰) وہی آسمانوں اور زمین کو بنانے والا ہے، اسی نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کیے اور چوپایوں کی جنس سے بھی جوڑے پیدا کیے، اور اس طریقے سے وہ تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے، اور اس کے مانند کوئی شے بھی نہیں ہے، اور وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ ۱۱) آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، وہ رزق کشادہ کرتا ہے جس کا چاہتا ہے، اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ۱۲) اس نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا، اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی اور جس کی ہدایت ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دی کہ اس دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ پیدا کرو، مشرکین پر وہ چیز شاق گزر رہی ہے جس کی طرف آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں، اللہ جسے چاہتا ہے اپنی طرف آنے کیلئے چن لیتا ہے اور اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔ ۱۳) اور وہ لوگ متفرق نہیں ہوئے مگر صحیح علم آچکنے کے بعد محض ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہوئے، اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات ایک مدتِ معین کیلئے طے نہ پا چکی ہوتی تو ان کے درمیان فوراً فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور بے شک جو لوگ ان کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اس کی طرف سے ایک الجھن میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۱۴) پس آپ اسی دین کی دعوت دیں اور اس پر جمے رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات کا اتباع نہ کریں اور ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ نے جو کتاب اتاری ہے میں اس پر ایمان لایا ہوں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہی ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں، اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔ ۱۵) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں حجت کر رہے ہیں، بعد اس کے کہ اس کو قبول کیا جا چکا ہے ان کی حجت ان کے رب کے پاس بالکل باطل ہے اور ان پر اس کا غضب ہے اور ان کیلئے سخت عذاب ہے۔ ۱۶) اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اتاری اور میزان نازل کی، اور آپ کیا جانیں شاید فیصلے کی گھڑی قریب ہی آ لگی ہو۔ ۱۷) اس کیلئے جلدی مچاتے ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ بے شک وہ آنے والی ہے، خبردار بے شک جو لوگ اس گھڑی کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں وہ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ۱۸) اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے وہ جس کو چاہتا ہے رزق بخشتا ہے وہ بڑی قوت والا ہے اور زبردست ہے۔ ۱۹)

Marfat.com

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۱۰﴾

(اور جس کسی چیز میں بھی تم نے اختلاف کیا ہے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، وہی اللہ میرا رب ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ ۱۰)

آنحضرت ﷺ کو تسلی اور آپ کے مرتبے کی وضاحت

اس سے پہلے اس بنیادی عقیدے پر بہت زور دیا گیا ہے کہ ولی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہی مالکِ کائنات اور وہی کارسازِ حقیقی ہے۔ اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کو حاکمِ حقیقی بھی مانا جائے اور اس کے حکم کو آخری حکم، اس کی شریعت کو آخری شریعت اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کیلئے حتمی اور واجب العمل قرار دیا جائے۔ اور جو لوگ اس عقیدے کو اختیار کرنے کے بعد فی الواقع اللہ تعالیٰ کے دین کو اپنی زندگیوں پر نافذ کرلیں اور ان کے اجتماعی ادارے اس کے مطابق چلنے لگیں تو کسی وقت بھی اس بات کا امکان ہوسکتا ہے کہ کسی معاملے میں بھی ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو۔ تو ایسے اختلاف کے حل کیلئے ہمارے لئے رجوع کا موقع اور فیصلہ کن حوالہ اگر کوئی ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کیونکہ ولی ہونے کے لحاظ سے وہی اس بات کا حق رکھتا ہے کہ ہر معاملے میں اس کا حکم چلے۔ یہی وہ بات ہے جس کا قرآنِ کریم نے حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ''پیروی کرو اس چیز کی جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے اور اسے چھوڑ کر دوسرے اولیاء کی پیروی نہ کرو۔'' مزید فرمایا کہ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ''اور اگر کسی چیز میں تم میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ۔'' اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا مطلب ہے کہ قرآن کی طرف لوٹو۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرف لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ سنتِ رسول کی طرف رجوع کرو۔ چونکہ ولی حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور نبی کریم ﷺ اس کے نمائندہ ہیں۔ اس لئے ہر اختلاف کی صورت میں رہنمائی کیلئے انہیں کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور یہ رجوع صرف آخرت میں ہی نہیں ہوگا بلکہ آیت کے الفاظ عام ہیں وہ علی الاطلاق تمام نزاعات و اختلافات میں اللہ تعالیٰ کو فیصلہ کرنے کا اصل حقدار قرار دے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے دین کو اللہ تعالیٰ کی زمین اور اس کے بندوں پر نافذ اور جاری کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو نمونہ اور اسوہ قرار دیا ہے۔ وہ سب سے پہلے اپنی زندگی پر اور پھر لوگوں پر اسے قائم کر کے دکھاتے ہیں۔ چنانچہ اسی حوالے سے آنحضرت ﷺ سے کہلوایا گیا کہ میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے۔ یعنی زندگی کے ہر مسئلے کے حل کیلئے اور اس راستے میں پیش آنے والی مشکلات کو دور کرنے کیلئے میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے۔ اور بھروسہ بھی میں نے عہدِ ماضی میں کیا ہے۔ کیونکہ تَوَكَّلْتُ فعل ماضی ہے جو فعل کے استحکام اور عزم بالجزم پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ بات بھی اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ یہ فیصلہ میں نے اس وقت سے کر رکھا ہے جب سے میرے شعور نے آنکھ کھولی۔ اور فیصلہ کرنے کی ضرورت کا احساس ہوا۔ اور مزید فرمایا کہ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور کروں گا کیونکہ اُنِيْبُ فعل مضارع ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے اور اس میں حال اور مستقبل دونوں معنی پائے جاتے ہیں۔ یعنی اگر آج مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے یا رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے تو میں اللہ تعالیٰ ہی سے استمداد کرتا ہوں۔ اور اگر آئندہ ایسی ضرورت پیش آئے گی تب بھی اسی کی طرف رجوع کروں گا۔

Marfat.com

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿١١﴾

(وہی آسمانوں اور زمین کو بنانے والا ہے، اسی نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کئے اور چوپایوں کی جنس سے بھی جوڑے پیدا کئے، اور اس طریقے سے وہ تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے، اور اس کے مانند کوئی شے بھی نہیں ہے، اور وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ ۱۱)

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلائل

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے ولی، کارساز، خالق و مالک اور حاکمِ حقیقی ہونے کے دلائل مہیا کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلی دلیل یہ فرمائی گئی ہے کہ تمام مخلوقات کی زندگی ایک مسکن کی مرہونِ منت ہے جو آسمانوں اور زمینوں سے مل کر بنا ہے۔ یہ ایک گھر ہے جس میں تمام مخلوقات کو ان کو ضروریات فراہم کی جا رہی ہیں۔ جو آسمانوں اور فضا میں رہتے ہیں وہ بھی اپنا رزق پا رہے ہیں۔ اور زمین پر بسنے والے انسان بھی اس گھر کی افادیت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ زمین ان کیلئے مختلف نعمتوں کا دسترخوان بچھاتی ہے۔ اور آسمان ان نعمتوں کو کام و دہن کی ضرورت کے مطابق تیار کرتا ہے۔ زمین غلہ اگاتی ہے، سورج کی گرمی اسے پکاتی ہے۔ زمین پھل پیدا کرتی ہے، چاند اس میں مٹھاس اور گداز پیدا کرتا ہے۔ زمین نباتات اگاتی ہے، آسمان اس کی آبیاری کا سامان کرتا ہے۔ اور پھر باہمی تخالف کی نسبت رکھتے ہوئے توافق کی ایسی حیرت انگیز مثال قائم کرتے ہیں کہ دیکھنے والی نگاہ ششدر رہ جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ انسان ہوں یا حیوان اس کے توالد اور تناسل کیلئے اسی کی جنس سے ان کے جوڑے پیدا کئے جاتے ہیں اور پھر انسانوں میں تو حیرت انگیز طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ مرد و زن کی شخصیت ایک دوسرے کے بغیر ادھوری ہے۔ اور ہر شخصیت میں کچھ خلاء رکھے گئے ہیں جو صنفِ مخالف سے پُر کئے جاتے ہیں۔ دونوں کا وجود ایک دوسرے کیلئے اس حد تک ضروری ہے کہ یہ دنیا تمام تر رعنائیوں کے باوجود ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہے۔

تیسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ وہ اس طریقے سے تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے۔ اس جملے میں اگر تدبر سے کام لیا جائے تو ایک جہانِ معنی اس میں مضمر ہے۔ لیکن میں صرف ایک بات عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ساری آبادِ دنیا میں مرد اور عورت کے اتصال سے نسلِ انسانی کو پھیلایا ہے۔ اس میں سب سے پہلی چیز جو ہمیں پہلی ہی نظر میں دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی ملک اور کسی شہر میں کبھی یہ شکایت پیدا نہیں ہوئی کہ وہاں مرد زیادہ پیدا ہوتے ہیں اور عورتیں کم پیدا ہوتی ہیں، یا اس کے برعکس پیدائش کا عمل جاری ہے۔ اور یہ بھی کبھی نہیں ہوا کہ کسی علاقے میں یہ شکایت پیدا ہوئی ہو کہ وہاں سرے سے نسلِ انسانی کا پھیلاؤ رک گیا ہے۔ حالانکہ خاندانی منصوبہ بندی کے فلسفے نے نسلِ انسانی کے پھیلاؤ میں بہت کچھ رکاوٹ کھڑی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا نتیجہ جہاں پیداوار کی کمی کی صورت میں نکل سکتا تھا وہیں اس بات کا بھی امکان تھا کہ مرد اور عورت کا تناسب بگڑ جائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا انتظام ہے، جس کے نتیجے میں اس تناسب میں معمولی کمی بیشی کے سوا کوئی بڑا تغیر پیدا ہونے میں نہیں آتا۔ اور پھر خواہشاتِ نفسانی کے غلبے اور سفلی جذبات کی فراوانی میں اگرچہ ماں باپ اور اولاد کی

Marfat.com

محبت میں بہت حد تک کمی پیدا کرنے کی کوشش ہوئی ہے، لیکن کسی ملک میں بھی آج تک ایسی پریشان کن صورت پیدا نہیں ہوئی کہ لوگ اپنے بچوں کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیں۔ انسانی فلسفوں کو دیکھتے ہوئے اندیشوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اپنے انتظام کی ہمہ گیری کا نتیجہ ہے کہ تمام تر وسائل کے باوجود منفی جذبات ابھی تک پیدا نہیں کیے جا سکے۔

اللہ تعالیٰ کی ان صفات اور اس کی قدرت کے کرشموں کو دیکھتے ہوئے یقیناً یہ بات ہر دل سے اٹھتی ہے کہ کوئی شے بھی اس جیسی نہیں۔ قرآنِ کریم نے اس میں مبالغہ پیدا کرنے کیلئے مثل پر حرفِ تشبیہ داخل کیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اس کی مثل کی مانند بھی کوئی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس کی کوئی مثل ہوتی تو اس کے مانند بھی کوئی نہ ہوتا، یہ صرف مبالغہ کا ایک انداز ہے ورنہ جس طرح اس کی ذات جیسا کوئی نہیں، اسی طرح اس کی مثل بھی کوئی نہیں۔ وہ اپنی ذات میں بھی یکتا ہے اور اپنی صفات میں بھی۔ اور مزید حیرانی کی بات یہ ہے کہ کائنات کی وسعتوں کا کوئی اور چھور نہیں۔ لیکن اس کی ذات کے اعجاز کا عالم یہ ہے کہ کائنات کے ہر گوشے سے اٹھنے والی آواز کو سنتا بھی ہے اور ہونے والی حرکت کو دیکھتا بھی ہے۔ سمندروں کی گہرائی میں کوئی جرثومہ حرکت کرتا ہے تو وہ اس کی حرکت کو دیکھتا اور سنتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اہلِ زمین کی فریادوں کو نہ سنے، اور مظلوموں پر ہونے والے ظلم کو نہ دیکھے۔ اور ظالموں کا ظلم اور خائنوں کی خیانتیں اس کی بصارت سے دور رہیں۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑫

(آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، وہ رزق کشادہ کرتا ہے جس کا چاہتا ہے، اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ۱۲)

جو ذات خالق ہے وہی مالک بھی ہے

جو ذات آسمانوں اور زمین کی خالق ہے اور جس کے قبضے میں موت و حیات کا سلسلہ ہے اور جس نے مخلوقات کے جوڑے پیدا کیے اور جس نے انسانوں کو اپنی قدرت اور حکمت سے پھیلایا کیا اس کے سوا کوئی اور ذات بھی ہو سکتی ہے جو آسمانوں اور زمین کی مالک اور حکمران ہو۔ اور آسمانوں اور زمینوں کے خزانوں کی چابیاں اس کے ہاتھ میں دے دی جائیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی اور ذات کون سی ہو سکتی ہے۔ زمین کی حرکت اس کے قبضے میں ہے، سیارے اسی کے حکم سے چلتے ہیں، سورج اور چاند جیسے کُرّے اسی کے حکم کے پابند اور محوِ گردش ہیں۔ پانی اسی کی قدرت سے بہتا اور نباتات اسی کے حکم سے اگتی ہیں، بارشیں اسی کے حکم سے ہوتی ہیں، سمندر اسی کے حکم سے موتی اگلتا ہے، اور ساحلوں پر بسنے والی مخلوق کو تازہ گوشت کی غذا بہم پہنچاتا ہے۔ وہ جس کیلئے چاہتا ہے رزق کھول دیتا ہے، جس کیلئے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔ وہی ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ کائنات میں کوئی تبدیلی اس کی قدرت اور علم کے بغیر نہیں ہوتی۔ جس کو وسیع رزق ملتا ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے اور جس کا رزق تنگ ہو جاتا ہے وہ بھی اسی کی قدرت سے ہے۔ اس لئے امیدیں اسی سے باندھنی چاہئیں اور اسی کا ہمیشہ شکر ادا کرنا چاہئے۔ رزق تنگ ہو جائے تو کبھی یہ بدگمانی نہیں ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو شاید اس کی خبر نہیں۔ اور جس کو بے پایاں رزق مل رہا ہے اس کو بدمست نہیں ہونا چاہئے کہ شاید یہ میری بدمستی اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں۔ جو اس سے مانگتا رہے گا اس کے خزانے اس کیلئے کھل جائیں گے۔ اور جو بدمست ہو جائے گا ایک نہ ایک دن اس کا عدل اس کی سزا کا باعث بن جائے گا۔

Marfat.com

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ﴿١٣﴾

(اس نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا، اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی اور جس کی ہدایت ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دی کہ اس دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ پیدا کرو، مشرکین پر وہ چیز شاق گزر رہی ہے جس کی طرف آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں، اللہ جسے چاہتا ہے اپنی طرف آنے کیلئے چن لیتا ہے اور اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔ ۱۳)

شَرَعَ کا لغوی معنی ہے راستہ بنانا، اور اصطلاحاً اس سے مراد طریقہ، ضابطہ اور قاعدہ مقرر کرنا ہے۔ اسی سے نکلا ہوا لفظ تشریع ہے جو قانون سازی کیلئے بولا جاتا ہے اور شرع اور شریعت قانون کیلئے۔ اور شارع واضع قانون کو کہتے ہیں۔

دِین، آئین اور طریقے پر بولا جاتا ہے۔ اصطلاحاً دین کسی کی سیادت و حاکمیت تسلیم کر کے اس کے احکام کی اطاعت کرنے کو کہتے ہیں۔ اور جب یہ طریقہ کے معنی میں بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ طریقہ ہوتا ہے جسے آدمی واجب الاتباع اور اس کے مقرر کرنے والے کو مطاع مانے۔

اللہ تعالیٰ حاکمِ حقیقی ہے اس لئے اس نے سب کو ایک ہی دین دیا

گزشتہ آیت میں ہم نے یہ بات پڑھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا مالک اور حاکمِ حقیقی ہے۔ اور حاکمِ حقیقی کا مطلب یہ ہے کہ اسے کائنات پر تکوینی طور پر اور اہلِ زمین پر تشریعی طور پر حاکمیت حاصل ہے۔ اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اہلِ زمین اس کی رعایا ہیں حاکم کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی رعایا کو انفرادی اور اجتماعی طور پر زندگی گزارنے کا ایک ایسا ڈھب سکھائے جس میں اختیارات کی حدود بھی واضح ہوں، حقوق کی تفصیل میں بھی کوئی ابہام نہ ہو، معیشت کے اصول بھی دیئے گئے ہوں اور سیاست کی آزادیوں کے ساتھ ساتھ پابندیاں بھی ذکر کی گئی ہوں، کسب و اکتساب کے ذرائع پر دسترس بھی دی گئی ہو اور وسائلِ رزق کی حلت اور حرمت بھی کھول دی گئی ہو، حکومت کے امکانات بھی واضح کئے گئے ہوں اور اقتدار کی نزاکتوں کو بھی واضح کر دیا گیا ہو۔ رہنمائی کا یہ مسودہ آئین کہلاتا ہے۔ اسی کو یہاں دین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حاکمیت کے تقاضے سے ہر پیغمبر کی امت کو یہ آئین عطا فرمایا۔ چنانچہ قریش اور دیگر اہلِ عرب کے سامنے یہ بات کھول کر بیان کر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین پسند فرمایا ہے جو اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور اسی کی تلقین حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو بھی کی گئی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ طوفانِ نوح سے پہلی دنیا کے ختم ہو جانے کے بعد نئی دنیا ان ہی کی اولاد اور ان پر ایمان لانے والوں کی اولاد سے آباد ہوئی۔ اور ان کیلئے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ اور پھر نبی کریم ﷺ کا ذکر فرمایا گیا جو آخری نبی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو جو دین دیا گیا ہے وہ کوئی اجنبی نہیں بلکہ شروع سے لے کر آخری نبی تک سب کا یہی دین رہا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا حقیقی دین ہے۔

Marfat.com

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا ذکر یہاں اس لئے فرمایا گیا کہ انہیں اہلِ عرب اپنا پیشوا مانتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس لئے کہ یہودی ان کی طرف اپنا انتساب کرتے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے رسول تھے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت یہی تین مذاہب اور ان کے پیروکار نبی کریم ﷺ کے سامنے اور آپ کی دعوت کا ہدف تھے۔ اس طرح سے بظاہر پانچ انبیاء کرام کا ذکر ہوا ہے۔ لیکن حقیقت میں تمام دنیائے مذہب کا ذکر ہو گیا۔ کیونکہ اس وقت انسان ان ہی مذاہب میں بٹے ہوئے تھے۔ اس تفصیل سے سب سے پہلی جو بات واضح ہوئی وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ انسانوں کی ہدایت کیلئے پہلے مبعوث ہونے والے رسول نہیں بلکہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بھی آتے رہے اور ان پر شریعتیں بھی نازل ہوتی رہیں۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ سارے پیغمبروں اور رسولوں کا دین ایک ہی رہا۔ جو دین پہلے رسول کا تھا، وہی آخری رسول کا ہے ان میں کوئی فرق نہیں۔

انبیاء کا فرض دین کا قیام ہے

تمام انبیاء کو دین عطا کرنے کے ساتھ ہی یہ ہدایت دی گئی تھی کہ وہ دین کو قائم کریں۔ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ کے دو معنی کیے گئے ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا ''قائم کنید دین را'' یعنی دین کو قائم کرو۔ اور شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے ''قائم رکھو دین کو۔'' دونوں ترجمے درست ہیں۔ اقامت کے معنی قائم کرنے کے بھی ہیں اور قائم رکھنے کے بھی۔ انبیاء علیہم السلام ان دونوں کاموں پر مامور تھے کہ جہاں یہ دین قائم نہیں وہاں اسے قائم کریں۔ اور جہاں قائم ہو چکا ہو اس کو قائم رکھنے کے اسباب فراہم کریں اور لوگوں میں اس کی تڑپ پیدا کریں۔

اقامتِ دین کا مفہوم

اقامتِ دین چونکہ اب ایک مقبول اصطلاح بن چکی ہے اس لئے سب سے پہلے اقامت کا مفہوم سمجھ لینا چاہئے۔ یہ لفظ جس طرح مادی اور جسمانی اشیاء کیلئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح معنوی چیزوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مادی اشیاء کیلئے اس لفظ کا مفہوم ہوتا ہے سیدھا کر دینا، کسی چیز کو گرنے سے بچالینا، کسی پڑی اور گری ہوئی چیز کو اٹھا دینا۔ قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ جب وہ ایک گاؤں میں داخل ہوئے تو انہوں نے ایک دیوار کو دیکھا کہ وہ گرا چاہتی ہے، تو انہوں نے اس کو سیدھا کر دیا۔ اس کیلئے جو تعبیر اختیار کی گئی ہے وہ یہ ہے یُرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ''دیوار گرا چاہتی تھی، انہوں نے اس کو سیدھا کر دیا۔'' اَقَامَهٗ کا یہاں معنی ہے سیدھا کر دینا۔ اور اگر وہ چیز معنوی ہو تو اس میں اقامت کا مفہوم محض اس چیز کی تبلیغ کرنا نہیں بلکہ کماحقہ عملدرآمد کرنا ہے۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنی حکومت قائم کر لی تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس نے اپنی حکومت کی طرف دعوت دی بلکہ یہ ہوتے ہیں کہ اس نے ملک کے لوگوں کو اپنا مطیع بنالیا اور حکومت کے تمام شعبوں کی ایسی تنظیم کر دی کہ ملک کا سارا انتظام اس کے احکام کے مطابق چلنے لگا۔ اسی طرح جب ہم یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو دین کے قائم کرنے یا قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور جس کی ذمہ داری خصوصی طور پر آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کی امت پر ڈالی گئی ہے، تو اس سے مراد صرف اتنی بات نہیں ہو سکتی کہ وہ خود اس دین پر عمل کریں اور دوسروں میں اس کی تبلیغ کریں تاکہ لوگ اس کا برحق ہونا تسلیم کر لیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ اسے تسلیم کر لیں تو اس سے آگے

Marfat.com

قدم بڑھا کر پورا کا پورا دین ان میں عملاً رائج اور نافذ کیا جائے تا کہ اس کے مطابق عملدرآمد ہونے لگے اور ہوتا رہے۔ اس میں شک نہیں کہ دعوت وتبلیغ اس کام کا لازمی ابتدائی مرحلہ ہے جس کے بغیر دوسرا مرحلہ پیش نہیں آ سکتا۔ لیکن ہر صاحبِ عقل آدمی خود دیکھ سکتا ہے کہ اس حکم میں دعوت وتبلیغ کو مقصود کی حیثیت نہیں دی گئی بلکہ دین قائم کرنے اور قائم رکھنے کو مقصود قرار دیا گیا ہے۔ دعوت وتبلیغ اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ضرور ہے مگر بجائے خود مقصد نہیں۔ کجا کہ کوئی شخص اسے انبیاء کے مشن کا مقصدِ وحید قرار دے بیٹھے۔

ایک سوال کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اگر ایک ہی دین دیا گیا اور ان میں کوئی اختلاف نہیں تھا تو پھر ان کی شریعتوں میں اختلاف کیوں ہے؟ اور پروردگار نے خود اسے تسلیم بھی فرمایا۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کو ایک شریعت اور منہاج عطا کیا تھا۔'' اس سے بعض لوگوں نے یہ رائے قائم کر لی کہ دین چونکہ ایک ہی تھا اور شریعتیں مختلف تھیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دین سے مراد یا دین میں شامل شرعی احکام وضوابط نہیں بلکہ صرف بنیادی عقائد اور کتاب ونبوت کا ماننا ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانا ہے اور زیادہ سے زیادہ چند بڑے بڑے اخلاقی ضوابط ہیں جو اس میں شامل ہیں اور جو سب شریعتوں میں یکساں ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس کے قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح عیسائی امت شریعت سے آزاد ہو گئی، امتِ اسلامیہ کا بھی پڑھا لکھا طبقہ شریعتِ اسلامی سے آزاد ہو کر زندگی گزارنے اور ملک کو چلانے پر مصر ہے اور پوری دنیا میں مذہب کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ (سیکولرازم) کے نام سے اسلامی نظام کا راستہ روکنے کیلئے مختلف مذاہب اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اس لئے میں زور دے کر یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ قرآنِ کریم نے ہمیں جو دین کا تصور دیا اور اسے قائم کرنے کا حکم دیا ہے اس سے مراد صرف ایمانیات اور چند بڑے بڑے اخلاقی اصول ہی نہیں ہیں بلکہ شرعی احکام بھی اس میں شامل ہیں۔ مثلاً قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا گیا کہ:

۱۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (البینہ، آیت ۵) ''اور ان کو حکم نہیں دیا گیا مگر اس بات کا کہ یکسو ہو کر اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اور یہی راست رو ملت کا دین ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ اس دین میں شامل ہیں، حالانکہ ان دونوں کے احکام مختلف شریعتوں میں مختلف رہے ہیں۔ کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمام پچھلی شریعتوں میں نماز کی یہی شکل و ہیئت، یہی اس کے اجزاء، یہی اس کی رکعتیں، یہی اس کا قبلہ، یہی اس کے اوقات اور یہی اس کے دوسرے احکام رہے ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کے متعلق بھی کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ تمام شریعتوں میں یہی اس کا نصاب، یہی اس کی شرحیں اور یہی اس کی تحصیل اور تقسیم کے احکام رہے ہیں۔ لیکن اختلافِ شرائع کے باوجود اللہ تعالیٰ ان دونوں چیزوں کو دین میں شمار کر رہا ہے۔

۲۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ...... اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ...... (المائدہ ۳) ''تمہارے لئے حرام کیا گیا مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اور وہ جو گلا گھٹ کر یا چوٹ کھا کر یا بلندی سے گر کر یا ٹکر کھا کر مرا ہو یا جسے کسی درندے

Marfat.com

نے پھاڑا ہو، سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ نیز یہ بھی تمہارے لئے حرام کیا گیا کہ تم پانسوں کے ذریعے سے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب کام فسق ہیں۔ آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے مایوسی ہو چکی ہے لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا۔'' اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب احکام شریعت بھی دین ہی ہیں۔

۳۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ (التوبہ ۲۹) ''جنگ کرو ان لوگوں سے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔'' معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ حلال و حرام کے ان احکام کو ماننا اور ان کی پابندی کرنا بھی دین ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے دیئے ہیں۔

۴۔ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (النور ۲) ''زانیہ عورت اور مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملہ میں تم کو دامن گیر نہ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔''

مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ (یوسف ۷۶) ''یوسفؑ اپنے بھائی کو بادشاہ کے دین میں پکڑ لینے کا مجاز نہ تھا۔'' اس سے معلوم ہوا کہ فوجداری قانون بھی دین ہے۔ اگر آدمی خدا کے فوجداری قانون پر چلے تو وہ خدا کے دین کا پیرو ہے اور اگر بادشاہ کے قانون پر چلے تو وہ بادشاہ کے دین کا پیرو۔

یہ چار تو وہ نمونے ہیں جن میں شریعت کے احکام کو بالفاظ صریح دین سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن اس کے علاوہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن گناہوں پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کی دھمکی دی ہے (مثلاً زنا، سود خوری، قتلِ مومن، یتیم کا مال کھانا، باطل طریقوں سے لوگوں کے مال لینا وغیرہ) اور جن جرائم کو خدا کے عذاب کا موجب قرار دیا ہے (مثلاً عمل قومِ لوط اور لین دین میں قوم شعیبؑ کا رویہ) ان کا سد باب لازماً دین ہی میں شمار ہونا چاہئے، اس لئے کہ دین اگر جہنم اور عذاب الٰہی سے بچانے کیلئے نہیں آیا ہے تو اور کس چیز کیلئے آیا ہے؟ اسی طرح وہ احکام شریعت بھی دین ہی کا حصہ ہونے چاہئیں جن کی خلاف ورزی کو خلود فی النار کا موجب قرار دیا گیا ہے، مثلاً میراث کے احکام، جن کو بیان کرنے کے بعد آخر میں ارشاد ہوا ہے کہ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (النساء ۱۴) ''جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور اللہ کے حدود سے تجاوز کرے گا، اللہ اس کو دوزخ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کیلئے رسوا کن عذاب ہے۔'' اسی طرح جن چیزوں کی حرمت اللہ تعالیٰ نے پوری شدت اور قطعیت کے ساتھ بیان کی ہے، مثلاً ماں، بہن اور بیٹی کی حرمت، شراب کی حرمت، چوری کی حرمت، جوئے کی حرمت، جھوٹی شہادت کی حرمت، ان کی تحریم کو اگر

Marfat.com

اقامتِ دین میں شامل نہ کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ غیر ضروری احکام بھی دے دیئے ہیں جن کا اجراء مقصود نہیں ہے۔ علیٰ ھذا القیاس جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے کہ مثلاً روزہ اور حج، ان کی اقامت کو بھی محض اس بہانے اقامتِ دین سے خارج نہیں کیا جا سکتا کہ رمضان کے ۳۰ روزے تو پچھلی شریعتوں میں نہ تھے اور کعبے کا حج تو صرف اس شریعت میں تھا جو اولادِ ابراہیم کی اسماعیلی شاخ کو ملی تھی۔

دراصل ساری غلط فہمی صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ آیت لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (ہم نے تم میں سے ہر امت کیلئے ایک شریعت اور ایک راہ مقرر کردی) کا الٹا مطلب لے کر اسے یہ معنی پہنا دیئے گئے ہیں کہ شریعت چونکہ ہر امت کیلئے الگ تھی، اور حکم صرف اس دین کے قائم کرنے کا دیا گیا ہے جو تمام انبیاء کے درمیان مشترک تھا، اس لئے اقامتِ دین کے حکم میں اقامتِ شریعت شامل نہیں ہے حالانکہ درحقیقت اس آیت کا مطلب اس کے بالکل برعکس ہے۔ سورۃ مائدہ میں جس مقام پر یہ آیت آئی ہے اس کے پورے سیاق وسباق کو آیت ۴۱ سے آیت ۵۰ تک اگر کوئی شخص بغور پڑھے تو معلوم ہوگا کہ اس آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس نبی کی امت کو جو شریعت بھی اللہ تعالیٰ نے دی تھی وہ اس امت کیلئے دین تھی اور اس کے دورِ نبوت میں اسی کی اقامت مطلوب تھی۔ اور اب چونکہ سیدنا محمد ﷺ کا دورِ نبوت ہے، اس لئے امتِ محمدیہ کو جو شریعت دی گئی ہے وہ اس دور کیلئے دین ہے اور اس کا قائم کرنا ہی دین کا قائم کرنا ہے۔ رہا ان شریعتوں کا اختلاف تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا کی بھیجی ہوئی شریعتیں باہم متضاد تھیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے جزئیات میں حالات کے لحاظ سے کچھ فرق رہا ہے۔ مثال کے طور پر نماز اور روزے کو دیکھئے۔ نماز تمام شریعتوں میں فرض رہی ہے مگر قبلہ ساری شریعتوں کا ایک نہ تھا اور اس کے اوقات اور رکعات اور اجزاء میں بھی فرق تھا۔ اسی طرح روزہ ہر شریعت میں فرض تھا مگر رمضان کے ۳۰ روزے دوسری شریعتوں میں نہ تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ مطلقاً نماز اور روزہ تو اقامتِ دین میں شامل ہے مگر ایک خاص طریقے سے نماز پڑھنا اور خاص زمانے میں روزہ رکھنا اقامتِ دین سے خارج ہے بلکہ اس سے صحیح طور پر جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر نبی کی امت کیلئے اس وقت کی شریعت میں نماز اور روزے کیلئے جو قاعدے مقرر کئے گئے تھے انہی کے مطابق اس زمانے میں نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا دین قائم کرنا تھا اور اب اقامتِ دین یہ ہے کہ ان عبادتوں کیلئے شریعتِ محمدیہ میں جو طریقہ رکھا گیا ہے ان کے مطابق انہیں ادا کیا جائے۔ انہی دو مثالوں پر دوسرے تمام احکام شریعت کو بھی قیاس کر لیجئے۔ (تفہیم القرآن)

اقامتِ دین کا حکم دینے کے بعد آخری بات جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ دین کو قائم کرو اور اسے قائم رکھو اور اس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔ یعنی اس کے اندر متفرق نہ ہو جاؤ۔ یہ اسی طرح کی ہدایت ہے جس طرح پروردگار نے آلِ عمران میں فرمایا وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا "سب مل کر اللہ کی رسی کو پکڑو اور متفرق نہ ہو" حَبْلُ اللّٰهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کا دین ہے سب مل کر اسی کو تھامو، اور اس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔ یعنی ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ جس کے ہاتھ میں جو رسی آ جائے اسی کو وہ حَبْلِ اللّٰه سمجھ بیٹھے اور اصل رسی کو چھوڑ دے۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن وسنت کے الفاظ میں جس بات کی معقول گنجائش نہ ہو اس کو ذہنی اختراع کے طور پر قرآن

Marfat.com

سنت کے حوالے سے پیش کرے۔ اور پھر اس پر اصرار کرے کہ اس بات کے ماننے پر کفر و ایمان کا مدار ہے۔ اور یہ نئی بات کئی طرح کی ہوسکتی ہے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ دین میں جو چیز نہ تھی وہ اس میں لا کر شامل کر دی جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دین میں جو بات شامل تھی اسے نکال باہر کیا جائے۔ اس کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ نصوص میں تحریف کا راستہ نکالا جائے اور الفاظ کے ہیر پھیر سے ایسے انوکھے عقائد اور نرالے اعمال ایجاد کیے جائیں جن کی قرآن وسنت میں کوئی گنجائش نہ ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو چیز اہم تھی اسے غیر اہم بنا دیا جائے، اور جو چیز حد سے حد مباح کے درجے میں تھی اسی فرض وواجب بلکہ اس سے بھی بڑھا کر اسلام کا رکنِ رکین بنا دیا جائے۔ اسی طرح کی حرکتوں سے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے دین میں تفرقہ پیدا ہوتا رہا۔ اور پھر رفتہ رفتہ ان فرقوں نے مستقل ادیان کی صورت اختیار کرلی۔ البتہ اس تفرقے کا اس جائز اور معقول اختلافِ رائے سے کوئی تعلق نہیں جو دین کے احکام کو سمجھنے اور نصوص پر غور کر کے ان سے مسائل مستنبط کرنے میں فطری طور پر اہلِ علم کے درمیان واقع ہوتا ہے اور جس کیلئے خود کتاب اللہ کے الفاظ میں لغت اور محاورے اور قواعدِ زبان کے لحاظ سے گنجائش ہوتی ہے۔

مزید فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر وہی دین اتارا ہے جو تمام انبیاء کا دین ہے۔ اور اسی دین کی تعلیم اہلِ عرب کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی انہیں دی تھی۔ لیکن یہ اپنے انفرادی اور اجتماعی بگاڑ کے نتیجے میں اس حد تک اس دین سے دور چلے گئے کہ اب جبکہ آپ ان کے سامنے وہی دین پیش کر رہے ہیں جس کی اساس توحید پر ہے اور جس کی ہر بات وحیِ الٰہی کے ذریعے نازل ہو رہی ہے تو قریش اور دیگر اہلِ عرب کو انتہائی ناگوار گزر رہا ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ ان کے معاملے میں صبر اختیار کریں۔ ان میں بیشتر لوگ اگرچہ اس دین کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں لیکن ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر رہے ہیں اور اللہ انہیں کھینچ کھینچ کر اپنی طرف لا رہا ہے۔ لیکن جو لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے مطابق انہیں ہدایت عطا نہیں فرماتا، بلکہ وہ توفیقِ ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک غیور خدا ہے جو اس سے تضرع اور عاجزی سے بار بار مانگتا ہے تو آخر اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور اسے اپنی توفیق سے نواز دیتا ہے۔ لیکن اس کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ ہر طرف سے کٹ کر اللہ تعالیٰ ہی سے لو لگائے۔ اور اس عزم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے دستِ سوال دراز کرے:

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾

(اور وہ لوگ متفرق نہیں ہوئے مگر صحیح علم آچکنے کے بعد محض ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہوئے، اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات ایک مدتِ معین کیلئے طے نہ پا چکی ہوتی تو ان کے درمیان فوراً فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور بے شک جو لوگ ان کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اس کی طرف سے ایک الجھن میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۱۴)

Marfat.com

ہدایت وضلالت کے اعتبار سے امتوں کا المیہ

قوموں کی ہدایت وضلالت کی تاریخ نہایت عبرت انگیز ہے۔ قریش اور دیگر اہلِ عرب اگر آنخضرت ﷺ کی دعوت اور قرآنِ کریم کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے سے اِبا کر رہے اور مخالفت پر تلے ہوئے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں، ان سے پہلی قوموں نے بھی اپنی طرف مبعوث ہونے والے انبیاء کے ساتھ یہی رویہ اختیار کئے رکھا۔ حالانکہ انبیاء کی معرفت حق ان کے پاس آچکا تھا۔ العلم سے مراد وہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے جو وحی کے نتیجے میں پیغمبر پر اترتا ہے اور پیغمبر اپنی قوم تک اس کی ایک ایک بات کو پہنچاتا ہے۔ لیکن قوموں کے سامنے چونکہ اپنے ذاتی مفادات، امتیازات، تعصّبات اور مصنوعی عزت وحرمت کے دعوے ہوتے ہیں جنہیں وہ باقی رکھنا بہرصورت ضروری سمجھتی ہیں۔ اس لئے جس طریقے سے بھی وہ حق آجانے کے بعد اپنی گمراہی کو باقی رکھ سکتے ہیں یا نئے نئے شوشے چھوڑ کر اپنے لئے کوئی امتیاز قائم کر سکتے ہیں تو وہ اس سے دریغ نہیں کرتے، بلکہ ہر ممکن طریقے سے حق کا راستہ روکنے اور اپنی ضد اور انتقام کو تسکین پہنچانے کیلئے جو ان سے ہوسکتا ہے نئے نئے اختلافات کی راہیں کھولتے ہیں۔

ہدایت وضلالت کے حوالے سے ایک سوال اور اس کا جواب

سوال یہ ہے کہ نزولِ حق کے بعد طبقاتِ باطل کو اپنی بقاء کی خاطر اختلافات کی جو دنیا بسانا پڑتی ہے اور جس کی وجہ سے انسان کی فکری اور معنوی زندگی میں محرومیاں پہاڑوں کی صورت اختیار کر جاتی ہیں۔ تو کیا یہ ضروری نہ تھا کہ ایسے لوگوں کو ان کے جرائم کی پاداش میں عذاب کی نذر کر دیا جاتا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت وضلالت کے حوالے سے اپنی ایک سنت بنا رکھی ہے اور ایک فیصلہ کر رکھا ہے کہ ہر امت اور ہر گروہ کیلئے ایک مہلتِ عمل ہے اور اس کے خاتمے کیلئے ایک اجلِ مسمیٰ مقرر کر رکھی ہے۔ جب تک وہ مقررہ مدت نہیں آجاتی قوموں کی مہلتِ عمل چلتی رہتی ہے۔ اور جب وہ اجلِ مسمیٰ آجاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا برستا ہے اور اس قوم کا فیصلہ چکا دیا جاتا ہے۔ ان قوموں کو بھی ایسی ہی مہلتِ عمل کی وجہ سے زندگی مل رہی ہے اور قریش بھی اسی مہلتِ عمل سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لیکن پہلی قوموں کے ساتھ ایک اور حادثہ بھی پیش آتا رہا ہے جس کا امکان نبی آخرالزماں ؐ کے بعد ختم کر دیا گیا ہے۔ وہ حادثہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری گئی۔ لیکن مرورِ ایام کے بعد ایسا وقت بھی آیا کہ تورات تحریف کا شکار ہوگئی۔ عجیب وغریب ترمیمیں کی گئیں اور پھر سیاسی اور جنگی حوادث نے اسے یکسر مٹا ڈالا، اس کی جگہ جو نئی کتاب مرتب کی گئی اس میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مندرجات کم، تاریخی حالات اور بنی اسرائیل کو پیش آنے والے واقعات زیادہ تھے۔ اب جب یہ تورات آنے والی نسلوں کو ملی تو وہ ایک نئی الجھن میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہوگئے۔ وہ اگر تورات کا انکار کرتے تھے تو ان کے سامنے کوئی روشنی کا سامان نہ تھا۔ اور اگر وہ اقرار کرتے تو کتاب، ترمیم، تحریف اور از سرِنو مرتب ہونے کی وجہ سے ایسی صورت اختیار کر چکی تھی جس میں قدم قدم پر ایسے شکوک وشبہات سر اٹھاتے تھے جن کی قابلِ قبول تاویل اور توجیہ ممکن نہ تھی۔ قریش کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ان کے سامنے قرآن جیسی روشن کتاب موجود ہے اور آنخضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی مینارۂ نور کے طور پر قدم قدم پر انہیں روشنی بہم پہنچا رہی ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ حق سے منہ موڑتے اور اپنے مفادات کے گنبد سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کرتے تو وہ اپنے پیچھے داستانِ عبرت چھوڑ جائیں گے۔

Marfat.com

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ
اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ؕ ﴿۱۵﴾

(پس آپ اسی دین کی دعوت دیں اور اس پر جمے رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات کا اتباع نہ کریں اور ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ نے جو کتاب اتاری ہے میں اس پر ایمان لایا ہوں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہی ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں، اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔ ۱۵)

آنحضرت ﷺ کو استقامت کی تلقین

اس سے پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کی طرف ایک ہی دین بھیجا تھا، لیکن لوگوں نے اس میں تفرقے پیدا کر دیئے۔ تفرقوں کا سبب کبھی تو الحاد ہوا اور کبھی دین سے انحراف۔ کبھی لوگوں کے اپنے مفادات کی پاسبانی اور کبھی اپنی فتوحات کے باقی رکھنے کی فکر۔ اور کبھی قومی اور علاقائی تعصبات۔ ان مختلف عوارض نے انسانوں کی وحدت کو تباہ کیا اور وہ مختلف تفرقوں میں بٹ کر حق سے دور ہو گئے۔ ایسی صورتحال میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ کی طرف جو دین بھیجا گیا ہے یہ وہی دین ہے جو تمام انبیائے کرام پر نازل ہوا تھا۔ لوگوں نے اگرچہ اس کی شکل بگاڑ ڈالی ہے لیکن آپ ہر طرف سے بے نیاز ہو کر اسی خالص دین کی دعوت لوگوں کے سامنے رکھیں۔ مختلف عصبیتوں کے پرچارک اور مختلف آستانوں کے پاسبان یقیناً آپ کی مخالفت میں آسمان سر پر اٹھالیں گے اور آپ کے بارے میں عجیب و غریب اتہامات باندھیں گے۔ لیکن آپ ان کی مطلق پرواہ نہ کریں اور ہر حال میں ثابت قدم رہ کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے خالص دین کی طرف بلائیں۔ ان میں بہت سے لوگ ہمدردوں کی صورت میں آپ سے کمپرومائز کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ کسی طرح اپنی خواہشات کو آپ کے دین میں داخل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اور اپنے اوہام و خرافات کو دین کا حصہ بنادیں۔ آپ ان کی ایسی ہر بات کو ٹھکرا دیں اور ان کی کسی خواہش کی پرواہ نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دین میں رسوم و بدعات کی پیوندکاری نہیں کی جاسکتی۔ مخالفین کے انتہائی اصرار پر آپ ان سے صاف صاف کہہ دیں کہ تم نے جن باتوں کے حق میں آستینیں چڑھا رکھی ہیں اور مرنے مارنے پر تلے ہوئے ہو، تم بتاؤ ان میں سے کسی بات کی تمہارے پاس سند موجود ہے۔ اور اگر ایسا نہیں تو پھر میں تمہاری بات کیسے مان لوں جبکہ میں ایک ایسی کتاب پر ایمان لایا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتاری ہے۔ اور جس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر مجھے پروردگار نے ایک کارِ خاص کیلئے مجھے بھیجا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم نے دین میں جتنے تفرقے پیدا کر لئے ہیں ان میں تمہارے پاس صحیح بات کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے فرقے کے حق اور سچ ہونے کا داعی ہے۔ لیکن ان تمام دعاوی میں سچائی کس کے ساتھ ہے، اس کے جاننے کی کوئی صورت نہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اسی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے بھیجا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، میرا کام یہ ہے کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ کیا حق ہے اور کیا باطل۔ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔ اور کون سا راستہ صراطِ مستقیم ہے۔ میں تمہارے درمیان انصاف کرنے کیلئے آیا ہوں۔ بنابریں تم مجھ سے اپنی بدعات

Marfat.com

وخرافات کی پیروی کی توقع نہ رکھو۔ بلکہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ توفیق دے تو مجھ سے یہ جاننے کی کوشش کرو کہ تم میں سے کس کے ساتھ کتنا حق ہے اور کتنا باطل۔ اور اللہ تعالیٰ کا اصلی دین کیا ہے۔ پھر مخالفین کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ ہم سب کو اسی کے سامنے پیش ہونا ہے، وہاں ہمارے اعمال ہمارے کام آئیں گے اور تمہیں اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ نہ ہم سے تمہارے متعلق پوچھا جائے گا بجز اس کے کہ ہم نے تبلیغ و دعوت کا فرض انجام دیا ہے یا نہیں۔ اور نہ تم سے ہمارے متعلق پوچھا جائے گا۔ اسی سے ملتی جلتی بات سورۃ یونس میں فرمائی گئی ہے وَاِنْ کَذَّبُوْکَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَلَکُمْ عَمَلُکُمْ اَنْتُمْ بَرِیْٓئُوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ''اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل، تم بری ہو میرے عمل سے اور میں بری ہوں تمہارے اعمال سے۔''

آخر میں فرمایا کہ اگر اس افہام و تفہیم اور معقول دلائل کی فراہمی کے بعد بھی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی اور تم ہر حال میں اپنی بات پر اڑے رہنا چاہتے ہو، تو پھر ہمارے اور تمہارے درمیان مزید طولِ کلام کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مقصود بات کو واضح کرنا ہے، بحث کو بڑھانا نہیں۔ اب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ ایک نہ ایک دن سب کو جمع کرے گا اور فیصلہ فرمائے گا۔ اور اس میں کوئی شبہ ہی نہیں کہ ہم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ فِی اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَہٗ حُجَّتُہُمْ دَاحِضَۃٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ وَعَلَیْہِمْ غَضَبٌ وَّلَہُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴿۱۶﴾

(اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں حجت کر رہے ہیں، بعد اس کے کہ اس کو قبول کیا جا چکا ہے ان کی حجت ان کے رب کے پاس بالکل باطل ہے اور ان پر اس کا غضب ہے اور ان کیلئے سخت عذاب ہے۔ ۱۶)

یُحَآجُّوْنَ کا مصدر مُحَآجَّۃٌ ہے۔ اس کا معنی مجادلہ اور کٹ حجتی کرنا ہے۔ فِی اللّٰہِ اس میں اللہ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ یعنی فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ یا فِیْ تَوْحِیدِ اللّٰہِ۔

کٹ حجتی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں

مکہ کا جب کوئی شخص آنحضرت ﷺ کی دعوت سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ کا دین قبول کر لیتا تھا تو اس کے قبیلے اور اس کے جان پہچان کے لوگوں میں مخالفت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ اس کی معاشرتی حیثیت اور اس کی رسمی شخصیت کو نظرانداز کرتے ہوئے ہر طرف سے اس پر کلماتِ قبیحہ کی بوچھاڑ ہوتی تھی۔ لوگ ہاتھ دھو کے اس کے پیچھے پڑ جاتے تھے۔ اس کے قبیلے اور اس کے دوست احباب میں نئے دین کے حوالے سے ایک نہ ختم ہونے والی بحث چھڑ جاتی تھی اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ اس نومسلم کو دوبارہ جاہلیت کی طرف لوٹنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا دین قبول کر لیتا ہے تم اس سے ایک نئی بحث چھیڑ دیتے ہو حالانکہ مکے کی فضا میں اللہ تعالیٰ کے دین کو اختیار کرنا آسان فیصلہ نہیں۔ اس نے یقیناً سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہوگا اور پھر اس سے پہلے جو لوگ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے دین کو اختیار کر چکے ہیں انہوں نے بھی یقیناً تمام پہلوؤں پر غور وفکر کیا ہوگا۔ اور مزید یہ کہ یہ دین کوئی نیا دین نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی دین نازل ہوتا رہا ہے۔ تو آج اس میں ایسی کیا نئی بات پیدا ہوگئی ہے کہ لوگوں نے اسے بحث کا موضوع بنا لیا ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اگر اس حجت بازی میں ذرا بھی معقولیت ہوتی تو تمام مذاہب اس پر کبھی متفق نہ ہوتے اور تمام رسولوں کا کبھی اس پر اتفاق نہ ہوتا۔ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ کٹ حجتی کے سوا کچھ نہیں اور کٹ حجتی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ ایسا کرنے والوں پر ہمیشہ اس کا غضب بھڑکتا ہے اور آخرت میں وہ عذاب شدید کا شکار ہوں گے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾

(اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اتاری اور میزان نازل کی، اور آپ کیا جانیں شاید فیصلے کی گھڑی قریب ہی آ لگی ہو۔ ۱۷)

قرآن حق و باطل میں میزان ہے اس سے متعلق جواب دہی کی فکر کرو

گزشتہ آیت سے پیوستہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبان سے یہ اعلان کروایا کہ تم میری حیثیت کو اچھی طرح سمجھ لو، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ چنانچہ جس پروردگار نے مجھے اس کا حکم دیا ہے اسی نے مجھ پر ایک ایسی کتاب اتاری ہے کہ جس کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ یعنی اس کی کوئی بات بھی حق سے ہٹی ہوئی نہیں، بلکہ اس کا ہر فیصلہ اور اس کا ہر حکم حق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مزید فرمایا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ نے میزان بھی نازل فرمائی ہے۔ یہ قرآن کا بیان ہے یعنی جس طرح اس کتاب کا ایک ایک حرف حق اور سچ کی علامت ہے اسی طرح اس کتاب میں جو نظام عطا فرمایا گیا ہے اور اس کتاب میں جو شریعت نازل کی گئی ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ترازو کی طرح تول کر صحیح اور غلط، حق اور باطل، ظلم اور عدل کا فرق واضح کر دیتی ہے۔ اس میں جس اعتدال کے ساتھ حقوق اللہ کو بیان کیا گیا ہے اسی اعتدال کے ساتھ حقوق العباد کو بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ مختلف مذاہب نے جس طرح حقوق اللہ اور حقوق العباد میں افراط وتفریط سے کام لیا اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں بے بصیرتی کا ثبوت دیتے ہوئے انسانی صفات کے ساتھ اس طرح اس کا تعلق قائم کیا کہ باہمی فرق کرنا مشکل ہو گیا۔ توحید اور شرک کو اس طرح آپس میں مدغم کیا گیا کہ دونوں کا امتیاز ان کیلئے معمہ بن کر رہ گیا۔ اسلامی شریعت نے جس طرح انسانی اعمال کو اعتدال کی راہ پر چلایا اسی طرح اس نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو بھی اس طرح کھول کر بیان کیا کہ خالق اور مخلوق کے درمیان کہیں بھی یکسانی کا تصور پیدا نہیں ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا بندوں کے ساتھ تعلق اس قدر واضح انداز میں اور عملی نزاکتوں کے ساتھ واضح کیا گیا کہ اس میں کسی قسم کا التباس باقی نہ رہا۔ تنزیہ صفات میں ایسا اعتدال قائم کیا کہ تعطیل تک نوبت پہنچنے نہیں پائی اور اثبات نے ایسی صراطِ مستقیم پر چل کر دکھایا کہ تشبیہ کا شائبہ پیدا نہیں ہوا۔ اس طرح سے زندگی کے ہر شعبے میں عدل وانصاف کا ایسا معیار قائم کیا جس نے نہ کوئی ذہنی الجھن باقی چھوڑی اور نہ کوئی عملی دشواری پیدا ہو سکی۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت سے فائدہ اٹھا کر اپنی دنیا و عقبیٰ بنا لے، ورنہ قیامت بہت دور کا معاملہ نہیں، بہت قریب ہے۔ اس روز تو ہر معاملہ کھل کر سامنے آ جائے گا۔ افراط وتفریط نمایاں ہو جائے گی، راستی اور ناراستی کو ممیز کر دیا جائے گا۔ لیکن اس روز اس سے فائدہ اٹھانے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ اب پچھتاوے کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔

Marfat.com

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ
اَلَاۤ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾

(اس کیلئے جلدی مچاتے ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ بے شک وہ آنے والی ہے، خبردار بے شک جو لوگ اس گھڑی کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں وہ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ۱۸)

قیامت سے متعلق فکری اصلاح ضروری ہے

قیامت کے بارے میں لوگوں کا رویہ عجیب ہے اور وہ بے سبب نہیں، اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین نہیں رکھتے وہ محض اسے ایک ڈراوا سمجھتے ہیں اس لئے اس سے ڈرنے کی بجائے اس کا مذاق اڑاتے ہیں کہ اگر قیامت کو آنا ہوتا تو وہ کب کی آ چکی ہوتی۔ بار بار ہمیں ڈراوا دیا جا رہا ہے، لیکن وہ آنے کا نام نہیں لیتی، معلوم ہوتا ہے کہ اس کا جہاز کہیں راستے ہی میں رک گیا ہے۔ اور جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں انہیں اندازہ ہے کہ وہ کتنا ہولناک دن ہے اور اس روز انسانوں پر کیا گزرے گی۔ وہ اس کی ہولناکی کے تصور ہی سے کانپ کانپ جاتے ہیں۔ یہ دو رویئے جب تک باقی ہیں قیامت کے بارے میں یہ دونوں طرزِ عمل بھی باقی رہیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جن لوگوں کو اس کے آنے کا یقین نہیں، ان کے اندر یقین پیدا کیا جائے۔ اس لئے آیت کے آخر میں فرمایا کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور اتنی واضح حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے وہ درحقیقت بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں کیونکہ قیامت پر ایمان درحقیقت انسان کو صحیح نہج اختیار کرنے، حقیقی منزل کا شعور پیدا کرنے اور اپنی عملی زندگی میں صالح تبدیلیاں لانے کی ضمانت دیتا ہے۔ اس کے بغیر انسانی زندگی میں تبدیلی کا محض خواب ہی دیکھا جا سکتا ہے۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌ ۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾

(اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے وہ جس کو چاہتا ہے رزق بخشتا ہے وہ بڑی قوت والا ہے اور زبردست ہے۔ ۱۹)

نافرمانوں کو ڈھیل دینے کی حکمت

گزشتہ آیت کے مضمون پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جو لوگ قیامت پر واضح دلائل کے باوجود ایمان نہیں لاتے بلکہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں ایسے لوگ اس قابل نہیں کہ انہیں مہلت دی جائے، انہیں تو فوری سزا ملنی چاہئے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت لطیف یعنی مہربان ہے۔ اور یہ مہربان کا لفظ بھی اس کی رأفت کے مضمون کو واضح نہیں کرتا۔ اسی رأفت کا نتیجہ ہے کہ کچھ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے جبکہ اس پر دلائل بالکل واضح ہیں اور پھر اس کا مذاق بھی اڑاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انہیں مہلت پہ مہلت دیئے جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی کسی ضرورت کو روکنا بھی گوارا نہیں فرماتا۔ نہایت باریک بینی سے ان کی تمام ضرورتوں کو پورا فرماتا ہے اور اپنے خزانوں سے جتنا چاہتا ہے رزق عنایت فرماتا ہے۔ عذاب لانے میں جلدی نہ کرنا اور گرفت میں مہلت دیتے چلے جانا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ قوی اور غالب ہے، اسے یہ اندیشہ نہیں کہ مہلت مل جانے سے کوئی شخص اس کی گرفت سے بچ کر نکل جائے گا۔ جلدی وہ کیا کرتا ہے جسے شکار کے نکل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ
يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿٢٠﴾
اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ
وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ
وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ
الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٢٢﴾
ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ
قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ
حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿٢٣﴾ اَمْ
يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى
قَلْبِكَ ؕ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٢٤﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ
يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ
لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا

Marfat.com

فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ
بَصِيرٌ ﴿٢٧﴾ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِن بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنشُرُ
رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٨﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِن دَابَّةٍ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ
إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ ع

رکوع: ۳۔ (جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کی کھیتی کو بڑھاتے ہیں، اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے دنیا ہی میں سے دے دیتے ہیں، اور آخرت میں اس کیلئے کوئی حصہ نہیں۔ ۲۰) کیا ان لوگوں کے ایسے شریک خدا بھی ہیں جنہوں نے ان کیلئے دین کی نوعیت رکھنے والا ایک ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اذن اللہ نے نہیں دیا، اگر فیصلہ کی مدت پہلے طے نہ ہوگئی ہوتی تو ان کا فیصلہ کر دیا جاتا، بے شک ان ظالموں کیلئے ایک دردناک عذاب ہے۔ ۲۱) آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے اعمال کے انجام سے ڈر رہے ہوں گے اور وہ ان پر آ کر رہے گا، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ بہشتوں کے باغیچوں میں ہوں گے اور ان کیلئے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، یہی وہ سب سے بڑا فضل ہے۔ ۲۲) یہ ہے وہ چیز جس کی بشارت اللہ اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔ اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ میں اس پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں، بس قرابت کا حق ہے جو ادا کر رہا ہوں جو شخص کوئی نیکی کرے گا تو ہم اس کیلئے اس بھلائی میں خوبی کا اضافہ کر دیں گے، بے شک اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور بڑی قدر افزائی کرنے والا ہے۔ ۲۳) کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، پس اگر اللہ چاہے تو تیرے دل پر مہر کر دے، اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو ثابت کرتا ہے، اپنے کلمات کے ذریعے سے، بے شک وہ دلوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے۔ ۲۴) اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور برائیوں سے درگزر کرتا ہے، اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ ۲۵) وہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کی دعا قبول کرتا اور اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ دیتا ہے، اور جو منکر ہیں ان کیلئے سخت عذاب ہے۔ ۲۶) اور اگر اللہ اپنے بندوں کیلئے رزق کو کھول دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کر دیتے مگر وہ ایک اندازے کے ساتھ جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور ان کو دیکھنے والا ہے۔ ۲۷) اور وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے

Marfat.com

بعد بارش نازل کرتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہی حقیقی کارساز اور ستودہ صفات ہے۔ ۲۸) اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور جو اس نے ان دونوں میں جاندار مخلوقات پھیلا رکھی ہیں اور وہ ان کے جمع کرنے پر بھی قادر ہے جب ان کو جمع کرنا چاہے۔ ۲۹)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾

(جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کی کھیتی کو بڑھاتے ہیں، اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے دنیا ہی میں سے دے دیتے ہیں، اور آخرت میں اس کیلئے کوئی حصہ نہیں۔ ۲۰)

انسان ایک کسان ہے محنت کے مطابق پھل پائے گا

گزشتہ آیتِ کریمہ میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے ہر بندے کو وجود بخشا اور اس کے امکانات عطا کئے اور ضرورت کے مطابق صلاحیتوں سے نوازا ہے، اسی طرح ہم نے ہر بندے کو رزق بھی عطا کیا ہے۔ اس میں جس طرح بندوں کی ضرورتوں کا لحاظ کیا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کی پاسداری بھی فرماتا ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسانوں کے رزق میں ایک تفاوت رکھا جائے ورنہ رزق میں سب کیلئے یکسانی اور برابری زندگی کے نظام کو تہ و بالا کر دے گی اور انسان ایک دوسرے کیلئے مفید بننے کی بجائے نفع و ضرر سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ایک مزید حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ انسانوں کو زندگی کے امکانات سے فائدہ اٹھانے کیلئے قوتیں اور صلاحیتیں تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے لیکن ان سے کام لے کر اپنے لئے بہتر مقام پیدا کرنا اس کا دارومدار انسان کی اپنی ضرورت، اپنی ہمت اور کوشش پر ہے۔ لیکن قدرت نے مزید کرم یہ فرمایا ہے کہ اس نے انسانوں کے سامنے دو راستے کھول دیئے ہیں۔ ایک راستہ آخرت کی طرف جاتا ہے اور دوسرا راستہ دنیا کی طرف۔ اور ہر شخص کو آزادی دے دی ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کا رخ دنیا بنانے کی طرف کرے یا آخرت بنانے کی طرف۔ اس بات کی تفہیم و تسہیل کیلئے ایک مثال بھی دی گئی ہے کہ انسان بنیادی طور پر ایک کسان ہے۔ جس طرح ایک کسان کو زمین دے کر اور زمین سے کام لینے کیلئے مطلوبہ توانائیاں عطا کر کے اور مقاصد کو واضح فرما کر زمین سے کام لینے کیلئے آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس طرح اس کسان کو بھی ایک زمین دی گئی ہے وہ اس کا جسم اور جان ہے۔ اور اس کے حواس اور اس کی عقل وہ ہتھیار ہیں جس سے وہ زمین کو جوتے گا اور اپنا مقصد حاصل کرے گا۔ البتہ اس زمین میں کاشت کرنے کیلئے اس کے سامنے دو طرح کے بیج رکھے گئے ہیں۔ ایک بیج وہ ہے جو دنیا کی فصل اگاتا اور انسان کی حیوانی ضروریات کو آگے بڑھاتا ہے۔ اور دوسرا بیج وہ ہے جس سے آخرت کی فصل تیار ہوتی ہے۔ اب یہ کسان کی اپنی صوابدید پر ہے کہ وہ اپنی زمین میں دنیا کا بیج اگاتا ہے یا آخرت کا۔ لیکن ان دونوں بیجوں میں انتخاب اور اس میں محنت کی آزادی فی الجملہ اسے حاصل ہے جس پر کوئی پابندی نہیں۔ لیکن اس آیتِ کریمہ میں اس بات کی وضاحت کیلئے مزید دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں وہ یہ کہ اگر کوئی شخص آخرت کا بیج بوتا اور اس کیلئے محنت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

Marfat.com

ہم اس کی فصل کے بارآور ہونے میں خصوصی مدد دیتے ہیں۔ اور اپنی طرف سے اس میں اضافہ فرماتے ہیں۔ وہ اگر ایک نیکی کرتا ہے تو دوسری نیکی کا راستہ اس کیلئے کھول دیا جاتا ہے۔ اور اگر مزید نیکیاں کرتا چلا جاتا ہے تو آخرت میں اس کیلئے اس میں کم از کم دس گنا اضافہ کر دیا جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے خشوع خضوع اور اخلاص کو دیکھتے ہوئے اس اضافے میں غیر معمولی برکت دے دی جائے۔ لیکن جہاں تک دنیا کا تعلق ہے اسے دنیا سے محروم نہیں کیا جاتا۔ وہ اس کی ہمت اور محنت کے مطابق برابر اس کو ملے گی۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کبھی اسے آزمائش بنا کر اس میں کمی بیشی کا فیصلہ کیا جائے۔ اور جو شخص آخرت سے منہ پھیر کر یا بے نیاز ہو کر صرف دنیا بنانے کی فکر میں لگا رہتا ہے اس کیلئے اس آیت میں ایک بات واضح فرمائی گئی ہے کہ وہ دنیا طلبی میں چاہے کتنی محنت کرے اسے دنیا اتنی دی جائے گی جتنی اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے مقدر کی ہے۔ اور اس کے ساتھ دوسری ایک بات جو سب سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ طالب دنیا کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اسے جو کچھ ملنا ہے وہ دنیا میں مل جائے گا، آخرت میں اس کیلئے محرومیوں کے سوا کچھ نہیں۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

(کیا ان لوگوں کے ایسے شریکِ خدا بھی ہیں جنہوں نے ان کیلئے دین کی نوعیت رکھنے والا ایک ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اذن اللہ نے نہیں دیا، اگر فیصلہ کی مدت پہلے طے نہ ہوگئی ہوتی تو ان کا فیصلہ کر دیا جاتا، بے شک ان ظالموں کیلئے ایک دردناک عذاب ہے۔ ۲۱)

دینِ مشرک پر اظہارِ تعجب

نہایت تعجب کے انداز میں پروردگار مشرکین کے حوالے سے یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ تمام دنیا کے وہ لوگ جو مذہب سے رشتہ رکھتے ہیں وہ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ دین ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی بڑائی اور عظمت سب کے نزدیک مُسلّم ہے اور اس عظمت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کے احکام سب کیلئے واجب العمل ہوں۔ بنابریں اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کیلئے زندگی گزارنے کا ایسا طریقہ عطا کرے جس پر عمل کرنا سب کیلئے ضروری ہو۔ یعنی کبریائی اور حاکمیت بھی اسی کی ہو اور عبادت بھی اسی کی، کی جائے۔ یہی وہ دین ہے جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کو ملتا رہا ہے۔ لیکن کس قدر عجیب بات ہے کہ یوں تو اہلِ کتاب نے بھی تحلیل وتحریم کا حق اپنے احبار ورھبان کو دے دیا ہے۔ لیکن مشرکینِ مکہ نے تو اپنی زندگی کے ہر شعبے کیلئے ایسے طریقے اختیار کر لئے ہیں اور جنہیں وہ سب کیلئے لازم سمجھتے ہیں اور جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کم اور غیروں سے زیادہ ہے۔ اس میں عبادات بھی شامل ہیں اور افکار وعقائد بھی۔ اس میں اخلاقیات کو بھی غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور تہذیب وثقافت کو بھی۔ جن جن قوتوں کی طرف انہوں نے یہ سب کچھ منسوب کر رکھا ہے وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے وہ شریک ہیں جن کی بندگی اور اطاعت کو وہ لازمی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ دین کے لفظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ قوتیں نہیں جنہیں صرف پوجا پاٹ کیلئے استعمال کیا جاتا ہے اور ان کے سامنے عبادت کے مراسم ادا کئے جاتے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد وہ قوتیں یا وہ انسان ہیں جن کی حکمرانی افکار وعقائد پر بھی ہے اور اخلاقی اصولوں سے لے کر تہذیب وثقافت تک بھی۔

Marfat.com

ہر معاملے میں ان سے رہنمائی لی جاتی ہے، انہیں کے طریقے پر حکومتیں چلتی اور آئین بنتے ہیں۔ انہیں کی رہنمائی میں دماغوں کے سانچے ڈھلتے اور تعلیمی افکار وجود میں آتے ہیں۔ وہ مذہبی زبان میں بے شک انہیں خدائی کا درجہ نہ دیں لیکن اطاعت و بندگی میں ان کا وہی مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے دین کا ہوتا ہے۔ کیمونزم کے ماننے والے اپنا سب کچھ کارل مارکس کو سمجھتے ہیں۔ چین میں ایک وقت تک اس کیمونزم کی اطاعت کی گئی جو ماؤزے تنگ سے منسوب تھا۔ اور ہمارے افکار و عقائد اور نظریات اور فلسفوں میں کتنی ایسی شخصیات ہیں جو مختلف مکاتب کی بانی ہیں اور سرمایہ دار ملکوں میں ان کو وہی مقام حاصل ہے جو مذہب نے خالقِ کائنات کیلئے تجویز کر رکھا ہے جس طرح غیر اللہ کی عبادت حرام ہے، اسی طرح غیر اللہ کی غیر مشروط اطاعت بھی حرام ہے۔ اور اسی طرح افکار و نظریات اور تحلیل و تحریم میں جو حیثیت پروردگارِ عالم کو حاصل ہے وہی کسی اور کو کسی بھی نام سے دینا شرک اور حرام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا یہ اختیارات کسی اور کو تفویض نہیں فرمائے۔ جس طرح وہ اپنی ذات میں یکتا ہے، اسی طرح وہ اپنی صفات اور اپنے حقوق میں بھی یکتا ہے۔

اور یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ جب بھی کہیں اس کا صدور ہوتا ہے تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو جائے۔ چنانچہ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے فیصلے کیلئے ایک وقت مقرر نہ کر دیا ہوتا تو یقیناً ایسے لوگوں کا قصہ تمام کر دیا جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ اس نے دنیا کو دارالعمل قرار دے کر مہلتِ عمل دے رکھی ہے اور آخرت کو دارالجزاء ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ جب تک اس کی مہلت کا وقت ختم نہیں ہوتا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا عذاب نہیں آتا۔ ورنہ اس جرم کا تقاضا یہی تھا کہ جیسے ہی اس جرم کا صدور ہوتا اس کے کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو جاتا۔ لیکن ایسا کرنے والوں کو کسی خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، ایسا شرک کرنے والے ہی قرآن کی زبان میں ظالم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کیلئے سخت ترین عذاب تجویز کر رکھا ہے۔

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾

(آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے اعمال کے انجام سے ڈر رہے ہوں گے اور وہ ان پر آ کر رہے گا، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے وہ بہشتوں کے باغیچوں میں ہوں گے اور ان کیلئے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، یہی وہ سب سے بڑا فضل ہے۔ ۲۲)

آخرت میں ہر شخص کو اپنے اعمال سے سابقہ پیش آئے گا

آنحضرت ﷺ سے خطاب ہے یا ہر مخاطب سے جو اہلِ جنت میں سے ہوگا، کہ آج یہ مشرکین بات سننے کے روادار نہیں، پٹھے پر ہاتھ نہیں دھرنے دیتے، بات بات پر نبی کریم ﷺ کا تمسخر اڑاتے اور اصحابِ ایمان کو مذاق کا نشانہ بناتے ہیں، لیکن آپ ان ظالموں کو قیامت کے روز دیکھیں گے کہ وہ اپنے دنیا میں کئے ہوئے اعمال کے حوالے سے لرزاں اور ترساں ہوں گے۔ آج تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے جن قوتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے وہ قیامت کے روز ہماری شفاعت کریں گے اس لئے ہمیں قیامت کی سزا سے کیا ڈرنا۔ لیکن جب وہ قیامت کے دن دیکھیں گے کہ کوئی ان کی سفارش کرنے کی جرأت نہیں کرتا، تو انہیں یقین آ جائے گا کہ آج ایمان و عمل کے سوا کوئی

Marfat.com

سکہ چلنے والا نہیں۔ اور پھر جب اپنے اعمال کا جائزہ لیں گے تو وہاں سوائے مشرکانہ رسوم اور اللہ تعالیٰ کے دین سے سرکشی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ تو انہیں اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارا انجام کیا ہونے والا ہے۔ لیکن ان کے اس لرزاں اور ترساں ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جس عذاب کا ان کیلئے فیصلہ ہو چکا ہے وہ عذاب ان کے سر پر ضرور پڑے گا اور وہ کسی تدبیر سے اسے دفع نہ کر سکیں گے۔ البتہ جو لوگ ان کی تمام تر مخالفت اور تمسخر کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کے دین پر ایمان لائے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے احکام اور ہدایت کے مطابق زندگی گزاری اور اپنا ایک ایک عمل شریعت کے مطابق کیا وہ اس روز جنت کے باغیچوں میں ہوں گے۔ جس طرح جنتیں ایک سے زیادہ ہوں گی، اسی طرح ہر جنت میں مختلف باغیچے ہوں گے جسے اہلِ جنت اپنی خوشی کے مطابق استعمال کریں گے۔ اور ان جنتوں کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اہلِ جنت کو ان کے رب کے پاس ہر وہ نعمت ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے اور یہ ایسی بات ہے کہ دنیا کے حکمران بھی کبھی اس کا تصور نہیں کر سکتے کیونکہ ہر چیز کا حاصل کرنا انسان کی قدرت سے ماوراء ہے۔ اور یہی وہ فضل کبیر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ جنت کو خصوصی انعام کے طور پر ملنے والا ہے۔

ذٰلِکَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰہُ عِبَادَہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی ؕ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَۃً نَّزِدْ لَہٗ فِیْھَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ ﴿۲۳﴾

(یہ ہے وہ چیز جس کی بشارت اللہ اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے۔ اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ میں اس پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں، بس قرابت کا حق ہے جو ادا کر رہا ہوں جو شخص کوئی نیکی کرے گا تو ہم اس کیلئے اس بھلائی میں خوبی کا اضافہ کر دیں گے، بے شک اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور بڑی قدر افزائی کرنے والا ہے۔ ۲۳)

فضل کبیر کی وضاحت

اوپر کی آیت میں جس فضل کبیر کا ذکر فرمایا گیا ہے پیشِ نظر آیت میں اس کی مزید وضاحت فرمائی گئی ہے۔ یہ فضل عظیم وہ دولت ہے اللہ تعالیٰ جس کی بشارت اپنے بندوں کو دیتا ہے، لیکن تمام بندوں کو نہیں، ان بندوں کو جو اس کی کبریائی اور الوہیت پر ایمان لاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی اطاعت اور اتباع میں اپنے ایک ایک عمل کا سانچہ تیار کرتے ہیں۔ ایمان و عمل اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن اس کی منزل ہمیشہ وہ چیز ہونی چاہئے جس کی یہاں بشارت دی گئی ہے۔ اور یہی وہ ابدی بادشاہی ہے جو اہلِ جنت کو جنت میں حاصل ہوگی۔

مزید فرمایا کہ اسی ابدی بادشاہی کا تم میں استحقاق پیدا کرنے کیلئے شب و روز میرا رسول تم پر محنت کر رہا ہے۔ لیکن تم اپنی نادانی اور حماقت سے یہ سمجھتے ہو کہ اس نے جس طرح اپنا سب کچھ اس خدمت کیلئے داؤ پر لگا رکھا ہے اور اپنی شخصیت کو اس کیلئے پگھلا دیا ہے اور اپنی تمام صلاحیتوں کو اس کیلئے نچوڑ رہا ہے، اس میں شاید اس کا اپنا کوئی فائدہ ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا کہ میں اپنی اس شب و روز کی محنت پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا، میں تو صرف تمہیں ذروں سے آفتاب بنانے کی فکر میں ہوں، تمہیں ایسی انسانی اقدار سے وابستہ کرنا چاہتا ہوں جس پر ہمیشہ انسانیت فخر کرتی رہے گی۔ اس کی وجہ سے تمہیں دنیا میں سرفرازی ملے گی اور آخرت

Marfat.com

میں سرخروئی نصیب ہوگی۔لیکن ہر وقت تمہارے لئے میری یہ کاوشیں صرف اس لئے ہیں کہ میں تم سے قرابت کا رشتہ رکھتا ہوں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میں اس حقِ قرابت سے کسی نہ کسی طرح سبکدوش ہو جاؤں۔کوئی کہنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ غیروں نے آپ سے فیض پایا اور وہ دنیا کے امام بن گئے، لیکن آپ کے اپنے اس سے محروم کیوں رہے۔تم میری قوم کے لوگ ہو اس لئے میں تمہیں اس ہدایت اور آگاہی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا چاہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دعوت دیتی ہے۔

اس آیت کی تشریح میں کسی حد تک صاحب تفہیم القرآن نے تفصیل سے کام لیا ہے، افادہ عام کیلئے میں اسے نقل کر رہا ہوں۔

اصل الفاظ ہیں اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى یعنی میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر ''قربیٰ'' کی محبت ضرور چاہتا ہوں۔

اس لفظ ''قربیٰ'' کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان بڑا اختلاف واقع ہو گیا ہے۔

اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کا مفہوم

ایک گروہ نے اس کو قرابت (رشتہ داری) کے معنی میں لیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ''میں تم سے اس کام پر کوئی اجر نہیں چاہتا، مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تم لوگ (یعنی اہلِ قریش) کم از کم اس رشتہ داری کا تو لحاظ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔چاہئے تو یہ تھا کہ تم میری بات مان لیتے لیکن اگر تم نہیں مانتے تو یہ ستم تو نہ کرو کہ سارے عرب میں سب سے بڑھ کر تم ہی میری دشمنی پر تل گئے ہو'' یہ حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر ہے جسے بکثرت راویوں کے حوالہ سے امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن جریر، طبرانی، بیہقی اور ابن سعد وغیرہم نے نقل کیا ہے اور یہی تفسیر مجاہد، عکرمہ، قتادہ، سُدی، ابو مالک، عبدالرحمٰن بن زید، بن اسلم، ضحاک، عطاء بن دینار اور دوسرے اکابر مفسرین نے بھی بیان کیا ہے

دوسرا گروہ ''قربیٰ'' کو قرب اور تقرب کے معنی میں لیتا ہے اور آیت کا مطلب یہ بیان کرتا ہے کہ ''میں تم سے اس کام پر کوئی اجر اس کے سوا نہیں چاہتا کہ تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کے قرب کی چاہت پیدا ہو جائے'' یعنی تم ٹھیک ہو جاؤ، بس یہی میرا اجر ہے۔یہ تفسیر حضرت حسن بصری سے منقول ہے، اور ایک قول قتادہ سے بھی اس کی تائید میں نقل ہوا ہے بلکہ طبرانی کی ایک روایت میں ابن عباس کی طرف بھی یہ قول منسوب کیا گیا ہے۔خود قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر یہی مضمون ان الفاظ میں ارشاد ہوا ہے: قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (الفرقان۔ ۵۷) ''ان سے کہہ دو کہ میں اس کام پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا، میری اجرت بس یہی ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کرلے۔''

تیسرا گروہ ''قربیٰ'' کو اقارب (رشتہ داروں) کے معنی میں لیتا ہے، اور آیت کا مطلب یہ بیان کرتا ہے کہ ''میں تم سے اس کام پر کوئی اجر اس کے سوا نہیں چاہتا کہ تم میرے اقارب سے محبت کرو۔'' پھر اس گروہ کے بعض حضرات اقارب سے تمام بنی عبدالمطلب مراد لیتے ہیں، اور بعض اسے صرف حضرت علی و فاطمہ اور ان کی اولاد تک محدود رکھتے ہیں۔یہ تفسیر سعید بن جبیر اور عمرو بن شعیب سے منقول ہے، اور بعض روایات میں یہی تفسیر ابن عباس

Marfat.com

اور حضرت علی بن حسین (زین العابدین) کی طرف منسوب کی گئی ہے لیکن متعدد وجوہ سے یہ تفسیر کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ اول تو جس وقت مکہ معظمہ میں سورۂ شوریٰ نازل ہوئی ہے اس وقت حضرت علی و فاطمہ کی شادی تک نہیں ہوئی تھی، اولاد کا کیا سوال۔ اور بنی عبدالمطلب میں سب کے سب نبی کریم ﷺ کا ساتھ نہیں دے رہے تھے، بلکہ ان میں سے بعض کھلم کھلا دشمنوں کے ساتھی تھے اور ابولہب کی عداوت کو تو ساری دنیا جانتی ہے۔ دوسرے نبی کریم ﷺ کے رشتہ دار صرف بنی عبدالمطلب ہی نہ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ، آپ کے والد ماجد اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ کے واسطے سے قریش کے تمام گھرانوں میں آپ کی رشتہ داریاں تھیں۔ اور ان سب گھرانوں میں آپ کے بہترین صحابی بھی تھے اور بدترین دشمن بھی۔ آخر حضورؐ کیلئے یہ کس طرح ممکن تھا کہ ان سب اقرباء میں سے آپ صرف بنی عبدالمطلب کو اپنا رشتہ دار قرار دے کر اس مطالبۂ محبت کو انہی کیلئے مخصوص رکھتے۔ تیسری بات، جو ان سب سے زیادہ اہم ہے، وہ یہ ہے کہ ایک نبی جس بلند مقام پر کھڑا ہو کر دعوت اِلی اللہ کی پکار بلند کرتا ہے، اس مقام سے اس کارِ عظیم پر یہ اجر مانگنا کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو، اتنی گری ہوئی بات ہے کہ کوئی صاحب ذوقِ سلیم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ بات سکھائی ہوگی اور نبی نے قریش کے لوگوں میں کھڑے ہو کر یہ بات کہی ہوگی۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصے آئے ہیں ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ نبی پر نبی اٹھ کر اپنی قوم سے کہتا ہے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ (یونس ۷۲، ہود ۲۹۔۵۱، الشعراء ۱۰۹، ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۶۴، ۱۸۰) سورۂ یٰسین میں نبی کی صداقت جانچنے کا معیار یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی دعوت میں بے غرض ہوتا ہے۔ (آیت ۲۱)۔ خود نبی کریم ﷺ کی زبان سے قرآن پاک میں بار بار یہ کہلوایا گیا ہے کہ میں تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ (الانعام ۹۰، یوسف ۱۰۴، المومنون ۷۲، الفرقان ۵۷، سبا ۴۷، ص ۸۶، الطور ۴۰، القلم ۴۶)۔ اس کے بعد یہ کہنے کا آخر کیا موقع ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کا جو کام کر رہا ہوں اس کے عوض تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو۔ پھر یہ بات اور بھی زیادہ بے موقع نظر آتی ہے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس تقریر کے مخاطب اہلِ ایمان نہیں بلکہ کفار ہیں۔ اوپر سے ساری تقریر انہی سے خطاب کرتے ہوئے ہوتی چلی آ رہی ہے، اور آگے بھی روئے سخن انہی کی طرف ہے۔ اس سلسلۂ کلام میں مخالفین سے کسی نوعیت کا اجر طلب کرنے کا آخر سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اجر تو ان لوگوں سے مانگا جاتا ہے جن کی نگاہ میں اس کام کی کوئی قدر ہو جو کسی شخص نے ان کیلئے انجام دیا ہو۔ کفار حضورؐ کے کام کی کون سی قدر کر رہے تھے کہ آپ ان سے یہ بات فرماتے کہ یہ خدمت جو میں نے تمہارے لئے انجام دی ہے اس پر تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرنا۔ وہ تو الٹا اسے جرم سمجھ رہے تھے اور اس کی بنا پر آپ کی جان کے درپے تھے۔ (تفہیم القرآن)

Marfat.com

یہ ایک جملہ معترضہ تھا جسے آنحضرت ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا۔ اس کے بعد پھر اسی فضل کبیر کی وضاحت کرتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا عالم یہ ہے کہ اگر اس کے صاحب ایمان بندوں میں سے کوئی نیکی کرتا ہے تو صرف اس کی مجرد نیکی پر اس کے ساتھ معاملہ نہیں کیا جاتا بلکہ ہم اس کی نیکی میں خوبی کا مزید اضافہ کر دیتے ہیں۔ اس کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی میں بھی بیش از بیش بڑھنے کے امکانات پیدا کر دیتے ہیں۔ اور اس کے صلے میں چند در چند اضافہ کر دیتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آخر میں اپنی دو صفات کا ذکر فرمایا ہے جن میں اسی فضل کبیر کی دو کیفیتوں کا ذکر ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ان صاحب ایمان بندوں کے کسی کام میں کوئی کوتاہیاں رہ جاتی ہیں یا ان سے کبھی خاص قسم کے لمحات میں کسی گناہ کا صدور ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے چشم پوشی فرماتا ہے۔ اور اگر وہ نیکی کی چھوٹی سے چھوٹی پونجی بھی لے کر آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے نظر انداز نہیں کرتا بلکہ اس کی پرورش کر کے اس کو بڑھا دیتا ہے اور اس پر بیش از بیش اجر عطا فرماتا ہے۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۚ فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِکَ ؕ وَیَمْحُ اللّٰہُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

(کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، پس اگر اللہ چاہے تو تیرے دل پر مہر کر دے، اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو ثابت کرتا ہے، اپنے کلمات کے ذریعے سے، بے شک وہ دلوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے۔ ۲۴)

مخالفین کا قرآن کو افتراء قرار دینے کا جواب

آنحضرت ﷺ کی دعوت کو بے اثر کرنے کیلئے مخالفین لوگوں کو یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ شخص جس کتاب کو منزل من اللہ کہتا ہے اور اسی بنا پر اپنے رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کی حیثیت افتراء کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ قرآنِ کریم کی مختلف آیات کو خود لکھتا، اس کی سورتوں کو خود مرتب کرتا اور محنت سے اس کی عبارتوں کو بناتا اور سنوارتا ہے، لیکن لوگوں پر اپنی برتری اور تقدس کا رعب جمانے کیلئے اپنی کوششوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے تاکہ لوگ اسے آسانی سے قبول کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس جسارت کا ذکر کرتے ہوئے نہایت حیرت سے یہ بات فرمائی ہے کہ یہ بات قریش اور اہلِ مکہ کہہ رہے ہیں جبکہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کتاب کی طرح ان کے سامنے ہے۔ وہ بچپن سے لے کر ڈھلتی عمر تک آپ کی زندگی کے ایک ایک دور سے واقف ہیں۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ آپ کس بے داغ کردار کے مالک ہیں۔ اور انہیں اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ جس کتاب کو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کر رہے ہیں اس کی فصاحت و بلاغت، اس کی شگفتگی اور دلآویزی، اس میں پیش کیا جانے والا حیرت انگیز نظامِ زندگی، اس کی پیشگوئیاں جنہیں آج تک غلط ثابت نہیں کیا جا سکا، اور معذب قوموں کے صحیح حالات، جبکہ تاریخ بھی انہیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اور اس کے تاریخی اور علمی محاکمے، اور قوموں کے عروج و زوال کے اصول، اور اس کے علاوہ بے شمار حقائق کی وجہ سے ہر سنجیدہ آدمی اس کا اعتراف کرتا ہے کہ یہ کتاب کسی انسان نے مرتب نہیں کی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے، کیونکہ اس کی نظیر کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ ان تمام اعترافات کے باوجود اگر وہ پھر بھی اس کتاب کو ایک افترا قرار دیتے ہیں اور اس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کرتے ہیں تو بجز اس کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا:

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

Marfat.com

مزید فرمایا کہ کبھی مخالفین نے اس بات پر غور کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کتاب کو گھڑ کر اور غلط بیانی سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے کیا پایا ہے؟ آپ مکے بھر میں سب سے زیادہ ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی تجارت آپ کی ضرورتوں کیلئے نہ صرف کافی تھی بلکہ وہ آپ کی دنیوی عزت کا ذریعہ بھی تھی، لیکن جیسے ہی آپ نے اللہ تعالیٰ کی اس کتاب اور اس کے پیغام کو نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کرنا شروع کیا تو وہ لوگ جو کل تک آپ کو آنکھوں پر بٹھاتے تھے آپ کے بدترین دشمن ہو گئے، آپ کا کاروبار بیٹھ گیا، آپ کے شب و روز اس دعوت کی نذر ہو کر رہ گئے جو آپ لوگوں کے سامنے پیش کر رہے تھے، زندگی کا کوئی دکھ ایسا نہیں جو اس نبوت اور کتاب کی وجہ سے آپ کو برداشت نہیں کرنا پڑا۔ یہ کٹھن ذمہ داری تھی جو آپ کی چاہت کے بغیر اللہ تعالیٰ نے آپ کے سپرد کی۔ اور جس کے بارے میں خود قرآنِ کریم نے کہا کہ اس ذمہ داری نے آپ کی کمر توڑ کے رکھ دی تھی۔ چنانچہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ آپ نے اس نعمت کی طلب نہیں کی تھی، ہم نے خود یہ ذمہ داری آپ کے سر پر ڈالی۔ اور اب بھی اس کے بارے میں آپ کا کوئی اختیار نہیں، آج بھی اگر اللہ چاہے تو وحیِ الٰہی کے سلسلے کو روک سکتا ہے، اور وہ نعمت جلیلہ جو آپ کے دل پر اترتی ہے اور دنیا کو ہدایت سے سیراب کرتی ہے اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل کو اس کیلئے بند کر سکتا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو سورۃ بنی اسرائیل میں اس طرح بیان کی گئی ہے وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِهٖ عَلَیْنَا وَکِیْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا ۝ ”اور اگر ہم چاہیں تو اس کو سلب کر لیں جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی ہے، پھر تم کسی کو ہمارے مقابل میں اس کو واپس لانے کیلئے وکیل نہ بنا سکو، یہ محض تمہارے رب کا تمہارے اوپر ایک فضل ہے، بے شک اس کا فضل تمہارے اوپر بہت بڑا ہے۔“

مزید ایک اور حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ مخالفین ذرا اس پر توجہ دیں کہ آنحضرت ﷺ اور قرآنِ کریم کی دعوت کا ہدف صرف ایک ہے کہ حق کو مستحکم کیا جائے اور باطل کو مٹا دیا جائے۔ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو شرک میں بدلتی ہے وہ باطل ہے۔ جو انسان کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کی بجائے توڑتی ہے وہ باطل ہے۔ جو مساواتِ انسانی اور وحدتِ بنی آدم کو نقصان پہنچا کر طبقات پیدا کرتی ہے، وہ باطل ہے۔ جو انسان کو اقدارِ انسانیت سے تہی دامن کر کے حیوان صفت بناتی ہے، وہ باطل ہے۔ اور جو عدل و مساوات کا راستہ بند کر کے ظلم کا راستہ کھول کر انسانی زندگی کو زار و نزار کرتی ہے، وہ باطل ہے۔ اور وہ چیز جو اس کے برعکس حقائق کو نمایاں اور نافذ کرتی ہے، انسانی ذہنوں اور انسانی دلوں میں اترتی ہے اور اسے زندگی کا مزاج بنا دیتی ہے وہ حق ہے۔ قرآنِ کریم حق کو مستحکم کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی دعوت ہزار مخالفتوں کے باوجود حق کو ثابت کرتی اور باطل کو مٹاتی ہے۔ کیا افترا کرنے والوں اور جھوٹ بولنے والوں کی زندگی کے اہداف یہ ہوتے ہیں۔ اور پھر وہ انہیں پورا کرنے کیلئے کیا سب کچھ اس پر قربان کر دیتے ہیں؟ یہ صورتحال خود بولتی ہے کہ قرآنِ کریم کو آنحضرت ﷺ نے افترا کیا ہے یا اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اسے آپ کے دل پر اتارا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ باطل کو مٹاتا اور حق کو مستحکم کرتا ہے۔ اب اگر یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے دل پر نازل نہیں ہوئی بلکہ حضورؐ نے خود اس کو گھڑ لیا ہے تو یہ سراسر ایک باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اسے مٹا دے۔ لیکن تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ہے اس وقت بھی اور اس کے بعد بھی دھیرے دھیرے آنحضرت ﷺ اور قرآنِ کریم

Marfat.com

دعوت نفوذ پیدا کرتی گئی، مخالفتیں سمٹتی گئیں، کوئی قبیلہ ایسا نہ رہا جس کے گھروں میں یہ دعوت داخل نہ ہوئی ہو۔حتیٰ کہ چند ہی سالوں میں یہ دعوت جزیرۂ عرب کا چلن، قانون اور مزاج بن گئی۔ یہ صورتحال بجائے خود اللہ تعالیٰ کے رسول کے برحق ہونے اور قرآنِ کریم کے منزّل ہونے کی ایک ایسی قطعی دلیل ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

آخر میں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے دل بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کبھی افترا نہیں کر سکتے۔ اور قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ ہی کی کتاب ہے۔ لیکن تمہارے کچھ مفادات، کچھ تعصبات اور کچھ تحفظات ہیں جو تمہیں باطل پر قائم رہنے کیلئے اکساتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں جب تمہاری مخالفت کے طوفان کہر کی طرح چھٹتے چلے جائیں گے اور حق کا نور ہر سو پھیل جائے گا۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَیَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴿۲۶﴾

(اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور برائیوں سے درگزر کرتا ہے، اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ ۲۵) وہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کی دعا قبول کرتا اور اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ دیتا ہے، اور جو منکر ہیں ان کیلئے سخت عذاب ہے۔ ۲۶)

توبہ اور اصلاح کی ترغیب

گزشتہ آیت میں کفار کو سرزنش کرنے کے بعد پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں توبہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس کے لب ولہجہ کو دیکھ کر دشمن بھی شاید یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوگا کہ اگر یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ نہ ہوتی تو کہیں تو اس میں انسانی جذبات کا زیروبم نظر آتا۔ تنبیہ اور سرزنش کے بعد توبہ کی ترغیب صرف اس ذاتِ خداوندی کا کمال ہے جو ہر طرح کے جذبات سے بلند ہے اور جو انسانوں کو جہنم سے دور اور جنت کے قریب دیکھنا چاہتی ہے۔ چنانچہ ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی پر جھوٹے الزامات لگا کر اپنی آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق بنانے کی بجائے اب بھی وقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلبگار بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی مہربان اور اپنے بندوں کے گناہوں سے درگزر فرمانے والا ہے۔ تم اگر توبہ کرو گے تو وہ تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک کرے گا۔ وہ صرف گزشتہ گناہوں کو ہی معاف نہیں کرے گا بلکہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کی دعائیں قبول فرمائے گا اور اپنے فضل وکرم سے انہیں گراں بار کر دے گا۔ لیکن اگر تم نے اپنے کفر کا رویہ جاری رکھا تو اس سے اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نہیں بگڑے گا تم اپنے آپ کو آخرت میں عذابِ شدید کا مستحق بنالو گے۔

Marfat.com

توبہ کی حقیقت

توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں، اور شرعی اصطلاح میں کسی گناہ سے باز آنے کو توبہ کہتے ہیں۔ اور اس کے صحیح و معتبر ہونے کیلئے تین شرائط ہیں۔

ایک یہ کہ جس گناہ میں فی الحال مبتلا ہے اس کو فوراً ترک کردے، دوسرے یہ کہ ماضی میں جو گناہ ہوا اس پر نادم ہو، اور تیسرے یہ کہ آئندہ اسے ترک کرنے کا پختہ عزم کرلے اور کوئی شرعی فریضہ چھوڑا ہوا ہے تو اسے ادا یا قضا کرنے میں لگ جائے اور اگر گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے تو اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا مال اپنے اوپر واجب ہے اور وہ شخص زندہ ہے تو یا اسے وہ مال لوٹائے یا اس سے معاف کرائے اور اگر وہ زندہ نہیں اور اس کے ورثہ موجود ہیں تو ان کو لوٹائے، اگر ورثہ بھی نہیں ہیں تو بیت المال میں داخل کرائے، بیت المال بھی نہیں ہے یا اس کا انتظام صحیح نہیں ہے تو اس کی طرف سے صدقہ کردے، اور اگر کوئی غیر مالی حق کسی کا اپنے ذمہ واجب ہے، مثلاً کسی کو ناحق ستایا ہے، برا بھلا کہا ہے، یا اس کی غیبت کی ہے تو اسے جس طرح ممکن ہو راضی کرکے اس سے معافی حاصل کرے۔

اور یہ توہر قسم کی توبہ کیلئے ضروری ہے ہی کہ گناہ کا ترک کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے ہو، اپنے کسی جسمانی ضعف یا مجبوری کی بنا پر نہ ہو۔ اور شریعت میں اصل مطلوب توبہ ہے کہ توبہ سارے ہی گناہوں سے کی جائے، لیکن اگر صرف کسی خاص گناہ سے توبہ کی گئی تو اہلِ سنت کے مسلک کے مطابق اس گناہ کی حد تک تو معافی ہوجائے گی، دوسرے گناہوں کا وبال سر پر رہے گا۔ (معارف القرآن)

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۲۷﴾

(اور اگر اللہ اپنے بندوں کیلئے رزق کو کھول دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کردیتے مگر وہ ایک اندازے کے ساتھ جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور ان کو دیکھنے والا ہے۔ ۲۷)

قریش کے رویئے پر تنبیہ اور مسلمانوں کی فکری کوتاہی پر توجہ

گزشتہ آیتِ کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے اور نیک اعمال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ اور اصحاب صفہ اور حضرت خبابؓ جیسے غریب صحابہ جب قریش کے امراء کو دیکھتے تھے تو ان کے ذہن میں بھی یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کاش ہم بھی ان جیسے دولت مند ہوتے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہم قریش کو دیکھتے ہیں کہ قریش کی سرکشی میں جن عوامل نے بنیادی کردار ادا کیا ہے ان میں سے ایک بہت بڑا عامل یہ تھا کہ وہ اپنی دولت و ثروت کو اپنے برحق ہونے کی دلیل سمجھتے تھے۔ اور نبی کریم ﷺ کی بات پر اس لئے کان دھرنے کو تیار نہ تھے کہ وہ کوئی بڑی دولت و ثروت کے مالک نہیں۔ ان پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنا پیشوا تسلیم کرلیا جائے، اور یہ

Marfat.com

ات سردارانِ قبائل اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے۔ چنانچہ قریش کے رویئے پر تنبیہ کرتے ہوئے اور مسلمانوں کو ان کی فکری کوتاہی پر توجہ دلاتے ہوئے رشاد فرمایا گیا ہے کہ دولت وثروت کسی کے برسرِ حق ہونے کی دلیل نہیں، اسے تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیلئے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے وہ کسی کو دولت سے اس لئے نوازتا ہے تاکہ وہ یہ دیکھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکرادا کرتا ہے یا نہیں۔ اور کسی کو رزق کی تنگی میں اس لئے مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ یہ دیکھے کہ وہ صبر کرتا ہے یا نہیں۔ اب یہ فیصلہ کرنا کہ کس شخص اور کس گروہ کو کس طرح کے امتحان میں مبتلا کرنا ہے، یہ انسانوں کا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس کی حکمت کا جو تقاضا ہوتا ہے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مشیت حرکت میں آتی ہے۔ اس کے سوا بندوں کے حالات و مصالح سے چونکہ کوئی واقف نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے دولت وثروت کی تقسیم کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اسے اپنے ہاتھ میں نہ رکھتا بلکہ اس کے دروازے سب کیلئے نہایت کشادہ کر دیتا کہ لوگ جتنا چاہیں اس میں سے سمیٹ لیں تو یہ چیز لوگوں کیلئے بہت بڑا فتنہ بن جاتی۔ اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ سے سرکشی میں بیش از بیش اضافہ ہو جاتا تو دوسرے طرف انسانی زندگی اور اس کے علاقات ابتری کا شکار ہو جاتے۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ سے انسانوں کے تعلق اور بندوں کے باہمی تعلقات کو ایسا نقصان پہنچتا جس کی تلافی ممکن نہ ہوتی۔ نہ آدمی اپنے مالک کو پہچانتا اور نہ انسانی رشتوں اور ان کی ضرورتوں کی اس کے یہاں کوئی قدر وقیمت ہوتی۔ اللہ تعالیٰ چونکہ بندوں کی مصلحت سے باخبر اور ان کے مستقبل کو خوب جاننے والا ہے اس لئے رزق کی تقسیم کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر ایک ایسا توازن عطا فرمایا جس سے دولت وثروت کو وہ صحیح مقام ملا اور انسانی رشتوں کو باہمی ضرورتوں سے اس طرح وابستہ کیا کہ ہر چیز کی چول اپنی جگہ بیٹھ گئی اور انسانی زندگی تباہی سے بچ گئی۔

وَهُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾

(اور وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد بارش نازل کرتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہی حقیقی کارساز اور ستودہ صفات ہے۔ ۲۸)

اوپر جو کچھ فرمایا گیا اس پر دلیل

اوپر جو کچھ فرمایا گیا ہے پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اس پر ایسی دلیل قائم کی گئی ہے جس سے ہر شخص کو واسطہ پڑتا ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ایک اندازے کے ساتھ بندوں پر رزق اتارتا ہے اور بندوں کو اس معاملے میں کچھ اختیار نہیں ہوتا کہ کس شخص کو کتنی دولت ملنی چاہئے اور کس شخص کو کتنی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت ہے جو اس میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔ اس کی مثال دیکھنا چاہو تو بارش کو دیکھ لو۔ عرب میں بعض دفعہ ہفتوں اور مہینوں نہیں بلکہ سالوں بارش نہیں ہوتی۔ بندے بے بسی کا شکار ہو جاتے ہیں اور جنہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے وہ بھی اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ مایوسی اس حد تک بڑھتی ہے کہ لوگ اپنا مسکن اور اپنا علاقہ چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور بعض دفعہ موت کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں کہ اچانک اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے، گھٹا اٹھتی ہے، چھم چھم بارش برستی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے جل تھل ایک ہو جاتا ہے اور چند ہی دنوں میں زمین مخمل کا لباس پہن لیتی ہے۔ مایوس لوگوں کے چہروں پر رونق آ جاتی ہے اور ہر سنجیدہ فکر آدمی یہ سمجھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جھنجھوڑنے اور آسمان کے بند دریچوں کو کھولنے کی طاقت کسی میں نہیں۔ کوئی ایسی طاقت نہیں جو بارش نازل کرنے میں کوئی اختیار رکھتی ہو۔ عام لوگ بھی اور جنہیں خدا رسیدہ سمجھا جاتا ہے وہ بھی اس معاملے میں بے بس دکھائی دیتے ہیں۔ تب یہ

Marfat.com

بات کھل جاتی ہے کہ بارش کے نازل کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ہے۔ اور رزق وفضل کا مالک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں۔ وہی ذات ہے جو ولی بھی ہے اور حمید بھی۔ یعنی وہی کارسازِ حقیقی ہے۔ اور تمام سزاوارِ حمد وشکر کاموں کا منبع وہی ہے۔ وہ چونکہ اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے اس لئے وہ اپنے دشمنوں سے بھی وسائلِ رزق کو نہیں روکتا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

(اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور جو اس نے ان دونوں میں جاندار مخلوقات پھیلا رکھی ہیں اور وہ ان کے جمع کرنے پر بھی قادر ہے جب ان کو جمع کرنا چاہے۔ ۲۹)

مخالفین کو ترہیب

آنحضرت ﷺ کی دعوت میں ترغیب کے ساتھ ساتھ ترہیب سے بھی باقاعدہ کام لیا جاتا ہے۔ اور بار بار مخالفین کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ اگر تم نے اپنے رویئے کو بدلنے کی کوشش نہ کی تو سوچ لو پھر قیامت کے دن اس کا کیا جواب دوگے۔ اور اگر تمہاری سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا تو پھر تم اس سے کیسے بچ سکو گے۔ مخالفین اسے محض ایک ڈراوا سمجھتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک نزولِ عذاب یا وقوعِ قیامت ایک ایسی بات تھی جسے وہ بعید از عقل سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کی اس خام خیالی کو رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بعض باتیں پیش پا افتادہ ہیں جنہیں تم نظرانداز کر دیتے ہو۔ زمین کا بچھونا تمہارے پاؤں کے نیچے بچھا ہوا ہے اور آسمان کی چھت تمہارے سروں پر تنی ہوئی ہے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی نشانیاں ہیں۔ اور مزید یہ کہ ان دونوں میں اس نے جاندار مخلوقات بھی پیدا کر رکھی ہیں۔ جس ذات کی یہ نشانیاں ہیں اس کی قدرت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ لیکن یہ کس قدر حماقت کی بات ہے کہ ایسی قادرِ مطلق ذات سے متعلق تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ زمین و آسمان کی پیدائش اور مخلوقات کو ہر جگہ پھیلانے پر تو قادر ہے لیکن انہیں جمع کرنے پر قادر نہیں، اس لئے قیامت کیسے آ سکتی ہے؟

آیتِ کریمہ میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں جاندار مخلوقات پیدا کر رکھی ہیں، تو اس کے بارے میں ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو کہ زمین پر تو مخلوقات نظر آ رہی ہیں، لیکن آسمانوں میں ان مخلوقات کا ہونا ایک عجیب سی بات ہے۔ اولاً تو یہ بات انسان کی کوتاہیِ فکر پر دلالت کرتی ہے جس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس کس کُرّے اور کون سے آسمانوں میں کیسی کیسی جاندار مخلوق پیدا کر رکھی ہیں۔ لیکن میں محض سمجھانے کیلئے عرض کرتا ہوں کہ سماء کا لفظ جس طرح آسمان پر بولا جاتا ہے ویسے ہی فضا پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور فضا میں کیسی کیسی مخلوقات ہیں انہیں تو ہم نہیں جانتے، لیکن پرندوں کو اڑتا ہوا تو دیکھتے ہیں اور ان کی بے شمار اقسام سے بھی واقف ہیں۔

Marfat.com

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ
اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ ﴿۳۰﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚۖ
وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ
الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ؕ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ
رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۙ ﴿۳۳﴾
اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ۙ ﴿۳۴﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ
يُجَادِلُوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ
شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ
الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۚ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ
اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۖ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۖ
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۚ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْىُ
هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا
وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ
انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ؕ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا

Marfat.com

السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ
اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ ع

رکوع: ۴۔ (اورتم پر جو مصیبت بھی آتی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آتی ہے اور تمہاری بہت سی برائیوں سے وہ درگزر بھی کرتا ہے۔ ۳۰) اور نہ تم زمین میں اللہ کو عاجز کردینے والے ہو اور تمہارے لئے اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار۔ ۳۱) اور اس کی نشانیوں میں سے سمندروں میں چلنے والے جہاز ہیں پہاڑوں کی مانند۔ ۳۲) اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کردے، پس وہ سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر وشکر کرنے والے کیلئے۔ ۳۳) یا ان کو تباہ کردے ان کے کرتوتوں کی پاداش میں اور بہتوں سے درگزر فرمائے۔ ۳۴) اور جان لیں وہ لوگ جو ہماری آیات میں کٹ حجتی کرتے ہیں کہ ان کیلئے کوئی جائے پناہ نہیں۔ ۳۵) پس جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کی متاع حقیر ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی، ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ۳۶) اور جو بچتے ہیں بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے، اور جب غضبناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کردیتے ہیں۔ ۳۷) اور وہ لوگ اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ۳۸) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو اس کا انتقام لیتے ہیں۔ ۳۹) اور برائی کا بدلہ ویسے ہی برائی ہے، پس جس نے درگزر کی اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، بے شک اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ ۴۰) اور جن لوگوں نے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیا تو ان کے اوپر کوئی الزام نہیں۔ ۴۱) الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کیلئے دردناک عذاب ہے۔ ۴۲) البتہ جس نے صبر کیا اور درگزر سے کام لیا یہ بے شک عزیمت کے کاموں میں سے ہے۔ ۴۳)

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۖۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾

(اورتم پر جو مصیبت بھی آتی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آتی ہے اور تمہاری بہت سی برائیوں سے وہ درگزر بھی کرتا ہے۔ ۳۰) اور نہ تم زمین میں اللہ کو عاجز کردینے والے ہو اور تمہارے لئے اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار۔ ۳۱)

Marfat.com

مخالفین کے زعمِ باطل کے ابطال پر دلیل

اس آیتِ کریمہ میں مخالفین کے ایک زعمِ باطل پر چوٹ لگائی جارہی ہے اور اس کے ابطال پر دلیل بھی دی جارہی ہے۔ اشرافِ قریش یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نظامِ مجازات نہیں۔ ہر شخص کو اپنے وسائل سے کام لینے کی چھٹی ملی ہوئی ہے۔ چنانچہ طاقتور اگر کمزوروں پر ظلم کررہا ہے تو یہ اس کی طاقت کا تقاضا ہے۔ اور مظلوم کو اس بات کی سزا مل رہی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو طاقتور کیوں نہیں بنایا۔ ظالم سے نہ کبھی دنیا میں پوچھا جائے گا اور نہ کبھی آخرت میں اس کی باز پرس ہوگی۔ ہر شخص اپنی صلاحیت اور طاقت کے مطابق من مرضی کے اعمال بجالانے کیلئے آزاد ہے۔ چنانچہ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی نظامِ مجازات نہیں اور اس کی صفتِ عدل کا کوئی تقاضا نہیں تو پھر تم بعض دفعہ مختلف تکالیف کا شکار کیوں ہوتے ہو۔ اور بعض آفات غیر متوقع طور پر تمہیں کیوں آگھیرتی ہیں۔ اور جس طرح اہلِ مکہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے انکار کی وجہ سے قحط کا شکار ہیں تو آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ ایک واضح علامت ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں کی سزا بعض دفعہ دنیا میں بھی دیتا ہے۔ اگرچہ وہ بہت ساری باتوں کو نظرانداز کردیتا ہے اور ان پر باز پرس آخرت میں ہوگی لیکن یہاں بھی بعض مصائب تم پر نازل کرکے تمہیں یہ بتانا مقصود ہے کہ دنیا میں تمہیں شتر بے مہار بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ تم جس طرح چاہو زندگی گزارو۔ اگر ایسا ہوتا تو زندگی کے حوادث تمہارے اپنے ہاتھوں میں ہوتے۔ اور کبھی بھی تمہارے ارادے فسخ ہونے میں نہ آتے۔ اور نہ کبھی تمہارے وسائل تمہارے حسبِ حال نتیجہ خیز ہونے سے انکار کرتے۔ اور پھر انہیں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جس طرح دنیا میں وہ تم پر مصائب نازل کرکے اور مختلف حوادث کا شکار کرکے تم پر یہ بات واضح کرتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بہت دور نہیں ہو اور نہ زمین میں اس کی گرفت سے تمہیں کوئی بچاسکتا ہے۔ اسی طرح اس نے ایک یوم الفصل بھی رکھا ہے جو کامل جزاء وسزا کا دن ہے۔ اس میں تمہیں ہر عمل کا جواب دینا پڑے گا اور وہاں بھی تمہیں نہ کسی کی نصرت اور مدد چھڑا سکے گی اور نہ کوئی تمہاری کارسازی کرسکے گا۔ اور دنیا میں تمہارے جن گناہوں سے درگزر کیا گیا تھا قیامت میں ان کی جزاء وسزا سے بھی تمہیں گزارا جائے گا۔

واضح رہے کہ آیتِ کریمہ میں خطاب صرف کفار سے ہے۔ انہیں یہ بتایا گیا ہے کہ انہیں جو تکلیفیں بھی پہنچتی ہیں وہ ان کے اعمال کی پاداش میں پہنچتی ہیں۔ لیکن ان کا تعلق انبیائے کرام اور دیگر صالحینِ عظام سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو جو تکلیفیں اور مصیبتیں بھی آتی ہیں وہ ان کے اعمال کی سزا کے طور پر نہیں بلکہ ابتلاء کے طور پر پیش آتی ہیں اور وہ ان کے گناہوں اور خطاؤں اور کوتاہیوں کا کفارہ بنتی چلی جاتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے مَا یُصِیْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا ھَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا اَذًی وَلَا غَمٍّ حَتّٰی الشَّوْکَۃُ یُشَاکُھَا اِلَّا کَفَّرَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ خَطَایَاہُ (بخاری ومسلم) ”مسلمان کو جو رنج اور دکھ اور فکر اور غم اور تکلیف اور پریشانی بھی پیش آتی ہے حتیٰ کہ اگر ایک کانٹا بھی اس کو چبھتا ہے تو اللہ اس کو اس کی کسی نہ کسی خطا کا کفارہ بنادیتا ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ کی راہ کے جو برگزیدہ لوگ ہیں جن میں شہداء بھی شامل ہیں، ان کو جن مصائب سے واسطہ پڑتا ہے وہ ان کے گناہوں کا کفارہ نہیں بلکہ ترقی درجات کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ ان پر صبر کرنے سے ان کے اندر ایسی صلاحیت پیدا ہوتی ہے جو انہیں مسلسل مدارج کی بلندی کی طرف مہمیز کرتی رہتی ہے۔

Marfat.com

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰی
ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَیَعْفُ عَنْ
كَثِیْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۳۵﴾

(اوراس کی نشانیوں میں سے سمندروں میں چلنے والے جہاز ہیں پہاڑوں کی مانند۔ ۳۲) اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن
کردے، پس وہ سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر وشکر کرنے والے
کیلئے۔ ۳۳) یا ان کو تباہ کردے ان کے کرتوتوں کی پاداش میں اور بہتوں سے درگزر فرمائے۔ ۳۴) اور جان لیں
وہ لوگ جو ہماری آیات میں کٹ حجتی کرتے ہیں کہ ان کیلئے کوئی جائے پناہ نہیں۔ ۳۵)

دنیا کی کامیابیوں پر اترانے والوں کیلئے ایک تمثیل

آنحضرت ﷺ کی دعوت کے وہ مخالفین جو اپنی دنیوی کامیابیوں سے بدمست ہو کر آنحضرت ﷺ کی دعوت اور قرآنِ کریم کی حقانیت کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھے، ان کے سامنے ایک مثال پیش کی جارہی ہے کہ تم اپنی زندگی کو ایک بحری جہاز کے سفر کی مانند سمجھو کہ بحری جہاز جب تک سمندر کی سطح پر بے روک ٹوک رواں دواں رہتا ہے اور وہ پہاڑ کی مانند اپنا حجم رکھتے ہوئے بے تکلف پانی کی لہروں پر بہتا چلا جاتا ہے تو اس میں سوار ہونے والے اسے اپنی صلاحیتوں کا نتیجہ سمجھ کر عیش وعشرت میں مگن ہر طرح کی پریشانی سے بے فکر، اپنے سفر سے لذت اندوز اور سمندر کے خوبصورت مناظر سے محظوظ ہوتے ہوئے محوِ سفر رہتے ہیں۔ انہیں یہ کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ ہمارے اس جہاز کو کوئی حادثہ بھی پیش آسکتا ہے اور سمندر کی لہریں ہماری نہیں کسی اور قوت کے قبضے میں ہیں۔ وہ جب تک چاہے انہیں پرسکون اور ہواؤں کو حسبِ حال رکھے تاکہ بادبان ہواؤں کے زور پر جہاز کو اڑاتے ہوئے لے جائیں اور جب وہ چاہے ہواؤں کو روک دے اور جہاز اپنے مسافروں سمیت سطحِ سمندر پر جم کے رہ جائیں۔ مسافر ہزار کوشش کریں لیکن جہاز اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائے۔ کیونکہ جب تک ہوا بادبانی جہازوں کو قوت فراہم نہیں کرے گی یا ہوا کا رخ جہاز کے حسبِ حال نہیں ہوگا تو جہاز آگے بڑھنے سے قاصر ہوگا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان جہازوں کو غرق کردے اور ان مسافروں کے اعمال کی پاداش میں جہاز کے ساتھ ہی پانی کی نذر کردے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک سے زیادہ جہاز محوِ سفر ہوں تو ایسا خوفناک طوفان اٹھے جس کی طغیانی اور قوت کو دیکھتے ہوئے محسوس ہو کہ کوئی جہاز بھی ڈوبنے سے بچ نہیں سکے گا۔ لیکن طوفان بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، جن جہازوں کے ڈبونے کا اسے حکم ہوا ان کو ڈبو دے اور جن سے درگزر کرنے اور بچانے کا حکم ہو انہیں بچادے۔ یعنی ہوا کا ساکن کردینا اور ہوا کو طوفان بنادینا اور اسی طوفان سے بعض جہازوں کو بچالینا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے۔ یہ مثال دے کر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ ہماری ان نشانیوں کو دیکھ کر بھی کج بحثی اور کٹ حجتی کرتے ہیں اور بجائے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر ایمان لانے اور اس کے نبی کی دعوت کو قبول کرنے کے ایسے واقعات کو حوادث کا نام دیتے ہیں اور حوادث کو اتفاقات کے حوالے سے دیکھتے ہیں ان کیلئے یہ مثال کافی ہے کہ جس طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ جب کسی کو ڈبونا چاہتا ہے یا اس کا غضب کسی پر بھڑکتا ہے تو کوئی اسے بچانے والا نہیں ہوتا اسی طرح انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ قیامت کے دن جب وہ اپنے کفر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ان کے پاس اپنی زندگی

Marfat.com

کو من مرضی سے گزارنے کا کوئی عذر نہیں ہوگا تو وہاں وہ تمنا کریں گے کہ کاش آج ہم جہنم کے عذاب سے کسی طرح بچ نکلیں اور کوئی ہمیں اپنی پناہ میں لے لے تو ان کیلئے کوئی پناہ گاہ اور کوئی جائے فرار نہیں ہوگی۔

ان آیات میں سے دوسری آیت کے آخر میں جملہ معترضہ کی صورت میں اس مقصد کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو اس تمثیل میں مضمر ہے کہ جو لوگ اپنی زندگی کو وقت کے سمندر میں تیرتا ہوا دیکھ رہے ہیں اس میں ان کیلئے بہت سی عبرتیں پوشیدہ ہیں۔ زندگی کی کامیابیوں کی کلید صبر اور شکر سے وابستہ ہے۔ یعنی انہیں اس بات پر یقین آنا چاہئے کہ زندگی کی باگ ڈور ہمارے قبضے میں نہیں ہے اور جس عمر اور وقت کے سہارے زندگی آگے بڑھ رہی ہے وہ بھی ہمارے بس میں نہیں۔ اس میں کبھی ایسے دن بھی آتے ہیں جب انسان حوادث اور مصائب کا شکار ہوتا ہے تو وہ اگر حالات کی ناسازگاری سے مایوس اور دل شکستہ ہو کر بیٹھ جائے اور اپنی ہمتوں کی شکست و ریخت دیکھ کر مستقبل سے مایوس ہو جائے تو اسے ناکامیوں سے بچانے والی کوئی چیز نہیں۔ اس کیلئے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اس بات کا یقین پیدا کرے کہ حالات اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں۔ وہ جب حالات کو ابتر بناتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے کہ وہ مجھ پر بھروسہ کرتے ہوئے صبر کا دامن پکڑتے ہیں یا نہیں۔ اور اپنے برے حالوں میں مجھے پکارتے ہیں یا نہیں پکارتے۔ اسی طرح اگر اسے سازگار حالات میسر آئیں تو اسے بجائے اترانے اور فخر کرنے کے ان حالات کا سرشتہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں سمجھنا چاہئے۔ اور یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہتر حالات اور نعمتوں سے نواز کر آزمایا ہے کہ میں اس کا شکر ادا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بندگی بجالاتا ہوں یا نہیں۔ یعنی شکستہ حالات میں دل شکستہ ہو جانا اور بہتر حالات اور سازگار ماحول میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کی بجائے متکبر اور مغرور ہو کر اپنی ذات کے پندار میں مبتلا ہو جانا ایسی کمزوری ہے جو انسان کو انسانیت سے دور کر دیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے بارے میں غلط تصور قائم کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس مثال کے ذریعے انسان کیلئے اس ناخوشگوار صورتحال سے بچنے کا راز بتایا گیا ہے۔

فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی
لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾

(پس جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کی متاع حقیر ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی، ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ۳۶)

خلاصۂ بحث

گزشتہ مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ زندگی کی ناکامیوں کا دوسرا نام اگر صبر و شکر کا فقدان ہے تو پھر اے مکہ کے لوگو! تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے چاہے وہ تمہارے باغات ہوں یا درہم و دینار کا خزانہ۔ کیا ان میں سے ہر چیز حیاتِ دنیا کی متاع حقیر نہیں ہے؟ کیا تمہاری زندگیاں چندروزہ نہیں ہیں؟ کیا تمہیں ایک دن موت کا شکار نہیں ہونا ہے؟ تو پھر جن نعمتوں پر اور جس دولت و ثروت پر تم اتراتے ہو، اس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ اس دنیا میں کتنے سکندر اٹھے اور کتنے جہاں پناہ گزرے اور کتنے جہانگیروں نے دنیا میں اپنے نام پیدا کئے لیکن وہ کتنا عرصہ زندہ رہے، قارون کی دولت کہاں گئی، اور ہامان کی جنت کہاں ہے؟ آج دنیا میں ان میں سے کچھ بھی باقی

Marfat.com

نہیں۔فراعنہ ونماردہ تاریخ میں عبرت کے سامان کے طور پر موجود ہیں۔لیکن جن قوتوں پر وہ اتراتے تھے ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں۔ لیکن ہمارے نبی کی دعوت انہیں جو راستہ دکھارہی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ ہے۔وہ ایسی زندگی کا راستہ ہے جس میں کامیابیوں کے ... ملتے ہیں، جس میں انسانیت توانا ہوتی ہے اور دنیا میں بسنے والوں کو آرام وراحت کا پیغام ملتا ہے۔اس کے بدلے میں آخرت میں جو کچھ ملنے والا ہے اس میں سے ایک ایک نعمت اس قدر بہتر ہے کہ اس سے زیادہ بہتری کا تصور ممکن نہیں ہے۔اور ایسی پائیدار ہے جس میں فنا کا کوئی اندیشہ نہیں۔لیکن یہ سب کچھ ان لوگوں کو ملنے والا ہے جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتے ہیں اور جن میں سب سے پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

اللہ پر توکل کو یہاں ایمان لانے کا لازمی تقاضا اور آخرت کی کامیابی کیلئے ایک ضروری وصف قرار دیا گیا ہے۔توکل کے معنی یہ ہیں کہ: اولاً، آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رہنمائی پر کامل اعتماد ہو اور وہ یہ سمجھے کہ حقیقت کا جو علم، اخلاق کے جو اصول، حلال و حرام کے جو حدود، اور دنیا میں زندگی بسر کرنے کیلئے جو قواعد وضوابط اللہ نے دیئے ہیں وہی برحق ہیں اور انہی کی پیروی میں انسان کی خیر ہے۔ثانیاً، آدمی کا بھروسا اپنی طاقت، قابلیت، اپنے ذرائع و وسائل، اپنی تدابیر اور اللہ کے سوا دوسروں کی امداد واعانت پر نہ ہو بلکہ وہ پوری طرح یہ بات ذہن نشین رکھے کہ دنیا اور آخرت کے ہر معاملے میں اس کی کامیابی کا اصل انحصار اللہ تعالیٰ کی توفیق وتائید پر ہے اور اللہ کی توفیق وتائید کا وہ اسی صورت میں مستحق ہو سکتا ہے جبکہ وہ اس کی رضا کو مقصود بنا کر، اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کی پابندی کرتے ہوئے کام کرے۔ثالثاً، آدمی کو ان وعدوں پر پورا بھروسا ہو جو اللہ تعالیٰ نے ایمان وعملِ صالح کا رویہ اختیار کرنے والے اور باطل کی بجائے حق کیلئے کام کرنے والے بندوں سے کیے ہیں، اور انہی وعدوں پر اعتماد کرتے ہوئے وہ ان تمام فوائد اور منافع اور لذائذ کو لات ماردے جو باطل کی راہ پر جانے کی صورت میں اسے حاصل ہوتے نظر آتے ہوں، اور ان سارے نقصانات اور تکلیفوں اور محرومیوں کو انگیز کر جائے جو حق پر استقامت کی وجہ سے اس کے نصیب میں آئیں۔توکل کے معنی کی اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایمان کے ساتھ اس کا کتنا گہرا تعلق ہے اور اس کے بغیر جو ایمان محض خالی خولی اعتراف واقرار کی حد تک ہو اس سے وہ شاندار نتائج کیوں نہیں حاصل ہو سکتے جن کا وعدہ ایمان لا کر توکل کرنے والوں سے کیا گیا ہے۔ (تفہیم القرآن)

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

(اور جو بچتے ہیں بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے، اور جب غضبناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔ ۳۷)

ایمان اور توکل سے پیدا ہونے والی تین مزید صفات

صاحب ایمان لوگوں کی مزید ان صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے جو ایمان اور توکل کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں۔جو کہنے کو تو تین قسم صفات ہیں، لیکن حقیقت میں زندگی کے تمام منفی رویئوں کو سمیٹ لیا گیا ہے۔انسانی سیرت وکردار میں جب بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو فکری گمراہی کے ساتھ ساتھ جو عملی کوتاہیاں پیدا ہوتی ہیں ان میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے نیاز ہو کر اپنی ذات کے گرد

Marfat.com

میں ایسا اسیر ہوتا ہے کہ خودغرضی اس کا مطلوب بن جاتی ہے۔ وہ دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے، حقوق چھینتا ہے، ناانصافی اور ظلم سے کام لیتا ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جسے قرآنِ کریم نے اِثم کا نام دیا ہے۔ اور اس لوٹ کھسوٹ، خودغرضی اور حبِ دنیا کے نتیجے میں جو برائی سر اٹھاتی ہے وہ بے حیائی یعنی شرم وحیاء کا فقدان ہے۔ آدمی اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہو کر انسانی زندگی سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔ شرم وحیاء انسانی زندگی کا خاصہ ہے۔ لیکن جب بگاڑ زور دکھاتا ہے تو انسان، انسانی خصوصیات سے بے بہرہ ہو جاتا ہے اور اس کی سیرت وکردار کی جو ضمانت شرم وحیاء کی صورت میں اس کا احاطہ کیے رہتی ہے وہ بھی ختم ہونے لگتی ہے اور انسان سب سے پہلے نگاہِ آوارہ کا شکار ہوتا ہے، پھر قدم آگے بڑھتا ہے تو زبان بے قابو ہونے لگتی ہے۔ آخر وہ اس بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کے بعد شرم وحیاء کا ہر ٹانکہ ٹوٹ جاتا ہے جسے زنا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے اسے لپیٹتے ہوئے فاحشہ کا نام دیا ہے۔ انسانی سیرت وکردار کے بگاڑ کے بعد جو خصلتیں انسان میں پیدا ہونے لگتی ہیں بالخصوص دوسرے انسانوں کے سامنے جن کا اظہار ہوتا ہے، وہ تکبر، خودسری اور حد سے بڑھی ہوئی انانیت کی صورت اختیار کرتی ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں طغیان وفساد اور دوسروں پر دراز دستی اور ظلم جنم لیتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے اس کے منبع کی خبر دیتے ہوئے اِسے غضب سے تعبیر کیا ہے۔ اس لئے صاحبِ ایمان وتوکل لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ حق تلفی اور حق شکنی کی ایسی ہر کوشش سے تائب ہو جاتے ہیں جو انہیں اس راستے کے کسی بڑے گناہ تک پہنچا دے۔ یعنی وہ بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ پہلے چھوٹے گناہ کرتا ہے۔ یعنی ایسے گناہ جنہیں صراحتہً نہ حرام کہا گیا نہ لعنت کی گئی اور نہ اس پر عذاب کی دھمکی دی گئی اور نہ مغضوب قوموں کا شعار رہا۔ ایسی عام سی باتیں جو بے خیالی میں انسانوں سے سرزد ہوتی ہیں لیکن وہ اسلامی مزاج سے میل نہیں کھاتیں۔ لیکن جب وہ اس طرح کے گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے تو پھر وہ ایسے بڑے گناہوں میں مبتلاء ہوئے بغیر نہیں رہتا جنہیں صاف صاف حرام قرار دیا گیا ہے اور یا ان پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس آیت میں یہ فرمایا گیا کہ وہ بڑے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اولاً تو صغیرہ گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے اور ان کی پاکیزہ سیرت ان کے تحمل سے انکار کرتی ہے۔ لیکن اگر کبھی ایسی کوئی بات ان سے سرزد ہو جائے تو وہ اس پر اصرار نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بڑے گناہوں میں مبتلا نہیں ہوتے۔ گویا بڑے گناہوں سے اجتناب کا ذکر فرما کر گناہوں کے تصور سے ہی اجتناب کا حکم دے دیا گیا، اور اللہ تعالیٰ کے صاحبِ ایمان بندوں کے بارے میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ان کی سیرت ایسی پاکیزہ اور ان کی فطرت ایسی مصفا ہو جاتی ہے کہ اس میں گناہ کا تصور بار نہیں پاتا۔

اور دوسری بات یہ فرمائی کہ وہ فواحش سے اجتناب کرتے ہیں۔ یعنی شرم وحیاء ان کا ایسا زیور ہے کہ کوئی سی بے حیائی انہیں اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ سر جھکا کے چلنا، نگاہوں کو آوارہ ہونے سے بچانا، مخلوط مجالس سے دور رہنا اور ایسی ہر دلچسپی کے قریب نہ جانا جو فسق وفجور کا مزاج رکھتی ہے، یہ ان کی علامت بن جاتا ہے۔

چونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے دین پر چلنے والے اتباعِ سنت کے حریص اور ہر قدم پر قیامت کے دن کی جواب دہی کا احساس رکھنے والے ہیں، اس لئے اولاً تو وہ چھوٹوں پر غضبناک نہیں ہوتے اور اگر کبھی ان کا غصہ بھڑک اٹھے تو وہ عموماً معاف کر دیا کرتے ہیں۔ سیدنا حسنؓ کے بارے میں مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ ان کا ایک بہت چہیتا غلام ایک دفعہ مہمانوں کیلئے کھانا لا رہا تھا، کہیں اس کا پاؤں الجھا تو گرم گرم شوربے کا پیالہ اس کے ہاتھ سے اچھل کر حضرت حسنؓ کی کمر پر جا گرا۔ گرم شوربے نے کھال ادھیڑ کر رکھ دی۔ انہوں نے

Marfat.com

نہایت غصے سے اپنے غلام کی طرف دیکھا۔وہ چونکہ اسی گھر کا تربیت یافتہ تھا،فوراً کہنے لگا! وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ ''اللہ سے ڈرنے والے غصہ پی جایا کرتے ہیں۔'' تو حضرت حسنؓ نے فوراً نگاہیں جھکا لیں۔اس نے موقع غنیمت جان کر آیت کا دوسرا جملہ پڑھا وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ''وہ لوگوں کو معاف کردیا کرتے ہیں۔'' حضرت حسنؓ نے فرمایا! جا میں نے تجھے معاف کیا۔اس نے گرم لوہے پر مزید چوٹ لگاتے ہوئے کہا: وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ''اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' حضرت حسنؓ نے فرمایا جا میں نے تجھے آزاد کیا۔

مختصر یہ کہ آخری صفت کا حاصل یہ ہے کہ وہ تارک الدنیا راہب یا بھکشو قسم کے لوگ نہیں ہوتے کہ وہ ہر وقت منفعل سے بنے رہیں، بلکہ باوقار اور باغیرت انسانوں کی طرح انہیں غصہ بھی آتا ہے۔لیکن ان کی شرست انتقامی نہیں ہوتی۔وہ لوگوں سے درگزر اور چشم پوشی کا معاملہ کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے معاملہ میں نہایت حساس۔لیکن اپنی ذات کے بارے میں نہایت فراخ دل،حلیم اور بردبار ہوتے ہیں۔جس طرح حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ ما انتقم رسول اللہ ﷺ لنفسه فی شیء قط الا ان تنتهک حرمة الله ''رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کیلئے انتقام نہیں لیا۔البتہ جب اللہ تعالیٰ کی حرمتوں میں سے کسی حرمت کی ہتک کی جاتی،تب آپ سزا دیتے تھے۔''

وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾

(اور وہ لوگ اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ۳۸)

اصحابِ ایمان کی چند مزاجی خصوصیات

گزشتہ آیتِ کریمہ میں مشرکینِ مکہ پر عموماً اور اشرارِ قریش پر خصوصاً تنقید کرتے ہوئے ان کے بعض اخلاقی امراض کی نشاندہی فرمائی تھی جس نے ان کے سیرت و کردار اور فکری دنیا کو بالکل تہہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔پھر اس کے فوراً بعد ان لوگوں کا ذکر شروع کردیا گیا ہے جو نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لائے،ان کی فکری اور عملی رہنمائی کو قبول کیا اور اس کے نتیجہ میں جس طرح ان کی زندگی میں انقلاب آیا اس کے چند بنیادی اوصاف کا ذکر فرمایا گیا ہے جس سے ایک تو تعرف الاشیاء باضدادھا کے قاعدے کے تحت قریش اور دیگر مخالفین کو اس انقلاب کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے جس کے نتیجے میں ایسے اوصاف کے حامل لوگ تیار ہوتے ہیں جن کی مثال تاریخ میں بھی کم ملتی ہے۔اور دوسری بات یہ واضح فرمائی ہے کہ آیت میں بیان کردہ بنیادی اوصاف درحقیقت ایسی بنیادیں ہیں جن پر مسلمان معاشرے کی پرشکوہ عمارت اٹھائی جاسکتی ہے۔اور یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ ایسا بیج ہے کہ جب انسانی طبیعتوں میں اسے اپنی جگہ بنانے کا موقع مل جاتا ہے تو اس سے اخلاقی اوصاف کا وہ چمن کھلتا ہے جس سے صرف افراد ہی نہیں بلکہ معاشرہ اور تمام معاشرتی ادارے وجود میں آتے ہیں۔ان اوصاف میں سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ پر ہر طرح کا توکل ہے جس کی تفصیل عرض کی جاچکی ہے۔اور پھر انسانی طبیعت کا وہ رجحان ہے جس میں حق تلفی، ناانصافی اور ظلم کی نوعیت کی ہر خواہش دم توڑ جاتی ہے۔اور سفلی جذبات اور نفسانی

Marfat.com

خواہشات اپنے محدود دائرے سے باہر نکلنے کی جسارت بھول جاتے ہیں۔ خودسری اور انانیت کا پرستار اللہ تعالیٰ کی بندگی اور آنحضرت ﷺ کے اتباع میں ایسا ڈھل جاتا ہے کہ وہی اس کا مزاج اور وہی اس کا چلن بن جاتا ہے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ان بنیادی اوصاف سے خودبخود پیدا ہونے والے ان اوصاف کو ذکر فرمایا گیا ہے جس سے ایک مومن کی فکری دنیا کو جلا ملتی اور اخلاقی دنیا کی تعمیر مکمل ہوتی ہے۔ ان میں سب سے پہلی صفت یہ ہے کہ ان کا مزاج اس طرح بن جاتا ہے کہ وہ اپنے رب کی پکار پر تحفظات کا شکار ہونے کی بجائے مکمل طور پر خودسپردگی کا انداز اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب انہیں کسی ذمہ داری یا کسی معرکے کی طرف پکارتا ہے تو وہ لپکتے ہوئے عمل کی تصویر بن جاتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے رسولِ برحق ﷺ انہیں کسی بات کا حکم دیتے یا کسی بات سے روکتے ہیں تو وہ بے تامل اطاعت اور سرافگندگی کا پیکر بن جاتے ہیں۔ انہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے اور مناجات کرنے میں مزہ آتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں سر کٹوانے میں بھی لذت محسوس کرتے ہیں۔ ان کی زندگی کی تمام خواہشات اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول میں ڈوب جاتی ہیں۔ اور ان کی تمام صلاحیتیں اعلائے کلمۃ الحق کیلئے وقف ہو کے رہ جاتی ہیں اور ان کی زندگی دوسرے بھائیوں کیلئے معاونت اور ایثار کا پیغام بن جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نماز ان کی زندگی کا سب سے بڑا عنوان اور سب سے بڑی سعادت بن جاتی ہے۔ وہ صرف نماز پڑھتے نہیں بلکہ نماز کا اہتمام کرتے ہیں جس سے ان کے اندر جماعتی زندگی کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ اور اجتماعیت ان کی انفرادیت کیلئے چیلنج بن جاتی ہے۔ وہ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو وہ دنیا میں ہر بڑائی اور عظمت کے دعویداروں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان کرتے ہیں۔ اسی کی معبودیت، اسی کی الوہیت اور اسی کی آقائی کو دل و دماغ پر حاوی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے غلام بن کر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی صف بندی بنیانِ مرصوص بن کر ان کی اجتماعی قوت کا اظہار بن جاتی ہے۔ پھر وہ اجتماعیت کے سب سے بڑے مسئلے کو حل کرتے ہوئے اپنے اندر سے سب سے زیادہ علم و تقویٰ والے کو اپنی امامت کیلئے منتخب کرتے ہیں۔ اور نماز کے دوران اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ کس طرح حدودِ الٰہی کے اندر رہتے ہوئے امام کی بے چون و چرا اطاعت کی جاتی ہے۔ اور کس طرح امام اس بات کا پابند ہے کہ لوگوں کو کسی ایسی بات کا حکم نہ دے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کسی حکم کے خلاف ہو۔ پھر ان کی صفوں میں کامل یکسانیت کے ساتھ اس عزم کا اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم اپنی اجتماعیت کو طبقات کی لعنت سے پاک کرتے ہیں اور ہماری برابری اور مساوات ہی ہماری شیرازہ بندی کی ضامن ہوگی۔ امام یوں تو آگے کھڑا ہوتا ہے لیکن اس کے پیچھے کھڑے ہونے والے ادنیٰ مقتدی کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ کوئی غلطی کرے تو وہ اس کو سب کے سامنے ٹوک دے اور اس طرح سے اجتماعیت کے سبق کو واشگاف طریقے سے دہرائے کہ امامت اور اقتدار ایک انتظامی ضرورت ہے۔ لیکن عزتِ نفس میں سب برابر ہیں۔ امام اور مقتدی دونوں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بندھے ہوئے ہیں۔ دونوں میں سے کوئی بھی شریعت کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔ اس طرح نماز کے ذریعے مسلمانوں کو نظمِ اجتماعی کی پوری شکل دکھا دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے صراحت سے اس بات کا ذکر فرمایا کہ اگر ہم مسلمانوں کو کہیں اقتدار دیتے ہیں تو وہ سب سے پہلے نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔ کیونکہ نماز ہی انہیں اجتماعی زندگی کے آداب سے آگاہ کرتی ہیں۔ چنانچہ نماز سے اجتماعی شعور اور اجتماعی زندگی کے آداب سے بہرہ ور کرنے کے بعد اجتماعی نظم کو درست طریقے سے چلانے کیلئے جو طریقہ سب سے زیادہ مؤثر اور سب سے زیادہ صحیح ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جو مسلمان ان صفات کے حامل ہوتے ہیں ان کے معاملات باہمی مشورے سے چلتے ہیں۔ یہاں اگرچہ امر کا لفظ استعمال

Marfat.com

ہوا ہے لیکن قرینہ دلالت کر رہا ہے کہ اس سے مراد عام معاملہ نہیں بالکل جماعتی نظم مراد ہے۔ یعنی مسلمانوں کا جماعتی اور سیاسی نظم خودسری، انانیت، خاندانی برتری اور نسبی غرور پر مبنی نہیں بلکہ اہلِ ایمان کے باہمی مشورہ پر مبنی ہے۔ کیونکہ مشورہ کے بغیر اجتماعی نظم چلانا نہ صرف جاہلیت کا طریقہ ہے بلکہ ان صفات کے حاملین کی زندگی سے میل بھی نہیں کھاتا جن کا ذکر اوپر کی آیات میں کیا گیا ہے۔ مسلمانوں نے جس طرح امام اور خلیفہ کے انتخاب میں شورائیت کی روح کو بنیاد بنایا، اسی طرح نظمِ حکومت کے چلانے میں بھی ہر قدم پر شورائیت کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ اسی کے تحفظ کیلئے مسلمانوں کو اظہارِ رائے کی پوری آزادی دی گئی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ہر مسلمان کا فرض قرار دیا گیا۔ بیت المال کو حکمران کا خزانہ بنانے کی بجائے اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کی امانت ٹھہرایا۔ اور حکمران کو ہر طرح کے صوابدیدی اختیارات سے محروم رکھا۔ اور اختیارات کے استعمال میں امام کو شرعی احکام کا پابند اسی طرح ٹھہرایا گیا جس طرح عام مسلمان کو شرعی احکام کا پابند بنایا۔ اور ریاست کے پالیسی معاملات طے کرتے ہوئے حکمران کو پابند کیا گیا کہ وہ اپنی شوریٰ کی رائے کا احترام کرے، اور ایسا کوئی فیصلہ نہ کرے جس میں مسلمانوں کی عام رائے کو نظر انداز کیا گیا ہو۔

مزید فرمایا کہ مسلمانوں میں جنم لینے والے اوصاف میں سے ایک اہم وصف انفاقِ مال بھی ہے۔ لیکن اس کیلئے ایک لازمی شرط یہ ٹھہرائی کہ انفاق کیلئے مال وہ ہونا چاہئے جسے یہاں اپنا رزق قرار دیا گیا ہے۔ اور قرآنِ کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام اللہ تعالیٰ کا رزق نہیں، بلکہ رزقِ حلال ہی اللہ تعالیٰ کا رزق ہے جو جائز طریقے سے کمایا جاتا ہے۔ اور انفاق میں یہ تصور بھی گوندھا گیا ہے کہ مال سینت سینت کے رکھنے کی چیز نہیں بلکہ خرچ کرنے کی چیز ہے۔ البتہ یہ خرچ اپنی ذات اور اپنے متعلقین پر اس طرح کیا جائے کہ شرعی تقاضے اس سے پامال نہ ہونے پائیں۔ اور اس کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں بھی خرچ کیا جائے۔ لیکن اسے چونکہ مومنوں کی صفت قرار دیا گیا ہے اور صفت ہمیشہ موصوف کی طبیعت پر غالب رہتی اور اس کی امنگ بن جاتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾

(اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو اس کا انتقام لیتے ہیں۔ ۳۹)

ایک اور مزاجی خصوصیت

بلاشبہ یہ لوگ اللہ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ہمدرد و غمگسار اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے والے۔ اگر مسلمانوں کی کسی بات پر غصہ بھی آتا ہے تو وہ اسے معاف کر دیتے ہیں۔ اور غیر مسلموں سے بھی ہمیشہ حُسنِ سلوک کرتے اور خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص ان سے توہین آمیز سلوک کرتا ہے، فرعونیت کا صور پھونکتا ہے اور خودسری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی عزتِ نفس کو مجروح کرتا ہے تو ایسے لوگوں کا وہ تر نوالہ نہیں ہوتے، وہ نرم خو ضرور ہوتے ہیں لیکن کمزور و ذلیل نہیں ہوتے۔ ان کی زندگی کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ:

خاکساروں	سے	خاکساری	ہے
سربلندوں	سے	انکسار	نہیں

Marfat.com

وہ متکبر اور بدماغ لوگوں کیلئے لوہے کا چنا ثابت ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی زیادتیوں کا وہ انتقام لیتے ہیں تا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ شریف اور خوش اخلاق لوگ کمزور ہوتے ہیں اور ان کی طاقت کے سامنے کوئی شخص کھڑا ہونے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ ایسے شخص کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور یہ ثابت کردیتے ہیں کہ شرافت جھکنے کیلئے نہیں ہوتی۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۰

(اور برائی کا بدلہ ویسے ہی برائی ہے، پس جس نے درگزر کی اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، بے شک اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ ۴۰)

انتقام کا ادب

اوپر کی آیت میں جس بدلے اور انتقام کی اجازت دی گئی ہے بلکہ اسے اصحاب ایمان کی خصلت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اس کا ادب سکھایا گیا ہے کہ مسلمان اگر کسی سرکش آدمی کی سرکشی اور زیادتی کا بدلہ لیتے ہیں تو وہ ہمیشہ اس اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہیں کہ برائی کا بدلہ برائی کے مطابق ہونا چاہئے یعنی جس شخص نے کسی کو ایک تھپڑ مارا ہے اسے تھپڑ تو مارا جاسکتا ہے، گھونسوں کی بارش نہیں کی جاسکتی۔ جس نے کسی کی انگلی کاٹی ہے، انتقام میں اس کا بازو نہیں کاٹا جاسکتا۔ یعنی جرم اور سزا میں برابری ہونی چاہئے۔ اسی کی مسلمانوں کو اجازت دی گئی ہے۔ لیکن اسے بھی برائی کے بدلے میں برائی ہی قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ اسے تجانس کا لحاظ کہا جاسکتا ہے، لیکن پھر بھی یہ بات اس سے مترشح ہوتی ہے کہ آپ کو بدلہ لینے کی اجازت تو دی جارہی ہے لیکن یہ بھی بہرحال ایک برائی ہے۔ یہ کبھی ماحول یا حالات کی بہتری کیلئے سودمند نہیں ہوتی۔ دشمنوں کو اپنا بنانے اور غیروں میں اپنائیت پیدا کرنے میں کوئی عمل اگر مؤثر ثابت ہوتا ہے تو وہ اصلاح کی خاطر بدلہ لینے کی بجائے عفو و درگزر ہے۔ زیادتی کرنے والا جب زیادتی پر عفو و درگزر کو دیکھتا ہے تو اگر اس کے اندر انسانیت کی کچھ بھی رمق باقی ہے تو وہ اس کا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک نہ ایک دن وہ اپنے طرزِ عمل پر نادم ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسانیت کا نیا چراغ روشن ہوجاتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب کوئی شخص زیادتی پر عفو و درگزر سے کام لیتا ہے تو اسے اپنے نفس پر بڑا جبر کرنا پڑتا ہے۔ اور اپنے ارادۂ انتقام اور قوتِ انتقام کو ضبط کی زنجیر پہنانی پڑتی ہے۔ اس کیلئے اسے جو تکلیف اٹھانا پڑتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ وہ چونکہ ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتا ہے اور یہی رویہ انسانی معاملات کی درستی کی ضمانت بنتا ہے تو وہ ایسے لوگوں کو اجر سے نوازتا ہے۔ لیکن جو لوگ ظلم کو اپنا شعار بنالیتے ہیں انہیں وہ پسند نہیں کرتا جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ قیامت کے دن انہیں ان کے ظلم کی سزا دی جائے گی۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۴۱ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ
يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴۲

(اور جن لوگوں نے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیا تو ان کے اوپر کوئی الزام نہیں۔ ۴۱) الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کیلئے دردناک عذاب ہے۔ ۴۲)

Marfat.com

ان لوگوں کے شبے کا جواب جو انتقام کو دنیاداری سمجھتے ہیں

پیشِ نظر دونوں آیتوں میں ایک شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے جو بالعموم نیک لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ بعض نیک لوگ نیکی اور دین داری کا تقاضا یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی ظالم ان پر ظلم کرتا ہے اور طاقتور لوگ انہیں اپنی طاقت کا نشانہ بناتے ہیں تو نیکی اور دین داری کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے مظالم پر صبر کیا جائے اور لب پر حرفِ شکایت نہ آنے پائے۔ اور اگر ظالموں کی زیادتی کا مقابلہ کرنے یا ان سے بدلہ لینے کی روش اختیار کی جائے تو یہ تو دنیاداری ہے پھر دین داری اور خداترسی اختیار کرنے کا کیا فائدہ؟ اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جرم اور برائی دوسروں پر ظلم کرنا ہے اور لوگوں کے ساتھ سرکشی کا رویہ اختیار کرنا ہے جس سے اندازہ ہو کہ یہ شخص نہ خدا سے ڈرتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق کی پرواہ کرتا ہے۔ جو شخص ایسے برخود غلط لوگوں کی حرکتوں کو برداشت کرتا ہے وہ درحقیقت ظلم کا جواز پیدا کرتا ہے یا ظلم کو آگے بڑھنے کا موقع دیتا ہے۔ اعلائے کلمۃ الحق کے راستے میں جو تکلیفیں آتی ہیں ان پر یقیناً صبر ہونا چاہئے۔ لیکن ظالموں کے ظلم کو سہنے کی عادت بنالینا اور ان کے ظلم کو روکنے کو دنیاداری سمجھنا اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، اور اسلام اس کی ہرگز حوصلہ افزائی نہیں کرتا، بلکہ آنحضرت ﷺ نے ظالم کی ہمنوائی کرنے کو جرم قرار دیا اور کلمۂ حق کہتے ہوئے ظالم کے ہاتھ سے جامِ شہادت پینے والے کو سید الشہداء قرار دیا ہے۔ چہ جائیکہ اسے نیکی کا تقاضا سمجھا جائے الزام تو ان لوگوں پر ہے اور وہ لوگ قابلِ ملامت ہیں جو بے گناہ لوگوں پر ظلم توڑتے اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر سرکشی کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں جنہیں قیامت میں عذابِ الیم سے دوچار ہونا پڑے گا۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾

(البتہ جس نے صبر کیا اور درگزر سے کام لیا یہ بے شک عزیمت کے کاموں میں سے ہے۔ ۴۳)

حاصلِ بحث

اس آیتِ کریمہ میں حاصلِ بحث کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اصحابِ ایمان کو حق و باطل کی کشمکش میں اپنی ذات کی نفی کرنا پڑتی ہے اور پیشِ نظر صرف اعلائے کلمۃ الحق کے مفادات کو رکھنا پڑتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان مخالفین کی نگاہوں میں کوڑا کرکٹ کا ڈھیر بن کر رہ جائیں، اور ہر متکبر آدمی یہ سمجھے کہ یہ ایسے لدو اونٹ ہیں جن پر بڑی سے بڑی ذلت لادی جاسکتی ہے۔ اس لئے فی الجملہ ان کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ عزتِ نفس اور اعلائے کلمۃ الحق کے تقاضوں میں توازن قائم رکھتے ہوئے انتقام لیا جاسکتا ہے اور یہ دینداری کے خلاف نہیں بلکہ دینداری ہی کا تقاضا ہے۔ البتہ اس انتقام کو اس طرح طبیعتوں پر غالب نہیں آنا چاہئے کہ اصحابِ ایمان اس اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دینی تقاضوں کے توازن کو کھو بیٹھیں۔ اصل صفت جو ایک مومن کی پہچان ہے وہ صبر اور درگزر ہی ہے۔ کیونکہ یہی وہ صفات ہیں جن سے نامساعد حالات میں بھی کھڑا رہنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ زور ان ہی دونوں صفات کے حصول پر ہونا چاہئے۔ ان کے بغیر حق و باطل کی کشمکش میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول آسان نہیں اور وہ استقامت اور پامردی جو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کو دعوت دیتی ہے وہ کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ یہ بہرحال ایک عزیمت کا کام ہے جو اربابِ عزیمت ہی انجام دے سکتے ہیں۔ اور یہی ایک مومن کا ہدف ہونا چاہئے۔

Marfat.com

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ
يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا
خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ
مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ ؕ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ
يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ
مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ
عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ
وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾
لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ
اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ
وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ
اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا

Marfat.com

فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ﴿٥١﴾ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٢﴾ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿٥٣﴾

رکوع: ۵۔ (جس کواللہ ہی گمراہ کردے تواس کے بعداس کا کوئی کارساز نہیں، آپ ان ظالموں کودیکھیں گے کہ جب وہ عذاب سے دوچار ہوں گے تو کہیں گے کیااب پلٹنے کی بھی کوئی سبیل ہے؟ ۴۴) اورآپ ان کودیکھیں گے کہ وہ نارِ جہنم پراس طرح پیش کیئے جائیں گے کہ ذلت سے جھکے ہوئے کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے، اوراہلِ ایمان کہیں گے کہ اصل نقصان اٹھانے والے وہی ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کواوراپنے متعلقین کوخسارے میں ڈال دیا، خبردار! بے شک ظالم لوگ دائمی عذاب میں پڑیں گے۔ ۴۵) اوران کے اولیاء میں سے کوئی نہیں ہوگا جواللہ کے مقابلے میں ان کی مدد کرے، اورجس کواللہ گمراہ کردے تو پھراس کیلئے کوئی راہ نہیں۔ ۴۶) اپنے رب کی دعوت کوقبول کرواس سے پہلے کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آجائے جس کیلئے ٹلنا نہیں، اس روز تمہارے لئے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اورنہ تم کسی چیز کورد کرسکوگے۔ ۴۷) پس اگروہ اعراض کریں توہم نے آپ کوان پرکوئی نگہبان بنا کرتونہیں بھیجا، آپ پرصرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، اورہم جب انسان کواپنی رحمت کامزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پراترانے لگتا ہے اوراگراسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے اس کے اعمال کی پاداش میں تو وہ ناشکرا بن جاتا ہے۔ ۴۸) اللہ ہی کیلئے ہے آسمانوں اورزمین کی بادشاہی، وہ پیدا کرتا ہے جوچاہتا ہے، جس کوچاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔ ۴۹) جسے چاہتا ہے لڑکے اورلڑکیاں ملا کردیتا ہے اورجسے چاہتا ہے بانجھ کردیتا ہے، بے شک وہ سب کچھ جاننے والا اورہرچیز پرقدرت رکھنے والا ہے۔ ۵۰) کسی بشرکی یہ تاب نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے، مگروحی کے ذریعے سے یاپردے کے پیچھے سے یا وہ بھیجے کسی فرشتے کو، پس وہ وحی کردے اس کے اذن سے جووہ چاہے، وہ بڑاہی عالی مقام، بڑاہی حکمت والا ہے۔ ۵۱) اوراسی طرح اے پیغمبر ہم نے اپنے حکم سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اسے ایک نوربنا دیا جس سے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کوچاہتے ہیں، بے شک آپ ایک سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کررہے ہیں۔ ۵۲) اس اللہ کی راہ کی طرف جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اورزمین میں ہے، خبردارسارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔ ۵۳)

Marfat.com

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ ۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ﴿۴۴﴾

(جس کو اللہ ہی گمراہ کر دے تو اس کے بعد اس کا کوئی کارساز نہیں، آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ جب وہ عذاب سے دوچار ہوں گے تو کہیں گے کیا اب پلٹنے کی بھی کوئی سبیل ہے؟ ۴۴)

ان آیات کا پس منظر

یوں تو اس آیتِ کریمہ میں ہدایت وضلالت کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے۔ لیکن اسے سمجھنے کیلئے اس آیت کے نزول کے وقت جو ماحول تھا اس کا جاننا ضروری ہے اور سیاقِ کلام بھی اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اس وقت ماحول یہ تھا کہ اہلِ عرب کا ہمہ جہت اور ہمہ پہلو بگاڑ اس حد کو پہنچ چکا تھا جس کی اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث کیا اور اپنی آخری کتاب کو نازل فرمایا۔ اور کتاب ایسی جامع اور مانع حیثیت کی حامل بنائی گئی جو نہایت معقول، نہایت مؤثر اور دلنشین طریقے سے انسانوں کو حقیقت کا علم دے رہی اور زندگی کا صحیح راستہ بتا رہی تھی۔ اور اس کتاب کی دعوت کو پیش کرنے کیلئے ایسے رسول کو مبعوث کیا گیا جو اپنی شخصیت کی دلآویزی، سیرت و کردار کی بلندی، مخالفین کے ساتھ گہری ہمدردی اور اپنی دعوت پر انتہا درجے کی استقامت کی ایسی تصویر تھا جس کی مثال انبیائے کرام میں تلاش کرنا بھی مشکل ہے۔ اور پھر آنحضرت ﷺ کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں صحابہ کرام کی صورت میں جو لوگ تیار ہوئے ان میں سے ایک ایک شخص اپنے سیرت و کردار کی بلندی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی دعوت پر چلتی پھرتی دلیل اور حجت تھا۔ یہ تینوں باتیں کسی بھی شخص اور کسی بھی قوم کی آنکھیں کھول دینے کیلئے کافی ہیں۔ اور ان تینوں باتوں کو دیکھ لینے کے بعد کسی شخص کے پاس ایسا معقول عذر باقی نہیں رہ جاتا جو وہ اس دعوت کو قبول نہ کرنے کی دلیل کے طور پر پیش کر سکے۔ لیکن قریش اور دیگر اہلِ مکہ کے بیشتر لوگوں نے جس طرح اس دعوت کو رد کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت حرکت میں آئی اور ہدایت وضلالت کے اس قانون نے اپنا کام دکھایا جو ایسے ہی لوگوں کے سلسلے میں تاریخ میں ہمیشہ بروئے کار آتا رہا ہے۔ یعنی جب کسی قوم پر اتمامِ حجت ہو جاتا ہے اور افہام و تفہیم کے سارے ذرائع سمجھانے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اس قوم کی گمراہی کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ تو جس قوم کیلئے بھی اللہ تعالیٰ گمراہی کا فیصلہ فرما دے تو اس بات کا کیا امکان ہے کہ کوئی دوسری ذات اس کی کارسازی کرتے ہوئے اس فیصلے کو بدل ڈالے۔ چنانچہ اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ آج تو یہ لوگ آپ کی بات کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور اپنی روش پر بہت نازاں ہیں۔ لیکن آپ قیامت کے روز ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ سامنے جہنم کے عذاب کو دیکھتے ہوئے بڑی حسرت کے ساتھ کہیں گے کیا دنیا کی طرف پلٹنے کی کوئی راہ اب بھی باقی ہے کہ ہم دنیا کی طرف پلٹ جائیں اور نیکی اور سعادت مندی کی راہ اختیار کر کے اس عذاب سے چھوٹنے کا کوئی سامان کر سکیں۔ یہ بات دراصل ان کیلئے ایک تعریض ہے کہ نادانو! آج جبکہ ضلالت سے ہدایت کی طرف پلٹنے کا موقع ہے تو تم پٹھے پر ہاتھ نہیں دھرنے دیتے۔ لیکن جب یہ موقع گزر چکا ہوگا اور فیصلہ ہو چکے گا اس وقت تم واپسی کی باتیں کرو گے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ اس ذلت سے بچنے کیلئے آج ہی صحیح روش اپنانے کی کوشش کرو۔

Marfat.com

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۭ
وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾

(اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ نارِ جہنم پر اس طرح پیش کئے جائیں گے کہ ذلت سے جھکے ہوئے کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے، اور اہلِ ایمان کہیں گے کہ اصل نقصان اٹھانے والے وہی ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو خسارے میں ڈال دیا، خبردار! بے شک ظالم لوگ دائمی عذاب میں پڑیں گے۔ ۴۵)

گزشتہ مضمون کو آگے بڑھایا جارہا ہے

گزشتہ آیت کے مضمون کو آگے بڑھایا جارہا ہے۔ گزشتہ آیت میں یہ فرمایا گیا تھا کہ جب وہ ظالم عذاب کو دیکھیں گے تو وہ کہیں گے کیا کوئی واپسی کی سبیل بھی ہوسکتی ہے، اس آیت میں اس کے بعد کا حال بیان کیا جارہا ہے۔ ضمنی طور پر عذاب کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اس عذاب سے نارِ جہنم مراد ہے، کیونکہ ضمیر مؤنث لائی گئی ہے۔ اس لئے اسے نارِ جہنم ہی کہا جاسکتا ہے کہ آج تو یہ لوگ جہنم کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن جب جہنم کی آگ کو دیکھیں گے تو ساری شوخیاں بھول جائیں گے۔ اس طرح سر جھکائے ہوئے ہوں گے معلوم ہوگا کہ دنیا بھر کی ذلتیں ان کے سر پر لاد دی گئی ہیں۔ اور ان میں یہ ہمت نہیں ہوگی کہ جہنم کے عذاب کی طرف رخ کرسکیں۔ البتہ نظر بچا بچا کر کن انکھیوں سے جہنم کی طرف دیکھنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ جب کوئی مجرم قتل کیلئے مقتل کی طرف لے جایا جاتا ہے تو اس کے اندر یہ ہمت نہیں ہوتی کہ وہ کھلی آنکھوں سے جلاد کی تلوار کو دیکھ سکے۔ البتہ نظر بچا بچا کر اسے دیکھنے کی کوشش ضرور کرتا ہے تاکہ کچھ اندازہ ہوسکے کہ اس کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر اصحابِ ایمان پکار اٹھیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جو دنیا میں اپنی جاہ ومنزلت اور دولت ورفاہیت پر اس قدر نازاں تھے کہ عذاب کا ذکر ہی انہیں بدمزہ کردیتا تھا اور وہ کسی طرح بھی اپنے انجام کے بارے میں سوچنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ ناعاقبت اندیش لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس رویئے سے نہ صرف اپنا نقصان کیا بلکہ اپنے متعلقین کا بیڑہ بھی غرق کردیا اور ان کی اس برگشتگی نے اس خسارے سے انہیں دوچار کردیا جس سے بڑا خسارہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بڑے سے بڑا نقصان بھی اپنے اثرات میں محدود ہوتا ہے، ایک وقت آتا ہے جب یہ اثرات ختم ہوجاتے ہیں یا ان کی تلافی ہوجاتی ہے۔ لیکن جہنم کی سزا ایک ایسا خسارہ ہے جس کا نہ کبھی اختتام ہوگا اور نہ اس میں کمی آئے گی۔ جو اس میں پکڑا گیا وہ ابدی عذاب میں گرفتار ہوگیا۔ اس لئے اس سے بڑھ کر اور خسارہ کون سا ہوسکتا ہے۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ۭ

(اور ان کے اولیاء میں سے کوئی نہیں ہوگا جو اللہ کے مقابلے میں ان کی مدد کرے، اور جس کو اللہ گمراہ کردے تو پھر اس کیلئے کوئی راہ نہیں۔ ۴۶)

Marfat.com

قیامت کے روز مشرکین کی بے بسی

یہ مشرک لوگ جو آج نبی کریم ﷺ کی دعوت کو خاطر میں لانے کو تیار نہیں جب وہ قیامت کے دن ایسے عذاب میں پکڑے جائیں گے جو کبھی ٹلنے والا نہیں، تو زندگی میں اپنے جن شرکاء پر انہیں بہت ناز رہا اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان پر انہیں بڑا بھروسہ تھا، کوئی بھی ان کی مدد کرنے کیلئے نہیں آئے گا۔ نہ کوئی سفارش کی جرأت کر سکے گا اور نہ کسی اور طرح کی مدد کسی کے بس میں ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کو اس کے کرتوتوں کے باعث اللہ تعالیٰ بھٹکنے کیلئے چھوڑ دیتا ہے تو اس کیلئے پھر اپنے اعمال کی پاداش سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ یہ لوگ بھی قیامت کے دن اپنے اعمال کی پاداش میں پکڑے جائیں گے اور پھر اس سے بچ نکلنے کی ان کے پاس کوئی راہ نہیں ہوگی۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَالَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾

(اپنے رب کی دعوت کو قبول کرو اس سے پہلے کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آجائے جس کیلئے ٹلنا نہیں، اس روز تمہارے لئے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تم کسی چیز کو رد کر سکو گے۔ ۴۷)

آخری موقع دیا جا رہا ہے

مخالفین کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تم اپنے کرتوتوں کے نتیجے میں جس صورتحال سے دوچار ہوئے ہو اس میں اگرچہ تمہارے لئے کسی کارسازی کی گنجائش نہیں، تاہم ایک آخری موقع دیا جا رہا ہے کہ ہمارے آخری نبی کی دعوت کو قبول کرلو۔ ابھی تمہاری توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ اس دعوت کو قبول کر کے اپنی عاقبت سنوار لو، ورنہ جب قیامت کا دن آجائے گا جو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آئے گا اس وقت تمہارا اللہ تعالیٰ کی دعوت کو قبول کرنا یا نہ کرنا دونوں یکساں ہوگا۔ تم اس دن کوئی جائے پناہ تلاش نہیں کر سکو گے اور تم مدد کیلئے چیخو گے مگر کوئی تمہارا مددگار نہیں ہوگا۔ اور نہ اس روز تم کسی چیز کو رد کر سکو گے، جو کچھ تمہارے سامنے آئے گا اسے لازماً قبول کرنا ہوگا۔ تمہاری اس طرح کی کیفیت ہوگی جس میں کامل سپردگی کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہوگا۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّـآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾

(پس اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر تو نہیں بھیجا، آپ پر صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، اور ہم جب انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر اترانے لگتا ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے اس کے اعمال کی پاداش میں تو وہ ناشکرا بن جاتا ہے۔ ۴۸)

Marfat.com

مخالفین کی طبعی ناہمواری

انسان کی غیر متوازن عادت اور متلون طبیعت کے حوالے سے انسان کی گمراہی سے پردہ اٹھایا ہے کہ یہ لوگ اگر آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو اس کا سبب ان کی طبعی ناہمواری ہے۔ اپنے غلط عقائد کی بنا پر یہ لوگ سلامتِ فکر سے محروم ہو چکے ہیں اور عملی آوارگی کی وجہ سے ان کے اندر خیر و شر کا شعور کمزور پڑ گیا ہے۔ اس وجہ سے اب ان کی کیفیت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نوازشات ہوتی ہیں تو بجائے ہر نعمت پر شکر ادا کرنے کے اللہ تعالیٰ کے ناشکرے بن جاتے ہیں اور انہیں یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ ہماری یہ خوشحالی درحقیقت ہماری ذہانت و فطانت اور محنت و صلاحیت کا نتیجہ ہے۔ اور اگر انہیں تنگدستی آ پکڑتی ہے تو بے صبر ہو کر محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یعنی نہ برے حال میں ان کے اندر جینے کی امنگ ہے اور حالات کا سامنا کرنے کا حوصلہ ہے اور نہ اچھے حالوں اپنی طبیعت پر قابو رکھنے کی کوشش ہے اور نہ نفسانی خواہشات کا مقابلہ کرنے کی ہمت ہے۔ ایسا آدمی ایک ایسی دعوت کو قبول کیسے کر سکتا ہے جو درحقیقت پوری زندگی کو تبدیل کرنے کی داعی ہے اور جس میں انسان کو اعلیٰ مقاصد کیلئے جینے کا سبق دیا گیا ہے اور جس میں انسانی زندگی کا شعور دے کر حیوانی زندگی سے اوپر اٹھایا گیا ہے۔ اپنی ان کمزوریوں کے باعث یہ اگر آپ کی دعوت سے اعراض کر رہے ہیں تو اے پیغمبر! آپ کو اس سے ہرگز دل گرفتہ نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تبلیغ و دعوت کا مکلّف بنایا ہے۔ نہایت تندہی اور جانفشانی سے اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی بندگی کی دعوت کو ان لوگوں تک پہنچانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ نے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ اگر یہ لوگ اس پر بھی راہِ راست پر نہیں آتے تو پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کا ذمہ دار اور نگہبان بنا کر تو نہیں بھیجا۔ قیامت کے دن آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ آپ نے ان کو ہدایت کیوں نہ دی، اور انہوں نے اسلام قبول کیوں نہ کیا۔ آپ تبلیغ و دعوت کے کام میں لگے رہئے لیکن اس بات کی پرواہ نہ کیجئے کہ یہ لوگ اسے قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ آپ کی طرف سے کسی طرح کا تساہل نہ آج تک ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ رہا ان کی طرف سے آپ کی دعوت کا قبول نہ کرنا تو وہ ان کی اپنی محرومی اور اپنے غیر متوازن اعمال کا نتیجہ ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝٤٩ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝٥٠

(اللہ ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی، وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔ ۴۹) جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، بے شک وہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ ۵۰)

کفار کا ایمان نہ لانا ان کی اپنی محرومی ہے

آنحضرت ﷺ کی تسلی کے مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ لوگ اگر آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو آپ اس سے پریشان نہ ہوں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ان کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے پر قائم نہیں ہے، وہ تو کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے جو ہزار انکار کے باوجود اپنی جگہ قائم ہے۔ کائنات کی ہر چیز مخلوق ہے، مخلوق اپنے خالق کا انکار نہیں کر سکتی۔ انسانوں کو چونکہ فی الجملہ بندگی اور

Marfat.com

اطاعت میں اختیار دیا گیا ہے اس لئے اگر وہ اپنے اختیار کو صحیح طور سے استعمال کریں تو اس میں ان کی اپنی بھلائی ہے۔اور اگر اسے ماننے سے انکار کرتے ہیں تو یہ ان کی اپنی محرومی ہے۔اس کی بادشاہی کے قیام و دوام میں نہ ان کے اقرار کو دخل ہے اور نہ انکار کو۔ پھر اس پر دلیل دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کائنات کے دیگر اسرار کو تو تم کیا جانو، یہ بات تو تمہارے اپنے گھر کا واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے نرینہ اولاد دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے۔اور جسے چاہتا ہے بیٹے بھی دیتا ہے اور بیٹیاں بھی دیتا ہے۔اور جسے کچھ نہ دینے کا فیصلہ کرتا ہے اسے بانجھ کر دیتا ہے۔لیکن اس کی اس تخلیقی قدرت میں کسی کیلئے دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ وہ اگر اولاد نہ دینا چاہے تو کوئی زبردستی نہ خود اپنے گھر میں اولاد پیدا کر سکتا ہے اور نہ دوسروں کو دے سکتا ہے۔اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کو بیٹیاں دینا چاہے تو کوئی اپنی خواہش سے بیٹے پیدا نہیں کر سکتا۔اور اگر بیٹے دینا چاہے تو کوئی شخص اپنے لئے یا دوسروں کیلئے بیٹیوں کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔وہی جانتا ہے کس شخص کو کیا ملنا چاہیے؟ وہی ہر طرح کی قدرت کا مالک بھی ہے۔یہ وہ حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔تو پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو تسلیم کرنے سے گریزاں ہیں اور اس کی حاکمیت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں تو اس سے حقیقت تو تبدیل نہیں ہو سکتی۔اس لئے آپ ان کے انکار سے دل گرفتہ نہ ہوں، یہ اس طریقے سے اپنی عاقبت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں آپ کا کوئی نقصان نہیں کر سکتے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٥١﴾

(کسی بشر کی یہ تاب نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے، مگر وحی کے ذریعے سے یا پردے کے پیچھے سے یا وہ بھیجے کسی فرشتے کو، پس وہ وحی کر دے اس کے اذن سے جو وہ چاہے، وہ بڑا ہی عالی مقام، بڑا ہی حکمت والا ہے۔ ۵۱)

کفار کے ایک اعتراض کا جواب

روایات میں ہے کہ بعض یہودی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا ہم جس پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ بات کرتا تھا۔وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا بھی تھا اور اس کا کلام سنتا بھی تھا۔اور قرآنِ کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگ جو بعد میں یہودی کہلائے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بات کہتے تھے کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کلام کرتا ہے، اگر یہ بات سچ ہے تو اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا؟ حالانکہ دنیوی مرتبہ و مقام کے لحاظ سے ہم آپ سے برتر ہیں۔اگر وہ آپ کو شرفِ خطاب سے نوازتا ہے تو ہم تو آپ سے زیادہ اس کے مستحق ہیں۔ایسی ہی باتوں کا جواب پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ کسی انسان کا یہ مقام و مرتبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے روبرو اور بالمشافہ بات کرے۔وہ اپنے بلند مقام اور وسیع قدرت کے لحاظ سے اتنا عظیم ہے کہ انسان اس سے کلام کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ایک مخلوق چاہے وہ اپنے تئیں کچھ بھی سمجھے لیکن اس کا یہ مرتبہ نہیں کہ وہ اپنے خالق سے بات کرنے کی جرأت کر سکے۔اور دوسری یہ بات کہ اللہ تعالیٰ ایسے عظیم انوار و تجلیات کا مظہر ہے کہ کوئی بشر اس سے رو در رو ہونے کی تاب نہیں لا سکتا۔انسان کی اصلاح کے حوالے سے اس نے جب کبھی انسانوں سے بات کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے تو اس کیلئے تین طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار فرمایا۔پہلا طریقہ یہ ہے کہ وہ وحی کے ذریعے سے بات کرتا ہے۔وحی سے مراد القاء، الہام، دل میں کوئی بات ڈال دینا یا

Marfat.com

خواب میں کچھ دکھا دینا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرتے ہوئے دکھایا گیا۔ اور آنحضرت ﷺ پر بھی وحی کا آغاز سچے خوابوں کے ذریعے ہوا۔ آپ خواب میں جو کچھ دیکھتے، دن کی روشنی میں اس کی تعبیر دیکھ لیتے۔ اس لئے امت کا یہ عقیدہ ہے کہ پیغمبر کا خواب وحی ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے جسے مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے اپنے ایک شعر میں ذکر فرمایا ہے:

خوابِ پیغمبر کہ صبحِ صادق است
وحیِ بیداری کہ روزِ روشن است

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے پیغمبر سے پردے کے پیچھے سے بات کرتا ہے۔ یعنی پیغمبر اس کی بات کو سنتا ہے لیکن اسے دیکھتا نہیں۔ اس طریقے سے پروردگار نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات کی۔ یہ طریقہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخصوصات میں سے ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا اور کسی نبی سے اللہ تعالیٰ نے اس طرح کلام نہیں کیا، یہ شرف صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کو حاصل ہے۔ لیکن اس شرف سے آپ چند دفعہ نوازے گئے ہیں۔ تورات، اسی طریقے سے نازل ہوئی ہے جیسے باقی رسولوں پر کتابیں نازل ہوتی رہی ہیں۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کوئی فرشتہ بھیجتا ہے اور وہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے پیغمبر کے دل پر القاء کر دیتا ہے۔ قرآنِ کریم اسی طرح آنحضرت ﷺ کے دل پر حضرت جبرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل کیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ (۹۷) ''کہہ دیجئے کہ جو جبریل کا دشمن ہے (اسے معلوم ہونا چاہئے) کہ جبریل نے اس قرآن کو آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اتارا ہے۔'' سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا گیا: قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (۱۰۲) ''کہہ دیجئے اس قرآن کو روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے اتارا ہے۔'' یہود اور دیگر مخالفین کے سوال کے جواب کیلئے یہی تین طریقے کافی تھے، اس لئے ان ہی تین طریقوں کا ذکر فرمایا گیا۔ لیکن احادیثِ مبارکہ سے ہمیں ایک اور طریقے کا بھی علم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ فرشتہ کبھی بشری شکل میں ممثل ہو کر بھی ظاہر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حضرت اسحاق کی ولادت کی خبر لے کر انسانی شکل میں دو فرشتے آئے۔ اور یہی فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بھی دو نوجوانوں کی شکل میں عذابِ خداوندی کا پیغام لے کر گئے۔ اور نبی کریم ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل کئی دفعہ حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں تشریف لائے۔ مشہور حدیث جو حدیثِ جبرائیل کے نام سے مشہور ہے اس میں بھی اسی طرح حضرت جبرائیل انسانی شکل میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے چند سوالات کئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبرائیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے کیلئے آئے تھے۔ بعض دفعہ گھر میں حضرت عائشہؓ نے انہیں آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ایسے ہی بعض دوسری روایات سے آنحضرت ﷺ پاس ان کے آنے کا ثبوت ملتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ حضرت جبرائیل کی آواز سنتے تھے، لیکن آپ کو وہ دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اور وحی کا یہ طریقہ آنحضرت ﷺ پر بہت گراں ہوتا تھا۔ نبی کریم ﷺ ان تمام طریقوں سے مشرف ہوئے۔ خاص طور پر وہ طریقہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے کہ آپؑ حجاب کے پیچھے سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے زمین پر تو اس طرح آپ پر وحی نہیں اتری لیکن معراج کی رات آسمانوں پر اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا۔ نمازیں اسی طرح فرض کی گئیں، سورۃ البقرۃ کی آخری آیات اسی طرح نازل ہوئیں۔ اور اسی طرح بعض بشارتوں سے آپ کو نوازا گیا۔

Marfat.com

آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفات کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ علی بھی ہے اور حکیم بھی۔ علی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی بلند وبالا ہے کہ نہ اس کو کسی سے کلام کی ضرورت ہے اور نہ کوئی یہ درجہ اور مرتبہ رکھتا ہے کہ اس سے ہم کلام ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کا بلند مقام اور اس کے انوار وتجلیات کی وسعت ہے۔ اور دوسری طرف انسان کی کم مائیگی کہ وہ اپنی نگاہ میں وہ طاقت نہیں رکھتا جو اللہ تعالیٰ کا سامنا کر سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب پروردگار کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو یہی فرمایا گیا کہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے۔ یعنی اس دنیا میں انسان کے پاس وہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کو برداشت کر سکے۔ سورج اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے، لیکن جب وہ اپنی پوری تابانی پر ہوتا ہے تو انسان کی غیر مسلح آنکھ اس کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی تو اس کے خالق کو کیونکر دیکھ سکتی ہے۔ لیکن اہلِ جنت کی نگاہوں میں جب تیزی پیدا کر دی جائے گی تو وہ اپنے رب کی زیارت کر سکیں گے۔ مزید فرمایا کہ پروردگار علی ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے۔ اس وجہ سے وہ اپنے بندوں کی اصلاح کیلئے ان کو اپنے خطاب وکلام سے نوازتا ہے۔ اور اس کیلئے اس نے جو طریقے اختیار فرمائے ہیں وہ آیتِ کریمہ میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن ان طریقوں سے بھی وہ خطاب صرف اپنے رسولوں سے فرماتا ہے کیونکہ اس کا تحمل بھی عام آدمی نہیں کر سکتا۔ جس کو بھی اللہ تعالیٰ رسالت کیلئے منتخب فرماتا ہے اس پر رسالت کی ذمہ داریاں عائد کرنے سے پہلے اس کے اندر وہ صلاحیت پیدا فرماتا ہے جو وحیِ الٰہی کا تحمل کر سکے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ
جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ۙ52
صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ۧ53

(اور اسی طرح اے پیغمبر ہم نے اپنے حکم سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اسے ایک نور بنا دیا جس سے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، بے شک آپ ایک سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں۔ ۵۲) اس اللہ کی راہ کی طرف جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، خبردار سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔ ۵۳)

آنحضرت ﷺ پر بھی وحی انہی طریقوں سے نازل ہوتی ہے

گزشتہ آیتِ کریمہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہم نے جب کسی مقدس شخص کو رسالت کیلئے منتخب کر لیا ہے تو پھر ہم نے اپنا کلام اور اپنا پیغام اس پر تین طریقوں سے نازل کیا ہے۔ اور اس کی مزید وضاحت آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشادات میں بھی فرمائی ہے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ان ہی معروف طریقوں کے مطابق اے پیغمبر آپ کی طرف بھی ایک روح اتاری ہے۔ روح سے مراد وہ وحی ہے جو آپ کے قلبِ مبارک پر نازل ہوتی تھی۔ یا وہ تعلیم ہے جو وحی کے ذریعے سے آنحضرت ﷺ کو دی گئی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ روح سے مراد حضرت جبریل امین ہوں۔ کیونکہ قرآنِ کریم نے انہیں روح یا روح القدس کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ اور وہی آنحضرت ﷺ کے قلبِ مبارک پر قرآنِ پاک لے کر اترتے رہے ہیں۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ ان تمام طریقوں سے آپ پر جو

Marfat.com

وحی اترتی رہی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اترتی رہی ہے۔ کیونکہ رسالت ونبوت کوئی اکتسابی منصب نہیں کہ کوئی شخص اپنی کوشش اور محنت سے اس منصب پر فائز ہوجائے اور اس پر وحی اترنا شروع ہوجائے۔ یہ تو انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ اپنے حکمت ومشیت سے ایک ذاتِ عزیز کا انتخاب کرتا ہے اور اسے دور دور تک اس کی خبر نہیں ہوتی کہ مجھے اس منصب پر فائز کیا جارہا ہے۔ ایسے ہی آنحضرت ﷺ کو انتخاب کیا گیا اور غارِ حرا کی تنہائیوں میں فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آیا۔ اور دوسرے طریقوں سے بھی آپ پر وحی اترنا شروع ہوگئی۔ مِنْ اَمْرِنَا سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس وحی کو روح کا نام کیوں دیا گیا ہے، اس میں پہلی تو یہ بات پیشِ نظر رہے کہ یہ تعبیر پہلی دفعہ قرآنِ کریم نے اختیار نہیں کی بلکہ تمام آسمانی صحیفوں میں اللہ تعالیٰ کے کلام والہام کیلئے یہ تعبیر موجود ہے۔ اور دوسری یہ بات کہ اس میں درحقیقت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نوعِ انسانی کیلئے حقیقی زندگی کا ذریعہ صرف وحیِ الٰہی ہے۔ جو لوگ اسے اپنالیں گے وہ اس حقیقی زندگی سے آشنا ہوجائیں گے اور جو لوگ اس سے کفر کریں گے وہ حقیقی زندگی سے محروم رہیں گے۔

مزید فرمایا کہ اس روح کے اترنے سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ اس میں ایک تو اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ باقی تمام انبیاء کی طرح نبوت ملنے سے پہلے آپ کو گمان تک نہ تھا کہ آپ کو رسالت ونبوت کیلئے منتخب کیا جاچکا ہے۔ اور عنقریب آپ پر اس ذمہ داری کا بوجھ ڈالا جانے والا ہے۔ اس سے خود بخود یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس عظیم ذمہ داری کا آپ کو گمان تک نہ تھا اس کی تیاری سے متعلق آپ کیسے فکرمند ہوسکتے تھے۔ کسی بھی بڑی ذمہ داری کو ادا کرنے کیلئے یقیناً آدمی اس کیلئے تیاری کرتا ہے اور اس کیلئے فکرمند بھی ہوتا ہے۔ اور پھر لوگ بھی اس کی فکرمندی کو دیکھتے ہیں اور اس کی تیاری سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔ لیکن آپ کی جان پہچان کے لوگوں نے کبھی آپ کو اس کیلئے فکرمند ہوتے نہ دیکھا اور نہ کبھی کسی نے ایسے لوگوں سے آپ کی ملاقات دیکھی جنہیں سابقہ کتابوں کا عالم کہا جاسکتا ہے۔ اور یا وہ مذہب کے بارے میں کچھ بھی جانتے تھے۔ اس لئے آپ پر یہ الزام لگانا کہ آپ نے اس کتاب کو خود گھڑ لیا ہے انتہا درجے کی کم عقلی اور بے خبری کی بات ہے۔ نبوت سے پہلے کبھی کسی نے آپ سے ایک ایسا جملہ تک نہ سنا تھا جس کا تعلق اسلام کے عطا کردہ بنیادی عقائد سے ہو۔ یا آپ نے نبوت کے بعد جن حقائق کی طرف دعوت دینا شروع کی ہے ان میں سے کسی حقیقت سے ہو۔ آپ کا تو حال یہ تھا کہ آپ اُمی ہونے کی وجہ سے کتاب کے تصور سے بھی آگاہ نہ تھے۔ کیونکہ آپ نہ لکھ سکتے تھے اور نہ پڑھ سکتے تھے اور نہ آپ یہ جانتے تھے کہ ایمان کے لوازم ومقتضیات کیا ہیں؟ بلاشبہ ہر پیغمبر وحی سے پہلے بھی اپنی فطرتِ سلیم کی روشنی سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اجمالی ایمان اس کے اندر موجود ہوتا ہے۔ لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ایمان کی تفصیل کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کیسی ہے اس کی صفات کیا ہیں، اس کے کون سے حقوق ہیں جن کا ماننا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ملائکہ، نبوت، کتب الٰہی اور آخرت سے متعلق وہ تفصیل نہیں جانتا۔ لیکن فی الجملہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا احساس، اس کا خوف، اس سے محبت، اس کی وحدانیت جیسی کیفیات سے وہ بہرہ ور ہوتا ہے ایسی ہی کیفیت آپ کی بھی تھی تو آپ ان باتوں کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے کس طرح منصوبہ بندی کرسکتے تھے اور کس طرح ان حقائق پر مشتمل کتاب مرتب کرنے کیلئے فکرمند ہوسکتے تھے جنہیں آپ جانتے نہ تھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے آپ کو ایمان کی دولت سے بہرہ ور کیا، وحی کے ذریعے ایمان کی تفصیلات آپ کو بتائیں اور آپ کے دل میں ایک ایسی روشنی پیدا کردی جس نے آپ کے سینہ کو جگمگا دیا اور آپ لوگوں کے اندر چلتے پھرتے مینارۂ نور بن گئے۔ اسی طرح آپ کو کتاب عطا فرمائی جس نے زندگی

Marfat.com

متعلق ہر سوال کا جواب دیا، ہر گتھی کو کھولا، اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی واضح کیئے اور بندوں کے بھی۔ اور انسان کا اپنے خالق و مالک سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑا۔ اور اجتماعی زندگی کیلیئے ایسا نظامِ زندگی دیا جس نے زندگی کی ہر چول اپنی جگہ بٹھا دی۔ اور اخلاق کا ایسا نظام دیا جس نے تمام انسانی رشتوں کی نوک پلک سنوار دی۔ اور یہی مشعل ہاتھ میں لے کر آپ نے انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو منور کر دیا۔ خاندانی زندگی کا شعور اس نے دیا، معاشرتی زندگی کے اصول اس نے فراہم کیئے، معاشی زندگی کی حدود اور آداب سے اس نے آگاہ کیا، عدل کے تقاضوں کی گرہیں کھولیں اور حکومت جیسے نازک کام کیلیئے ایسے لوگ تیار کیئے جنہوں نے شہنشاہی میں فقیری کر کے دکھائی۔ اور اس کتاب اور آنحضرت ﷺ کی تعلیم و تربیت نے اس اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف رہنمائی کی جو آسمان و زمین کی ہر چیز کا مالک ہے۔

آخر میں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے تو انسانی فلاح و سعادت کیلیئے ایسی رہنمائی دی جس نے ہر مشکل کو آسان کر دیا۔ لیکن جن لوگوں نے ان کی رہنمائی کے فیضان سے فائدہ نہیں اٹھایا وہ یہ نہ سمجھیں کہ بات ختم ہوگئی، بلکہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جس پروردگار کا سب کچھ ہے اسی کے حضور تمام اعمال کو پیش ہونا ہے۔ اور اسی کے دربار سے یہ فیصلہ ہونا ہے کہ کس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اس لئے ہر شخص کو اس کے سامنے جواب دہی کیلیئے تیار رہنا چاہئے۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًی لِلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ

(۴۳)

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام الزُّخْرُفِ ہے۔ یہ اس سورۃ کی آیت ۳۵ سے ماخوذ ہے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ اس سے وہ سورۃ مراد ہے جس کا نام الزُّخْرُفِ ہے تاکہ شناخت میں آسانی ہو۔

زمانۂ نزول:۔ کسی صحیح روایت سے اس کا زمانۂ نزول متعین نہیں ہوتا۔ البتہ اس کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ کے نزول کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعوت کے ساتھ کفار وہی سلوک کر رہے تھے جو اس سے پہلے کی تین سورتوں کے زمانے میں کیا جا رہا تھا۔ گویا سابقہ تین سورتوں اور اس کا زمانۂ نزول ایک ہے۔ اور سابقہ سورتوں کے زمانۂ نزول سے متعلق ہم یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ اس وقت کفارِ مکہ کی مخالفت شدت اختیار کر چکی تھی اب وہ صرف ایذا رسانی پر اکتفا نہیں کر رہے تھے بلکہ شب و روز ان کی محفلوں میں آنحضرت ﷺ کو ختم کر دینے کے مشورے ہو رہے تھے۔ باوجود اس کے کہ آپ کا قبیلہ آپ کی پشت پر تھا۔ اور آپ کی ذاتی وجاہت کفار کو حد سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ بایں ہمہ ایک دو دفعہ آپ کی جان لینے کی کوشش بھی ہو چکی تھی۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

حالات کی تمام تر برہمی کے باوجود اس سورۃ کے اسلوبِ بیان میں ہم کوئی تبدیلی نہیں دیکھ رہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کتاب اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوتی اور اس کی طرف سے اسے نازل نہ کیا جا رہا ہوتا تو یقیناً اس میں حالات کے دباؤ کا انعکاس ہوتا۔ اور کچھ نہیں تو اسلام کی دعوت کو پیش کرتے ہوئے یا تو ان کے جاہلانہ خیالات پر وقتی طور پر تنقید روک دی جاتی یا اس کے لب و لہجہ میں تبدیلی آ جاتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حالات کی غضبناکی کے باوجود کفار اور مشرکین کے جاہلانہ خیالات پر نہایت محکم اور دلنشین طریقے سے تنقید کی گئی ہے تاکہ سننے اور سمجھنے والے ان کے عقائد کی نامعقولیت کا ادراک کر سکیں۔ اور بالآخر یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ ہم جس بات پر بظاہر استقامت دکھا رہے ہیں وہ تو سراسر ایک جاہلانہ ضد ہے جو کسی بھی عقلمند کیلئے قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔ مشرکین کو چونکہ سب سے زیادہ اعتراض قرآنِ کریم کے منزل من اللہ ہونے پر تھا۔ اس لئے سب سے پہلے قرآنِ کریم ہی کو اس کی حقانیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور چونکہ اہلِ عرب اُمّی محض تھے ان پر ایک ایسی کتاب کا نزول جو علمی حیثیت میں اپنا جواب نہیں رکھتی ایک ایسا احسان تھا کہ اہلِ عرب کی جہالت جس کا استحقاق نہیں رکھتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا۔ تو اب بجائے اس پر شکر گزار ہونے کے اس کی مخالفت کرنا انتہا درجہ کی گری ہوئی حرکت تھی۔

Marfat.com

مزید فرمایا گیا ہے کہ تم نے جس وحشیانہ طریقے سے اس دعوت کو روکنے کیلئے اپنے تمام ذرائع جھونک ڈالے اور مخالفت میں شرافت کی تمام قدروں کو پامال کر ڈالا ہے۔ اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے کہ تمہیں ہر طرح کی نصیحت اور ہدایت کی ہر کوشش سے محروم کر دیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی قوم کے اشرار کی وجہ سے انبیائے کرام کی بعثت اور ان پر کتابوں کی تنزیل نہیں روکی، بلکہ اتمامِ حجت تک برابر انبیائے کرام نے خونِ جگر پی پی کر انہیں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اسی سنت کو زندہ رکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ تمہارے ساتھ رحمت و مودت کا معاملہ فرما رہے ہیں اور تمہیں ہر ممکن طریقے سے جہنم کی آگ سے بچانا چاہتے ہیں۔ لیکن تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح سابقہ قومیں اپنے انکار کی روش پر اصرار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مستحق بنیں اور بالآخر انہیں تباہ کر دیا گیا، تم نے بھی اگر اپنی روش نہ بدلی تو تمہیں بھی اسی انجام سے دوچار ہونے کیلئے تیار رہنا چاہئے۔

مزید فرمایا کہ تمہاری اصل بیماری قوت و شوکت پر تمہارا تکبر اور افتخار ہے اور تم اسے بعض دفعہ اپنے برسرِ حق ہونے کی دلیل کے طور پر بھی پیش کرتے ہو، لیکن تمہیں شاید معلوم نہیں کہ تم سے پہلے جن قوموں پر عذاب نازل ہو چکا ہے وہ تم سے زیادہ قوت و شوکت رکھتی تھیں، تم سے زیادہ خوشحال اور تم سے زیادہ حکومت اور سطوت کی مالک تھیں۔ لیکن تکذیبِ رسل کے نتیجے میں جب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ٹوٹا تو نہ ان کی قوت ان کے کام آئی اور نہ ان کی رفاہیت نے ان کو عذاب سے بچایا۔

پھر ان کے عقائد اور مذہبی تصورات میں جو تضاد پایا جاتا تھا اسے نمایاں کیا گیا ہے یعنی وہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کو کائنات کا خالق و مالک بھی مانتے ہیں اور جن نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہیں تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا دینے والا پروردگار ہے۔ بایں ہمہ وہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت میں شریک بھی ٹھہراتے ہیں۔

وہ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق بھی مانتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں ان کو شریک بھی کر رکھا ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ٹھہرا کر اللہ تعالیٰ کی ذات کا ایک حصہ بنا دیا ہے اور ان کی شفاعت کو اپنے شرک اور گناہوں کی معافی کیلئے کافی قرار دے کر ان کیلئے بخشش کے حق کو ثابت بھی کیا ہے۔ اور اس ضمن میں ان کی جہالت کی انتہاء یہ ہے کہ اپنے لئے بیٹی کے وجود کو باعثِ شرم قرار دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے فرشتوں کو بیٹیاں بنا رکھا ہے۔ یعنی جو چیز اپنے لئے باعثِ اہانت سمجھتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کیلئے خالق و مالک ماننے کے باوجود ثابت کرنے کو اپنا عقیدہ سمجھتے ہیں۔

ملائکہ کو الوہیت میں شریک قرار دینے پر ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہم اس لئے انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد ان کو ایسا سمجھتے رہے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک آباؤ اجداد کا ہر طریقہ حجت کی حیثیت رکھتا ہے چاہے وہ عقل کے بھی خلاف ہو اور ہدایت کے بھی۔ اس لئے اس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ کسی طریقہ کی صحت و صداقت کی یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ طریقہ ان کو اپنے باپ دادا سے ملا ہے۔ دین میں حجت صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب کی سند ہے ان کے پاس ایسی اگر کوئی سند ہے تو اسے پیش کریں اور معقولات میں اگر کوئی چیز دلیل بننے کے قابل ہے تو وہ، وہ چیز ہے جس کو عقل اور فطرت تسلیم کرتی ہے۔

انہوں نے آباؤ اجداد کی روش کو ایک اور پہلو سے سند کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ پہلو یہ ہے کہ اگر ہمارے آباؤ اجداد کی روش غلط ہوتی تو اللہ تعالیٰ کبھی انہیں اس پر جمع رہنے اور جاری رکھنے کی طاقت نہ دیتے۔ اور جب انہیں اس سے روکا نہیں گیا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ

Marfat.com

ان کی روش یقیناً حق کے مطابق تھی۔اس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ دنیا میں ہر کام اس کی مشیت کے تحت ہوتا ہے۔لیکن اس کی مشیت کے تحت تو بت پرستی ہی نہیں، چوری، زنا، ڈاکہ اور قتل سب ہی کچھ ہو رہا ہے۔تو کیا اس دلیل سے ہر اس برائی کو جائز قرار دیا جائے گا جو دنیا میں ہو رہی ہے۔مشیت کسی چیز کو کرنے کی اجازت تو دیتی ہے لیکن وہ اس کیلئے جواز مہیا نہیں کرتی۔جواز کیلئے اللہ تعالیٰ کی کتابیں نازل کی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔

آباؤاجداد کی روش کو تاریخی نقطہ نگاہ سے بھی تنقید کا ہدف بنایا گیا ہے کہ تم اپنے دینِ شرک کو اپنے باپ دادا کی وراثت سمجھتے ہو حالانکہ تمہارے اصل جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔اور تمہیں معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنا گھر چھوڑا اور وطن سے کنارہ کشی فرمائی تو اپنی قوم کے سامنے برملا یہ بات فرمائی اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ''میں ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم پوجتے ہو'' ان کا یہ اعلانِ ہجرت ایک مقدس روایت کی حیثیت سے ان کی اولاد میں باقی رہا ہے۔تو یہ کہنے کے پھر کیا معنی ہیں کہ شرک ان کے باپ دادا کی وراثت ہے۔اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کو حقیقی آباؤاجداد کی تقلید کرنی ہے تو پھر انہیں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تقلید کرنی چاہئے۔لیکن انہیں چھوڑ کر اپنے جاہل ترین اسلاف کی تنقید کرنے کے کیا معنی ہیں۔

پھر مشرکینِ مکہ کے اصل مرض کی نشاندہی کی گئی ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔وہ مرض ان کا یہ ہے کہ دنیوی رفاہیت و دولت اور سیادت و قیادت ان کیلئے ایک فتنہ بنی ہوئی ہے۔وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نبوت اور رسالت ایک بڑا اعزاز ہے، اس کا استحقاق اگر کوئی رکھتا ہے تو صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جو اپنی دولت و قیادت اور رفاہیت کی وجہ سے لوگوں میں بلند حیثیت کا مالک ہو۔لیکن محمد (ﷺ) جو نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں وہ تو ایسی کسی سرافرازی کے مالک نہیں ہیں۔مکے اور طائف میں نہ ان کا کوئی بڑا تجارتی کاروبار ہے اور نہ کسی بڑے باغ کے مالک ہیں۔ان کی سیرت و کردار کا بے عیب ہونا اور ان کی ذاتی وجاہت ان کا انفرادی معاملہ ہے۔لیکن اجتماعی زندگی میں جو چیزیں کسی کو مقام و مرتبہ کا مستحق بناتی ہیں وہ تو ان کے پاس نہیں ہیں۔تو پھر ان کی سیادت و قیادت کو کیسے مان لیا جائے۔اور ان کو نبی مان کر اپنے آپ کو ان کے اتباع میں کیسے دے دیا جائے۔اس کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یہ فتنہ آج کا فتنہ نہیں بلکہ تمام معذب قومیں اسی فتنہ کا شکار ہوئیں اور یہی چیز ان کیلئے باعثِ عذاب بنی۔فرعون اپنے اقتدار اور اپنی دولت کی وجہ سے اپنے آپ کو زمین کا رب سمجھتا تھا۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درویشی اور مسکنت کو دیکھ کر ان کی بات سننے کا روادار نہ تھا۔وہ یہ کہتا تھا کہ میں زمین کا بادشاہ ہوں اور موسیٰ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ آسمان کے بادشاہ کے ایلچی بن کر آئے ہیں۔تو ایلچی ہمیشہ بادشاہوں کے پاس ہاتھوں میں کنگن پہن کر خلعتِ فاخرہ کو زیبِ تن کر کے فوج کے ایک حصے کی معیت میں آتے ہیں۔لیکن موسیٰ اپنی درویشی اور فقیری کے ساتھ بے نوائی کی تصویر بنے، خالقِ کائنات کے نمائندہ بن کر مجھے اپنے بادشاہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں حالانکہ مصر کی بادشاہی میری ہے۔اور دریائے نیل کی لہریں میرے ماتحتی میں چل رہی ہیں۔تو میں اس بے نوا شخص کی بات کیسے مان لوں۔لیکن آج تاریخ ہمارے سامنے شہادت دے رہی ہے کہ فرعون اپنے تمام تر اقتدار اور اپنی تمام تر قوت و شوکت کے باوجود بحرِ قلزم میں ڈبو دیا گیا۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت تاریخ میں مینارۂ نور کی طرح روشن ہے۔ایسی ہی باتیں اشرافِ قریش بھی آنحضرت ﷺ کے بارے میں کہتے اور اپنی بڑائی کا صور پھونکتے تھے۔ان سے صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی میزان میں اس رفاہیت کا کوئی وزن نہیں، اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔تمہاری آنکھوں پر شیطان نے باندھ رکھی ہے۔جب تک تمہاری آنکھوں سے یہ پٹی نہیں کھلے گی اس وقت تک تم نبی کریم ﷺ کی دعوت کی حقانیت کو نہیں جان سکو گے۔

Marfat.com

مشرکین کے جاہلانہ خیالات پر تنقید اور ان کے نہایت معقول اور مدلل جوابات دینے کے بعد عقائدِ صحیحہ کو ذکر فرمایا گیا ہے، غلط صفات سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے حقوق کی وحدانیت کو نمایاں کی گیا ہے۔ اور اسی ضمن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود نے جو حماقتیں کی ہیں ان کا ابطال فرمایا گیا ہے۔ اور پھر جو لوگ آنحضرت ﷺ کی دعوت پر ایمان لائیں گے ان کا انجام بیان فرمایا گیا ہے۔ اور جو لوگ اس کی تکذیب کریں گے ان کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ جن لوگوں نے آپ کی مخالفت کی قسم کھا رکھی ہے اور وہ کسی صحیح بات کو سننے کیلئے تیار نہیں، آپ ایسے لوگوں سے اعراض کریں، یہ خود اپنا انجام دیکھ لیں گے۔ اور شفاعت کے جس غلط تصور پر یہ بھروسہ کئے ہوئے ہیں اس کی حقیقت بھی ان کے سامنے آجائے گی۔

Marfat.com

آيَاتُهَا ٨٩	سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ (٤٣)	رُكُوعَاتُهَا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۚ (١) وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ (٢) اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ۚ (٣) وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ؕ (٤) اَفَنَضْرِبُ
عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ (٥) وَكَمْ اَرْسَلْنَا
مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ (٦) وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ (٧) فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ (٨)
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ
الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۙ (٩) الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ
فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۚ (١٠) وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ
بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ (١١) وَالَّذِيْ
خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا
تَرْكَبُوْنَ ۙ (١٢) لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا
اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا

Marfat.com

كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ
عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

رکوع: ا۔ (حٰ مٓ۔ ۱) قسم ہے واضح کتاب کی۔ ۲) ہم نے اس کو عربی قرآن بنا کر اتارا ہے تا کہ تم لوگ اسے سمجھو۔ ۳) بے شک یہ اصل کتاب میں ہمارے پاس ہے، بڑی بلند مرتبہ اور حکمت سے لبریز۔ ۴) کیا ہم تمہیں درسِ نصیحت دینے سے اس لئے صرفِ نظر کر لیں کہ تم حدود سے تجاوز کر جانے والے لوگ ہو۔ ۵) پہلی گزری ہوئی قوموں میں ہم نے کتنے ہی نبی بھیجے۔ ۶) اور کوئی نبی ان کے پاس نہیں آیا مگر وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔ ۷) تو پھر ہم نے ہلاک کر دیا ان سے بھی زیادہ طاقتور لوگوں کو اور پچھلی قوموں میں مثالیں گزر چکی ہیں۔ ۸) اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ لازماً کہیں گے کہ ان کو پیدا کیا ہے اس ذات نے جو زبردست بھی ہے اور علم والی بھی ہے۔ ۹) وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو گہوارہ بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے تا کہ تم راہ پاسکو۔ ۱۰) اور وہی ہے جس نے ایک خاص مقدار میں آسمان سے پانی اتارا، پس ہم نے اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندہ کر دیا، اسی طرح تم بھی قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ ۱۱) اور وہی ہے جس نے یہ تمام جوڑے پیدا کئے اور تمہارے لئے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ ۱۲) تا کہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر بیٹھو، پھر اپنے رب کا احسان یاد کرو جبکہ تم ان پر بیٹھو اور کہو کہ پاک ہے وہ جس نے ہمارے لئے ان چیزوں کو مسخر کیا، اور ہم تو ان کو قابو میں لانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ ۱۳) اور بے شک ہم اپنے رب ہی کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ ۱۴) اور ان لوگوں نے اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جز بنا ڈالا، بے شک انسان کھلا احسان فراموش ہے۔ ۱۵)

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾

(حٰ مٓ۔ ۱) قسم ہے واضح کتاب کی۔ ۲)

قرآن کریم خود اپنی حقانیت پر دلیل ہے

اس آیت میں واؤ قسمیہ ہے۔ اس واضح کتاب کی قسم کھائی گئی ہے۔ قسم کے بعد عام طور پر جوابِ قسم آتا ہے یا مقسم علیہ آتا ہے، لیکن وہ یہاں محذوف ہے۔ قسم خود مقسم علیہ کو واضح کر رہی ہے۔ اور قرآنِ کریم کا اسلوب یہ ہے کہ جہاں مقسم علیہ قسم کی وجہ سے واضح ہو رہا ہو یا اس کے وجود پر کوئی قرینہ دلالت کرتا ہو تو وہاں مقسم علیہ کو محذوف کر دیا جاتا ہے۔ سورۃ قٓ میں بھی اس کی نہایت واضح مثال موجود ہے۔ کتابِ مبین کی قسم خود اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ مخالفین اسے اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھنے کی بجائے نبی کریم ﷺ کی کاوش

Marfat.com

قرار دیتے تھے جو آپ چند معاونین کی مدد سے مرتب کرتے ہیں اور پھر لوگوں کے سامنے اسے کلام اللہ کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ کہہ کران کی اس بات کے غلط ہونے پر دلیل دی گئی ہے۔اس کتاب کو غور سے دیکھو، اس کے الفاظ کی فصاحت و بلاغت، اس کے جملوں کا دروبست، اس کی مضمون آفرینی اور انشاء پردازی اور الفاظ کا حُسنِ انتخاب، اس کے غیر مبہم مضامین، اس کا ادب، اس کا حق وباطل کے درمیان ایک واضح خطِ امتیاز کھینچ دینے والی تعلیم کیا اس حقیقت کی صریح شہادت نہیں کہ یہ کلام کسی انسان کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ کیونکہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں کہ ساری دنیا اس کی مثال لانے سے عاجز ہو۔ دنیا کا ایسا کوئی علمی اصول نہیں جسے شکست کا الزام نہ سہنا پڑے، دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس کی پیشگوئیاں کماحقہ پوری ہوتی ہوں اور جس کے اخلاقی مُسلّمات دنیوی اخلاق میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھتے ہوں، یہ سب باتیں بتمام وکمال اس کتاب میں پائی جاتی ہیں اور مزید یہ کہ ایسی حیرت انگیز علمی کتاب کا پیش کرنے والا امی محض ہے۔ اس نے اپنے ماحول سے باہر کبھی کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کئے۔ مکے میں کوئی ایسی علمی مجلس نہ تھی جس سے استفادہ کیا جا سکتا۔ اس کتاب کا ایک ایک لفظ بولتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہوں، اس کے سوا کسی میں یہ دسترس نہیں کہ وہ ایسے معجزانہ کلام پر مشتمل اور ایسے حیرت انگیز نظام سے مزین کتاب دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۳

(ہم نے اس کو عربی قرآن بنا کر اتارا ہے تا کہ تم لوگ اسے سمجھو۔ ۳)

قرآن کریم کا عربی میں آنا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے

یہ کتابِ مبین کے ایک پہلو کی وضاحت ہے کہ ہم نے قرآنِ کریم کو ایک واضح کتاب بنا کر اتارا ہے۔ لیکن اس میں اس بات کا امکان موجود تھا کہ ہم اسے کسی اور فصیح و بلیغ زبان میں اتار دیتے جس سے دنیا کی دوسری قومیں فائدہ اٹھاتیں لیکن تم عربی کے سوا دوسری زبانوں سے نابلد ہونے کی وجہ سے یہ عذر کر سکتے تھے کہ اس کتاب کے مبین اور عظیم ہونے میں کوئی شبہ نہیں، لیکن ہم عربی زبان کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتے، ہم اس بات کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں کہ یہ کتاب واقعی کتابِ مبین ہے اور کسی دوسرے کیلئے اس کتاب کی مثال لانا ممکن نہیں۔ اس کتاب کی زبان ہم نے عربی رکھی ہے، کیونکہ تم عرب ہو۔ تمہارے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جو کلام کے حُسن وقبح سے اچھی طرح واقف ہیں۔ عربی کی تمام اصنافِ سخن پر وہ گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کیلئے اس بات کا اندازہ کرنا کوئی مشکل نہیں کہ اس کتاب جیسی کتاب لانا ممکن ہے یا نہیں۔ ہاں اگر یہ کتاب کسی اور زبان میں ہوتی۔ وہ لوگ جو آنحضرت ﷺ کی دعوت کے براہِ راست مخاطب ہیں وہ نہ اس سے استفادہ کر سکتے اور نہ اس کی معجزانہ حیثیت کو سمجھ سکتے۔ تو اس کتاب کا عربی زبان میں نازل کیا جانا اگر ایک طرف تمام اہلِ عرب کیلئے اتمامِ حجت کی حیثیت رکھتا ہے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا احسان وامتنان بھی ہے کیونکہ اس سے بڑا احسان کسی قوم پر اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کی دنیا اور آخرت اس کی اپنی زبان میں ان پر واضح کر دی جائے۔ اسی امتنان کے پہلو کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:

Marfat.com

وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝

(بے شک یہ اصل کتاب میں ہمارے پاس ہے، بڑی بلند مرتبہ اور حکمت سے لبریز۔ ۴)

قرآن کریم کے مقام کی بلندی

اُمُّ الْكِتٰبِ سے مراد وہ ہے جسے سورۃ الواقعہ میں كِتٰبٌ مَّكْنُوْنٌ فرمایا گیا، یعنی پوشیدہ اور محفوظ کتاب۔ اور سورۃ البروج میں اس کیلئے لوحِ محفوظ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ یعنی یہ پوشیدہ اور محفوظ کتاب ہے اور ایسی لوح میں محفوظ ہے جس کا لکھا ہوا مٹ نہیں سکتا۔ اور جو ہر قسم کی دست اندازی سے محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف زمانوں میں، مختلف ملکوں اور قوموں کی ہدایت کیلئے مختلف انبیاء پر مختلف زبانوں پر کتابیں نازل ہوتی رہی ہیں۔ یہ کتاب اتنی بلند مرتبہ اور عالی مقام چیز ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ لوحِ محفوظ میں ثبت کیا گیا ہے۔ یہ نہ جنات کا القاء ہے، نہ کاہنوں کی کہانت، نہ شاعروں کی شاعری اور نہ خطیبوں کی لفاظی ہے، بلکہ یہ روشنی اس منبع نور سے نازل ہوئی ہے جس کے نور ہی سے آسمان و زمین میں روشنی ہے اور جو تمام علوم کا حقیقی سرچشمہ ہے۔ اس کی ایک ایک بات ایسی پُر از حکمت ہے جس میں انسان کی غلط اندیشیوں اور نفسانی عوارض کا توڑ موجود ہے، ہر بات لوحِ محفوظ سے اترتی ہے۔ اور اسے صرف ملکوتی تحفظ ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت بھی حاصل ہوتی ہے۔ کوئی شخص اگر ایسی کتاب کا استخفاف کرتا یا اسے ماننے سے انکار کرتا یا اس کی قدر و منزلت سے روگردانی کرتا یا اس کی حکیمانہ تعلیم سے فائدہ نہ اٹھانے کا ارادہ کرتا ہے تو یہ اس کی ایسی محرومی ہے جس سے اس کی دنیا بھی متاثر ہوتی ہے اور آخرت پر بھی بدنصیبی کے سائے گہرے ہو جاتے ہیں۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝

(کیا ہم تمہیں درسِ نصیحت دینے سے اس لئے صرفِ نظر کرلیں کہ تم حدود سے تجاوز کر جانے والے لوگ ہو۔ ۵)

صَفْحًا، مفعول لَهٗ کے مفہوم میں ہے۔ اس کا معنی ہے روک دینا، چشم پوشی کرنا۔ ضَرَبَ عَنْهُ کے معنی ہوں گے اس سے اس چیز کو ہٹا دیا۔

آیت کا پس منظر

اس ایک فقرے سے وہ صورتحال کھل کر سامنے آجاتی ہے جس میں اس آیت کا نزول ہوا ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے عرب قوم صدیوں سے سخت جہالت، پستی اور بدحالی میں مبتلا تھی۔ وہ ایسی دھات کی مانند تھی جو کسی کان میں مٹی یا پتھر کی طرح اپنی ابتدائی حالت میں پڑی ہوئی ہو، جسے حالی نے اس طرح تعبیر کیا ہے:

Marfat.com

پڑی کان میں دھات تھی اک نکمی
نہ کچھ قدر تھی اور نہ قیمت تھی جس کی
طبیعت میں جو اس کے جوہر تھے اصلی
ہوئے سب تھے مل کر وہ مٹی میں مٹی
یہ تھا ثبتِ علمِ قضا و قدر میں
کہ بن جائے کی وہ طلا اِک نظر میں

نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری نے اس دھات کو کان سے باہر نکالا۔ اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اس پر پڑی، اسے جہالت کی تاریکیوں سے نکلنے کے بعد جب علم کی شعاعیں اس پر پڑیں اور وحیِ الٰہی کی تجلیات اس پر برسنے لگیں تو جن لوگوں میں ابھی تک طلا کی کچھ رمق باقی تھی وہ طلائے صافی بن کر چمکنے لگے۔ اور جن لوگوں نے اپنے جوہرِ اصلی کو مٹی میں ملا دیا تھا انہوں نے نہ صرف اپنی محرومیوں کی دلدل سے نکلنے سے انکار کر دیا بلکہ خم ٹھونک کر میدان میں مقابلے کیلئے آ کھڑے ہوئے۔ روز بروز ان کی عداوت بڑھتی چلی گئی، حتیٰ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے قتل کے منصوبے باندھنے شروع کر دیئے۔ ایسی صورتحال میں ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ وحی کا نزول روک لیا جاتا، اور اللہ تعالیٰ کا رسول ان کی حرکتوں سے مایوس ہو کر اپنی تبلیغی کاوشیں بند کر دیتا۔ اگر آنحضرت ﷺ کی دعوت اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت نہ ہوتی اور آپ کی پشت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ نہ ہوتا اور آپ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرض کو انجام دینے کے پابند نہ ہوتے تو یقیناً آپ ایسا کرتے۔ لیکن اس دین کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اور پیغمبر کو ہر طرح کے حالات میں اصلاحِ خلق کا پابند ٹھہرایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو اس آیتِ کریمہ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ تمہارے تمرد اور سرکشی نے جو صورتحال پیدا کر دی ہے اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام اصلاحی کاوشوں کو روک دیا جائے اور ہم اس درسِ نصیحت کو روک کر تمہیں اسی پستی میں پڑا رہنے دیں جس میں تم صدیوں سے گرے ہوئے ہو، لیکن ہماری رحمت کا تقاضا کچھ اور ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ تمہاری اس روش سے کیا نتیجہ پیدا ہوگا۔ تمہاری نہ صرف دنیا تباہ ہوگی بلکہ آخرت بھی خسران کا شکار ہو جائے گی۔ اس لئے تمہاری تمام تر جہالت کے باوجود ہم تمہیں اس خیر سے محروم نہیں کرنا چاہتے جو اللہ تعالیٰ نازل فرما رہا ہے۔ تم شرک کی آلودگیوں میں لتھڑے ہوئے ہو، تمہاری حالت بدترین مریض جیسی ہے، تو مریض سے ہمدردی کا تقاضا یہ نہیں کہ اسے بیماری کے حوالے کر دیا جائے بلکہ جامِ شفا اور دوا کے اصل مستحق تو مریض ہی ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ تم پر سے اپنی رحمت ہٹانا نہیں چاہتا۔

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٧﴾
فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾

(پہلی گزری ہوئی قوموں میں ہم نے کتنے ہی نبی بھیجے۔ ٦) اور کوئی نبی ان کے پاس نہیں آیا مگر وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔ ٧) تو پھر ہم نے ہلاک کر دیا ان سے بھی زیادہ طاقتور لوگوں کو اور پچھلی قوموں میں مثالیں گزر چکی ہیں۔ ٨)

Marfat.com

گزشتہ مضمون کی تائید تاریخ سے

اوپر کی آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کی تائید ماضی کی تاریخ سے پیش کی گئی ہے۔اس میں نبی کریم ﷺ کی تسلی بھی ہے اور مخالفین کو اس بات کی یاددہانی بھی کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہمیشہ قوموں کے ساتھ ایسا ہی رہا کہ جب بھی ان کی اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو بھیجا تو قوم نے اس کا مذاق اڑایا۔اور کم خوش نصیب تھے جنہوں نے نبی کی نصیحتوں پر توجہ دی۔جو کچھ آج قریش آنحضرت ﷺ کے ساتھ کر رہے ہیں وہی کچھ سابقہ نبیوں کی امتوں نے بھی کیا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے برابر ان کو مہلت دی۔اور اللہ تعالیٰ کے نبی زخم اٹھا اٹھا کر بھی ان کی اصلاح کیلئے کوشش کرتے رہے۔لیکن جب انہوں نے کوئی بات بھی پیغمبر کی مان کر نہ دی بلکہ برابر اس کی ہمدردانہ کاوشوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر ایسا برسا کہ جس نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی۔اور یہ عذاب کا شکار ہونے والے لوگ، کوئی کمزور لوگ نہ تھے بلکہ وہ قریش سے کہیں بڑھ کر طاقتور اور زور آور تھے۔مگر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے سامنے وہ اپنا بچاؤ نہ کر سکے اور مچھروں کی طرح مسل کے رکھ دیئے گئے۔اور پچھلی قوموں میں ایسی بہت سی مثالیں گزر چکی ہیں۔کتنی معذب قومیں ہیں جن کے کھنڈرات پر آج بھی قریش کے تجارتی قافلے گزرتے ہیں۔اور ان کی تباہی خود اپنی زبان سے اپنی کہانی بیان کرتی ہے، لیکن گزرنے والے اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ ۙ﴿۹﴾

(اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ لازماً کہیں گے کہ ان کو پیدا کیا ہے اس ذات نے جو زبردست بھی ہے اور علم والی بھی ہے۔ ۹)

مشرکین کے تضادِ فکر کی مثال

اس سے پہلے قریش کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ان کی حدود سے تجاوز کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے ذہنی تضاد کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اگر آپ ان سے یہ پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو اور جس قدر مخلوقات ان کے اندر ہیں انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ بے ساختہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔یعنی خود ان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے اور جن نعمتوں سے وہ متمتع ہو رہے ہیں ان کا پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔غرضیکہ زندگی کی کوئی نعمت ایسی نہیں جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے تخلیق کیا ہو۔لیکن انسانی عقل اس بات کا جواب دینے سے قاصر ہے کہ جب کائنات کا ایک ایک ذرہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور زمین و آسمان میں بسنے والی مخلوقات اسی کے فیضانِ تربیت سے متمتع ہو رہی ہیں اور وہ ایسا عزیز اور طاقتور ہے کہ اس کے ارادے کے راستے میں کوئی حائل نہیں ہو سکتا اور کسی میں یہ ہمت نہیں کہ وہ اس کی عظمت اور کبریائی کو چیلنج کر سکے۔اور پھر وہ ایسے وسیع علم کا مالک ہے کہ کائنات کی ایک ایک چیز سے واقف اور تمام مخلوقات کی ضرورتوں سے آگاہ اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز کی مصلحتوں سے باخبر اور ہر حکم اور ہر بات کے مستقبل میں نکلنے والے نتائج کو کماحقہ جانتا ہے تو پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ اس کے ہمسر تجویز کیے جائیں، اس کیلئے اولاد ثابت کی جائے، اس کی ذات و صفات میں دوسروں کو شریک کیا جائے

Marfat.com

اوراس کے حقوق میں دوسروں کی شرکت ثابت کی جائے۔اور اگر کوئی ان باتوں سے روکے کہ یہ باتیں تو تمہارے اپنے مُسلمہ عقائد کے خلاف ہیں اور جن حقائق کا تم اقرار کرتے ہو یہ تو اس سے بالکل متضاد ہیں۔ تو نہ صرف ایسے تضادات کے شکار لوگ اپنی غلطی تسلیم نہ کریں بلکہ الٹا لڑنے کیلئے آستینیں چڑھالیں اور اسے زندگی اور موت کا مسئلہ بنالیں۔ ہر دور میں ان تضادات کے ماننے والے موجود رہے اور فکروعمل کے یہ تضادات ہر دور میں تلخیاں پیدا کرتے چلے آئے ہیں اور بارہا اس سے زمین کے امن کو آگ لگی ہے۔ لیکن حیرانی کی بات ہے کہ انسان اپنے علم ودانش کے ہزار دعووں کے باوجود ان تضادات سے تائب ہونے کیلئے تیار نہیں۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ۚ ﴿۱۰﴾

(وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو گہوارہ بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے تاکہ تم راہ پاسکو۔ ۱۰)

اللہ تعالیٰ کے چند ارشادات بطورِ تضمین

گزشتہ آیت میں مشرکین کے جواب پر اللہ تعالیٰ نے بطورِ تضمین کچھ باتیں ارشاد فرمائی ہیں تاکہ انسان اپنے عقیدہ وعمل کے تضادات کی جن بھول بھلیوں میں الجھا ہوا ہے، شاید ان سے نکل سکے۔ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف زمین وآسمان کو پیدا ہی نہیں فرمایا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس زمین کو بچھونے کی طرف بچھایا اور یہ وہ چیز ہے جس کا احساس زمین پر ہر لیٹنے والے کو ہوتا ہے۔ لیکن اگر تدبر کی نگاہ سے دیکھا جائے تو زمین صرف بچھونا ہی نہیں بلکہ اسے انسان کیلئے گہوارہ بنایا گیا ہے۔ جس طرح ایک بچہ پنگھوڑے میں آرام سے لیٹا ہوتا ہے اس میں وہ صرف آرام ہی نہیں کرتا بلکہ جھولا بھی جھولتا ہے۔ اسی طرح انسان تدبر کی نگاہ سے دیکھے تو محسوس کرے گا کہ زمین کا یہ عظیم الشان کرّہ پنگھوڑے کی طرح فضا میں لٹکا ہوا ہے جو ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اپنے محور میں گھوم رہا ہے۔ اور 6660 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے رواں دواں ہے اور انسان اس میں سر کے بل لٹک رہا ہے۔ لیکن اسے کبھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ میں سر کے بل لٹک رہا ہوں۔ اور قرآنِ کریم میں دوسری جگہ وضاحت فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس گہوارے کو محفوظ کرنے کیلئے اپنی عظیم قدرت وحکمت سے اس میں پہاڑ گاڑ دیئے تاکہ وہ تمہارے سمیت کسی طرف کو لڑھک نہ پڑے۔ اس گہوارے کو اتنا آرام دہ اور پرسکون بنایا گیا ہے کہ کبھی کسی کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ میں ایک ایسے گہوارے میں سوار ہوں جو بندوق کی گولی سے بھی زیادہ تیز رفتار ہے اور قدرت نے اس کے بطن میں چار ہزار فارن ہائٹ کا آگ کا وہ گولہ رکھا ہوا ہے کہ اگر قدرت اسے ہمارے لئے مسخر نہ کرتی تو انسانی زندگی اس میں ممکن نہ ہوتی۔ کبھی کبھی آتش فشاں پہاڑ وہ لاوا اگل کر اس کی موجودگی کی خبر دیتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت نے کبھی انسانوں کیلئے اسے بڑا مسئلہ بننے نہیں دیا۔ اسی طرح اس کی حکمت کا ایک عجیب تقاضا ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے اس میں پہاڑ تو کھڑے کردیئے لیکن اس کو ایک بند گھر کی طرح ہر طرف سے محصور نہیں کردیا۔ اس کے اندر راستے پیدا فرمائے، پہاڑوں میں درے رکھے اور کہیں سے جھیلیں نکالیں اور دریا رواں کئے۔ اگر یہ زمینی اور بحری راستے نہ ہوتے تو ہر ملک ایک بند گلی کی مانند ہوتا۔ نہ باہمی تجارت ہوسکتی نہ ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی ہوتی اور انسانوں کو ایک دوسرے سے تمتع کا سفر رک جاتا۔ اس لئے فرمایا کہ ہم نے یہ راستے اس لئے رکھے ہیں تاکہ تم ایک دوسرے تک پہنچنے کا راستہ پاسکو۔

Marfat.com

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾

(اور وہی ہے جس نے ایک خاص مقدار میں آسمان سے پانی اتارا، پس ہم نے اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندہ کر دیا، اسی طرح تم بھی قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ ۱۱)

کرشمۂ ربوبیت کا بیان

پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کرشمۂ ربوبیت کو بیان فرمایا ہے۔ اس کی ربوبیت کا فیضان تو بہت وسیع سطح پر پھیلا ہوا ہے۔ اسی میں سے ایک آسمانوں سے پانی کا نزول بھی ہے۔ پانی کے نزول کی ایک صورت تو بارش ہے اور دوسری زمین سے چشموں کا ابلنا، اور تیسری صورت ندی نالوں اور دریاؤں کا سطحِ زمین پر بہنا اور چوتھی صورت پہاڑوں پر برف کا جمنا ہے اور اسی کے ذریعے سے شاید ندی نالوں اور دریاؤں اور چشموں کو بھی پانی میسر آتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ پہاڑوں پر اگر برف نہ جمے تو چشمے کیسے ابلیں اور ندی نالے کیسے رواں ہوں اور میدانی علاقوں میں دریا کیسے بہیں۔ اسی طرح اگر بارشیں نہ ہوں تو پانی کے تمام ذخیروں کو سورج کی کرنیں خشک کر کے رکھ دیں۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابر و ہوا کا تصرف ہے جس سے ہمیں پانی میسر آتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ سورج کی کرنیں جس طرح پانی کے ذخیروں سے بھاپ اٹھاتی ہیں اور پھر یہ بھاپ اوپر جا کر ابر کی صورت بچھا دی جاتی ہے، پھر اس کے جمنے اور اس کے برسنے کے اوقات کون مقرر کرتا ہے، ہواؤں کو کون حکم دیتا ہے کہ تم بادلوں کو اڑاتے ہوئے فلاں جگہ لے جاؤ۔ اور یہ کس عزیز و علیم کی تقدیر ہے کہ بادلوں سے پانی اتنا برستا ہے جتنا زمین تحمل کر سکے۔ اور زمین اس سے اپنی صلاحیتیں اجاگر کر سکے۔ اور زمین میں یہ صلاحیت کس نے رکھی ہے کہ پانی اتنا چوسے جتنا آبیاری کیلئے ضروری ہے اور باقی سارے پانی کو اگل دے تاکہ وہ ندی نالوں میں پہنچ جائے۔ اور پھر یہ کس کی قدرت کی کارفرمائی ہے کہ وہ زمین جو ایک مدتِ دراز تک بارش نہ ہونے کی وجہ سے مُردہ ہو چکی تھی نہ کہیں کسی جانور کے ٹرانے کی آواز آتی تھی اور نہ کوئی درخت سبز کونپل اگاتا تھا۔ نباتات کی ہر چیز جل کے راکھ ہو چکی تھی کہ اچانک اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور ابر سے پانی برستا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس مُردہ زمین میں زندگی کے آثار پیدا ہونے لگتے ہیں، درختوں میں شگوفے پھوٹنے لگتے ہیں، کونپلیں نکلنے لگتی ہیں، جوہڑوں میں پانی بھر جاتا ہے تو مینڈک زندہ ہو کر ٹرانے لگتے ہیں، چند ہی دنوں میں زمین مخمل کا لباس پہن لیتی ہے۔ یہ ایک مُردہ اور بے آب و گیا زمین کو پانی کے چند چھینٹوں سے زندہ کرنے کی قدرت کون رکھتا ہے، یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کیسے نادان ہیں وہ لوگ جو اس کی رحمت کے چند چھینٹوں سے مُردہ زمین کو زندہ ہوتے دیکھتے ہیں تو انہیں کوئی حیرت نہیں ہوتی، لیکن جب انہیں یہ کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن تمام مُردہ لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکلیں گے اور میدانِ حشر میں جواب دہی کیلئے حاضر ہو جائیں گے تو وہ حیران ہو کر کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾
لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ
سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

Marfat.com

(اور وہی ہے جس نے یہ تمام جوڑے پیدا کئے اور تمہارے لئے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ ۱۲) تا کہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر بیٹھو، پھر اپنے رب کا احسان یاد کرو جبکہ تم ان پر بیٹھو اور کہو کہ پاک ہے وہ جس نے ہمارے لئے ان چیزوں کو مسخر کیا، اور ہم تو ان کو قابو میں لانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ ۱۳) اور بے شک ہم اپنے رب ہی کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ ۱۴)

مزید آثارِ قدرت کی طرف اشارہ

پیشِ نظر آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے چند مزید احسانات کا ذکر فرمایا ہے جن کا تعلق انسان کا صحیح عقیدہ بننے اور صحیح سیرت و کردار کے جنم لینے اور صحیح مقاصد کے بروئے کار لانے سے ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج کو پیدا فرمایا۔ بعض اہلِ علم اس سے نوع بنوع چیزیں مراد لیتے ہیں۔ یعنی اس نے گونا گوں نعمتیں پیدا فرمائیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عربی زبان اور قرآنِ کریم میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے، لیکن بعض دیگر اہلِ علم نے اس سے مراد جوڑے لئے ہیں۔ اور ان دونوں معنوں میں باہمی کوئی تضاد نہیں، لیکن جب قرآنِ کریم کا نزول ہوا ہے تو نوع بنوع اور رنگا رنگ مخلوقات تو اس وقت بھی انسانوں کے سامنے تھیں، لیکن نوع بنوع مخلوقات کا پیدا ہونا ایک محدود تصور رکھتا تھا۔ پروردگار نے اس تصور میں وسعت پیدا فرمائی، اور ایک ایسی حقیقت و انکشاف فرمائی جو بہت آگے چل کر کھلنے والی تھی۔ اور وہ حقیقت یہ ہے کہ یہاں ازواج سے مراد صرف نوعِ انسانی اور حیوانات کے نر اور مادہ نہیں بلکہ دوسری بے شمار چیزیں بھی ہیں جن کو خالق نے ایک دوسرے کا جوڑ بنایا ہے۔ اور جن کے اختلاط یا امتزاج سے دنیا میں نئی نئی چیزیں وجود میں آئی ہیں۔ مثلاً عناصر میں بعض کا بعض سے جوڑ لگتا ہے اور بعض کا بعض سے نہیں لگتا۔ جن کا جوڑ ایک دوسرے سے لگتا ہے ان ہی کے ملنے سے طرح طرح کی ترکیبیں واقع ہو رہی ہیں۔ یا مثلاً بجلی میں منفی اور مثبت بجلیاں ایک دوسرے کا جوڑ ہیں، اور ان کی باہمی کشش ہی دنیا میں عجیب عجیب کرشموں کا موجب بن رہی ہیں۔ یہ اور دوسرے ان گنت جوڑے جو قسم قسم کی مخلوقات کے اندر اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں ان کی ساخت اور ان کی باہمی مناسبت اور ان کے تعامل کی گونا گوں شکلوں اور ان کے ملنے سے پیدا ہونے والے نتائج پر اگر انسان غور کرے تو اس کا دل گواہی دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ سارا کارخانۂ عالم کسی ایک ہی زبردست صانع حکیم کا بنایا ہوا ہے اور اسی کی تدبیر سے چل رہا ہے۔ صرف ایک عقل کا اندھا ہی یہ فرض کر سکتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی حکیم کے بغیر ہوا اور ہو رہا ہے یا اس میں ایک سے زیادہ خداؤں کی دخیل کاری کا کوئی امکان ہے۔ (افادہ از تفہیم القرآن)

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اس نے تمہارے لئے پانی میں سفر کرنے کیلئے کشتیاں بنائیں اور خشکی میں سفر کرنے کیلئے ایسے چوپائے پیدا فرمائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ کشتی بنانے کی ترکیب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے انسانوں کو سکھائی اور پھر لکڑی، لوہے کے باہم مل جانے کے بعد پانی کو حکم دیا کہ نہ صرف اس کشتی کو ڈوبنے نہ دے بلکہ اس پر جو سوار ہوں ان کو بھی ڈوبنے سے بچائے۔ اسی طرح اس نے ایسے جسیم اور لحیم جانور پیدا فرمائے جن پر انسانوں کو سوار ہونے کا ہنر سکھایا۔ اور ایسے طاقتور جانوروں کو انسانوں کی خدمت میں لگا دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ ان جانوروں کو حکم نہ دیتا تو شیر اور چیتے اور ریچھ کی طرح یہ جانور بھی کبھی سواری کا کام نہ دیتے۔ اب سائنس نے اس سفر کو اور آگے بڑھایا ہے۔ لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کے احسانات سے باہر نہیں، کیونکہ جس پروردگار نے

Marfat.com

جانوروں کوانسان کے تابع کیا اسی کی دی ہوئی سمجھ نے لوہے کو بھی انسان کی سواری بنا دیا اور اس میں قوتِ پرواز پیدا کردی۔لیکن یہ سب کچھ اس لئے ہے تا کہ انسان ان سے فائدہ اٹھائے اور جس نے یہ سواریاں پیدا فرمائیں اور عطا کی ہیں اس کا حق پہچانے۔اس لئے حکم دیا گیا کہ جب تم کسی بھی سواری پر جم کے بیٹھو یا سفر کا ارادہ کرو تو بجائے غرور سے اکڑ کر سواری پر بیٹھنے کے یہ یاد رکھنا نہ بھولو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی سمجھ نہ دیتا یا ان چیزوں کو تمہارے لئے مسخر نہ کرتا تو تم کبھی ان پر قابو پانے والے نہیں تھے۔اس لئے ہمیں دعا سکھائی گئی کہ سواری پر سفر کرتے ہوئے یہ دعا ضرور پڑھو سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِیۡنَ ⑬ وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ⑭ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ہے اور اپنی بے بسی کا اعتراف بھی ہے۔اور ساتھ ہی اس بات کا اعادہ بھی کہ ہم جو کچھ بھی کریں اس کی نعمتیں پا کر شکر کریں گے یا ناشکری، اس کی جوابدہی کیلئے بہر صورت ایک ایک روز اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔

وَجَعَلُوۡا لَهٗ مِنۡ عِبَادِهٖ جُزۡءًا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَـكَفُوۡرٌ مُّبِيۡنٌ ؕ ⑮

(اور ان لوگوں نے اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جز بنا ڈالا، بے شک انسان کھلا احسان فراموش ہے۔ ۱۵)

مشرکین کے فکری تضادات پر تنبیہ

اس آیت کا تعلق اوپر کی آیت ۹ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ سے ہے۔اگر آپ ان مشرکین سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ جواب دیں گے کہ انہیں اس زبردست علیم ہستی نے پیدا کیا ہے۔ان کے اس اعتراف کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ہستی کے مزید چند احسانات کا ذکر کیا کہ وہ ہستی وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو گہوارہ بنایا اور پھر زمین میں تمہارے لئے پہاڑ گاڑے تا کہ وہ تمہیں کسی ایک طرف لے کر لڑھک نہ جائے اور پھر پہاڑوں کے اندر سے تمہارے لئے راستے نکالے تا کہ تم اپنے اپنے علاقوں میں بند ہو کے نہ رہ جاؤ بلکہ زمین کے دوسرے ملکوں اور علاقوں سے ہر طرح کے تعلقات پیدا کرو اور زمین کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہونے کی کوشش کرو۔اور پھر وہ ذات ایسی ہے جس نے تمہاری ضرورتیں مہیا کیں۔اور ان میں سب سے بڑی ضرورت پانی کو ایک ایسی خاص مقدار سے نازل فرمایا کہ جہاں بھی انسان آباد ہے اس پانی کی کمیابی کی کبھی اسے شکایت نہیں ہوئی۔اور پھر اس نے انسان کی سواری کیلئے مختلف قسم کے جانور پیدا کیے، دریاؤں اور سمندروں میں سفر کیلئے کشتیوں کی صنعت عطا کی۔کس قدر حیرانی کی بات ہے کہ جس ذات نے انسان جیسی بے بس مخلوق کو اتنی قوتوں اور ایسے علم و دانش سے نوازا کہ اس نے لوہے میں قوتِ پرواز پیدا کردی اور زمین کی طنابیں کھینچ لیں۔اب اتنی نعمتیں پانے کے بعد بجائے شکر گزار ہونے اور اس کی ذات وصفات اور حقوق کا صحیح ادراک کرنے کے وہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا کر کہیں اسی کے بندوں میں سے کسی کو اس کی ذات کا جز ٹھہرا دیتا ہے۔یعنی اس کیلئے اولاد ثابت کرتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے کفو اور ہمسر ثابت کرتا ہے۔ایک طرف اسے خالق و مالک مان کر اس کی یکتائی اور بے ہمگی کا اعتراف کرتا ہے اور دوسری طرف اس کی کہیں بیٹیاں اور کہیں بیٹے ثابت کرتا ہے۔اور اس طرح مخلوق کو اس کا ہم پلہ بنا دیتا ہے۔یہ اس کی طبعی ناہمواری اور تضادِ فکری کو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی ناشکرا ہے۔اس کی ذات جس کی دین ہے اور جس کے دسترخوان سے وہ کھاتا اور عیش کرتا ہے اسی کیلئے دوسروں کو دیوی اور دیوتا بنا کر ان کے گن گاتا اور ان کی پرستش کرتا ہے۔

Marfat.com

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ

بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰكُمْ بِالْبَنِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ
لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَ مَنْ یُّنَشَّؤُا
فِی الْحِلْیَةِ وَ هُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ﴿۱۸﴾ وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ
الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ
شَهَادَتُهُمْ وَ یُسْــَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ
مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا
مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْۤا اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا
عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ كَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ
قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ
اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَ لَوْ جِئْتُكُمْ
بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَیْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۵﴾ النصف ع

رکوع: ۲۔ (کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے اپنے لئے بیٹیاں پسند کیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا۔ ۱۶) اور حال یہ ہے کہ جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی بشارت دی جاتی ہے جس کو وہ خدا کی صفت بیان کرتا ہے تو اس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہنے لگتا ہے۔ ۱۷) اور کیا (وہ پیدا ہوئی ہے) جو زیوروں میں پالی جاتی ہے، اور بحث و حجت میں بات واضح نہیں کہہ سکتی۔ ۱۸) اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں بیٹیوں کا درجہ دے

Marfat.com

رکھا ہے، کیا یہ ان کی ولادت کے وقت موجود تھے، ان کی گواہی لکھ دی جائے گی اور ان سے سوال کیا جائے گا۔ ۱۹) اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کو کبھی نہ پوجتے، ان کو اس بارے میں کوئی علم نہیں، یہ محض اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں۔ ۲۰) کیا ہم نے اس سے پہلے کوئی کتاب ان کو دی تھی، سوانہوں نے اس کو مضبوط پکڑ رکھا ہے۔ ۲۱) بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ ۲۲) اور اسی طرح تم سے پہلے جس بستی میں بھی ہم نے کوئی نذیر بھیجا اس کے خوشحال لوگوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقشِ قدم کی پیروی کریں گے۔ ۲۳) منذر نے کہا: کیا اگر میں اس سے زیادہ صحیح طریقہ لے کر تمہارے پاس آؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا، ہم اس چیز کے جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے، منکر ہیں۔ ۲۴) پھر ہم نے ان سے انتقام لیا، تو دیکھ لو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا۔ ۲۵)

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾

(کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے اپنے لئے بیٹیاں پسند کیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا۔ ۱۶) اور حال یہ ہے کہ جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی بشارت دی جاتی ہے جس کو وہ خدا کی صفت بیان کرتا ہے تو اس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ گھٹا گھٹا رہنے لگتا ہے۔ ۱۷)

مشرکین کے ذہنی افلاس کی مثال

اَمْ ...... استنکار اور استعجاب کے مفہوم میں ہے۔ تعجب اس بات پر ظاہر کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا معاملہ نہایت نازک اور نہایت احتیاط کا طالب ہے۔ لیکن ان کی فکری کج روی اور ذہنی افلاس کا عالم یہ ہے کہ باوجود اس اعتراف کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات کا خالق سمجھتے ہیں، لیکن اس کی مخلوقات میں سے کسی کو اس کا وہ بیٹا بنا دیتے ہیں اور کسی کو بیٹی بنا دیتے ہیں۔ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے نہایت مقبول بندے ہیں انہیں ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کر رکھا ہے۔ ان کے بت انہوں نے عورتوں کی شکل کے بنا رکھے ہیں اور یہی ان کی وہ دیویاں ہیں جن کی وہ پوجا کرتے ہیں۔ ایک طرف تو ان کے ذہنی افلاس کا حال یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق بھی مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اولاد بھی تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ اولاد تو باپ کا جزو، ہم پلہ اور اس کا کفو ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف اخلاقی کم مائیگی کا حال یہ ہے کہ اپنے لئے بیٹیوں کو عار سمجھتے ہیں اور غیر حاضری میں اگر ان کو بتا دیا جائے کہ تمہارے گھر میں بیٹی ہوئی ہے تو شرم اور غیرت کے مارے ان کے چہرے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہی بدنما داغ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات بزرگ و برتر کیلئے اعزاز کا باعث جانتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ جیسی عظیم ذات کے بارے میں عقائد اختیار کرتے ہوئے نہ عقل سے کام لینے کی کوشش کی ہے اور نہ احساسِ شرافت ان کے دامن

Marfat.com

گیر رہا ہے۔ حالانکہ معمولی شخص بھی یہ بات سمجھتا ہے کہ کسی ایسی ذات کی طرف جو سرتا پا حُسن و جمال اور تسبیح وتحمید سے عبارت ہے کسی کمزور بات کا انتساب یقیناً اس کی توہین اور گستاخی اور اپنی بے مائیگی کا ثبوت ہے۔

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾

(اور کیا (وہ پیدا ہوئی ہے) جو زیوروں میں پالی جاتی ہے، اور بحث وحجت میں بات واضح نہیں کہہ سکتی۔ ۱۸)

لڑکیوں سے متعلق اہلِ عرب کا تصور

جب کسی عربی کو گھر میں بیٹی ہونے کی اطلاع ملتی تو وہ انتہائی صدمے کی حالت میں ڈوب جاتا ہے، چہرے پر سیاہی چھا جاتی اور دل میں مختلف خیالات کی وجہ سے گھٹا گھٹا سا رہنے لگتا وہ سوچتا کہ میرے گھر میں ایک ایسے وجود نے جنم لیا ہے جس کا تعلق صنفِ نازک سے ہے، وہ جیسے جیسے پروان چڑھے گا اس کے اندر آرائش وزیبائش کا جذبہ بھی روز بروز پروان چڑھتا جائے گا، جبکہ میں ایک ایسے ملک کا رہنے والا ہوں جس میں سخت مشقت کے بعد نانِ شبینہ ہاتھ آتی ہے۔ اور قبیلوں کے قبیلوں پر حملے اور بد اخلاقی اور بے حیائی کے محرکات اس آرائش وزیبائش کے جذبے کو فتنہ بنا دینے میں تاخیر نہیں کرتے۔ میرے گھر میں پلنے والا وجود میری مشکلات میں کام آنے کی بجائے گھر میں میرے پاؤں کی زنجیر بن کے رہ جائے گا۔ اسے خواہش ہوگی کہ مجھے آرائش وزیبائش کیلئے زیورات ملیں اور میں بن سنور کر اپنی انفرادیت کا اظہار کرسکوں ایسا وجود یقیناً کسی کی آغوش تو گرم کرسکتا ہے لیکن نازک بپھرے ہوئے حالات میں میرا دست وبازو نہیں بن سکتا۔ کیونکہ:

وہ ہاتھ جن میں نزاکت ہے تانے بانے کی
اٹھا سکیں گے کب سختیاں زمانے کی

اور اگر کبھی معاملہ مخاصمت سے آگے بڑھ کر مبارزت تک پہنچ جائے اور میں کہولت کی عمر کو پہنچ جاؤں تو بجائے اس کے کہ وہ میری فکر کرے، مجھے اس کی فکر میں اپنا بڑھاپا بھی قربان کرنا پڑے گا تو ایسا وجود جو بیٹی کے نام سے میری کمزوری یا میری ذلت کا سبب بننے والا ہے آج جب میں اسے قبول کرتا ہوں تو مجھے دور دور تک تاریکیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ گھر میں چولہا تو جھونک سکتی ہے لیکن میرا دست وبازو بن کر زندگی کی دوڑ میں میرا ساتھ نہیں دے سکتی۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

(اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں بیٹیوں کا درجہ دے رکھا ہے، کیا یہ ان کی ولادت کے وقت موجود تھے، ان کی گواہی لکھ دی جائے گی اور ان سے سوال کیا جائے گا۔ ۱۹)

Marfat.com

فرشتوں سے متعلق غلط تصور کی تردید

فرشتوں سے متعلق عربوں کے عقیدے پر ایک اور پہلو سے ضرب لگائی جا رہی ہے کہ وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اور کارکنانِ قضاوقدر ہیں عربوں نے انہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے کر انہیں مؤنث بنا رکھا ہے۔ پروردگار براہِ راست ان سے سوال کرتے ہیں کہ ہم نے جب فرشتوں کو پیدا کیا تھا تو کیا یہ لوگ اس وقت موجود تھے۔ اور اگر یہ موجود نہیں تھے اور یقیناً نہیں تھے، تو پھر ان کو کیسے اندازہ ہوا کہ فرشتے مؤنث مخلوق ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے بغیر کسی سند اور بغیر کسی علم کے ایک غلط بات کو اپنا عقیدہ بنا رکھا ہے۔ اور عقیدہ بھی ایسا جو سراسر اللہ تعالیٰ کے جناب میں گستاخی سے بھی بڑھ کر گستاخی ہے۔ یعنی جس چیز کو اپنے لئے باعثِ ندامت واہانت سمجھتے ہیں اسے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا گیا ہے: کہ تمہاری اس گستاخی کو گواہی کے طور پر لکھا جائے گا اور قیامت کے روز تم سے اس کی سخت بازپرس ہوگی۔ یوں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر شخص سے اس کے اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گا لیکن جس کے بارے میں خاص طور پر فرمایا جائے کہ ہم اس کی بازپرس کریں گے اس کے پیچھے ایک ایسا غضب کارفرما ہے، جس کی ہولناکی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

وَقَالُوْا لَوْشَآءَ الرَّحْمٰنُ مَاعَبَدْنٰهُمْ ؕ مَالَهُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

(اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کو کبھی نہ پوجتے، ان کو اس بارے میں کوئی علم نہیں، یہ محض اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں۔ ۲۰) کیا ہم نے اس سے پہلے کوئی کتاب ان کو دی تھی، سو انہوں نے اس کو مضبوط پکڑ رکھا ہے۔ ۲۱) بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ ۲۲)

مشرکین کی اپنے شرک پر دلیل

مشرکینِ عرب نے اپنے لئے پوجاپاٹ کا جو نظام بنا رکھا ہے اس کے صحیح ہونے کی ان کے پاس ایک ہی دلیل تھی اور اسے وہ بڑی مضبوط دلیل سمجھتے ہیں۔ وہ دلیل یہ تھی کہ اگر ہمارا یہ طریقِ عبادت غلط ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مشیت سے اس سے روک دیتا۔ کیونکہ اس کی مرضی کے بغیر تو دنیا کا کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ اور جب اس نے صدیاں گزرنے کے باوجود اس طریقے سے ہمیں نہیں روکا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے۔ اس کے جواب میں اس آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ کسی کام کیلئے مہلت کا مل جانا یہ اس کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کام سے راضی ہے۔ اس کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا بالکل دوسری چیز۔ دنیا میں ہر جائز اور ناجائز، غلط اور صحیح کام اس کی مشیت سے ہوتے ہیں، اور اگر وہ کسی کام کو نہ چاہے تو وہ کام کبھی وجود میں نہیں آسکتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر راضی بھی ہے۔ دنیا میں چوریاں ہو رہی ہیں، ڈاکے پڑ رہے ہیں، بے حیائی کے کام ہو رہے ہیں، رشوتیں لی جا رہی ہیں، مظالم توڑے جا رہے ہیں،

Marfat.com

قتل وخونریزی کا بازار گرم ہے، لیکن کیا یہ کہا جائے گا کہ چونکہ ان کاموں سے اللہ تعالیٰ منع نہیں فرماتے، اس لئے سارے کام جائز ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس نے انسان کے امتحان کیلئے ہر جائز اور ناجائز کام کی فی الجملہ ایک آزادی دے رکھی ہے اور یہ اس کی مشیت کا ثمرہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ کام جائز بھی ہیں۔ جائز اور ناجائز کام اللہ تعالیٰ کی مشیت سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے انسان کو ہر طرح کے کاموں کی مہلت دے رکھی ہے لیکن ساتھ ہی اپنے رسول بھیج کر، اور کتابیں نازل فرما یہ بات بھی واضح کردی ہے کہ اس میں صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ کیا ہم نے کبھی ان مشرکین پر کوئی کتاب نازل کی جس میں ان کے پوجاپاٹ کے نظام کی تصویب کی گئی ہو، یا تحلیل وتحریم کا کوئی ایسا ضابطہ دیا گیا ہے۔ جس سے ان کی خودساختہ شریعت کی تا ہوتی ہو۔ اور یہ اس کو بڑی مضبوطی سے پکڑ کے بیٹھے ہیں اور اس کو سب سے بڑی دلیل سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ایسی کوئی کتاب ان پر نازل نہیں کی۔ ان کے پاس صرف ایک ہی دلیل ہے کہ ہم نے اپنے آباؤاجداد کو جس طریقے پر پایا ہے ہم اسی طریقے پر نہایت اعتماد اطمینان سے چل رہے ہیں۔ کیونکہ اگر اس میں کوئی خرابی یا غلطی ہوتی تو پروردگار کبھی نہ کبھی انہیں اس بات سے روک دیتے۔ اس لئے ہمارا عافیت اسی میں ہے کہ ہم اپنے آباؤاجداد کے طریقے کو لازم پکڑیں اور انہیں کے نقوشِ قدم کو اپنے لئے رہنما بنائیں۔

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾

(اور اسی طرح تم سے پہلے جس بستی میں بھی ہم نے کوئی نذیر بھیجا اس کے خوشحال لوگوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقشِ قدم کی پیروی کریں گے۔ ۲۳)

بگاڑ کی تاریخ ہر دور میں یکساں رہی

بگڑی ہوئی قوموں کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور کے انسان کے بگاڑ اور اس کے فکری الجھاؤ کی صورتیں ایک جیسی رہی ہیں کیونکہ انسان کی فطرت بنیادی طور پر ایک ہے اس کے مؤثر اور متاثر ہونے کے ذرائع بھی ملتے جلتے ہیں۔ وہ ایک ہی جیسے عوامل سے بگڑتا ایک ہی جیسے اسباب سے سنورتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قومیں جو صدیوں پہلے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہو چکی ہیں ان کے بگاڑ کی نوعیت بھی یکساں تھی اور اس کے دلائل بھی ملتے جلتے تھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کو جس قوم سے واسطہ ہے اس کے فکری اور عملی بگاڑ اور سابقہ امتوں گمراہیوں میں بہت حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ وہ اپنے بگاڑ کی دلیل کے طور پر قریش ہی کی طرح اپنے باپ دادا تقلید کو ہی اپنی سب سے بڑی دلیل سمجھتے تھے۔ اور یہ گمراہی اس قدر عام تھی کہ جس شہر اور جس قریہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی رسول کو اصلاح کے بھیجا تو وہاں کے رہنے والوں نے دلیل کے طور پر یہی بات کہی کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے، یعنی وہ زندگی کا ایک ڈھ اور ایک طریقہ ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں ہم انہی کے نقوشِ قدم کی پیروی ہی کو اپنا سرمایہ سمجھتے ہیں، اس لئے ہم اس سے ہٹنے کو تیار نہیں۔ یعنی بات آج قریش کیلئے سب سے بڑا سہارا ہے وہی بات ان کیلئے بھی اپنے اندر سب سے زیادہ وزن رکھتی تھی۔

Marfat.com

اس آیتِ کریمہ میں مزید ایک خاص بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ باپ دادا کی تقلید کو اپنے موقف کی دلیل کے طور پر پیش کرنے والے عوام نہیں تھے بلکہ وہ لوگ تھے جن کو مترفین کہا گیا ہے۔ اس سے مراد ہر قوم کا طبقہ امراء بھی ہے اور وہ لوگ بھی جو کسی طرح اپنی قوم کو لیڈ کرتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے حوالے سے، تعلیمی اداروں کے ذریعے، اسمبلیوں میں پہنچ کر یا شعر و ادب سے کام لے کر۔ یہ تمام لوگ مترفین میں شامل ہیں۔ یہ بالعموم ایک جیسی خواہشات کے مارے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ حُبِ دنیا اور حُبِ جاہ ان کے مشترکہ امراض ہیں۔ اور یہ اپنے خیالاتِ باطلہ اور خواہشاتِ خبیثہ کو چھپانے کیلئے آباؤ اجداد کا نام لیتے ہیں۔ اور پھر آباؤ اجداد سے مراد بھی عوام کے آباؤ اجداد نہیں بلکہ ان کے اپنے ہوتے ہیں۔ اور اس طرح سے وہ بیرِ پاتسمہ بن کر لوگوں کی گردنوں پر سوار رہتے ہیں۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۗ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٢٤﴾

(منذر نے کہا: کیا اگر میں اس سے زیادہ صحیح طریقہ لے کر تمہارے پاس آؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟
انہوں نے جواب دیا، ہم اس چیز کے جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے، منکر ہیں۔ ۲۴)

اللہ تعالیٰ کا وہ رسول جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انذار کرنے کیلئے آیا، اس نے اس قوم کو جس نے آباؤ اجداد کی تقلید کو دلیلِ قاطع کے طور پر پیش کیا، کہا: سوال یہ ہے کہ تم اپنے آباؤ اجداد کی تقلید صرف اس لئے کرتے ہو کہ وہ تمہارے آباؤ اجداد تھے، یا اس لئے کرتے ہو کہ انہوں نے تمہاری زندگی کی کامیابیوں کیلئے ہدایت کا جو راستہ تمہارے سامنے پیش کیا ہے اس سے بہتر اور کوئی راستہ نہیں ہوسکتا۔ اگر تو آباؤ اجداد کی تقلید صرف ان کی ذات کی وجہ سے ہے تو پھر تو بات کرنا بیکار ہے، لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہدایت کا جو راستہ انہوں نے کھولا ہے اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں ہوسکتا تو میں تمہیں کہتا ہوں کہ میں ایک ایسے راستے کی ہدایت کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں جو ہدایت کا راستہ ہی نہیں بلکہ سب سے کامیاب راستہ ہے۔ اس کے اہدیٰ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ تو اگر تم ہدایت کے طالب ہو تو پھر تمہیں پیروی میری کرنی چاہئے، باپ دادا کی نہیں۔ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ تم جو دین اور شریعت لے کے آئے ہو اس میں زندگی کے ہر مسئلے کا حل بتایا گیا ہے، اور اس سے بہتر کوئی اور ضابطۂ حیات نہیں ہوسکتا۔ ہمیں تو اس طریقے اور سلسلے ہی سے اختلاف ہے جس کی طرف تم ہمیں دعوت دے رہے ہو۔ ہمیں تو درحقیقت آباؤ اجداد کے نام سے اپنی خواہشات کی پیروی، اپنے مفادات کا تحفظ اور اپنی عقل کی پرستش کرنی ہے۔ اور تم جس دین کی طرف دعوت دے رہے ہو اس کی ہر بات ہمارے مقصود و مطلوب اور ہماری ترجیحات سے متصادم ہے۔ اس لئے ہم اس کی ہر بات کے مخالف ہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٥﴾

(پھر ہم نے ان سے انتقام لیا، تو دیکھ لو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا۔ ۲۵)

یعنی جب قوموں کی ضد، ہٹ دھرمی اور مکابرت اس حد کو پہنچ گئی کہ انہوں نے رسولوں کی ہر بات کو سننے اور سمجھنے سے انکار کر دیا، تو پھر ہم نے ان سے تکذیبِ رُسُل کا انتقام لیا۔ روایات گواہی دے رہی ہیں کہ ایسے لوگ کس بری طرح سے نشانِ عبرت بن کر رہ گئے۔

Marfat.com

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِۦٓ إِنَّنِى بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٢٦﴾ إِلَّا
الَّذِى فَطَرَنِى فَإِنَّهُۥ سَيَهْدِينِ ﴿٢٧﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِى
عَقِبِهِۦ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَءَابَآءَهُمْ حَتّٰى
جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿٢٩﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هٰذَا
سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِۦ كٰفِرُونَ ﴿٣٠﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْءَانُ عَلٰى رَجُلٍ
مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿٣١﴾ أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا
بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا
يَجْمَعُونَ ﴿٣٢﴾ وَلَوْلَآ أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وٰحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن
يَكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّن فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ﴿٣٣﴾
وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوٰبًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔونَ ﴿٣٤﴾ وَزُخْرُفًا ۚ وَإِن كُلُّ
ذٰلِكَ لَمَّا مَتٰعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْءَاخِرَةُ عِندَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٣٥﴾

رکوع: ۳۔ (اور یاد کرو جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا تم جن کی بندگی کرتے ہو میں ان سے یکسر بری ہوں۔ ۲۶) میں صرف اس کی بندگی کرتا ہوں جس نے مجھ کو پیدا کیا ہے اور وہی میری رہنمائی کرے گا۔ ۲۷) اور حضرت ابراہیم نے اس کو ایک پائیدار کلمے کی صورت میں اپنے پیچھے چھوڑا تا کہ بعد کے آنے والے اس کی طرف رجوع کریں۔ ۲۸) بلکہ میں نے انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو متاعِ حیات سے بہرہ ور کیا، یہاں تک کہ ان

Marfat.com

کے پاس حق اور کھول کر بیان کردینے والا رسول آ گیا۔ ۲۹) اور جب حق ان کے پاس آ گیا تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ ۳۰) اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن دونوں شہروں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ ۳۱) کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں، ان کی معیشت کا سامان تو ہم نے تقسیم کیا ہے اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے فوقیت دے رکھی ہے تا کہ وہ باہم دگر ایک دوسرے سے کام لے سکیں، اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔ ۳۲) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ ایک ہی طریقے پر چل پڑیں گے تو ہم ان لوگوں کیلئے جو اللہ رحمٰن کے منکر ہیں ان کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کی بنا دیتے، اور ان کی سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں۔ ۳۳) اور ہم ان کے گھروں کے دروازوں اور ان کے تختوں کو جن پر وہ تکیہ لگا کے بیٹھتے ہیں چاندی کے بنا دیتے۔ ۳۴) اور سونے کے بھی، یہ سب چیزیں محض حیاتِ دنیا کی متاع ہیں، اور آخرت آپ کے رب کے پاس صرف متقین کیلئے ہے۔ ۳۵)

وَاِذْقَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾

(اور یاد کرو جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا تم جن کی بندگی کرتے ہو میں ان سے یکسر بری ہوں۔ ۲۶) میں صرف اس کی بندگی کرتا ہوں جس نے مجھ کو پیدا کیا ہے اور وہی میری رہنمائی کرے گا۔ ۲۷)

مشرکین کی آبا پرستی پر ملتِ ابراہیم سے تنقید

گزشتہ متعدد آیات میں قریشِ مکہ اور دیگر مشرکین کا بنیادی مرض یہ بتایا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک مانتے اور اس کی بندگی بجالاتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ کبھی اللہ تعالیٰ کی ذات، کبھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں اور کبھی اس کے حقوق میں دوسری قوتوں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ آیات میں قرآنِ کریم نے اس مہمل روش پر نہایت مدلل تقریر کرتے ہوئے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی تو اس لئے ضروری ہے کہ وہ تمہارا خالق و مالک اور پروردگار ہے۔ لیکن جن قوتوں کو تم نے اس کا شریک بنا رکھا ہے آخر ان میں ایسی کیا صفات ہیں جو تمہیں شرک میں مبتلا کرتی ہیں۔ اور اس شرک میں آلودہ ہونے کیلئے تمہارے پاس ایسے کیا دلائل ہیں کہ تم اس سیدھی سی بات کو سمجھنے کیلئے تیار نہیں ہو۔ چنانچہ مشرکین نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ ہمارا یہ رویہ بے سبب نہیں اور نہ ہم اس معاملے میں دلیل سے تہی دامن ہیں۔ ہماری سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد جن میں بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں وہ سب متفقہ طور پر اس روش میں مبتلا تھے۔ اگر ان کی یہ روش غلط ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے انہیں اس جرم سے روک دیتا۔ لیکن اس کی مشیت کا حرکت میں نہ آنا بلکہ مسلسل اس کی تائید کرتے رہنا یہ وہ دلیل ہے جو ہمیں آبا پرستی اور شرک میں مبتلا ہونے کا حوصلہ دیتی ہے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں پروردگار نے ان کی اسی دلیل کا جواب ارشاد فرمایا ہے کہ چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ آبا پرستی واقعی ایک بڑی اہم دلیل ہے اور تم صدیوں سے اپنے آباؤ اجداد کو شرک میں مبتلا دیکھ رہے ہو۔ تو تمہارے لئے یہ بات اطمینان دلانے کیلئے کافی ہے کہ اگر اس روش میں کچھ بھی غلطی کا امکان ہوتا تو اللہ تعالیٰ یقیناً

Marfat.com

ہمیں اس سے روک دیتا۔سوال یہ ہے کہ آبا پرستی تمہارے نزدیک ایک بہت بڑی حجت سہی لیکن کیا اس سے پہلے یہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جن آبا کی ہم تقلید کر رہے ہیں کیا وہ واقعی حق پرست تھے اور انہوں نے اپنا جو مذہب بنا رکھا تھا کیا اس کی صداقت وحقانیت کیلئے ان کے پاس واقعی دلائل تھے۔کیونکہ کسی شخص کا حق کی قوت کے بغیر حق وباطل کی کشمکش میں کوئی وزن نہیں ہوتا۔جو شخص اپنے ساتھ حق کی حقانیت اور صداقت رکھتا ہے وہ فی الواقع ایک بڑی شخصیت ہے۔لیکن جو شخص اس سے تہی دامن ہے محض اس کا پہلی کسی صدی میں پیدا ہو جانا اور مر جانا کوئی دلیل نہیں رکھتا۔اور دوسری یہ بات کہ تم نے جب اسلاف پرستی کو اپنا دین بنایا تو تم یہ بات نظر انداز کر گئے کہ تمہارے حقیقی سلف صالح تو تمہارے وہ جدِ امجد ہیں جن کی تم اولاد ہو،اور جنہوں نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کا گھر بنایا اور جنہوں نے تمہیں اس بے آب وگیاہ وادی میں اللہ تعالیٰ سے شہر کی سہولتیں مانگ کر دیں۔اور جن کے صاحبزادے کی پاؤں کی رگڑ سے اللہ تعالیٰ نے چاہِ زم زم رواں فرمایا۔اگر اسے ان کی والدہ منڈھیر باندھ کر محدود نہ کر دیتیں تو آنحضرت ﷺ کے بقول وہ بہتا ہوا دریا بن جاتا۔یہ دونوں باپ بیٹا یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام تمہارے جدِ امجد ہیں تو کیا ان لوگوں نے کبھی شرک کی کسی صورت کو قبول کیا یا ان کی اصل تاریخ یہ ہے کہ وہ اپنی گھر اور شہر سے صرف اس لئے نکالے گئے کہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے مشرکانہ رویہ سے براءت کا اظہار فرمایا۔آیتِ کریمہ میں براءت کا لفظ مصدر ہے لیکن یہ بَـرِیٌ کے معنی میں اسمِ صفت کے طور پر آیا ہے۔اور جب مصدر اسمِ صفت کے معنی میں آئے تو اس کے اندر مبالغہ کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ کے والد اور آپ کی قوم نے آپ کو اصنام پرستی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی اور بار بار آپ کو اس کی طرف توجہ دلائی تو آپ نے نہایت قوت کے ساتھ اس سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔اور صرف بتوں تک اس بات کو نہیں رہنے دیا بلکہ یہ فرمایا کہ تم جن جن کی بھی بندگی کرتے ہو اور جن قوتوں کی بھی تمہارے یہاں پرستش کی جاتی ہے وہ چاہے بڑی شخصیتوں کے مجسمے ہوں یا فرشتوں کی خیالی تصویریں بنا کر انہیں دیویاں قرار دیا گیا ہو یا اجرامِ فلکی کی پوجا کی جارہی ہو اور یا تم نے مختلف دیوتا بنا کر ان کی پرستش کو رواج دے رکھا ہو، میں ایسی ہر پرستش اور ہر بندگی سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔پھر اس کے بعد دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ مخلوق کا سر مخلوق کے سامنے نہیں جھک سکتا۔کیونکہ مخلوق چاہے کوئی بھی ہو، وہ وجود اور زندگی کی بقاء میں اپنے خالق کی محتاج ہے۔تم نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن جن کو بھی اپنا اِلٰہ بنا رکھا ہے ظاہر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔اور میں بھی اس کی مخلوق ہوں۔یہ کیسے ممکن ہے کہ مخلوق، مخلوق کی بندگی کرے۔میں تو اس کی پوجا کروں گا اور اس کے سامنے دستِ سوال پھیلاؤں گا جو میرا خالق ہے، جس نے مجھے وجود بخشا اور جس نے میری جسمانی ضرورتوں کی کفالت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔اسی طرح میں اس کی پرستش اور بندگی کروں گا جس نے میری معنوی اور روحانی زندگی کی کفالت کا ذمہ اٹھا رکھا ہے۔یعنی وہ مجھے کھانے اور پینے کیلئے بھی دیتا ہے، پہننے کیلئے بھی دیتا ہے زندگی کی ہمہ ہمی میں شریک ہونے کیلئے مجھے اس نے حواس اور جوہر عقل عطا کر رکھے ہیں۔اسی طرح اس نے یہ بات بھی اپنے ذمہ لے رکھی ہے کہ زندگی گزارنے کا طریقہ بھی میں تمہیں عطا کروں گا۔عام انسانی زندگی میں تمہارے لئے عقل کافی رہنما ثابت ہوگی۔لیکن تحلیل وتحریم جائز وناجائز اور حُسن وقبح کے اصول میں عطا کروں گا۔اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے ذرائع اور زندگی کے مقاصد ان میں سے ہر عقدے کو میں کھولوں گا اور اس کی طرف رہنمائی بھی کروں گا۔کیونکہ قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا گیا اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى "بے شک ہمارے ذمہ ہے ہدایت دینا، بے شک ہمارے ہی لئے ہے آخرت بھی اور دنیا بھی۔"

Marfat.com

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾

(اور حضرت ابراہیم نے اس کو ایک پائیداد کلمے کی صورت میں اپنے پیچھے چھوڑا تا کہ بعد کے آنے والے اس کی طرف رجوع کریں۔ ۲۸)

حضرت ابراہیمؑ کا اعلانِ براءت بعد والوں کیلئے نمونہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس طرح اپنے والداور اپنی قوم کے سامنے ہر طرح کے شرک سے اظہارِ براءت کرتے ہوئے اپنا گھر بھی چھوڑا اور اپنا شہر بھی۔ یعنی آپ نے ان کے مشرکانہ رویہ سے براءت کا اعلان بھی کیا اور اس کی قیمت ادا کرتے ہوئے اس شہر سے ہجرت بھی کی۔ اور پھر اسے اپنے اخلاف میں ایک پائیداد کلمہ اور ایک مستقل روایت کی شکل میں اپنی تبلیغ ودعوت اور اپنی تربیت سے مسلسل اس کو استحکام بخشا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی جس طرح اس پائیدار کلمہ کی تصویر ہے اس کو تعبیر دیتے ہوئے قرآنِ کریم نے کہا: اِذْقَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ''اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے حضرت ابراہیم سے کہا، اپنا آپ ہمارے سپرد کردو، انہوں نے جواب دیا کہ میں نے سب کچھ رب العالمین کے سپرد کردیا''۔ یعنی ان کی پوری زندگی میں کسی مشرکانہ بات کی پرچھائیں تک موجود نہیں۔ اسی طرح اس کے بعد قرآنِ کریم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسی بات کی وصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی بات پر اپنے بیٹوں کے سامنے زور دیا، بلکہ بیٹوں کا امتحان لیتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ میرے بیٹو! تم میرے بعد کس کی بندگی کرو گے؟ اب اگر ان میں شخصیت پرستی اور انبیائے کرام کی پرستش کا کچھ بھی اثر ہوتا تو یقیناً وہ یہ بات کہتے کہ ہم آپ کی پوجا کریں گے، آپ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے۔ لیکن انہوں نے بغیر کسی تردد کے جواب دیا کہ ہم آپ کے اِلٰہ کی پوجا کریں گے۔ اور اس اِلٰہ کی پوجا کریں گے جو آپ کے آباؤ اجداد کا معبود تھا۔ اور وہ ایک ہی معبود ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوجا اور جس کی پرستش حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے کی وہ سب اسی کے مسلم تھے، ہم بھی اسی کے مسلم رہیں گے۔ یعنی اپنی زندگیاں اس کے سپرد کردیں گے۔

آیت کے آخر میں فرمایا: لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ تا کہ لوگ اختلافات کے وقت اسی کلمۂ باقیہ کی طرف رجوع کریں۔ یعنی زندگی کے ان معاملات میں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے دین اور وحی سے ہے اس میں اپنی عقل، اپنے حواس، اپنا تجربہ، خواہشاتِ نفس، انفرادی اور اجتماعی مفادات، اسلامی شریعت اور وضعی قوانین میں ترجیح کے وقت اور یا اسلامی احکام میں قابلِ عمل اور قابلِ ترجیح قرار دیتے وقت ہمیشہ اس کلمۂ باقیہ کی طرف پلٹیں۔ یعنی وہ اس بات پر استقامت کی تصویر بن جائیں کہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے سامنے کسی اور تعلیم یا کسی اور کے اقوال کی کوئی اہمیت نہیں۔ اور نصوص کی تعبیر میں ترجیح کے قابل وہ نقطۂ نگاہ ہوگا جسے اجماع کی تائید حاصل ہو۔ اور اجتہادی مسائل میں ان لوگوں کی بات سنی جائے گی جنہوں نے زندگی بھر اسلامی شریعت کو پڑھا، اس پر عمل کیا، اسے اپنی فکر بنایا اور اپنی ہر چھوٹی بڑی وابستگی کو اس پر قربان کردیا۔ یہی وہ چیز ہے جسے قرآنِ کریم نے بڑے واضح انداز میں فرمایا کہ اگر کسی بھی چیز میں تم میں اختلاف ہوجائے اور چیز سے ظاہر ہے کہ امورِ دین مراد ہیں تو تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔ یعنی قرآنِ کریم کو دیکھو اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات اور آپ کی سنت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

Marfat.com

بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾

(بلکہ میں نے انہیں اوران کے آباؤاجداد کو متاعِ حیات سے بہرہ ور کیا، یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور کھول کر بیان کردینے والا رسول آ گیا۔ ۲۹)

مخالفت کی اصل علت

گزشتہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکینِ عرب کے پاس اپنے برسرِ حق ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ وہ اپنے آباؤاجداد کے دین پر قائم ہیں۔ اوران کے آباؤاجداد اگر برسرِ حق نہ ہوتے تو یقیناً پروردگار صدیوں تک انہیں ان کے طریقے پر باقی نہ رہنے دیتا۔ قرآنِ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے ان کے اس ادعا کا بھرم یہ کہہ کر کھول دیا کہ اگر ان کے نزدیک آبا کی تقلید ہی سب سے بڑی دلیل ہے تو ان کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ انہیں سے ان کو وجود ملا اور انہیں کی ملت پر قائم رہنے کا انہیں دعویٰ ہے۔ تو وہ تو مشرک نہیں تھے، بلکہ انہوں نے شرک کی ہر جڑ کو اکھاڑ دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی اصل بیماری اور ہے، اسے اس آیتِ کریمہ میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ بیماری یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت سے انہیں ہٹانے والی چیز وہ ان کی آبا پرستی نہیں بلکہ ان کے آباؤاجداد کی وہ گمراہیاں ہیں جسے حُبِ دنیا نے ان کے اندر پیدا کیا ہے۔ یہ لوگ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے اور روش سے ہٹے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ نہیں کیا بلکہ انہیں متاعِ حیات کی فراوانی کی آزمائش میں ڈال دیا۔ جب اس صورتحال پر ایک مدت گزر گئی تو حُبِ دنیا نے ان کے اندر اپنے پنجے گاڑ دیئے اور آہستہ آہستہ ان کے دل سخت ہوتے گئے۔ قساوت ان کے دلوں کے اندر اترتی چلی گئی۔ ان کی حالت اس حد تک بگڑی کہ جب ان کے پاس حق آیا اور وہ رسول تشریف لائے جنہوں نے ہر بات کو کھول کر بیان کردیا۔ ان کی کوتاہیاں بھی ان کے سامنے رکھیں اور صراطِ مستقیم کی ایک ایک بات کو ان کے سامنے واضح کردیا۔ تو انہوں نے محسوس کیا کہ یہ ہدایت جو اس وقت رسول ہمارے پاس لے کر آیا ہے اسے قبول کرلینے سے تو ہمارے دنیوی مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے۔ اب وہ شدید مخمصے میں پڑ گئے کہ قبول کرتے ہیں تو دنیوی وجاہت سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں اور انکار کرتے ہیں تو قرآنِ کریم کے دلائل کا جواب بن نہیں پڑتا، تو آخر کیا کریں۔

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

(اور جب حق ان کے پاس آ گیا تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ ۳۰)

عوام کو ایک بہلاوا

جب قرآن کی صورت میں ان کے پاس حق آ گیا اور حق کی روشنی نے ماحول کو روشن کرنا شروع کردیا اور وہ لوگ جنہیں مفاد پرستی یا سیادت کے نشے نے اندھا نہیں کیا تھا انہوں نے قرآنِ پاک سے متاثر ہونا شروع کردیا، تو اشرافِ قریش نے اس صورتحال کو خطرہ محسوس کرتے ہوئے سوچنا شروع کیا کہ قرآن کی دعوت اور نبی کریم ﷺ کی شخصیت کے اثر کو کس طرح بے اثر کیا جائے۔ وہ اگر نبی کریم ﷺ کی شخصیت کے حوالے سے کوئی خوردہ گیری یا عیب جوئی کرتے ہیں تو لوگ ان کی بات ماننے سے انکار کردیں گے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی چالیس سالہ زندگی

Marfat.com

ان کے سامنے ہے۔ مکے کا ایک ایک باشندہ آپ کے سیرت وکردار کی بلندی، آپ کی معاملہ فہمی، آپ کی راست بازی اور دیانتداری کا گواہ ہے اور اگر وہ قرآنِ کریم کو ایک لغو اور بے معنی کتاب قرار دیتے ہیں تو لوگ اسے بھی کبھی قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں گے، کیونکہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ قرآنِ کریم کا معجزانہ اسلوب، اس کی بے مثال فصاحت و بلاغت، اس کا محیر العقول نظامِ زندگی، اور اس کی کہی ہوئی ہر بات کی صحت اور سچائی ایسی چیزیں ہیں جس کی مثال لانا ناممکن ہے۔ اور یہی وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے ہر سننے والا اس کی تاثیر سے بچ کے نہیں جا سکتا۔ چنانچہ ان لوگوں نے نہایت عیاری کے ساتھ اسی کو دلیل بناتے ہوئے کہا کہ قرآنِ کریم کی غیر معمولی تاثیر اور اس کا معجزانہ اسلوب درحقیقت اس کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ محض الفاظ کی جادوگری ہے۔ اس کا پیش کرنے والا ہمارے شاعروں اور خطیبوں کی طرح اس پر غیر معمولی قدرت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب اس سحر پر ایمان لانے سے تو رہے اور ایسے سحرزدہ آدمی کا اتباع بھی کوئی عقل کی بات نہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾

(اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن دونوں شہروں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ ۳۱)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

یہ ایک اعتراض ہے جو اہلِ مکہ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی نبوت پر کیا جاتا تھا اور اسی کے ذریعے آپ کی نبوت سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ شروع شروع میں انہیں یہ اعتراض رہا کہ بشر رسول کیسے ہو سکتا ہے، رسالت بہت بڑا مقام ہے اور بشر ایک فروتر مقام کی حامل مخلوق ہے۔ اس لئے بشریت اور رسالت میں کوئی مناسبت نہیں۔ لیکن جب قرآنِ کریم نے مسلسل دلائل سے ان کی اس بات کو پوری طرح غلط ثابت کر دیا تو تب اپنے دعوے سے پیچھے ہٹتے ہوئے انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ چلئے بشر رسول ہی سہی لیکن یہ تو کسی طرح مناسب نہیں کہ طبقۂ امراء کے کسی ذمہ دار آدمی کو یہ منصب سونپنے کی بجائے ایک غریب آدمی کے سر پر یہ تاج سجا دیا جائے۔ ہمارے دو بڑے شہر ہیں مکہ معظمہ اور طائف۔ عرصہ دراز سے ہمارے اشراف و سادات کا یہی مسکن ہے۔ اگر کسی بشر کو نبوت ملنا ہی تھی ان دونوں شہروں کے کسی بڑے آدمی کو نبوت دے دی جاتی تاکہ نبوت اور رسالت کا اعزاز بھی باقی رہتا اور لوگ اس پیغام کو بھی عزت و احترام سے سنتے۔ اب ایک ایسے شخص کو بقول اس کے یہ منصب دیا گیا ہے جو یتیم پیدا ہوا اور جس کے باپ نے ایک لونڈی اور ایک اونٹنی کے سوا کوئی میراث نہیں چھوڑی۔ بچپن اور لڑکپن بکریاں چراتے گزرا، اب گزر اوقات کیلئے بیوی کے مال سے تجارت کر رہا ہے۔ نہ کسی قبیلے کا شیخ ہے اور نہ کسی خانوادے کا سربراہ۔ تو ایسا شخص نبوت کا اہل کیسے ہو سکتا ہے۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

Marfat.com

(کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں، ان کی معیشت کا سامان تو ہم نے تقسیم کیا ہے اوران میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے فوقیت دے رکھی ہے تاکہ وہ باہم دگر ایک دوسرے سے کام لے سکیں، اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔ ۳۲)

معترضین کو جواب

اس آیت کی تفسیر میں صاحبِ تدبرِ قرآن نے جو کچھ لکھا ہے وہ حقیقتِ حال کی وضاحت کیلئے کافی ہے، ہم اسے یہاں نقل کر رہے ہیں۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ ان فراعنہ کی رعونت کا جواب ہے کہ ان کی یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا اجارہ دار وہ اپنے آپ کو سمجھتے ہیں انہی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جس نعمت سے جس کو چاہیں نوازیں اور جس کو چاہیں محروم رکھیں۔ حالانکہ اس دنیا میں بھی ان کو جو وسائلِ معیشت حاصل ہوئے ہیں، خدا ہی کی تقسیم سے حاصل ہوئے ہیں۔ انہوں نے خود نہیں حاصل کئے ہیں۔ اگر یہ خود حاصل کرنے والے ہوتے تو ان اغنیاء کے درمیان درجات و مراتب کا تفاوت کیوں ہوتا اپنے اختیار میں معاملہ ہوتے ہوئے کوئی خود اس بات پر کیوں راضی ہوتا کہ وہ کسی پہلو سے دوسرے سے فروتر ہو کر رہے۔ اپنی خواہش کیخلاف یہ فرقِ مراتب اس بات کی نہایت واضح دلیل ہے کہ تقسیم کا معاملہ ان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ کسی اور ہی کے ہاتھ میں ہے جو اپنی صواب دید اور حکمت کے مطابق جس کو چاہتا ہے زیادہ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے۔

لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ اِتَّخَذَ فُلَانٌ فُلَانًا سُخْرِيًّا کے معنی ہیں فلاں نے فلاں کو اپنے کام یا اپنی خدمت میں لگایا۔

تفاوت و درجات کی حکمتیں

یہ حکمت بیان فرمائی ہے اس بات کی کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ذہنی اور مادی دونوں ہی اعتبار سے درجات و مراتب کا تفاوت کیوں رکھا ہے؟ فرمایا کہ ایسا اس نے اس وجہ سے کیا ہے کہ لوگ باہم دگر تعاون کی زندگی بسر کریں اور ایک دوسرے کو اپنے کام میں لگا سکیں۔

یہ امر یہاں واضح رہے کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے آزمائش کیلئے بنائی ہے اس وجہ سے اس کا نظام اس نے اس طرح کا رکھا ہے کہ اس میں ہر شخص دوسرے کا محتاج بھی ہے اور محتاج الیہ بھی۔ بڑے سے بڑا بادشاہ بھی دوسروں کا محتاج ہے اور چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی اس میں محتاج الیہ ہے۔ یہاں کوئی شخص بھی دوسروں سے مستغنی نہیں اور کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ معاملات میں کسی نہ کسی پہلو سے اس کی افادیت نہ ہو۔ غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ خالقِ کائنات نے ہر شخص کو ایک ہی درجے کی صلاحیت، ایک ہی طرح کے ذوق، ایک ہی مرتبہ کی ذہانت اور ایک ہی حیثیت کے وسائل و ذرائع کے ساتھ نہیں پیدا کیا بلکہ ان اعتبارات سے لوگوں کے درمیان بڑا تفاوت رکھا ہے۔ یہ تفاوت معاشرہ کی تشکیل اس طرح

Marfat.com

کرتا ہے کہ اس میں ایک طرف متبحر عالم، نامور مصنف، یکتائے روزگار محقق، شہرۂ آفاق مدبر اور طاقتور حکمران بھی پیدا ہوتے ہیں، دوسری طرف کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرنے والے مزدور، گٹھڑیاں ڈھونے والے قلی، حاضر خدمت رہنے والے خادم، گلیاں اور نالیاں صاف کرنے والے مہتر بھی اس میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سارے طبقات معاشرہ کی تشکیل کیلئے ضروری بلکہ ناگزیر ہیں۔ ان سب کی خدمت کی نوعیت الگ الگ ہے مگر ان میں سے کوئی عنصر بھی نہ حقیر ہے اور نہ ان میں سے کسی کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے بلکہ معاشرہ کی مشین جاری رکھنے کیلئے اس مشین کے چھوٹے سے چھوٹے پرزے کی دیکھ بھال بھی، اس کی افادیت کی نسبت سے ضروری ہے۔

دنیا کو درجات و مراتب کے اس فرق کے ساتھ پیدا کر کے اللہ تعالیٰ امتحان کر رہا ہے کہ جو لوگ اعلیٰ صلاحیتوں اور بہتر وسائل کے امین بنائے گئے ہیں وہ اپنے وسائل اور اپنی صلاحیتیں کس طرح استعمال کر رہے ہیں؟ ان کو پا کر وہ غرور، خودسری، تغلب اور خالقِ کائنات کی نافرمانی میں مبتلا ہو گئے ہیں یا اس کے شکر گزار و فرمانبردار اور اس کی خلق کے غمگسار ہیں؟ اسی طرح وہ ان لوگوں کو بھی دیکھ رہا ہے جو فروتر اور کمتر وسائل کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں کہ وہ اپنے اپنے دائرۂ کار میں اپنے فرائض کو پہچاننے والے اور اپنے خالق سے ڈرنے والے، اپنی خودی اور خودداری کی حفاظت کرنے والے ہیں یا اپنے فرائض چھوڑ کر اس خبط میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ انہیں ان لوگوں کو نیچا دکھانا چاہئے جو ان کے حاکم اور افسر بنے ہوئے ہیں۔

اگر ان میں سے پہلی صورت وجود میں آتی ہے تو اعلیٰ اور ادنیٰ کے صالح تعاون سے صالح معاشرہ اور صالح تمدن وجود میں آتا ہے اور اس کے تمام اجزاء بلا امتیاز اعلیٰ و ادنیٰ اس دنیا میں بھی عزت پاتے ہیں اور آخرت میں بھی ہر ایک اپنی اپنی خدمات اور اپنے حسنِ نیت کے مطابق صلہ پائے گا۔ اگر دوسری شکل ہوتی ہے تو معاشرہ کا نظام بالتدریج مائل بہ فساد ہونا شروع ہوتا ہے اور بالآخر فنا ہو جاتا ہے اور آخرت میں بھی اس کے تمام بڑے اور چھوٹے عناصر اپنی اپنی شرارت یا غفلت کے مطابق خدا کے عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔

اس زمانہ میں جو لوگ اس خبط میں مبتلا ہیں کہ وہ دنیا سے طبقات کے وجود کو مٹا کے رہیں گے وہ اس ارادے میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک وہ لوگوں کو ذہنی، مزاجی، طبعی اور عملی صلاحیتوں کے اعتبار سے مساوی درجہ کا بنانے میں کامیاب نہ ہو جائیں اور یہ چیز محال ہے۔ جن قوموں نے اس خبط میں مبتلا ہو کر خون کے دریا بہا دیئے ان کا حال بھی یہ ہے کہ وہاں بڑے سے بڑے فراعنہ بھی موجود ہیں اور ان فراعنہ کے بوٹوں پر پالش کرنے والے اور گلیوں میں جھاڑو دینے والے بھی موجود ہیں۔ اور اگر وہ اس محال کو ممکن بنانے میں کامیاب ہو گئے یعنی انہوں نے پوری قوم کو صلاحیتوں اور ذہنی و مادی قوتوں کے اعتبار سے ایک درجہ پر کر دیا تو اسی دن باہمی تعاون کی بنیاد ختم ہو جائے گی اور قوم میں انارکی پھیل جائے گی۔ جب ہر شخص لینن اور سٹالن بننے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لے گا تو آخر وہ لینن یا ماؤ کی کار چلانے والا ڈرائیور یا ان کے جوتوں پر پالش کرنے والا خدمت گار بننے پر کیوں قانع ہوگا؟ پھر تو ہر شخص خداوند ہی بننے کی کوشش کرے گا اور اتنے خداؤں کی کشمکش میں اس دنیا کا جو حشر ہوگا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے!!

Marfat.com

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ
فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾
وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

(اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ ایک ہی طریقے پر چل پڑیں گے تو ہم ان لوگوں کیلئے جو اللہ رحمٰن کے منکر ہیں ان کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کی بنا دیتے، اوران کی سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں۔ ۳۳) اور ہم ان کے گھروں کے دروازوں اوران کے تختوں کو جن پر وہ تکیہ لگا کے بیٹھتے ہیں چاندی کے بنا دیتے۔ ۳۴) اور سونے کے بھی، یہ سب چیزیں محض حیاتِ دنیا کی متاع ہیں، اور آخرت آپ کے رب کے پاس صرف متقین کیلئے ہے۔ ۳۵)

متاعِ دنیا کی بے حقیقتی اور قریش کا اصل مرض

گزشتہ سے پیوستہ آیت میں ہم قریشِ مکہ کا یہ اعتراض پڑھ چکے ہیں کہ نبوت اور رسالت تو ایک بڑا منصب ہونے کی وجہ سے اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اسے کسی بڑے ذی وجاہت اور دولت مند شخص کو عطا کیا جائے نہ کہ ایک ایسے آدمی کو جو اپنے پاس دنیوی مال وجاہ میں سے کچھ بھی نہیں رکھتا۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسے آدمی کی رہنمائی اور سیادت کو کون تسلیم کر سکتا ہے۔ وہاں ایک خاص پہلو سے اس بات کا جواب دیا گیا ہے۔ پیشِ نظر آیت میں ایک اور زاویہ نگاہ سے ان کی رائے کی غلطی کو نمایاں فرمایا گیا ہے۔ اس سے نہ صرف ان کے اعتراض کا جواب مکمل ہو گیا ہے بلکہ ان کی ذہنی سطح پر تنقید کر کے ان کی خست کو بھی واضح فرما دیا گیا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ تمہاری اصل خرابی یہ ہے کہ تم انسانیت، انسانی اقدار اور انسان کے ذہنی معنوی اور روحانی کمالات کو کوئی اہمیت دینے کیلئے تیار نہیں ہو۔ بلکہ تم سونا اور چاندی جو دنیوی دولت کی اصل اور عظمت و شوکت کا ایک ذریعہ ہے اسے سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہو۔ چنانچہ جس جگہ تمہیں اس کی بہتات نظر آتی ہے تم اس کے سامنے جھک جاتے ہو۔ اور جہاں تمہیں اس کی ریل پیل دکھائی نہیں دیتی لیکن اس کے مقابلے میں اقدارِ حیات کی فراوانی ہے۔ انسانی معاملات پر محنت اور ریاضت اور دیانت و امانت کی حکمرانی ہے۔ مقاصد حیات کی تابندگی ہر سو چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے وہاں بہیمیت اور نفسانی عوارض سرنگوں ہو کر انسانی کمالات کا زینہ بن چکے ہیں۔ تو تم ایسے لوگوں یا ایسے معاشرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہو۔ یہی اصل مرض ہے جس کی وجہ سے زمین فساد سے بھر گئی ہے اور انسان روز بروز اپنی محرومیوں کے حوالے ہوتا جا رہا ہے۔ اسی مرض کی وجہ سے تمہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نبوت اور رسالت کیلئے اصل وہ کون سی خوبیاں اور کون سے کمالات ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے فرومایہ کوئی چیز اگر ہے تو یہ سیم و زر کی فراوانی ہے۔ اس کی نگاہ میں یہ ایسی بے قیمت چیز ہے کہ اگر اس بات کا خطرہ نہ ہوتا کہ سیم و زر کو عام کر دینے سے لوگ اسی کے ہو کر رہ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس بے قیمت چیز سے ان لوگوں کے گھر بھر دیتا جو اللہ تعالیٰ کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں پروردگار نے بدترینِ خلائق فرمایا ہے۔ اور سیم و زر جیسی بے قدر و قیمت چیز حقیقت میں اسی قابل تھی کہ نہ صرف اس سے ان کی تجوریاں بھر دی جاتیں بلکہ ان کے گھروں کی چھتیں، ان کے زینے اور ان کے گھروں کے دروازے اور ان کے بیٹھنے والے تخت سونے چاندی

Marfat.com

کے بنا دیئے جاتے۔ ایسا صرف اس لئے نہیں کیا گیا کہ جب کفار کا یہ حال ہوتا تو ہر سطحی نظر رکھنے والا شخص سیم و زر کی محبت میں وہی رویہ اختیار کرتا جو کفار اختیار کر چکے تھے، کیونکہ اس کا مقصودِ نظر بھی سونا چاندی اور سیم و زر ہوتا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر پوری دنیا کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو کبھی پانی کا ایک گھونٹ نہ دیتا۔ گندگی کے ایک ڈھیر پر بکری کے ایک مردہ بچے کو پڑا ہوا دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھ چلنے والے صحابہ سے فرمایا کہ تم میں کون ہے جو اسے خریدنا پسند کرے گا۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ اسے خرید کر کوئی کیا کرے گا، ہم تو آپ کی وجہ سے یہاں رک گئے ورنہ اس کے پاس تو رکنا بھی کسی کو گوارا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس بچھڑے کی بھی کوئی نہ کوئی قیمت ہوگی، لیکن پوری دنیا کی اللہ تعالیٰ کی نظر میں اتنی قیمت بھی نہیں۔

دولتِ دنیا کی اس حقیقت کے باوجود چونکہ انسانوں کی سطح بین نگاہوں میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس لئے پروردگار نے کفار کو بھی اس میں سے حصہ دیا ہے، اور اہلِ ایمان کو بھی۔ اور دونوں کیلئے اسے آزمائش بنا دیا۔ البتہ آخرت میں کافروں کا کوئی حصہ نہیں۔ مختصر یہ کہ کاش انسان اس بات کو سمجھ لے کہ اہلِ دنیا جن چیزوں پر ریجھے ہوئے ہیں وہ حیاتِ چندروزہ کی متاع ہیں۔ اصل نعمتیں جن کو کبھی فنا نہیں وہ تو آخرت میں ملیں گی، تب اندازہ ہوگا کہ جن چیزوں کی قدر و قیمت کو ہم نے دلوں میں بسا رکھا تھا ان کی حیثیت تو خزف ریزوں کے سوا کچھ نہ تھی۔ اصل دولت تو ایمان و عمل اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی وہ اقدارِ حیات، وہ پاکیزگیٔ نفس اور طہارتِ روح ہے، جن کے انعام کے طور پر جنت کی وہ نعمتیں میسر آئیں گی جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزرا۔

زخرف کے معنی زینت کے بھی آتے ہیں اور سونے کے بھی، جو زینت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ آیت میں جس طرح یہ لفظ واقع ہوا ہے اس کا عطف مِنْ فِضَّةٍ کے محل پر بھی کیا جا سکتا ہے اور فعل محذوف بھی مانا جا سکتا ہے۔ اسی طرح آیت میں لَمَّا کو بعض اہلِ علم نے اِلَّا کے معنی میں لیا ہے۔ لیکن بعض دیگر اہلِ علم کا خیال یہ ہے کہ آیت میں لَمَّا لام کی جگہ پر ہے۔ اس صورت میں مَا زائدہ ہوگا۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿٣٦﴾
وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٧﴾
حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ
الْقَرِيْنُ ﴿٣٨﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ
مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ
فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٠﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿٤١﴾ اَوْ
نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿٤٢﴾ فَاسْتَمْسِكْ

Marfat.com

بِالَّذِیٓ اُوْحِیَ اِلَیْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

رکوع: ۴۔ (اور جو شخص رحمٰن کے ذکر سے اعراض کرتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، اور وہ اس کا رفیق بن جاتا ہے۔ ۳۶) اور بے شک وہ شیاطین ان لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ اپنی جگہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر چل رہے ہیں۔ ۳۷) یہاں تک کہ جب یہ شخص ہمارے پاس آئے گا تو اپنے شیطان سے کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق کے دونوں کناروں کی دوری ہوتی، پس وہ کیا ہی برا ساتھی ہوگا۔ ۳۸) اور جبکہ تم اپنے اوپر ظلم کر چکے ہو تو آج تمہیں یہ بات ہرگز نفع نہ دے گی کہ تم عذاب میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہو۔ ۳۹) اب کیا اے نبی آپ بہروں کو سنائیں گے یا اندھوں کو راہ دکھائیں گے اور ان کو جو کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۴۰) پس یا تو ہم آپ کو لے جائیں گے، پھر ہم ان سے انتقام لیں گے۔ ۴۱) یا ہم آپ کو دکھا دیں گے وہ چیز جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، ہم ان پر پوری طرح قادر ہیں۔ ۴۲) پس اس کو مضبوطی سے تھامے رہو جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو۔ ۴۳) اور بے شک یہ ذکر ہے آپ کیلئے اور آپ کی قوم کیلئے اور عنقریب آپ سب سے پرسش کی جائے گی۔ ۴۴) اور پوچھئے ان سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا اپنے رسولوں میں سے، کیا ہم نے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود بھی مقرر کئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔ ۴۵)

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ ﴿۳۶﴾

(اور جو شخص رحمٰن کے ذکر سے اعراض کرتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، اور وہ اس کا رفیق بن جاتا ہے۔ ۳۶)

قریش کے انکار کا اصل سبب

قریشِ مکہ کے مختلف اعتراضات کا جواب دینے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قریش کی طرف سے یہ سارے شبہات اعتراضات محض بہانے ہیں جن کو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کو قبول نہ کرنے کا سبب بنا رکھا ہے۔ درحقیقت یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قانون کی زد میں آئے ہوئے ہیں، اس لئے قبولیتِ حق سے محرومی ان کا مقدر بن چکی ہے۔ وہ ان بہانوں کا سہارا لیں یا نہ لیں ہدایت قبول کرنا ان کے بس میں نہیں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کے دین، اس کے رسول اور اس کی نازل کردہ کتاب سے منہ پھیر کر اپنی خواہشاتِ نفس کا پرستار بننے کا فیصلہ کر لیتا ہے، اور انہیں اپنی زندگی کے مقاصد میں تبدیل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ ایسا شخص دیر تک مہلت نہیں دیا جاتا، بلکہ ایک شیطان کو اس پر مسلط کر دیا جاتا ہے تاکہ اگر کبھی اس کے دل میں نیکی کا خیال پیدا بھی ہو اور نصیحت سن کر اس کی طرف میلان پیدا ہو تو یہ شیطان اس خیال سے اسے روک دے۔ اور حتی الامکان ہر معاملے میں بظاہر اس کی ہاں میں ہاں ملائے، لیکن حقیقت میں اسے ان راہوں پر چلنے کیلئے آمادہ رکھے جو راہیں ہدایت کی طرف نہیں بلکہ ضلالت کی طرف جاتی ہیں۔ اور اس کیلئے دوستی کے طریقے کو اختیار کرے کیونکہ انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ نقد و نظر سے ابا کرتا ہے لیکن دوستی کے انداز میں کہی ہوئی بات کو بجا طور پر وزن دیتا ہے۔ کیونکہ اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ میرا دوست کبھی مجھے ایسی بات نہیں کہے گا جو مجھے نقصان پہنچانے والی ہو۔ وہ دوستی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہوا ہمیشہ میرے فائدے کی بات کرے گا۔ اس کا اگر مشورہ یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے رسول کی بات پر کان نہیں دھرنا چاہئے تو یہی بات قرینِ صواب ہوگی اور مجھے اس پر عمل کرنا چاہئے۔

وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٧﴾

(اور بے شک وہ شیاطین ان لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ اپنی جگہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر چل رہے ہیں۔ ۳۷)

گزشتہ مضمون کی وضاحت

اس آیتِ کریمہ میں دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں، ایک تو یہ بات کہ گزشتہ آیت کا آغاز مَنْ سے ہوا تھا جو واحد اور جمع دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے، اور شیطان کا لفظ بھی مفرد استعمال ہوا ہے جبکہ شیاطین دو طرح کے ہیں، شیاطینِ جن اور شیاطینِ اِنس۔ اور انسان کی گمراہی میں دونوں ہی اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں جمع کی ضمیریں لا کر یہ بات کھول دی گئی ہے کہ مَنْ سے مراد واحد نہیں بلکہ جمع ہے۔ اور شیطان سے مراد دونوں طرح کے شیاطین ہیں۔ مراد یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں بیان کردہ حقیقت کا مصداق کوئی خال خال انسان نہیں بنتا بلکہ جب کفر و شرک کی بیماری اور انکار اور تکذیب کی خصلت وبا کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو پھر گروہوں کے گروہ اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ شیاطین قافلہ در قافلہ انسانی جماعتوں کی گمراہی کیلئے مسلط کئے جاتے ہیں اور وہ وسیع دائرے میں انسانوں کی گمراہی کیلئے اپنی مساعی بروئے کار لاتے ہیں۔ لیکن طریقہ ان کا حملہ آور کی صورت میں نہیں ہوتا بلکہ اس طرح ہوتا ہے جیسے دوست، دوست کے دل میں اترتا جاتا ہے۔ اور وہ اس قدر پیار کے ساتھ اپنے ہدف کو اپنے ساتھ لے کے چلتے ہیں کہ وہ ہدف یہ سمجھتا رہتا ہے کہ میں جس راستے پر جا رہا ہوں یہ شیطنت کا راستہ نہیں بلکہ ہدایت کا راستہ ہے۔ کوئی شخص جب تک اپنے رویئے کے بارے میں عدمِ اطمینان کا شکار ہوتا ہے اس کے بدلنے کا امکان باقی رہتا ہے۔ لیکن جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ میرا طرزِ عمل ہدایت یافتہ آدمی کا طرزِ عمل ہے تو پھر وہ اس کو بدلنے کیلئے سوچنے کی بھی زحمت نہیں کرتا۔

Marfat.com

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ نَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾

(یہاں تک کہ جب یہ شخص ہمارے پاس آئے گا تو اپنے شیطان سے کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق کے دونوں کناروں کی دوری ہوتی، پس وہ کیا ہی برا ساتھی ہوگا۔ ۳۸)

دنیا کے مصاحبوں کا اصل چہرہ آخرت میں ظاہر ہوگا

گمراہ کرنے والی قوتیں چاہے شیاطینِ جن سے تعلق رکھتی ہوں یا شیاطینِ اِنس سے، جن لوگوں کی گمراہی کے درپے ہوتی ہیں یقیناً ان سے نہایت گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ باہمی دکھ درد میں شریک اور خوشی اور مسرتوں کی ساتھی بن کر رہتی ہیں۔ دیکھنے والے بھی انہیں دو قالب و یک جان دیکھتے ہیں۔ اور اگر کوئی مصلح یا ہمدرد و غمگسار گمراہ ہونے والے شخص کو توجہ دلانے کی کوشش کرے تو وہ پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اس پر بدخواہی کا الزام لگاتا ہے۔ لیکن قیامت کے روز جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچیں گے اور گمراہ ہونے والے کو اندازہ ہوگا کہ میں جسے اپنا ہمراز، دوست اور ہمدرد و غمگسار سمجھتا تھا اس نے تو مجھے ایسا بدراہ کیا کہ میں اپنی عاقبت برباد کر بیٹھا۔ اس نے اپنی خوبصورت چالوں سے مجھے کبھی سوچنے اور سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ اب اسے سامنے پا کر برہمی کی تصویر بن کر بھڑک اٹھے گا کہ کاش زندگی میں، میں نے تیری شکل نہ دیکھی ہوتی، کبھی ہمارے درمیان یکجائی نہ ہوئی ہوتی، کاش ہمارے درمیان مشرقین کی جدائی ہوتی یعنی ہمارے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان ہے اور یا مشرق کے دونوں کناروں کے درمیان ہے کہ ہم ایک دوسرے سے کبھی آگاہ نہ ہوتے۔ تم نے مجھے دوستی کے چنگل میں ایسا پھنسایا کہ میں نفع و ضرر کو بھول گیا اور تیرا اصل چہرہ میں کبھی نہ پہچان سکا۔ پروردگار کی جانب سے ارشاد فرمایا جائے گا کہ یہ بہت برا ساتھی تھا جسے تو نے اپنا دوست سمجھا۔ اور آخر کار اس نے تمہیں تباہی کے کھڈ میں جا گرایا۔

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾

(اور جبکہ تم اپنے اوپر ظلم کر چکے ہو تو آج تمہیں یہ بات ہرگز نفع نہ دے گی کہ تم عذاب میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہو۔ ۳۹)

جیسا کہ گزشتہ آیت سے معلوم ہوا کہ جب گمراہ ہونے والوں کو علم ہوگا کہ جنہیں ہم اپنا ہمدرد و غمگسار اور ہادی سمجھتے تھے وہ تو درحقیقت دوستی کے پردے میں ہماری عاقبت تباہ کرنے میں لگے ہوئے تھے تو گمراہ ہونے والے گمراہ کرنے والوں پر لعنت و ملامت کے تیر پھینکنے لگیں گے اور انہیں طعنے دیں گے کہ بدبختو! تم نے دوستی کا یہ حق ادا کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں گے کہ الٰہی ان کی دشمنی کے باعث ہم اس انجام کو پہنچے ہیں۔ اگر یہ لوگ خیر خواہی کے پردے میں ہمارے ساتھ یہ دشمنی نہ کرتے تو ممکن تھا کہ ہم کبھی گمراہ نہ ہوتے۔ تو انہیں بدترین عذاب دے تا کہ دھوکہ دہی کی جو واردات انہوں نے کی ہے اس کی سزا بھگتیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آئے گا کہ اب اس لعنت ملامت کا کوئی فائدہ نہیں، یہ دارالعمل نہیں بلکہ دارالجزاء ہے، تمہیں دنیا میں رہ کر چہروں کو پہچاننا چاہئے تھا۔ آج تو تم دونوں اس عذاب میں مشترک ہو اور تمہیں یہ چیز ہرگز نفع نہیں دے گی کہ جس طرح تمہیں عذاب دیا جا رہا ہے اسی طرح وہ بھی عذاب میں شریک ہیں۔ کیونکہ وہ اگر گمراہ کرنے کی وجہ سے عذاب کا شکار ہو رہے ہیں تو تم گمراہی کو قبول کرنے کی پاداش میں پکڑے گئے ہو۔ اس لئے دونوں اپنی اپنی سزا کی گرفت میں ہیں۔

Marfat.com

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْتَهْدِی الْعُمْیَ وَمَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۴۰﴾

(اب کیا اے نبی آپ بہروں کو سنائیں گے یا اندھوں کو راہ دکھائیں گے اور ان کو جو کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۴۰)

آنحضرت ﷺ کو تسلی

سابقہ آیات میں بتایا گیا ہے کہ قریش اور دیگر اہلِ مکہ اپنے مسلسل انکار اور آپ کی دعوت سے تمرد کے باعث اللہ تعالیٰ کے فیصلے کی زد میں آ چکے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر شیاطین مقرر کر دیئے ہیں جو دوستی کے انداز میں ہمیشہ انہیں بہکاتے رہتے ہیں۔ اور اگر کبھی آنحضرت ﷺ کی دعوت کے نتیجے میں ان کے اندر آمادگی کی کوئی لہر اٹھتی ہے تو وہ انہیں اس انداز سے برگشتہ کرتے ہیں کہ وہ ان کی پیدا کردہ گمراہی کو اپنے لئے ہدایت سمجھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبولیتِ حق کی جو صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے ان میں رکھی ہیں وہ ایک ایک کر کے جواب دے گئیں۔ وہ بظاہر سنتے ہیں لیکن سماعِ قبول سے محروم ہیں، وہ دیکھتے ہیں لیکن بصارتِ حق اور بصیرت سے محروم ہیں۔ اور انسان کے پاس دو بنیادی ذرائع ہیں یعنی سماعت اور بصارت جو عقل کو غذا فراہم کرتے ہیں۔ جو انسان ان دونوں چیزوں سے محروم ہو جاتا ہے اس کی عقل بھی صحیح فیصلہ کرنے سے محروم ہو جاتی ہے۔ ان کی اسی محرومی کے حوالے سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کیا آپ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سنانے کی کوشش کریں گے جو سماعِ قبول سے محروم ہو چکے ہیں اور انہیں راہِ ہدایت دکھانے کی کوشش کریں گے جو بصیرت سے تہی دامن ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ سر کھپانا تو ایسا ہی ہے جیسے آدمی دیوار کے ساتھ سر ٹکرا کر اپنا سر پھوڑ لے۔ پھر ایک قدم آگے بڑھ کر فرمایا کہ یہ لوگ تو اس سے بھی زیادہ محرومیوں کا شکار ہیں اور وہ محرومی یہ ہے کہ جو آدمی سن نہیں سکتا اسے اشارے سے راہ سجھائی جا سکتی ہے۔ اور جو دیکھ نہیں سکتا اسے بھی پکڑ کر راستے پر ڈالا جا سکتا ہے۔ لیکن جس کی گمراہی ایسی ظاہر و باہر ہو کہ وہ کسی طریقے سے بھی راہِ ہدایت کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہو۔ نہ اس پر کوئی اشارہ اثر کرے، نہ کوئی آواز اسے متاثر کر سکے، نہ وہ کسی کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو اور نہ دلیل اسے راہِ راست پر لا سکے، تو ایسے شخص کو سمجھانا ضیاعِ وقت کے سوا اور کیا ہے۔ تو آپ کو ایسے ہی لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ اس لئے اگر یہ لوگ آپ کی دعوت پر کان نہیں دھرتے تو آپ اس سے دل گرفتہ نہ ہوں کیونکہ یہ اپنی اہلیت کھو چکے ہیں۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِیَنَّكَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَیْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾

(پس یا تو ہم آپ کو لے جائیں گے، پھر ہم ان سے انتقام لیں گے۔ ۴۱) یا ہم آپ کو دکھا دیں گے وہ چیز جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، ہم ان پر پوری طرح قادر ہیں۔ ۴۲)

Marfat.com

گزشتہ مضمون کا تسلسل

اشرارِ قریش کا خیال یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ جس دین کی دعوت لے کر اٹھے ہیں اور جس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کر رہے ہیں اور اپنی جدوجہد اور بے مثال قیادت سے جس طرح معاشرے میں تبدیلی کے آثار پیدا کر رہے ہیں اس کا تمام تر دارومدار آپ کی ذات پر ہے۔ اس انقلاب کو روکنے کی ایک ہی صورت ہے کہ آپ کی ذات کا کانٹا کسی طرح نکال دیا جائے اور کسی طرح آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس آیتِ کریمہ میں پروردگار اشرارِ قریش کی عقل اور فکر کا ماتم کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تکذیبِ رسول اور انکارِ دعوت کا نتیجہ ہمیشہ اس قوم کو بھگتنا پڑتا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول مبعوث ہوتا ہے۔ جیسے جیسے ان کا عملِ تکذیب پختہ ہوتا جاتا ہے اور وہ پیغمبر کی مخالفت میں حدود سے گزرنے لگتے ہیں تو ان کا وہ انجام قریب آتا جاتا ہے جس سے پیغمبر انہیں کئی دفعہ آگاہ کر چکا ہوتا ہے۔ یہی حال قریش اور دیگر اہلِ مکہ کا بھی ہے۔ انہیں فکر اس بات کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا خاتمہ کس طرح کیا جائے۔ جبکہ انہیں سوچنا یہ چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب جو ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے اور جسے ہم اپنے کرتوتوں سے قریب سے قریب تر کرتے جا رہے ہیں اسے کیسے روکا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی عقل کا پھیر ملاحظہ کیجئے کہ انہیں اس کی کوئی فکر نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان سے منہ پھیر چکی ہے۔ انتقام کے لمحات قریب آتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اٹھا لے یا ہجرت کا حکم دے دے، یہ انتقام کی زد سے نہیں بچ سکتے۔ چاہے وہ انتقام جزوی صورت میں آئے اور ان کی پوری قیادت موت کے گھاٹ اتار دی جائے اور چاہے وہ مکمل صورت میں آئے کہ ان کے قومی وجود کی جڑیں کاٹ دی جائیں وہ انتقام بہرحال آنے والا ہے۔ اسے کوئی نہیں روک سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے قتل کے منصوبے بنتے رہے لیکن آپ خیریت و عافیت سے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ اور پھر دوسرے ہی سال جنگِ بدر کی صورت میں وہ عذاب آ گیا جس نے ان کی اصل قیادت کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور قیادت کی دوسری صف کو پابہ زنجیر حوالۂ زنداں کر دیا گیا اور وہ نہایت ذلت سے فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا سکے۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾

(پس اس کو مضبوطی سے تھامے رہو جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو۔ ۴۳)

آنحضرت ﷺ کو مزید تسلی

قریش اور دوسرے لوگوں کی مخالفت اور ہنگامہ آرائی کی پرواہ نہ کیجئے، جب بھی کبھی اجالا پھیلتا ہے اندھیرے اپنی بقاء کیلئے ہاتھ پاؤں مارا ہی کرتے ہیں، برائی نے نیکی کو کبھی برداشت نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مینارۂ نور بنا کے بھیجا ہے اور قرآنِ کریم کی شمع آپ کے ہاتھ میں دی ہے۔ قیامت تک کیلئے انسانیت کی قسمت آپ سے وابستہ ہے۔ دنیا نے گمراہی کی بہت سی پگڈنڈیاں نکال رکھی ہے اور آئندہ بھی بہت سے غلط راستے نکلیں گے۔ لیکن صحیح راستہ وہی ہے جس پر آپ چل رہے ہیں اور وہی انسان کی کھوئی ہوئی قسمت کو صحیح راستے پر ڈال سکتا ہے۔

Marfat.com

اور اسی راستے پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرسکتا ہے۔ اس لئے آپ نہایت اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنے مشن سے وابستہ رہئے۔ دنیا آہستہ آہستہ آپ کے اتباع پر مجبور ہوجائے گی کیونکہ اندھیرے دیر تک اجالے کا راستہ نہیں روک سکتے۔

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾

(اور بے شک یہ ذکر ہے آپ کیلئے اور آپ کی قوم کیلئے اور عنقریب آپ سب سے پرسش کی جائے گی۔ ۴۴)

آنحضرت ﷺ اور امت ایک ذمہ داری میں شریک ہیں

ذکر کا ترجمہ بعض اہلِ علم نے شرف سے کیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ قرآنِ کریم سے بڑا شرف کوئی نہیں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور انسانی ہدایت کیلئے آخری پیغام۔ اور جس ذاتِ عزیز پر اس کا نزول ہوتا ہے اس کے صاحبِ شرف اور ذی وجاہت ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ اور اسی طرح جس قوم میں وہ اللہ تعالیٰ کا رسول اٹھایا جاتا ہے اور جو قوم اس کتاب کی سب سے پہلی مخاطب بنتی ہے اس کے شرف کی بھی کیا انتہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دوسرے انسانوں کی ہدایت اور اپنے دین کی سربلندی کیلئے انتخاب کیا ہے۔ اور دعوت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی اس کے سپرد کرکے اسے اپنے قرب کا اعزاز بخشا ہے۔

بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ ذکر کا معنی یاددہانی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ آپ کیلئے بھی یاددہانی ہے اور آپ کی قوم کیلئے بھی۔ اور ایک دن آپ سب سے اس کے بارے میں پرسش ہونے والی ہے۔ آپ سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے اس عظیم امانت کا کیا حق ادا کیا ہے اور آپ کو اپنی قوم کی طرف سے کیا جواب ملا۔ اور قوم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس عظیم نعمت کی کیا قدر کی۔ مثبت یا منفی دونوں صورتوں میں قوم کی قسمت کا دارومدار اسی کتاب پر ہوگا۔

لیکن بعض مفسرین ذکر کا ترجمہ مذکور سے کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب ایسی ہے جس میں آپ کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور آپ کی قوم کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اور قوم سے مراد عام ہے چاہے وہ امتِ دعوت ہو یا امتِ اجابت۔ آپ کی شانِ رفیع، آپ کا مقامِ بلند، آپ کے فضائل وشمائل، آپ کے فرائض، آپ کے کمالات، آپ کی کامیابیاں اور کامرانیاں، راہِ حق میں آپ کو پیش آنے والی مشکلات، انسانوں کیلئے آپ کی حیثیت اور آپ کے منصب کی نزاکت، اللہ تعالیٰ سے آپ کا غایت درجہ تعلق اور ایسی ہی بے شمار چیزیں جن کا اس کتاب میں ذکر کیا گیا، اسی طرح آپ کی قوم اور امت کے بارے میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کو ماننے سے انکار کردے گی تو اس کا انجام کیا ہوگا۔ اور اگر آپ کی قوم اور دنیا کی باقی قومیں آپ کو مان کر آپ کی امت میں شامل ہوجائیں گی تو ان کیلئے دنیا اور آخرت میں کیا انعامات ہوں گے۔ آپ کی امت کیلئے آپ کی اطاعت، محبت اور اتباع کی فرضیت۔ آپ کی طرف سے امت کو سپرد کی جانے والی امانتیں آپ کی اطاعت اور محبت کی صورت میں دنیا اور آخرت میں آپ کی امت کو ملنے والی کامیابیاں اور انعامات اور آپ کے لائے ہوئے دین کے بارے میں امت کا منافقانہ طرزِ عمل اور یا اجتماعی زندگی میں آپ کے دین کو رہنما بنانے سے گریز، ایسی بے شمار چیزوں اور ان کے انجاموں کو بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح سے آنحضرت ﷺ اور امت کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے حوالے سے بننے والی کہانی کا ایک ایک باب

Marfat.com

مختلف انداز میں مختلف حوالوں سے مختلف مقامات پر کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔اور یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں کل کو پوچھ گچھ ہونے والی ہے۔اور یہ بات قرآنِ کریم نے اور بھی بعض جگہ ارشاد فرمائی ہے۔ہم صرف ایک حوالہ پیش کرتے ہیں: ارشاد فرمایا: لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ کِتٰبًا فِیْهِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ''ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب اتاری ہے جس میں تمہارا ذکر ہے، کیا تم غور نہیں کرتے۔'' اقبال نے اسی کو اپنے انداز میں بیان کرتے ہوئے کہا:

محمدؐ بھی ترا جبریل بھی، قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

میرا ناقص گمان یہ ہے کہ ''ذکر'' کے یہ تینوں مفاہیم اپنی معنویت اور مراد میں صحیح بھی ہے اور واضح بھی۔

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

(اور پوچھیے ان سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا اپنے رسولوں میں سے، کیا ہم نے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود بھی مقرر کئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔ ۴۵)

مشرکین کے دعویٰ کی تردید

گزشتہ ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور حقوق میں یکتا ہے، کوئی اس کا کسی طرح بھی شریک نہیں۔لیکن مشرکینِ عرب نے اپنے تمام تر دین کا دارومدار شرک پر بنا رکھا تھا۔اور دعویٰ ان کا یہ تھا کہ ہم جس شرک میں مبتلا ہیں یہ ہماری اپنی اختراع نہیں بلکہ ہم نے صدیوں پہلے اپنے آباؤاجداد کو بھی اسی پر چلتا ہوا دیکھا ہے۔اور یہ بات یقیناً ان میں سے کسی نہ کسی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہو گی ورنہ وہ اتنا بڑا فیصلہ از خود تو نہیں کر سکتے تھے۔گزشتہ آیات میں ان کی اس غیر معقول بات کا مختلف پہلوؤں سے جواب دیا گیا ہے اور آخر میں بحث کو سمیٹتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیلئے بنیادی عقیدہ کیا دیا ہے اور کون سی بات صحیح ہے اور کون سی غلط اس کا دارومدار رسولوں پر رکھا گیا ہے۔کیونکہ رسول ہی کی شخصیت ایسی شخصیت ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی وحی اترتی ہے۔اور وہی اللہ تعالیٰ کی منشاء مشیت اور رضا کو واضح کر سکتا ہے۔اس لئے فرمایا کہ تم بجائے اٹکل پچو سے کام لینے کے صاف صاف ان رسولوں سے پوچھو جو دنیا کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے ہیں اور ان میں کئی نام ایسے ہیں جن کو دنیا کی مختلف قومیں تسلیم کرتی ہیں۔بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام اہلِ مذاہب کے یہاں مقتداء کی حیثیت سے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ان سے پوچھ کے دیکھ لو کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کوئی اور بھی معبود بنا رکھے ہیں یا مقرر کر رکھے ہیں کہ جن کی عبادت کی جا سکتی ہو۔اور رسولوں سے پوچھنے کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں تلاش کرو بلکہ ان سے پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کتابوں اور ان کی تعلیمات سے معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ کیا انہوں نے کبھی کوئی ایسی بات کہی ہے۔اور اگر کسی رسول کی تعلیم میں ایسی کوئی بات نہیں تو پھر ایسی بے سروپا بات کی آخر تمہارے پاس کیا سند ہے۔

Marfat.com

وَلَقَدْ

اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا
نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ
اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾
وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَ
هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ
هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ
مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ
فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا
مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ ع

رکوع: ۵۔ (اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت کے پاس بھیجا، اور اس نے جا کر کہا میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ ۴۶) تو جب حضرت موسیٰ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان کا مذاق اڑانے لگے۔ ۴۷) اور ہم ان کو ایک پر ایک ایسی نشانی دکھاتے چلے گئے جو پہلی سے بڑھ چڑھ کر تھی اور ہم نے ان کو عذاب میں بھی پکڑا تھا کہ وہ رجوع کریں۔ ۴۸) (ہر عذاب کے موقع پر) انہوں نے درخواست کی کہ اے ساحر اس عہد کی بنا پر جو اللہ نے تم سے کر رکھا ہے اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کر، ہم ضرور راہِ راست پر

Marfat.com

آجائیں گے۔ ۴۹) تو جب ہم ان سے عذاب دور کردیتے تو وہ اپنا عہد توڑ دیتے۔ ۵۰) اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی، کہا: اے میری قوم کے لوگو! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے، اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟ کیا تم لوگ دیکھتے نہیں ہو۔ ۵۱) تو کیا میں بہتر ہوں اس سے جو ایک حقیر آدمی ہے اور اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کرسکتا۔ ۵۲) تو کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے یا اس کے ساتھ فرشتے آتے پَرے باندھے ہوئے۔ ۵۳) پس اس نے اپنی قوم کو ہلکا کردیا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی، بے شک وہ تھے ہی فاسق لوگ۔ ۵۴) پس جب ان لوگوں نے ہمیں غضبناک کردیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان سب کو غرق کردیا۔ ۵۵) اور ہم نے ان کو ماضی کی ایک داستان اور بعد والوں کیلئے نمونہ عبرت بنادیا۔ ۵۶)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾

(اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت کے پاس بھیجا، اور اس نے جا کر کہا میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ ۴۶)

قریش کی تنبیہ کیلئے فرعون اور حضرت موسیٰؑ کی سرگزشت بیان ہوئی ہے

قریش اور دیگر اہلِ مکہ کو یہ بات سمجھانے کیلئے کہ رسول کی تکذیب کیا معنی رکھتی ہے اور اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں، فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت بیان کی گئی ہے تاکہ انہیں اندازہ ہو کہ فرعون اور اس کی قوم نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کو ماننے سے انکار کیا تو انہیں کس طرح عذاب کا شکار ہونا پڑا اور آج وہ ذلت و نامرادی کی ایک علامت بن کر رہ گئے ہیں۔

اور یہ بات بتانا بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی دنیوی دولت و رفاہیت کی علامت نہیں ہوتے بلکہ وہ دیکھنے کو درویش ہوتے ہیں، لیکن حقیقت میں اپنے روحانی کمالات اور سیرت و کردار کے اجلے پن کی وجہ سے اپنے وقت کے تاجدار ہوتے ہیں۔ اور آخر حق و باطل کا تصادم، ان کی عظمت کو اور مخالفین جو دنیوی جاہ و جلال کے مالک ہوتے ہیں ان کی پستی کو نمایاں کردیتا ہے۔

تاریخی تائید کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی طرح آپ سے بھی زیادہ بے سروسامانی کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت کی طرف اپنا پیغام دے کر بھیجا۔ فرعون چونکہ سرزمینِ مصر کا مطلق العنان حکمران تھا جس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ سورج کا اوتار کہلانے کی وجہ سے اپنے آپ کو مصریوں کا رب کہتا تھا اور مصر کی ایک ایک چیز کا اپنے آپ کو مالک سمجھتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب نہایت معمولی لباس اور نہایت بے سروسامانی کے ساتھ ہاتھ میں ایک لاٹھی لئے ہوئے اس کے دربار میں پہنچے اور فرعون سے کہا کہ میں رب العالمین کا رسول اور نمائندہ بن کر آیا ہوں اللہ تعالیٰ کا کلام مجھ پر نازل ہوتا ہے، دنیا میں اس کا قانون میری زبان سے بولتا ہے، مجھے اس نے اہلِ مصر کیلئے اپنا نمائندہ اور اسوۂ حسنہ بنا کر بھیجا ہے۔ اور ساتھ ہی ان کے سامنے سندِ ماموریت کے طور پر اپنی دو نشانیاں دکھائیں۔ ایک عصائے موسیٰ اور دوسری ید بیضا، تاکہ فرعون اور اس کے اعیان کو ان دو غیر معمولی معجزات کو دیکھ کر یقین آجائے کہ آپ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے ہیں۔

Marfat.com

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿٤٧﴾

(توجب حضرت موسیٰ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان کا مذاق اڑانے لگے۔ ۴۷)

ان کے مذاق اڑانے کا سب سے پہلا سبب یہ تھا کہ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ آپ رب العالمین کے رسول ہیں جبکہ کسی معمولی حکمران کا نمائندہ یا پیامبر کسی دوسرے حکمران کے پاس اس کا پیغام لے کر پہنچتا ہے تو وہ شاہی خلعت میں ملبوس بیش قیمت سواریوں پر سوار اور فوج کے ایک دستے کے ہمراہ ہوتا ہے اور ایک آپ ہیں کہ آپ کا لباس ایک گداگر کے لباس سے بھی فروتر ہے۔ آپ کے پاس کوئی سواری نہیں، آپ نہایت بوسیدہ جوتا پہنے ہوئے ہیں، فوج تو درکنار کوئی ملازم بھی آپ کے ہمراہ نہیں، تو کیا ایسے ہوتے ہیں رسول اور پیامبر اور وہ بھی کسی عام حکمران کے نہیں بلکہ رب العالمین کے۔

اور مذاق اڑانے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ تم نے اپنی پیامبری کی جو دو نشانیاں پیش کی ہیں وہ تو صریحاً ساحری ہے۔ سحر کے زور سے تم نے یہ دو نشانیاں پیدا کی ہیں۔ جادوگر ہونا مصری معاشرے میں غیر معمولی بات تو نہیں ہے۔ یہ فن تو اس ملک میں بہت زوروں پر ہے۔ تو محض سحر اور جادوگری کی بنیاد پر اپنے آپ کو رب العالمین کا رسول قرار دینا مذاق سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۘ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٤٨﴾

(اور ہم ان کو ایک پر ایک ایسی نشانی دکھاتے چلے گئے جو پہلی سے بڑھ چڑھ کر تھی اور ہم نے ان کو عذاب میں بھی پکڑا تا کہ وہ رجوع کریں۔ ۴۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی یہ کشمکش قرآنِ کریم میں مختلف جگہ بیان ہوئی ہے۔ موقع کی مناسبت سے اس داستان کے مختلف حصوں کو مختلف مواقع پر پھیلا دیا گیا ہے اور داستان کے بعض حصوں کو محذوف رکھا گیا ہے تا کہ دوسرے مواقع کی مدد سے ان کو سمجھا جا سکے۔ یہاں بھی اصل صورتحال یہ ہے کہ فرعون اور اس کے اعیان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور آپ کے معجزات کا مذاق اڑانے کا سلسلہ جاری رکھا تا آنکہ انہیں جھنجھوڑنے اور غور وفکر پر مجبور کرنے کیلئے بعض دوسری ایسی نشانیاں دکھائی گئیں جن میں سے ہر نشانی پہلی نشانی سے اپنی تاثیر اور اپنے غیر معمولی پن میں بڑھی ہوئی تھی۔ اور ان نشانیوں کو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت وحقانیت کی دلیل بنایا گیا اسی طرح انکار کرنے والوں کیلئے ان کو آزمائش کی حیثیت بھی دی گئی۔ سورۃ اعراف سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان بھیجے، کبھی ٹڈیوں کا سیلاب آیا، کبھی کپڑوں میں جوئیں عام کر دی گئیں، کبھی مینڈکوں سے گھر بھر دیئے گئے، کبھی ہر طرف خون پھیلا دیا گیا اور کبھی شدید قحط برپا کیا گیا اور ان میں سے کوئی بات بھی اچانک ظہور میں نہیں آئی بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام باقاعدہ انہیں اس کا نوٹس دیتے تھے۔ پھر عین اعلان کے مطابق وہ عذاب ان پر ٹوٹ پڑتا۔ اور ان تمام تکالیف اور آزمائشوں سے مقصود صرف یہ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا رسول جانیں اور ان پر ایمان لا کر ان کی سیادت وقیادت کو تسلیم کر لیں اور ان کی رہنمائی میں اپنی زندگیاں سنوار لیں۔

Marfat.com

وَقَالُوْا یٰۤاَیُّہَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّکَ بِمَا عَہِدَ عِنْدَکَ ۚ اِنَّنَا لَمُہْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

(ہر عذاب کے موقع پر) انہوں نے درخواست کی کہ اے ساحر اس عہد کی بنا پر جو اللہ نے تم سے کر رکھا ہے اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کر، ہم ضرور راہِ راست پر آ جائیں گے۔ ۴۹)

اہلِ مصر کی پریشانی اور وعدہ

جب یکے بعد دیگرے اہلِ مصر پر اس طرح کی آزمائشیں آئیں جنہوں نے انہیں بری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیا تو انہیں یہ تو یقین ہو گیا جس کی طرف اشارہ سورۃ النمل میں کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، لیکن وہ جس اسلوبِ زندگی کے خوگر ہو چکے تھے انہیں اسے چھوڑنا کسی طور گوارہ نہ تھا۔ اس لئے وہ اپنے یقین کے مطابق فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچتے اور بعض دفعہ ان میں خود فرعون بھی شریک ہوتا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بات مانتا ہے اور آپ کا اس کے یہاں ایک خاص مقام و مرتبہ ہے۔ اس لئے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ یہ آزمائشیں ہم سے دور کر دے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور یا بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ لیکن جب وہ ان تکلیفوں کو دور کرنے کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے التجا کرتے تو آپ کو ساحر کہہ کر مخاطب ہوتے۔ بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ ان کا ساحر کے لفظ سے مخاطب ہونا کسی تحقیر یا سوءِ ادب پر مبنی نہیں تھا بلکہ اس وقت مصر میں ساحروں کو سوسائٹی میں وہی مقام حاصل تھا جو کسی بھی سوسائٹی میں علماء کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم کے ان مواقع کو دیکھنے سے جہاں فرعون نے آپ کو ساحری کا الزام دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس لفظ کو تحقیر کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ بات کسی طرح قرینِ قیاس نہیں کہ اس لفظ کو کسی زمانے میں احترام کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ قومِ فرعون کے عام لوگ تو خوشامدانہ لہجے میں آپ سے ان تکلیفوں کو دور کرنے کی درخواست کرتے تھے۔ لیکن ان کے عمائدین اور ان کے مقتدر طبقے کی گردنوں میں اسی طرح اقتدار کا سریا پھنسا ہوا تھا جو ان کے سر کو خم نہیں ہونے دیتا تھا۔ وہ سب کچھ دیکھ کر بھی آپ کی عزت یا احترام بجا لانے کیلئے تیار نہ تھے۔

فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْہُمُ الْعَذَابَ اِذَا ہُمْ یَنْکُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

(تو جب ہم ان سے عذاب دور کر دیتے تو وہ اپنا عہد توڑ دیتے۔ ۵۰)

عذاب کے دور ہوتے ہی عہد توڑ دیا جاتا

یعنی جب ان کی درخواست کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے اس کے نازل کردہ عذاب کو دور کرنے کی دعا کرتے تو بجائے شکر گزار ہونے کے وہ اپنا عہد توڑ دیتے۔ یعنی ایمان قبول کرنے کی بجائے کفر پر اصرار کرتے اور اپنے رویئے میں کسی طرح کی تبدیلی لانے سے انکار کر دیتے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب فرعون اور اس کی قوم کا طرزِ عمل یہ تھا کہ تکلیف آتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے اور ایمان لانے کا وعدہ کرتے۔ اور جب دعا سے تکلیف ٹل جاتی تو انہیں ایمان لانے کا دعویٰ بھول جاتا اور وہ اپنی روش

Marfat.com

پر قائم رہتے۔ تو ایسی صورت بار بار پیش آنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی بات کا اعتبار کیوں کرتے تھے، اور ان کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ان کی تکلیفوں کو دور کرنے کی التجا کیوں کرتے تھے۔ آپ صاف ان سے کیوں نہیں کہتے تھے کہ تم نے بار بار اپنے وعدوں سے انحراف کیا ہے اس لئے میں اب تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کا اپنی امتِ دعوت سے معاملہ کاروباری نوعیت کا نہیں ہوتا کہ ایک دفعہ عہد شکنی سے کاروبار ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا جائے، بلکہ نبی بار بار انہیں اپنے طرزِ عمل کو درست کرنے کا موقع دیتا ہے اور بار بار انہیں سنبھلنے کیلئے مہلت دی جاتی ہے۔ اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے تا آنکہ آخری امید ٹوٹ جانے کے بعد اتمامِ حجت ہو جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجاتا ہے جو ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

(اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی، کہا: اے میری قوم کے لوگو! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے، اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟ کیا تم لوگ دیکھتے نہیں ہو۔ ۵۱) تو کیا میں بہتر ہوں اس سے جو ایک حقیر آدمی ہے اور اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کر سکتا۔ ۵۲) تو کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے یا اس کے ساتھ فرشتے آتے پَرے باندھے ہوئے۔ ۵۳)

حضرت موسیٰ ؑ کے مقابلے میں فرعون کا دعوائے برتری

مندرجہ بالا آیات پر غور کرنے سے سرسری طور پر جو باتیں سامنے آتی ہیں ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کے نزدیک عزت و وجاہت، اقتدار اور دولت و رفاہیت سے ملتی ہے۔ جو شخص ان چیزوں سے تہی دامن ہے اس کا دعویٰ نبوت تسلیم کرنا تو دور کی بات ہے غور کرنے کے بھی قابل نہیں۔ کیونکہ نبوت ایک بہت بڑا منصب ہے، یہ صرف اسی شخص کو مل سکتا ہے جو اہلِ دنیا کی نگاہ میں اپنی دولت و ثروت اور عہدہ و منصب کی وجہ سے بلند مقام رکھتا ہو۔ اس لئے اہلِ مکہ نے کہا تھا کہ ہمارے دونوں بڑے شہروں میں سے کسی بڑے آدمی کو یہ منصب کیوں نہ سونپا گیا۔ چنانچہ فرعون نے اسی کو دلیل بناتے ہوئے کہا کہ میری قوم کے لوگو! ذرا غور کرو، کیا مصر کی سرزمین کا میں مالک نہیں ہوں، اور کیا دریائے نیل سے نکلنے والی نہریں جن پر تمہاری ساری معیشت کا انحصار ہے میرے حکم سے جاری نہیں ہے۔ جب یہ سب کچھ میرا ہے تو میرے سوا کسی اور کی عظمت کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔

دوسری بات جو محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مقتدر حضرات کچھ بھی خیال کریں حقیقت یہ ہے کہ اقتدار اور طاقت کے زور سے گردنیں تو جھک جاتی ہیں لیکن دل نہیں جھکتے۔ دل ہمیشہ سیرت و کردار کی عظمت کے سامنے جھکتے ہیں۔ اور ان درویشوں کے سامنے جھکتے ہیں جو بظاہر تہی دست ہوتے ہیں، لیکن دلیل کی قوت اور اللہ تعالیٰ کی معیت انہیں میسر ہوتی ہے۔ اور جب اقتدار اور نبوت و رسالت میں مقابلہ ہوتا ہے تو

Marfat.com

اصحابِ اقتدار کے پاؤں تلے سے زمین نکلنے لگتی ہے۔ اور وہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ صداقت اور حقانیت ایک ایسی قوت ہے جو دلوں کو مسخر کر سکتی ہے اور اقتدار دیر تک اس کا راستہ نہیں روک سکتا۔ چنانچہ یہی فکر تھی جس نے فرعون کو پریشان کر دیا تھا۔ اور اسی پریشانی میں اس نے وہ منادی کرائی تھی جس کا ذکر اوپر کی آیات میں ہوا ہے۔

تیسری چیز جو ان آیات سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ فرعون اور اس کے عمائدین کی نظر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے سیرت و کردار، صداقت و حقانیت، معجزات اور اللہ تعالیٰ سے ان کے قریبی تعلق پر نہ تھی بلکہ اس بات پر تھی کہ وہ دنیوی اسباب کے لحاظ سے بالکل تہی دامن ہیں۔ نہ ڈھنگ کا لباس اور نہ کوئی عزت کی سواری، بالکل نادار و قلاش۔ اور دعویٰ یہ ہے کہ وہ رب العالمین کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس کے رسول ہوتے تو ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہوتے، جو اس دور کے حکمرانوں اور ان کے درباریوں کی علامت تھے۔ اور جب وہ لوگوں میں نکلتے تو فرشتے پَرے باندھے ہوئے ان کے دائیں بائیں ہٹو بچو کے شور سے لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت کو اتارتے۔ لیکن ان میں سے کوئی چیز نہ ہونے کی وجہ سے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''مہین'' قرار دیا، یعنی ذلیل اور حقیر۔ گویا اس کی نگاہ میں حقیر وہی ہے جس کے پاس دنیوی اسباب نہیں۔ چاہے معنوی اور روحانی اعتبار سے وہ کتنا بھی بلند کیوں نہ ہو۔

آخری بات جو اس میں غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرعون نے یہ کہا وہ تو کھل کر بات کرنے کے قابل بھی نہیں، یعنی اپنی بات کو پوری طرح کھول کر بیان نہیں کر سکتا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ کم گو اور مختصر بات کرنے والا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کی زبان میں لکنت ہے اور وہ تو تلا ہے۔ کیونکہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک انہیں تقریر کی مشق کا موقع نہیں ملتا اور یا معاملات پر گفتگو کی ضرورت نہیں پڑتی تو وہ گفتگو میں بھی کمزور ہوتے ہیں اور تقریر میں بھی۔ ہمارے ملک میں نواب بہادر یار جنگ ایک بہت بڑے خطیب گزرے ہیں، لیکن ابتداء میں کہا جاتا ہے کہ وہ بالکل تقریر پر قدرت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ ان کے جوہر کھلے اور وہ زبردست خطیب ثابت ہوتے۔ مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم بہت بڑے عالم اور مفتی تھے اور مجلس میں نہایت سلیقے سے گفتگو کرتے تھے، لیکن تقریر کبھی نہ کی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں بھی ایسی ہی کیفیت معلوم ہوتی ہے کہ شروع میں ان کا طبعی رجحان تقریر کی طرف نہ تھا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی طلاقتِ لسانی پیدا فرمائی کہ قرآنِ کریم سے ان کے بے مثال خطبوں کی جھلک ملتی ہے۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾

(پس اس نے اپنی قوم کو ہلکا کر دیا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی، بے شک وہ تھے ہی فاسق لوگ۔ ۵۴)

حکمران کی ساحری

گزشتہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جادوگروں کے مقابلے اور ان کی شکست اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پے در پے آنے والی نشانیوں کی وجہ سے قومِ فرعون میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک میلان پیدا ہو گیا تھا اور وہ محسوس کرنے لگے تھے کہ فرعون اور اس کے عمائدین محض طاقت کے بل بوتے پر ایک صحیح بات کو غلط قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح سے ان کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کی صداقت اترنے لگی تھی۔ چنانچہ اسے ایک خطرہ محسوس کرتے ہوئے فرعون نے دنیوی وجاہت کو ذریعہ بنا کر

Marfat.com

اپنی برتری اور اپنے بہتر ہونے کی منادی کروائی۔ اور اس طرح سے اس نے اپنی قوم کی ذہنی تبدیلی کو روکنے میں کامیابی حاصل کرلی۔ اور قوم میں جو انقلابی تبدیلی کے آثار پیدا ہو رہے تھے انہیں دولت و رفاہیت کی محبت کے حوالے سے کند کر کے رکھ دیا۔ اور اس میں اس کی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ نسلوں سے لکشمی دیوی کی پوجا کرتے چلے آئے تھے وہ دولت و ثروت ہی کو دنیا کی سب سے بڑی طاقت سمجھتے تھے۔ چنانچہ جیسے ہی صداقت و حقانیت کے زور سے اس دبی ہوئی چنگاری کو ابھارنے کی کوشش کی گئی تو فرعون نے بروقت اس سے کام لیا۔ اور اس طرح سے اس فاسق قوم میں پیدا ہونے والی تبدیلی کو روک دیا۔

اصحابِ اقتدار کی طرف سے ایسی میٹھی لوریوں سے سلا دینے کی مشق کوئی نئی نہیں، ہر دور میں ایسا ہوتا رہا ہے۔ جب کبھی رعایا میں کسی بہتر تبدیلی کے آثار پیدا ہوئے ہیں تو تخت و تاج کے وارثوں نے ہمیشہ اس کا رخ بدل دیا۔ اقبال نے ٹھیک کہا:

نیند سے بیدار ہوتا ہے کوئی محکوم اگر

پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٥﴾
فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾

(پس جب ان لوگوں نے ہمیں غضبناک کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان سب کو غرق کر دیا۔ ۵۵) اور ہم نے ان کو ماضی کی ایک داستان اور بعد والوں کیلئے نمونہ عبرت بنا دیا۔ ۵٦)

اٰسَفُوْ کے معنی ہیں اَغْضَبُوْ یعنی ہم نے ایک مدت تک انہیں سنبھلنے کا موقع دیا۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے ہر ممکن طریقے سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کی سرکشی اور تمرد کو توڑنے کیلئے انہیں مسلسل آزمائشوں میں ڈالا گیا۔ لیکن جب انہوں نے کسی طریقے سے بھی راہِ ہدایت اختیار کرنے کی کوشش نہ کی بلکہ ان کی ہٹ دھرمی بڑھتی چلی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مسلسل مطالبے پر بنی اسرائیل کو عبادت کیلئے بیرون شہر جانے کی اجازت دی بھی تو فرعون نے اپنا عہد توڑتے ہوئے اپنی ساری فوجوں اور عمائدین سمیت ان کا تعاقب کیا۔ تب اللہ تعالیٰ کا غصہ بھڑکا۔ انہوں نے بظاہر بحرِ قلزم کے ساحل پر بنی اسرائیل کو پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے نجات کے راستے کھول دیئے۔ انہیں نہایت خیریت کے ساتھ دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔ لیکن جیسے ہی فرعون، اس کے عمائدین اور فوج نے بحرِ قلزم میں اتر کر پار جانے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے پانی کو مل جانے کا حکم دیا اور فرعون اپنے تمام جاہ و جلال سمیت پانی میں غرق ہو گیا۔ اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ماضی کی داستان اور دوسروں کیلئے نمونہ عبرت بنا دیا۔

Marfat.com

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَ
قَالُوٓا ءَأٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ
خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىٓ
إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَٰٓئِكَةً فِى الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿٦٠﴾
وَإِنَّهُۥ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَٰطٌ
مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَٰنُ ۖ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾ وَلَمَّا
جَآءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم
بَعْضَ الَّذِى تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ
رَبِّى وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾ فَاخْتَلَفَ
الْأَحْزَابُ مِنۢ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ
أَلِيمٍ ﴿٦٥﴾ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ
لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٦﴾ الْأَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا
الْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾ ع

رکوع: ۶۔ (اور جب ابنِ مریم کی مثال دی جاتی ہے تو آپ کی قوم کے لوگ اس پر شور مچا دیتے ہیں۔ ۵۷)
اور کہتے ہیں کہ کیا ہمارے معبود اچھے ہوئے یا وہ، یہ مثال وہ آپ کے سامنے محض کج بحثی کیلئے اٹھاتے ہیں، بلکہ یہ ہیں
ہی جھگڑالو لوگ۔ ۵۸) ابنِ مریم وہ صرف ہمارا ایک بندہ تھا جس پر ہم نے اپنا فضل فرمایا، اور بنی اسرائیل کیلئے اس کو
ایک مثال بنایا۔ ۵۹) اور اگر ہم چاہیں تو تم سے فرشتے پیدا کر دیں جو زمین میں خلافت کریں۔ ۶۰) اور بے شک

Marfat.com

وہ قیامت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے، پس اس میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔ ٦١) اور شیطان تم کو اس سے روکنے نہ پائے، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ٦٢) اور جب عیسیٰ کھلی نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے دعوت دی کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں، اور اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض ان باتوں کی حقیقت کھول دوں جن میں تم نے اختلاف کیا ہے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری بات مان لو۔ ٦٣) بے شک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، اسی کی تم عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔ ٦٤) ان کے اندر سے مختلف گروہوں نے آپس میں اختلاف برپا کیا، پس تباہی ہے ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ظلم کیا، ایک دردناک دن کے عذاب کی۔ ٦٥) کیا یہ لوگ بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آ جائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ ٦٦) اس دن تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے، سوائے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے۔ ٦٧)

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُکَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوْهُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿٥٨﴾

(اور جب ابنِ مریم کی مثال دی جاتی ہے تو آپ کی قوم کے لوگ اس پر شور مچا دیتے ہیں۔ ٥٧) اور کہتے ہیں کہ کیا ہمارے معبود اچھے ہوئے یا وہ، یہ مثال وہ آپ کے سامنے محض کج بحثی کیلئے اٹھاتے ہیں، بلکہ یہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ۔ ٥٨)

حضرت عیسیٰؑ کے حوالے سے ایک اعتراض کا جواب

اس سے پہلے آیت ٤٥ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ آپ سے پہلے جو رسول گزر چکے ہیں ان سے پوچھ کر دیکھئے یعنی ان کی تعلیمات کو دیکھئے کہ کیا ہم نے کسی اور کو اپنے سوا بندگی اور عبادت کیلئے مقرر کیا ہے۔ اور جب ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے کوئی رسول بھی اللہ تعالیٰ کی برابری کر سکے یا اس کی بندگی میں شرکت کر سکے تو پھر تم اپنے معبودوں کو یا فرشتوں کو کس حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص جس کا نام روایات میں عبداللہ ابن الزبعری آیا ہے، وہ اٹھا اور اس نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ مسیح ابنِ مریم کو اللہ تعالیٰ کا رسول کہا جاتا ہے۔ بایں ہمہ عیسائی اسے خدا کا بیٹا قرار دے کر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر ہمارے معبود کیا برے ہیں۔ کیونکہ ہمارے معبودوں کا تعلق تو فرشتوں جیسی پاکیزہ مخلوق سے ہے اور مسیح ابنِ مریم کا تو نسب ہی ثابت نہیں۔ اس پر ایک زور کا قہقہہ بلند ہوا۔ یعنی لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ ایک ایسی مسکت بات ہے، جس کا جواب ممکن نہیں۔ قرآنِ کریم نے اس اعتراض کا جواب دینے کی بجائے پہلے اس تقریر کو مکمل کیا جو آنحضرت ﷺ کے واسطے سے جاری تھی۔ اس کے بعد اس اعتراض کے بارے میں یہ فرمایا کہ یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ مسیح ابنِ مریم کلمۃ اللہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے محض کلمہ کُن سے پیدا کیا۔ اور قرآنِ کریم نے انہیں اللہ تعالیٰ کے رسول کی حیثیت سے پیش کیا۔ اور انہوں نے بھی زندگی بھر توحید کی دعوت دی اور ان کی دعوت اور باقی رسولوں کی دعوت میں سرِ مو فرق نہیں۔ تم اپنے معبودوں کو ان کے ساتھ کیونکر شامل کر رہے ہو۔ تمہاری یہ حرکت کج بحثی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ تم درحقیقت ہو ہی ایک جھگڑالو قوم۔ تم اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے اسمِ مبارک رحمٰن کے بارے میں جھگڑا کھڑا کر چکے ہو۔ یعنی وہ باتیں جو بالکل سامنے کی ہیں انہیں بھی کج بحثی کا موضوع بنا لینا تمہاری عادت ہے۔

Marfat.com

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾

(ابنِ مریم وہ صرف ہمارا ایک بندہ تھا جس پر ہم نے اپنا فضل فرمایا، اور بنی اسرائیل کیلئے اس کو ایک مثال بنایا۔ ۵۹)

مسیح ابنِ مریم ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ تھا۔ البتہ ہم نے اس پر انعامات کئے کہ ہم نے اسے بغیر باپ کے پیدا کیا، اور ایسے معجزات عطا کئے جن کی مثال نہ پہلے ملتی ہے اور نہ بعد میں۔ وہ مٹی سے پرندے بناتے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر پھونکتے اور وہ سچ مچ پرندوں کی طرح اڑنے لگتے۔ مُردوں کو اللہ تعالیٰ کے نام پر زندہ کر دیتے تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ انعامات ان کی صفات کی صورت اختیار کرلیں گے اور ان میں خدائی صفات پیدا ہو جائیں گی۔ رہی یہ بات کہ انسان خاکی مخلوق ہے اور فرشتے نوری مخلوق۔ اور جنات کو آگ سے پیدا کیا گیا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی تقسیم ہے۔ یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ کس مخلوق کو کس عنصر سے پیدا کردے اور ان سے کس قسم کی خدمات لے۔ لیکن یہ امرِ واقعہ ہے کہ کسی مخلوق کو کسی خاص عنصر سے پیدا کر دینے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ پر یہ لازم نہیں ہو جاتا کہ وہ اس مخلوق کو اسی عنصر سے پیدا کرے جس سے وہ ایک دفعہ پیدا کر چکا ہے۔ اس لئے اگلی آیت میں فرمایا:

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾

(اور اگر ہم چاہیں تو تم سے فرشتے پیدا کر دیں جو زمین میں خلافت کریں۔ ۶۰)

مشرکین کی غلط فہمی کا ازالہ

یعنی فرشتوں کا نور سے پیدا ہونا انہیں مخلوق ہونے سے نہیں نکالتا، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ویسے ہی مخلوق ہیں جیسی تم مخلوق ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ اسی طرح عاجز ہیں جیسے تم عاجز ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اس بات کی پابند نہیں کہ وہ نور ہی سے فرشتوں کو بنائے۔ وہ تم میں بھی فرشتوں کو پیدا کرسکتی ہے۔ اور جس خلافت کی ذمہ داری پر تمہیں فائز کیا گیا ہے، اسی ذمہ داری پر وہ بھی فائز کئے جاسکتے ہیں۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح زمین پر انسانوں کے جانشین انسان ہی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ وہ انہیں تمہارا جانشین بنادے۔ کسی مخلوق کا نور سے پیدا ہونا یا نار سے یا کسی کو مٹی کا پتلا بنانا اس کے نزدیک حکمت کا تقاضا تو ہوسکتا ہے لیکن قدرت کی علامت نہیں۔ خدائی صفات صرف اس کی ذات میں ہیں، کوئی مخلوق کسی بھی عنصر سے پیدا ہو وہ بہرحال مخلوق ہے اور مخلوق خالق کے سامنے عجز و نیاز اور سرافگندگی کی علامت ہے۔ بنابریں فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بنانا یا اس کی قدرت میں شریک سمجھنا جہالت کے سوا کچھ نہیں۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۱﴾
وَلَا یَصُدَّنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۶۲﴾

(اور بے شک وہ قیامت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے، پس اس میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔ ۶۱) اور شیطان تم کو اس سے روکنے نہ پائے، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ۶۲)

Marfat.com

حضرت عیسیٰؑ کے معجزات سے استدلال

یعنی قریش نے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات بابرکات کو ایک مذاق بنا کے رکھ دیا ہے اور ایک سیدھی بات کو الجھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ محض غیر سنجیدگی کی علامتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اور پھر بچپن میں آپ کا باتیں کرنا، اپنی نبوت کا اعلان کرنا اور کتاب کے دیئے جانے کی خبر دینا۔ اور پھر اپنی دعوت کے آغاز میں غیر معمولی معجزات کا دکھانا، مٹی کی مورتیوں کو اللہ تعالیٰ کے نام سے اڑتے ہوئے پرندوں میں تبدیل کر دینا، برسوں کے قبروں میں پڑے ہوئے مردوں کو زندہ کر دینا۔ یہ سب اس بات کی علامتیں تھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر موت کو زندگی میں تبدیل کر سکتا ہے۔ مٹی کی مورتیوں کو زندہ جانوروں کی طرح قوتِ پرواز دے سکتا ہے تو اس کا خالق و مالک جس نے اپنے ایک بندے میں یہ صفات پیدا کی ہیں وہ از سرِ نو مخلوقات کو زندہ کیوں نہیں کر سکتا۔ اگر وہ کلمہ 'کُن' سے بن باپ کے بیٹا پیدا کر سکتا ہے تو کلمہ 'کُن' سے قیامت برپا کیوں نہیں کر سکتا، اور تمام لوگوں کو زندہ کر کے میدانِ حشر میں کیوں نہیں لا سکتا۔ کہنا صرف یہ ہے کہ مرنے اور جینے میں اصلی دخل ظاہری اسباب کو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت کو ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جس پر سب سے زیادہ زور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مواعظ میں دیا ہے۔ انہوں نے آسمان کی بادشاہی اور ابدی زندگی کی منادی اس شان سے کی ہے کہ سننے والے دل پگھل کے رہ جاتے ہیں۔ اور آخرت کی تذکیر اس قوت سے فرمائی ہے کہ آخرت کے خوف اور شوق دونوں سے دل لبریز ہو جاتا ہے۔

آخر میں فرمایا کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تمسخر اڑا رہے ہو حالانکہ ان کی زندگی کے حالات سے یقین کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس میں شک و شبہ کے اوہام اڑ جاتے ہیں اور انکار و ارتیاب کی جگہ یقین کی دولت لینی لگتی ہے۔ اس لئے تم بھی اس معاملے میں شک و شبہ کا اظہار نہ کرو، بلکہ تمہاری بھلائی اس میں ہے کہ میرا اتباع کرو۔ یعنی آنحضرت ﷺ کا اتباع کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ اور یاد رکھو کہ شیطان صراطِ مستقیم کا کھلا ہوا دشمن ہے جس کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں۔ وہ ہر ممکن طریقے سے کوشش کرے گا کہ تمہیں صراطِ مستقیم کی طرف آنے سے روکے۔ اس لئے نہایت چوکنا رہ کر اس کی دشمنی سے بچو اور اپنی عافیت کیلئے صراطِ مستقیم کی طرف بڑھو۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم
بَعْضَ الَّذِى تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُونِ ﴿٦٣﴾

(اور جب عیسیٰ کھلی نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے دعوت دی کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں، اور اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض ان باتوں کی حقیقت کھول دوں جن میں تم نے اختلاف کیا ہے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری بات مان لو۔ ٦٣)

Marfat.com

حضرت عیسیٰ ؑ حکمتِ شریعت لے کر آئے

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقصدِ بعثت کو بیان فرمایا ہے کہ میں تمہارے پاس کوئی نیا دین یا نئی شریعت لے کر نہیں آیا بلکہ ایک تو میں اپنے ساتھ واضح معجزات اور مضبوط دلائل لے کر آیا ہوں جس سے تمہیں میری حیثیت کو جاننے میں مدد ملے گی اور صراطِ مستقیم پر یقین کی دولت نصیب ہوگی۔ اور دوسرا میں اس لئے آیا ہوں کہ میں تمہارے سامنے حکمتِ دین کو واضح کرسکوں۔ یعنی میرے نزدیک روحِ دین اور مغزِ دین سے بنی اسرائیل کو آگاہ کرنا سب سے اہم ہے۔ کیونکہ قومیں جب تک چند ظاہری رسوم تک اپنے دین کو محدود رکھتی ہیں تو ان میں دو خرابیاں پیدا ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ ایک تو یہ کہ وہ چند رسوم و رواج کے ادا کر دینے کو دین کی ذمہ داریوں سے فراغت کا ہم معنی سمجھتی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے یومِ ولادت کو بھی چند ظاہری رسوم تک محدود کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس انقلاب کا حق ادا کر دیا ہے جس کے داعی بن کر دنیا میں اللہ تعالیٰ کے رسول آتے ہیں۔ اور نماز کی ظاہری حالت کو انجام دینے کے بعد یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اطاعت و بندگی کا حق ادا کر دیا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے مذہب ایک بیگانہ چیز ہو کے رہ جاتی ہے اور انسان دوسری تہذیبوں، دوسری ثقافتوں اور دوسرے افکار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ ظاہری زندگی پر عمل کو کافی سمجھتے ہوئے حقیقی دین کے بارے میں عجیب و غریب اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں جن کو دور کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہود بھی حکمتِ دین سے محروم ہو جانے کے بعد اسی فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی اصل روح وہ مقصدِ حیات تھا جس کو لے کر وہ دنیا میں تشریف لائے تھے۔ لیکن جب ظاہر پرستی اصل دین بن گئی تو مقصدِ حیات ایک طرف رہ گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات و صفات اور ان کے معجزات اصل موضوع بن کر رہ گئے۔ نتیجتاً آپ کی ذات کے بارے میں وہ اختلافات پیدا ہوئے جن کا آج تک فیصلہ نہ ہوسکا۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾

(بے شک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، اسی کی تم عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔ ۶۴)

حضرت عیسیٰ ؑ کی اصل دعوت

صرف رسوم اور الفاظ کی بحث میں پڑے رہنا اور روحِ دین کی طرف توجہ نہ کرنا، اس کی ایک واضح مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت ہے۔ آپ نے بالکل وہی دعوت اپنی قوم کے سامنے پیش کی جس کے داعی بن کر تمام رسولانِ گرامی تشریف لائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور اپنے حقوق میں یکتا اور بے مثال ہے۔ کسی حوالے سے بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس لئے اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت اور بندگی میں کسی اور کو شریک نہ بناؤ۔ اس کیلئے انجیلوں کی شہادت کے مطابق آپ نے جو الفاظ استعمال کئے وہ یہ تھے کہ اللہ ہی میرا بھی باپ ہے اور تمہارا بھی باپ ہے۔ یعنی عبرانی زبان میں ''اب'' جس طرح باپ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اسی طرح رب کے معنی میں بھی استعمال

Marfat.com

ہوتا ہے۔ جب آپ نے یہ کہا کہ وہ میرا بھی اب ہے اور تمہارا بھی اب ہے تو اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی رب ہے۔ کیونکہ ہم سب ایک ہی باپ کی اولاد تو نہیں ہیں بلکہ تم سب الگ الگ باپوں کی اولاد ہو اور میرا کوئی باپ نہیں، میں اللہ تعالیٰ کے لفظِ کُن سے پیدا ہوا ہوں۔ لیکن جب میں اللہ تعالیٰ کو اپنا اور تمہارا ''اب'' کہتا ہوں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ میں اس سے ''رب'' مراد لے رہا ہوں۔ اور اسی کا ترجمہ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں پروردگار نے ارشاد فرمایا اب اگر یہود کی نگاہ روحِ دین پر ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اس کی الوہیت اور اس کی بندگی پر غور وفکر کرتے۔ لیکن ان کی تمام توجہات لفظِ اب میں سمٹ کر رہ گئیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایسی الجھنوں کا شکار ہوئے جن کا عقدہ آج تک حل نہ ہوا۔ حالانکہ صراطِ مستقیم اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ سب کا رب ایک اللہ ہے، اسی کی سب کو عبادت کرنی ہے، اگر اسے حقیقی معنوں میں اختیار کر لیا جاتا تو عیسائیوں میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہوتا۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۶۵﴾

(ان کے اندر سے مختلف گروہوں نے آپس میں اختلاف برپا کیا، پس تباہی ہے ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ظلم کیا، ایک دردناک دن کے عذاب کی۔ ۶۵)

رسوم پرستوں نے اختلافات پیدا کیئے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے واضح ہونے میں کوئی شبہ نہیں، لیکن رسوم پرستی کے خوگر لوگوں نے ان میں اختلافات کی راہیں نکال لیں۔ ایک گروہ نے انہیں ماننے سے انکار کر دیا اور ان کے تمام کمالات کو ایک طرف رکھتے ہوئے ان پر ناجائز ولادت کی تہمت لگائی اور غلط الزامات سے انہیں حکومت کی نگاہ میں ایسا مجرم ثابت کیا کہ اپنے تئیں انہیں سولی پر چڑھوا کر چھوڑا۔ دوسرے گروہ نے ان کا اقرار کیا، لیکن عقیدت میں بے تحاشا غلو کر کے ان کی ذات کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔ حضرت شمعون کے پیروؤں کے سوا دوسرے تمام فرقوں نے تثلیث اور کفارہ وغیرہ کے طریقے ایجاد کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و توحید کا بالکل خاتمہ کر دیا۔ اور پال نے مسیحیت کو بدعات کا ایسا مجموعہ بنایا کہ ان بدعات کی تعبیر میں آج تک وحدت پیدا نہ ہو سکی۔

آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیدھی سادھی دعوت کے باوجود شرک کا راستہ اختیار کیا انہوں نے درحقیقت اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا۔ قیامت کے روز یہ لوگ اپنے اس ظلم اور شرک کی وجہ سے دردناک دن کے عذاب میں ہوں گے۔

هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾

(کیا یہ لوگ بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آ جائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ ۶۶)

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کو تسلی

اس آیتِ کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور کفار سے اعراض کا حکم بھی۔ آپ کی تذکیر و دعوت کا زور جس طرح توحید کے حوالے سے تھا اسی طرح آپ بار بار قیامت کے تصور کو بھی دلوں میں اتارنے کی کوشش فرماتے تھے۔ لیکن سننے والوں کا حال یہ تھا کہ کبھی تو قیامت کا مذاق اڑاتے، کبھی اسے سوالات کی سان پر چڑھاتے اور کبھی ایسی بے نیازی کا ثبوت دیتے کہ گویا یہ کوئی قابلِ ذکر دن ہی نہیں۔ اولاً تو اس کے آنے کا امکان ہی نہیں اور اگر کسی نہ کسی حد تک اسے مان بھی لیا جائے تو یہ ایسی چیز نہیں جس کی کوئی فکر کی جائے یا جس کی تیاری کی کوشش کی جائے۔ ہم جن اعمال و اشغال میں وقت گزار رہے ہیں ہم اپنی ان دلچسپیوں کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اور ہمارے پاس کوئی وقت نہیں کہ ہم موہوم باتوں کی تیاری شروع کر دیں۔ قیامت کو آنا ہے تو آ جائے، ہمیں اس کی کیا پرواہ۔ جیسے موسم آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں، دھوپ چڑھتی ہے پھر سایہ ہو جاتا ہے، ان میں کون سے بات فکرمندی کی ہے، ایسے ہی قیامت آئے گی تو گزر جائے گی۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ قیامت اگر آئے تو اس طرح آئے کہ ہمیں اس کا شعور تک نہ ہو سکے۔ آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہ خود فریبیوں کے مارے ہوئے لوگ ہیں، آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور ان کی غفلت اور لاپرواہی کو دل کا روگ نہ بنایئے۔

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾

(اس دن تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے، سوائے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے۔ ۶۷)

قیامت کے روز نفسی نفسی

آنحضرت ﷺ کو یہ تسلی دینے کے بعد کہ قیامت کے بارے میں ان کی بے نیازیوں سے آپ کوئی اثر قبول نہ کریں۔ لیکن ان لوگوں کیلئے جو کسی حد تک بھی غور و فکر کے عادی ہیں سوچنے کی بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ منکرینِ قیامت کو جس چیز نے سہارا دے رکھا ہے اور یہ چند روزہ زندگی ان کیلئے محبوب اور محترم ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ صرف ان کے باہمی دوستانہ تعلقات ہیں اور ایک دوسرے پر وہ اعتماد ہے جس نے ان کو ایک دوسرے کا ساتھی بنا رکھا ہے۔ اور بعض لوگوں کے بارے میں یہ حُسنِ ظن ہے کہ وہ ہر برے وقت میں ہمارے کام آ سکتے ہیں۔ یہی تصورات ہیں جس نے انہیں ہر خطرے سے بے نیاز اور آخرت سے بالکل نچنت کر رکھا ہے۔ لیکن انہیں معلوم نہیں کہ وہ دن جسے قیامت کہا جاتا ہے جسے بہرصورت آنا ہے اس دن کوئی قریبی سے قریبی رشتہ دار اور عزیز سے عزیز دوست بھی کسی کے کام آنے والا نہیں بنے گا، دوستی کے تمام رشتے ٹوٹ جائیں گے، ہر شخص کو اپنی ذات کی فکر ہوگی اور ہر دوسرے آدمی کو وہ اپنا دشمن جانیں گے۔ دوستوں کے بارے میں اس کے دل میں یہ بات اتر جائے گی کہ اگر یہ لوگ وقت گزاری میں میرے معاون نہ ہوتے اور ان کے تعلقات میرے لئے محبت کا پیغام نہ بنتے تو میں شاید کبھی ان کے قریب نہ آتا۔ اور ان سے ہٹ کر کبھی مجھے آزادی سے خیر و شر اور مستقبل کے بارے میں غور و فکر کرنے کا موقع ملتا تو میں شاید قیامت کے تصور سے اتنا بیگانہ نہ رہتا۔ اس دن ہر شخص اپنی محرومی پر سر پیٹے گا اور اپنے ساتھی کو ملامت کرے گا۔ اس دن اس دل دہلا دینے والے تصور سے صرف وہ لوگ بچے ہوئے ہوں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو اپنی زندگی کا عنوان بنایا ہوگا۔ وہ جب اپنے لئے چاروں طرف کامیابی و کامرانی پر سلام و تحیت کے جاں فزا الفاظ سنیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں گے کہ اس نے ہمیں اس دن کی تیاری کا موقع عطا فرمایا۔

Marfat.com

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ
تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ وَفِيْهَا
مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَ
تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ
كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾
لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا
هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ اِنَّكُمْ
مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٨﴾
اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ
نَجْوٰىهُمْ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٨٠﴾ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ
وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ
الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا
يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي
الْاَرْضِ اِلٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٥﴾

Marfat.com

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ ع

رکوع: ۷۔ (اے میرے بندو! آج تمہارے لئے کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو۔ ۶۸) جو لوگ ایمان لائے اور مطیع فرمان بن کر رہے۔ ۶۹) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں، تم خوش کئے جاؤ گے۔ ۷۰) ان کے آگے سونے کی طشتریاں اور ساغر گردش کرائے جائیں گے اور ان میں وہ چیزیں ہوں گی جن کو دل چاہیں گے اور آنکھوں کیلئے لذت بخش ہوں گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ ۷۱) اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو اپنے ان اعمال کی وجہ سے جو تم دنیا میں کرتے رہے ہو۔ ۷۲) اور تمہارے لئے اس جنت میں بکثرت میوے ہوں گے جن میں سے تم کھاؤ گے۔ ۷۳) رہے مجرمین تو وہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ ۷۴) اور ان سے عذاب کبھی ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے۔ ۷۵) اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم ڈھانے والے بنے۔ ۷۶) اور وہ پکاریں گے، اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کردے تو اچھا ہے، وہ جواب دے گا تم اسی حال میں پڑے رہو گے۔ ۷۷) ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے مگر تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے رہے۔ ۷۸) کیا انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ کرلیا ہے، تو ہم بھی ایک قطعی فیصلہ کرلیں گے۔ ۷۹) کیا وہ یہ گمان رکھتے ہیں کہ ہم ان کے راز کی باتیں اور ان کی سرگوشیاں سنتے نہیں۔ "کیوں نہیں" ہم سب کچھ سن رہے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھ بھی رہے ہیں۔ ۸۰) اے پیغمبر! کہہ دیجئے، اگر رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے عبادت کرنے والا میں ہوتا۔ ۸۱) پاک ہے آسمانوں اور زمین کا فرماں روا، عرش کا مالک ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ ۸۲) پس آپ ان کو چھوڑ دیجئے وہ اپنے باطل خیالات میں ڈوبے رہیں اور اپنے کھیل کود میں منہمک رہیں یہاں تک کہ وہ اس دن سے دوچار ہوں جس دن سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے۔ ۸۳) اور وہی اکیلا

Marfat.com

آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے، اور وہی حکمت والا اور علم والا ہے۔ ۸۴) اور بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضے میں زمین وآسمان اور ہر اس چیز کی بادشاہی ہے جو زمین وآسمان کے درمیان ہے اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ ۸۵) اللہ کو چھوڑ کر جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، بجز ان لوگوں کے جو حق کی گواہی دیں اور وہ علم بھی رکھتے ہوں۔ ۸۶) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے، تو پھر کہاں بھٹک جاتے ہیں۔ ۸۷) قسم ہے رسول کے اس قول کی کہ اے رب یہ وہ لوگ ہیں جو خود ایمان لانے والے نہ بنے۔ ۸۸) اے نبی! آپ ان سے درگزر کریں اور کہیں اچھا میرا اسلام لو، وہ عنقریب خود جان لیں گے۔ ۸۹)

يٰعِبَادِ لَاخَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾

(اے میرے بندو! آج تمہارے لئے کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو۔ ۶۸) جو لوگ ایمان لائے اور مطیع فرمان بن کر رہے۔ ۶۹) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں، تم خوش کئے جاؤ گے۔ ۷۰)

قیامت کے روز ایمان کا رشتہ باقی رہے گا

گزشتہ آیتِ کریمہ میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے روز تمام رشتے ٹوٹ جائیں گے، بجز ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے۔ ایسے لوگ قیامت کے دن بھی ایک دوسرے کے ہمدرد وغمگسار ہوں گے۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ان ہی لوگوں کو مبارکباد دی جارہی ہے کہ اے میرے بندو! تم آج تک خوف اور حزن کی گرفت میں رہے، خوف مستقبل کے خطرات کا ہوتا ہے کہ نہ جانے آگے چل کر ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اور "حزن" حاضر وماضی کی ناکامی اور صدمات کا، کہ آدمی جو صدمے گزار چکا ہے، اور جن مصیبتوں سے دوچار ہو چکا ہے کبھی نہ کبھی ان کی یاد آئے بغیر نہیں رہتی۔ اس طرح کبھی خوف آدمی کو پریشان کرتا ہے اور کبھی حزن انتشارِ فکر کا باعث بنتا ہے۔ لیکن قیامت کے دن ارشاد فرمایا جائے گا کہ آج تمہیں نہ ماضی کے صدمے پریشان کریں گے، نہ حال کی الجھنیں تمہارے لئے کوئی مسئلہ بنیں گی اور نہ مستقبل کے بارے میں کبھی تمہاری سوچ پریشانی پیدا کرے گی۔ کیونکہ جنت میں داخل ہونے کے بعد ہر آزار سے تم آزاد ہو جاؤ گے۔ اور یہ سب کچھ تمہیں اس لئے نصیب ہوگا کہ تم نے اپنے اندر وہ صفات پیدا کیں جو اہلِ جنت کی صفات ہیں، تم نے سب سے پہلے اپنے اندر ایمان کی صفت پیدا کی۔ یعنی ہماری آیات پر ایمان لائے اور صدقِ دل سے ہمارے احکام پر عمل پیرا رہے۔ یعنی ایک تو دل میں ضروریاتِ دین کی صداقت پر یقین اور پھر اللہ تعالیٰ کے احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل، یہ دو قوتیں ہیں جو انسان کو اہلِ جنت میں داخل کر دیتی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم نے چونکہ اپنے لئے جنت کا استحقاق پیدا کر لیا ہے اس لئے اب تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ لیکن اکیلے نہیں تمہارے ساتھ تمہاری بیویاں بھی ہوں گی۔ یعنی اگر انہوں نے بھی اپنے اندر وہی صفات پیدا کیں جو جنت میں داخلے کیلئے ضروری ہیں تو تھوڑی بہت کمی بیشی بھی اگر باقی رہی تو اللہ تعالیٰ کرم فرمائیں گے اور

Marfat.com

تمہیں تمہاری بیویوں کے ساتھ جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ بعض اہلِ علم نے اس کا ترجمہ نوع بنوع اور گونا گوں کیا ہے۔ اس ناچیز کے خیال میں یہ بھی صحیح ہے۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جب ایسے صاحب ایمان بندوں کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دے گا تو ساتھ ہی انہیں یہ بھی اعزاز بخشے گا کہ تم اپنے ہم مسلک اور ہم عقیدہ لوگوں کو ساتھ لے کر جنت میں جاؤ۔ کیونکہ دنیا میں جن لوگوں نے ایمان کا حق ادا کرتے ہوئے ایک دوسرے کی مدد کی اور مل کر وہ ذمہ داریاں اٹھائیں جو انسان کو جنت کا مستحق بناتی ہیں تو ان کی خوشیاں یقیناً نامکمل رہیں گی۔ اگر ان کے ساتھ وہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوئے جو جنت کیلئے اسی طرح بے تاب تھے جیسے یہ بے تاب ہوا کرتے تھے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَاتَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾

(ان کے آگے سونے کی طشتریاں اور ساغر گردش کرائے جائیں گے اور ان میں وہ چیزیں ہوں گی جن کو دل چاہیں گے اور آنکھوں کیلئے لذت بخش ہوں گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ ۷۱) اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو اپنے ان اعمال کی وجہ سے جو تم دنیا میں کرتے رہے ہو۔ ۷۲) اور تمہارے لئے اس جنت میں بکثرت میوے ہوں گے جن میں سے تم کھاؤ گے۔ ۷۳)

جنت میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کی عزت افزائی

اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے فرماں بردار بندوں کے ساتھ جو سلوک کرے گا اور جس طرح ان کی عزت افزائی کی جائے گی اس کی ایک جھلک دکھاتے ہوئے فرمایا کہ ان کے سامنے سونے کی طشتریاں اور ساغر گردش کرائے جائیں گے۔ یعنی غلمانِ جنت ہر وقت ان کی تواضع اور ضیافت کیلئے مستعد ہوں گے اور طشتریاں اور ساغر لئے ہوئے بار بار ان کے سامنے آئیں گے۔

مزید فرمایا کہ ان طشتریوں اور ساغروں میں کھانے پینے کی وہ چیزیں ہوں گی جن کی چاہت دلوں میں ہوگی، دل اس کی تمنا کریں گے اور بار بار ان چیزوں کیلئے دلوں میں امنگ پیدا ہوگی۔ اسی طرح جو جام وہ بھر کر لائیں گے ان میں بھی وہ چیز ہوگی جو آنکھوں کو لذت بخشنے والی ہوگی۔ کیونکہ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو دیکھنے کو اچھی ہوتی ہیں لیکن ان کا مزہ اچھا نہیں ہوتا۔ اور بعض ایسی ہیں کہ مزے میں بے مثال ہوتی ہیں لیکن شکل وصورت میں کوئی اپیل نہیں رکھتیں۔ لیکن جنت کی نعمتوں میں بیک وقت یہ دونوں خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

مزید فرمایا کہ یہ جنت چند دنوں کی مہمانی کی جگہ نہیں کہ ہر وقت دل میں یہ کھٹکا لگا رہے کہ آج میں جن نعمتوں سے شادکام کیا جا رہا ہوں نہ جانے اس کی عمر کب ختم ہونے والی ہے اور میرا میزبان کب مجھے رختِ سفر باندھنے کا حکم دے دے گا۔ ایسا نہیں بلکہ نہایت التفات کے ساتھ فرمایا کہ اے میرے بندو! تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہ نعمتیں اور یہ عیش کی زندگی اور خدام کی یہ خدمتیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی۔

مزید فرمایا اور اس میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے اعزاز اور انعام کی انتہا کر دی کہ جنت تمہیں جو عطا کی گئی ہے یہ محض ہمارا انعام نہیں بلکہ یہ تمہارے اعمال کا صلہ ہے۔ تمہاری یہ عزت افزائی بلا استحقاق نہیں بلکہ تم نے زندگی بھر اپنے ایک ایک عمل سے اس کا استحقاق

Marfat.com

پیدا کیا ہے۔اورانسانی فطرت یہ ہے کہ یوں تو اسے انعام ملنے سے بھی خوشی ہوتی ہے لیکن جب اسے یہ معلوم ہو کہ یہ نعمتوں کی بارش درحقیقت میری محنتوں کا ثمرہ ہے تو اس کی خوشی میں چند در چند اضافہ ہو جاتا ہے۔

مزید فرمایا کہ اب تک ہم نے تمہارے ماکولات ومشروبات کا ذکر کیا ہے۔لیکن اب ہم یہ بتائے دیتے ہیں کہ جنت میں تمہاری لطف اندوزی کیلئے بے شمار قسم کے میوے ہوں گے اور ان میں سے جس میوے سے تم چاہو گے لطف اٹھاؤ گے اور اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا کہ موسم بدلنے سے کوئی میوہ نایاب ہو جائے گا اور یا کثرتِ استعمال سے ان میں کمی پیدا ہو جائے گی۔وہ ہر وقت اور پوری فراوانی سے اہلِ جنت کی دسترس میں ہوں گے۔

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾

(رہے مجرمین تو وہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ ۷۴)

نافرمان بندوں کا انجام

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور فرماں بردار بندوں کے ذکر کے بعد پروردگار نے اپنے ان ناشکرگزار اور نافرمان بندوں کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے دنیا میں مجرم بن کر زندگی گزاری۔بجائے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے کے اور زندگی کا وہ رویہ اختیار کرنے کے جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے قدم قدم پر اس کیخلاف رویہ اختیار کیا جس میں احکام کی خلاف ورزی بھی تھی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو نظرانداز کرنے کی جسارت بھی۔ظاہر ہے کہ اس سے بڑا اجرم اور کیا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حاکمانہ اقتدار کو ماننے سے بھی انکار کر دیا اور اس کی اصل حیثیت کو بھی تسلیم کرنے سے گریزاں رہے۔چونکہ یہ سب سے بڑا اجرم ہے اور یہ جرم انہوں نے زندگی بھر کیا ہے اس لئے اس کی سزا بھی ایسی ہوگی جو آخرت کی زندگی پر محیط ہوگی یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہیں گے۔

لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾

(اور ان سے عذاب کبھی ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے۔ ۷۵)

اہلِ جہنم کی ابدی مایوسی

دنیا میں بڑی سے بڑی سزا بھی وقت کی قید کے ساتھ دی جاتی ہے یعنی یہ شخص اتنے سال جیل میں رہے گا اور یا اسے عمر قید دی جاتی ہے اور وہ بھی چند سالوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔اسی طرح سزا کی شدت میں بھی آہستہ آہستہ کمی آ جاتی ہے۔جن لوگوں کو بامشقت سزا دی جاتی ہے انہیں مشقت کرتے ہوئے شروع میں ہاتھوں میں چھالے پڑتے ہیں، پھر یہ پھوٹتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ گٹوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔اب ان میں وہ شدت نہیں رہتی جو سزا کے آغاز میں ہوتی ہے۔لیکن قیامت ایک ایسی سزا کی جگہ ہے جس میں نہ تو سزا ہلکی کی جائے گی۔یعنی نہ اس کی شدت میں کمی آئے گی اور نہ اس کی کمیت میں کمی ہوگی۔آخرت کی زندگی چونکہ ہمیشہ کی زندگی ہے

Marfat.com

اس لئے وہاں اس کا کوئی سوال نہیں ہوگا کہ ہم نے اتنے سال جہنم کی سزا کاٹی ہے تو باقی اتنے سال رہ گئے۔ بلکہ وہاں تو علی الاطلاق ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہنا ہے اس لئے سالوں کی گنتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور رہی سزا کی شدت اس میں بھی زیادہ سے زیادہ آدمی یہ امید کرتا ہے کہ جہنم کی آگ سے میری کھال جل جائے گی تو پھر شاید مجھے موت آجائے اور پھر کھال کے جل جانے سے میری تکلیف کی شدت میں کمی ہو جائے۔ لیکن قرآنِ کریم ہمیں بتاتا ہے کہ جب کھال جل جانے کے بعد جھڑ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس مجرم کو نئی کھال پہنا دیں گے تا کہ وہ نئے سرے سے عذاب کا مزہ چکھے۔ اس طرح سے جہنم کا ہر مجرم مایوسی میں مبتلا سزا کا شکار رہے گا۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾

(اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم ڈھانے والے بنے۔ ٧٦)

غلط فہمی کا ازالہ

آیاتِ بالا میں عذاب کا ذکر دیکھ کر ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ جہنم میں ہمیشہ کی سزا اور ایسی کڑی سزا جس میں امید کا ہر تنکا ٹوٹ جائے گستاخی نہ ہو تو اسے ظلم کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اس کے جواب میں پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ یہ ظلم ہم نے ان پر نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم ڈھاتے رہے۔ یعنی ہم انہیں بار بار تنبیہ کرتے رہے کہ اگر تم نے اپنے ان کرتوتوں کو نہ چھوڑا، شرک سے توبہ نہ کی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر گزار نہ ہوئے تو تمہیں وہ سزا ملے گی جس کا تصور بھی کپکپا دینے والا ہے۔ لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی کسی بات کو وزن دینا تو دور کی بات ہے سننا بھی گوارا نہ کیا۔ اور اپنی بداعمالیوں میں اسی طرح بڑھتے چلے گئے جس میں ان کی خواہشات کی تکمیل ہوتی تھی۔ نتیجہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق وہ آخرت میں اپنے جس انجام میں پکڑے گئے ہیں تو اس انجام کے اسباب انہوں نے خود پیدا کئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کئے۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾

(اور وہ پکاریں گے، اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کردے تو اچھا ہے، وہ جواب دے گا تم اسی حال میں پڑے رہو گے۔ ٧٧)

مایوسی کی وضاحت

یہ ایک طرح سے آیت ۷۵ میں ان کی جس مایوسی کا ذکر فرمایا گیا ہے اس کی وضاحت ہے، کہ جب جہنم کی تکلیفیں ان کیلئے ناقابلِ برداشت ہو جائیں گی اور کسی طرف سے بھی ان کی آہوں کا جواب نہیں ملے گا تو پھر ان کے پاس ایک ہی راستہ ہوگا کہ وہ داروغۂ جہنم کو جنہیں مالک کے نام سے یاد کیا گیا ہے پکاریں گے کہ اے مالک اپنے رب تک ہماری درخواست پہنچا دیجئے کہ اب یہ تکلیفیں ہم سے برداشت نہیں ہوتیں، وہ ہمارا کام تمام کردے، یعنی ہماری موت کا فیصلہ فرمادے۔ کیونکہ کسی بھی دکھی انسان کی آخری امید جو تمام

Marfat.com

امیدوں کے کٹ جانے کے بعد بھی باقی رہتی ہے وہ موت ہے۔ کیونکہ موت کے آ جانے کے بعد تمام تکلیفوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ داروغۂ جہنم سے کہیں گے کہ اپنے مالک سے کہو کہ وہ ہمیں موت دے دے۔ موت اگرچہ تلخ چیز ہے لیکن اس وقت ہم جس صورتحال سے دوچار ہیں اس میں موت ہی ہماری مصیبتوں کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ تو داروغۂ جہنم بڑی بے نیازی سے ان سے کہے گا کہ یہ آخرت کی دنیا ہے اس میں کسی کو موت نہیں آتی۔ سزائیں ملتی ہیں اور ہر شخص ان ہی سزاؤں میں یہ ابدی زندگی گزارتا ہے۔ تو تم بھی اسی طرح سسک سسک کر زندگی گزارو گے، موت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اندازہ فرمایئے کہ جو آدمی اپنے مصائب کے خاتمہ کیلئے موت کی تمنا کرے اور موت بھی اس کو نہ آئے تو اس کی مایوسی کی انتہا کیا ہوگی۔ غالب نے ٹھیک کہا تھا:

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
ناامیدی اس کی دیکھا چاہئے

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾

(ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے مگر تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے رہے۔ ۷۸)

قریش کو تنبیہ

گزشتہ آیت میں کفار کی درخواست پر داروغۂ جہنم کا جواب ذکر فرمایا گیا ہے، ممکن ہے یہ بھی اسی جواب کا حصہ ہو۔ اس صورت میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ داروغۂ جہنم اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جواب دیتے ہوئے یہ کہے گا کہ آج تم جس انجام میں پکڑے گئے ہو یہ سب کچھ اچانک نہیں ہوا، بلکہ ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے، (یہ ہم کا استعمال داروغۂ جہنم کی طرف سے اس لئے ہوگا کہ وہ ایک سرکاری افسر کی حیثیت سے بات کر رہا ہے) لیکن تم میں سے اکثریت اس حق کو قبول کرنے سے گریز کرتی رہی، بلکہ تمہیں اس حق سے ایک بیزاری سی ہو گئی تھی، قبولیت تو بہت دور کی بات تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حق سے انکار اور بیزاری کے باعث تم جہنم کے بدترین عذاب کا شکار ہو۔ اور اگر اسے پروردگار کی جانب سے سمجھا جائے تو پھر بھی مفہوم میں کوئی غیر معمولی فرق نہیں پڑتا، پھر بھی مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اپنے رسول کی معرفت تم پر حق واضح کر دیا تھا، تمہیں بتا دیا تھا کہ زندگی کا وہ رویہ جو تمہارے لئے کامرانیوں کی نوید لائے گا وہ، وہ ہے جو ہمارا رسول پیش کر رہا ہے۔ اور اگر تم نے اس سے انکار کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سزا کے طور پر تمہیں جہنم کے عذاب کے حوالے کر دیا جائے گا۔ چنانچہ آج تم جہنم میں اسی اعلان کے مطابق پہنچے ہو، تو اب اس پر شکایت کرنا یا مختلف قسم کی درخواستیں پیش کرنا ایک بے معنی بات ہے۔

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

(کیا انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ کر لیا ہے، تو ہم بھی ایک قطعی فیصلہ کر لیں گے۔ ۷۹)

Marfat.com

قریش کو فیصلہ کن عذاب کی دھمکی

گزشتہ آیت میں اسلوب خطاب کا تھا۔ اس آیت میں غائب کا اسلوب اختیار کرلیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قریش اور دیگر مشرکین پر یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ تم اپنے مسلسل کرتوتوں کی وجہ سے اس قابل نہیں رہے کہ تم سے براہِ راست خطاب کیا جائے، بلکہ تم سے منہ پھیر کر یہ بات کہی جارہی ہے اور ساتھ ہی اس بات کا بھی اندازہ ہورہا ہے کہ اب معاملہ افہام وتفہیم سے آگے نکل چکا ہے۔ تم نے پیغمبر کے ساتھ چونکہ اپنے رویئے میں انتہا کردی ہے اور کوئی سا دکھ اور کوئی سی تکلیف ایسی نہیں جس کا نشانہ تم نے مسلمانوں کو نہ بنایا ہو۔ تمہارے اس رویئے نے ہمارے غضب کو بھڑکنے کی دعوت دی ہے۔ تم نے اگر یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ تم نبی کریم ﷺ کی دعوت کے سننے کے بھی روادار نہیں ہو تو ہم بھی پھر تمہاری ہدایت سے محرومی کا فیصلہ کئے دیتے ہیں، کیونکہ ہمارا تو قانون ہی یہ ہے کہ ہم اس وقت تک مہلت دیئے جاتے ہیں جب تک مخالفین کا رویہ مایوسی پیدا نہیں کردیتا۔ لیکن جب وہ حق قبول نہ کرنے کا قطعی فیصلہ کرلیتے ہیں تو پھر ہم بھی ان کی محرومی کا فیصلہ کردیتے ہیں۔

دوسرا اس کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو قتل کردینے کا منصوبہ بنالیا ہے تو پھر ہم بھی اپنی سنت کے مطابق یہ فیصلہ کریں گے کہ اپنے پیغمبر کو ہجرت کا حکم دیں گے اور اسے اور اس کے ساتھیوں کو اپنی پناہ میں لے لیں گے۔ اور پھر مخالفین پر یا تو ایسا عذاب آئے گا جو ان کی کمر توڑ کے رکھ دے گا اور یا ہم ان پر جزوی عذاب نازل کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ ہجرت فرما گئے اور ایک ہی سال بعد جنگِ بدر کا معرکہ برپا ہوا جس میں قریش کی پہلی صف تہ تیغ کردی گئی اور دوسری صف کو گرفتاری اور قید کی ذلتوں کا شکار ہونا پڑا۔ آگے آنے والی آیت کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آیتِ کریمہ کے مفہوم میں دوسری بات زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٨٠﴾

(کیا وہ یہ گمان رکھتے ہیں کہ ہم ان کے راز کی باتیں اور ان کی سرگوشیاں سنتے نہیں۔ "کیوں نہیں"، ہم سب کچھ سن رہے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھ بھی رہے ہیں۔ ۸۰)

قریش کی خفیہ سرگرمیاں

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ ہجرت سے پہلے قریش آپ کے خاتمے کا فیصلہ کرچکے تھے۔ بحث طلب امر یہ تھا کہ آپ کے خاتمے کا طریقہ کیا ہونا چاہئے اور وہ کیا صورت اختیار کی جائے جس سے بنی ہاشم کو انتقام کیلئے اٹھ کھڑے ہونے یا قصاص کے مطالبے پر زور دینے کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ اس کیلئے وقتاً فوقتاً دارالندوہ میں نہایت رازداری سے مشورے جاری رہتے تھے اور ان کا گمان یہ تھا کہ ہم باہمی مشاورت میں جو کچھ طے کررہے ہیں اسے مجلسِ مشاورت کے شرکاء کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ یہ

Marfat.com

مان رکھتے ہیں کہ ہم ان کی راز کی باتیں اور ان کی سرگوشیوں کو سنتے نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ہر جگہ ہے، وہ ان کی ہر حرکت کو دیکھتی اور ان کی ہر بات کو سنتی ہے بلکہ ان کے دلوں میں اس دشمنی کے جو محرکات ہیں وہ انہیں بھی جانتی ہے۔ یہ تو چونکہ اپنے فیصلوں کے انجام سے آگاہ نہیں اس لئے کہیں نہ کہیں فیصلے کے انطباق میں غلطی کر سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ سب کچھ جانتا ہے اور آئندہ چل کر جو کچھ ہونے والا ہے اس سے بھی باخبر ہے۔ اور پھر ساتھ ہی ساتھ اس کا ریکارڈ تیار رکھنے کیلئے فرشتوں کو لکھنے کا حکم بھی دیا جا چکا ہے تاکہ قیامت کے روز ان میں سے ایک ایک کی دشمنی اور عداوت اور آنحضرت ﷺ کو ختم کر دینے کے منصوبے میں جتنا بھی اس کا حصہ ہے وہ فرشتوں کی گواہی کے ساتھ ان کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ وہ اپنے جرائم سے انکار نہ کر سکیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾

(اے پیغمبر! کہہ دیجئے، اگر رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے عبادت کرنے والا میں ہوتا۔ ۸۱) پاک ہے آسمانوں اور زمین کا فرماں روا، عرش کا مالک ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ ۸۲)

توحید پر ایک منفرد اسلوب

توحید پر مسلسل اصرار اور اپنی دعوت کی اسے بنیاد قرار دینے کی وجہ سے مخالفین نے یہ پراپیگنڈا شروع کر رکھا تھا کہ محمد (ﷺ) کا ہمارے بتوں کی مخالفت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں یکتا ہونے پر اصرار کرنا یہ درحقیقت ان کی ایک ضد ہے جو ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی ہے اور وہ اس سے ہٹ کر کسی بات پر سوچنے کیلئے بھی تیار نہیں، ورنہ دنیا میں کتنی بڑی تعداد ہے ایسے لوگوں کی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہیں۔ اور کتنے ایسے لوگ ہیں جو بعض مقدس لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اس پس منظر میں پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں توحیدِ کامل کیلئے ایک ایسا اسلوب اختیار کیا گیا ہے جو نہایت واضح، محکم اور ہر طرح کے اشتباہ کے ازالے کیلئے ایسا اٹل اور سادہ ہے کہ جس کی نظیر محال ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اے پیغمبر ان سے کہہ دیجئے اگر خدائے رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو مجھے اس بات سے کوئی ضد نہیں کہ میں اسے ماننے سے انکار کر دیتا بلکہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری اور عشق ومحبت میں اس حد تک ڈوبا ہوا ہوں کہ میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والوں میں ہوتا۔ لیکن میرا اسے تسلیم نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اصرار کرنا صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات اس طرح کی کسی نامعقول بات کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ جس ذات کا عالم یہ ہو کہ وہ زمین وآسمان کی خالق ومالک، اس کا رب اور پروردگار ہو اور ہر طرح کی احتیاج سے پاک اور ہر طرح کی ہمسری سے مبرا ہو، اس کی طرف ایسی باتوں کا منسوب کرنا جس سے اس کی ذات وصفات میں شرک لازم آئے انتہائی لغو اور نامعقول بات ہے۔

Marfat.com

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۸۳﴾

(پس آپ ان کو چھوڑ دیجئے وہ اپنے باطل خیالات میں ڈوبے رہیں اور اپنے کھیل کود میں منہمک رہیں یہاں تک کہ وہ اس دن سے دوچار ہوں جس دن سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے۔ ۸۳)

مخالفین کو ان کے حال پر چھوڑ دیں

یعنی جہاں تک افہام وتفہیم کا تعلق ہے اس کا حق ادا ہو چکا ہے اور جہاں تک ان کے اشتباہات کے ازالے کا سوال ہے اس میں بھی کوئی کمی باقی نہیں رہی۔ اس کے باوجود ان کے رویئے میں اگر سنجیدگی پیدا نہیں ہوتی تو آپ اس سے پریشان نہ ہوں، بلکہ آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ وہ جس طرح کے باطل خیالات میں غرق اور ڈوبے ہوئے ہیں اور جس طرح زندگی کو انہوں نے کھیل تماشا بنا رکھا ہے انہیں اس میں منہمک رہنے دیں۔ ان کا یہ رویہ اسی طرح چلتا رہے گا حتیٰ کہ یہ لوگ موت سے گزر کر قیامت کے دن سے دوچار ہو جائیں گے جسے یہ آج ماننے کیلئے تیار نہیں۔ لیکن جہنم کا عذاب دیکھ کر ان کے حواس اور ان کی عقل ٹھکانے آ جائے گی لیکن اس وقت ان کا راہِ راست پر آنا ان کے کسی کام نہیں آئے گا۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلٰهٌ وَّفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۸۴﴾

(اور وہی اکیلا آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے، اور وہی حکمت والا اور علم والا ہے۔ ۸۴)

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل

زمین وآسمان میں انتہائی بُعد اور تخالف کے باوجود ہمیں جو انتہائی موافقت نظر آتی ہے کہ آسمان کے عناصر زمین کے عناصر کے ساتھ مل کر کائنات کے مجموعی مقصد کو بروئے کار لاتے ہیں۔ اور زمین پر بسنے والی مخلوق ہر طرح آسمان کے فیضان سے مستفید ہوتی ہے۔ زمین کی قوت روئیدگی اس وقت تک کام نہیں کر سکتی جب تک آسمان کی طرف سے آبیاری کا سامان نہیں ہوتا۔ اور زمین پر موجود پانی کے ذخیرے اس وقت تک بادلوں کو وجود نہیں دے سکتے جب تک کہ سورج کی کرنیں اپنا فرض انجام نہیں دیتیں۔ زمین سے اگنے والی نباتات، اس کے خوش رنگ پودے، اس کے مٹھاس سے بھرے ہوئے پھل اور طاقت سے بھرپور غذا قدم قدم پر آسمان کے عناصر کے تعاون کی محتاج ہے۔ اگر وہ ایک منٹ کیلئے تعاون سے انکار کر دے تو انسانوں کے سارے چولہے بجھ جائیں اور زندگی کی ہما ہمی رخصت ہو جائے۔ یہ حیرت انگیز توافق ہمیں اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ زمین اور آسمان کا اِلٰہ ایک ہے۔ اسی کی حکمت سے ہر چیز کو وجود ملتا اور اس کے مقصدِ حیات کا تعین ہوتا ہے۔ اور زمین وآسمان کی لامحدود وسعتوں میں پھیلی ہوئی مخلوقات کو وہی ذات جانتی ہے جو حکیم ہونے کے ساتھ علیم بھی ہے۔ کائنات کا کوئی گوشہ اس کے علم سے باہر نہیں، وہ ہر مخلوق کی ضروریات کو بھی جانتا ہے اور اس کے اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔ اپنے علم اور اعمال کی حفاظت کے انتظام کے حوالے سے وہ قیامت کے دن ہر شخص سے ایمان وعمل کے سلسلے میں جواب طلبی کرے گا۔ وہاں نہ شرک کام آئے گا اور نہ شفاعتِ باطل کا عقیدہ کسی کی بگڑی بنا سکے گا۔

Marfat.com

وَتَبٰرَكَ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾

(اور بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضے میں زمین و آسمان اور ہر اس چیز کی بادشاہی ہے جو زمین و آسمان کے درمیان ہے اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ ۸۵)

اللہ تعالیٰ سے تعلق کی نزاکتیں

تَبٰرَکَ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا پہلو بھی ہے اور اس کے سراپا خیر و برکت ہونے کا بھی۔ یعنی وہ اتنا عظیم ہے کہ اس کے غضب و جلال اور اس کی نافرمانی کے انجام سے ڈرنا انسان کی فطرت کا تقاضا ہے اور جو اپنی فطرت کی آواز پر کان نہیں دھرتا وہ بالآخر خسران کا شکار ہونے بغیر نہیں رہتا۔ اور ساتھ ہی ساتھ وہ بابرکت بھی ہے اس لئے امیدیں بھی اسی سے باندھی جاسکتی ہیں۔ ٹوٹے ہوئے دلوں کا وہی سہارا ہے۔ انسان گمراہیوں میں ڈوب جائے یا نافرمانیوں کی نذر ہو جائے لیکن ہوش آنے پر سنبھلنے کی امید اسی کی بارگاہ سے ہے۔ وہی ہے جو برسوں کے گناہ ایک لمحے میں معاف کرسکتا ہے۔ اور جو بے حساب نافرمانیاں شانِ تغافل کی نذر کر دیتا ہے۔ لیکن جس شخص نے نہ اس کی عظمت کی پرواہ کی اور نہ اس کی بارگاہِ امید سے کوئی فائدہ اٹھایا۔ اسے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ سب لوگوں کو ایک دن اسی کے پاس لوٹ کے جانا ہے۔ یہاں سرکشی اور تمرد پر بالعموم گرفت نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے حضور حاضری پر ایک ایک بات کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔ اور یہ اس کے پاس حاضری کب ہوگی اس کا علم بھی اسی کے پاس ہے۔ جس روز سب اس کے سامنے پہنچنے پر مجبور ہوں گے وہی جانتا ہے اور اسی کا علم اور یقین دینے کیلئے اللہ تعالیٰ کے نبی دنیا میں آتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ وہ اس دن یا اس گھڑی کا متعین وقت نہیں بتا سکتے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہر شخص کو معلوم ہے کہ اسے موت آئے گی، لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ موت کب آئے گی۔ موت کے علم سے جہالت کے باعث کوئی شخص موت سے انکار نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر قیامت کے آنے کا ٹھیک وقت بتایا نہیں گیا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قیامت وقوع پذیر نہیں ہوگی۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

(اللہ کو چھوڑ کر جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، بجز ان لوگوں کے جو حق کی گواہی دیں اور وہ علم بھی رکھتے ہوں۔ ۸۶)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

انسان اس بات کو خوب جانتا ہے کہ زمین و آسمان اور ان دونوں کے درمیان کس کی حکومت اور کس کا ارادہ کارفرما ہے۔ بایں ہمہ نہ جانے ان کے ذہنوں میں یہ بات کہاں سے آجاتی ہے کہ مخلوقات میں سے بعض مخلوقات ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا حق دے رکھا ہے۔ اس غلط فہمی کے ازالے کیلئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کا حق نہیں رکھتا۔ بجز

Marfat.com

ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ خاص طور پر اس کی اجازت دے دیں اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ وہ جس کی شفاعت کرنا چاہتے ہیں اس کے بارے میں انہیں پورا علم ہے۔ اور کیا وہ اس احتیاط کو ملحوظ رکھ سکیں گے کہ شفاعت میں کوئی غلط بات شامل نہ ہونے پائے۔ اس لئے کہ جس کے سامنے یہ سفارش کی جارہی ہے وہ معاملے سے بے خبر نہیں اور پھر اس کا علم یقیناً شفاعت کرنے والے سے زیادہ ہے اس کے حضور معمولی کوتاہی بھی برا نتیجہ پیدا کرسکتی ہے۔ اس لئے شفاعت کو ذاتی استحقاق سمجھنے کا تو کوئی جواز نہیں ہے۔ البتہ یہ ایک اعزاز ہے جو اس شخص کو ملے گا جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا اور جو حق کا پوری طرح پاسدار ہوگا۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾

(اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے، تو پھر کہاں بھٹک جاتے ہیں۔ ۸۷)

مشرکین کے فکر و عمل میں تضاد

گزشتہ مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے فکری تضاد اور عملی نارسائیوں کو ملاحظہ کیجئے کہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ بے تأمل جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے۔ تو پھر نہ جانے وہ کہاں بھٹکے جاتے ہیں اور ان کی مت کہاں ماری جاتی ہے کہ جب وہ تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق سمجھتے ہیں تو مخلوق اور خالق میں برابری کیسی؟ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی مخلوق کو خالق کے یہاں وہ تقرب حاصل ہو جائے کہ وہ جس کو چاہے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچالے اور جسے چاہے اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ دلوادے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مخلوق کو خالق پر برتری حاصل ہے اور وہ ایسی حیثیت کی مالک ہے کہ وہ خالق سے اپنی مرضی کی بات اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی منوا سکتی ہے، اس سے بڑی فکری تضاد کی اور کیا مثال ہوسکتی ہے۔

وَقِيلِهٖ يٰرَبِّ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

(قسم ہے رسول کے اس قول کی کہ اے رب یہ وہ لوگ ہیں جو خود ایمان لانے والے نہ بنے۔ ۸۸)

آیت کی نحوی تحقیق

اس آیت کی نحوی ترکیب میں مفسرین میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وَقِيلِهٖ کا عطف اوپر والی آیت میں بِالْحَقِّ پر ہے یعنی وہ صرف حق بات کہیں گے اور ان کی شہادت یہ ہوگی کہ اے رب ان کے ایمان نہ لانے میں اصلی قصور ان ہی کا ہے۔ یہ خود ایمان لانے والے نہیں تھے۔

بعض مفسرین کا گمان یہ ہے کہ اس میں ''واؤ'' عطف کا نہیں بلکہ قسمیہ ہے۔ اور اس کا تعلق فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ سے ہے۔ اور قِيلِهٖ کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹتی ہے جس پر بعد والا فقرہ دلالت کر رہا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قسم ہے رسول کے اس قول کی کہ اے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو خود ایمان لانے والا نہ بنے۔ مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ اس کی شہادت دیں گے کہ میری ساری تبلیغ

Marfat.com

کاوشوں کے باوجود ان کی فریب خوردگی کا عالم یہ رہا کہ یہ وہ مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا بھی اور ان کے معبودوں کا بھی خالق ہے۔ بایں ہمہ وہ خالق کے ساتھ ساتھ یا اس کو چھوڑ کر مخلوق ہی کی عبادت پر اصرار کئے جاتے تھے۔ یہ ان کی ہٹ دھرمی ان کی تباہی کا باعث بنی۔

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۸۹

(اے نبی! آپ ان سے درگزر کریں اور کہیں اچھا میرا اسلام لو، وہ عنقریب خود جان لیں گے۔ ۸۹)

اتمامِ حجت ہو چکا اب آپ ان سے درگزر کیجئے اور الگ ہو جائیے

افہام وتفہیم اور تبلیغ ودعوت کی کاوشیں تمام ہوئیں۔ ان پر اتمامِ حجت ہو چکا۔ لیکن انہوں نے اس سے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آخری انجام کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اب آپ ان سے درگزر کیجئے اور انہیں ویسے ہی الوداعی سلام کہئے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا تھا۔ جس انجام کے یہ منتظر ہیں اس کے ظاہر ہونے میں اب زیادہ دیر نہیں، یہ عنقریب اسے دیکھ لیں گے تب انہیں اپنے کرتوتوں کے انجام کا علم ہوگا۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِّلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَۃُ الدُّخَانِ

(۴۴)

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الدُّخَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام الدُّخَانِ ہے۔ یہ سورۃ کی آیت نمبر۱۰ سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول:۔ کسی معتبر روایت سے اس سورۃ کا زمانہ نزول متعین کرنا مشکل ہے۔ البتہ اس سورۃ کے مندرجات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ بھی قریب قریب اسی زمانے میں نازل ہوئی ہے جب اس سے پہلے کی چند سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اصل مدعا کے اعتبار سے یہ سورۃ سابقہ سورتوں سے بہت مشابہ ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ سابق سورۃ میں توحید کے دلائل کا پہلو نمایاں ہے اور اس میں توحید کے دلائل کی بجائے انذار کا پہلو غالب ہے۔ اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب کفارِ مکہ کی مخالفانہ روش شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئی تو نبی کریم ﷺ نے دعا کی کہ الٰہی! یوسف کے قحط جیسے ایک قحط سے میری مدد فرما۔ یعنی جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں شدید قحط نے لوگوں کو ہلا کے رکھ دیا اور لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے، ایسا ہی ایک قحط اہلِ مکہ پر بھی مسلط فرما تا کہ ان کی اکڑی ہوئی گردنیں خم ہوں اور ان کے دل نصیحت قبول کرنے کیلئے نرم پڑ جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور سارے علاقے میں ایسے زور کا قحط پڑا کہ لوگ بلبلا اٹھے۔ آخر کار بعض سردارانِ قریش جن میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے خاص طور پر ابوسفیان کا نام لیا ہے حضورؐ کے پاس آئے اور آپ سے درخواست کی کہ آپ تو صلہ رحمی کا حکم دینے والے ہیں اپنی قوم پر رحم فرمایئے اور اسے اس بلا سے نجات دلانے کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

سب سے پہلے چند آیات میں قرآنِ کریم کی عظمت اور شان اور اس کی قدر و منزلت کو بیان کیا گیا ہے۔ مخالفین کے اس اعتراض کو رد کرتے ہوئے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کی اپنی تصنیف ہے۔ قرآنِ کریم کو اس پر دلیل اور شاہد ٹھہرایا گیا اور گزشتہ سورۃ کے آغاز میں ہم اس کی تفصیل عرض کر چکے ہیں۔ قریش اسے اپنے لئے ایک بوجھ اور زحمت سمجھتے تھے۔ ان کی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہ قرآنِ کریم سراسر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ اس کو انفرادی اور اجتماعی طور پر روبہ عمل لانے سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نعمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اور آخرت میں اسی پر عمل ذریعۂ نجات ثابت ہوگا۔ پھر اس کی قدر و قیمت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہ کتاب اس مبارک گھڑی میں نازل کی گئی ہے جس میں قسمتوں کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ قوموں کے عروج و زوال کو ہمیشہ کیلئے اس کتاب سے وابستگی کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔ اسی کتاب سے ایمان و عمل کا تعلق جوڑ کر قومیں سربلند ہوں گی اور اسی سے تعلق توڑ کر قعرِ مذلت میں گر جائیں گی۔ مزید فرمایا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اس رسول اور کتاب سے لڑ کر کامیاب ہو جاؤ گے۔ حالانکہ اس رسول کی بعثت اور اس کتاب کی تنزیل اس ساعت

Marfat.com

خاص میں ہوئی ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے ساتھ انسانوں کی قسمت وابستہ کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کمزور نہیں ہوا کرتے کہ کوئی شخص لڑ کر اس فیصلے کو بدل ڈالے۔ وہ تو ہمیشہ نافذ ہو کر رہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سمیع بھی ہے، علیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔

کفار آنحضرت ﷺ کی صداقت کیلئے یہ شرط ٹھہراتے تھے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو پھر ہمارے انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہمیں دکھائیں، ہم اسے دیکھ کر ایمان لے آئیں گے۔ ایسے لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ عذاب دیکھ لینے کے بعد جو ایمان لایا جاتا ہے وہ قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ اگر اس وقت عذاب کے آنے میں تاخیر ہو رہی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت ہے تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

مخالفین کے فکری تضاد اور ذہنی افلاس کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان اور کائنات کی ہر چیز کا مالک و مختار سمجھتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ زندگی اور موت اسی کے اختیار میں ہے، مگر اس کے باوجود انہیں دوسروں کو معبود بنانے پر بھی اصرار ہے۔ اور اس کیلئے اپنے آباء کی روش کو اس پر دلیل ٹھہرایا جاتا ہے۔ حالانکہ حماقت، حماقت ہے چاہے اس کا ارتکاب کسی زمانے کے لوگ بھی کریں۔ صحیح بات وہی ہے جس کے ساتھ علم اور عقل کی سند موجود ہو۔

مخالفین کی فکری نارسائی کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے فیضانِ ربوبیت کو تسلیم کرتے ہو تو کیا اس کی ربوبیت کا تقاضا صرف یہی ہے کہ وہ تمہارا پیٹ پالے یا یہ بھی تقاضا ہے کہ تمہاری فکری اور عملی رہنمائی کا انتظام بھی کرے۔ اور یہ کام پیٹ پالنے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ چنانچہ اسی غرض سے اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول مبعوث فرمایا اور اپنی کتاب نازل کی۔

قریش کی اکڑی ہوئی گردنوں کو خم کرنے کیلئے نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے جیسے قحط کی دعا کی۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ ممکن ہے کہ لوگ مصیبت دیکھ کر راہِ راست اختیار کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اس قحط کا ذکر فرمایا گیا اور یہ بھی بتایا گیا کہ بڑے بڑے دشمنانِ حق اس قحط کی شدت سے بلبلا اٹھے۔ اور آنحضرت ﷺ سے درخواستیں کرنے لگے کہ اپنے پروردگار سے دعا فرمایئے کہ اگر یہ قحط ہٹا لیا گیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ اتمامِ حجت کے طور پر قحط ان سے دور کر دیا گیا لیکن ساتھ ہی پروردگار نے یہ بات واضح فرما دی کہ ایسی مصیبتوں سے یہ لوگ کہاں سبق سیکھنے والے ہیں جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے درخشاں سیرت و کردار کو دیکھ چکے ہیں جس سے بڑی صداقت کی کوئی اور دلیل نہیں ہو سکتی۔ یہ درحقیقت ایک بڑی ضرب کے طالب ہیں ہلکی چوٹوں سے ان کا دماغ درست ہونے والا نہیں۔

اس کے بعد قریش کی عبرت کیلئے فرعون اور قومِ فرعون کے انجام کی مثال دی گئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے انذار کیلئے تشریف لائے، لیکن وہ اپنے مال و جاہ کے غرور میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کسی بات پر کان دھرنے کو تیار نہ تھے۔ بالآخر اتمامِ حجت کی مہلت گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ کر دیا۔ اور بنی اسرائیل جو ان کی غلامی کے شکنجے میں سسک رہے تھے وہ غلامی سے چھوٹ کر دنیا کی ایک عظیم قوم بن گئے۔

پھر اس کے بعد قریش کے تمرد اور سرکشی کے اصل مرض کو بیان کیا گیا کہ یہ لوگ دنیا کی زندگی کے بعد کسی اور زندگی کا تصور نہیں رکھتے۔ اس وجہ سے ان کے نزدیک آخرت محض ایک ڈراوا ہے۔ انہیں تنبیہ کرتے ہوئے آخرت کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ آخرت کا انکار کرنے والوں سے کیا سلوک ہوگا اور جو لوگ ایمان لائیں گے ان کو کیسے انعامات سے نوازا جائے گا۔ سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسانِ عظیم کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے قرآنِ کریم کو عربی مبین میں نازل فرما کر قریش اور اہلِ عرب پر کیا ہے۔ قریش کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر اس اتمامِ حجت کے بعد بھی انہوں نے قرآنِ کریم اور نبی کریم ﷺ کی دعوت کی قدر نہ کی تو پھر اس انجام سے دوچار ہونے کیلئے تیار ہو جائیں جو رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کیلئے مقدر ہے۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ٥٩	سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ (٤٤)	رُكُوْعَاتُهَا ٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿١﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا
مُنْذِرِيْنَ ﴿٣﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿٤﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۗ اِنَّا كُنَّا
مُرْسِلِيْنَ ﴿٥﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۗ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٧﴾ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ
رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿٩﴾ فَارْتَقِبْ
يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٠﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ۗ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾
رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ
جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿١٤﴾ اِنَّا
كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿١٥﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ
الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ
رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿١٧﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۗ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَّ
اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٩﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ
بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿٢٠﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿٢١﴾

Marfat.com

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٢٢﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ
مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَمْ تَرَكُوْا
مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٢٥﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٢٦﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا
فٰكِهِيْنَ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ قف وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ
وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾ ع

رکوع: ا۔ (حٰ مٓ۔ ا) قسم ہے کتابِ مبین کی۔ ۲) بے شک ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے، بے شک ہم لوگوں کو متنبہ کر دینے والے تھے۔ ۳) اس رات میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔ ۴) ہمارے حکم سے، بے شک ہم رسول بھیجنے والے تھے۔ ۵) خاص آپ کے رب کی رحمت سے، یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ ۶) آسمانوں اور زمین کا رب اور ہر اس چیز کا رب جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے اگر تم لوگ واقعی یقین رکھنے والے ہو۔ ۷) کوئی معبود اس کے سوا نہیں، وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی مارتا ہے، تمہارا بھی رب اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی رب۔ ۸) بلکہ وہ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں۔ ۹) پس انتظار کرو اس دن کا جس دن آسمان صریح دھواں لئے ہوئے آئے گا۔ ۱۰) اور وہ لوگوں پر چھا جائے گا، یہ ایک دردناک عذاب ہے۔ ۱۱) اے ہمارے رب ہم سے عذاب دور کر دے ہم ایمان لانے والے بنیں گے۔ ۱۲) ان کیلئے نصیحت پکڑنے کا موقع کہاں، ان کے پاس ایک رسولِ مبین آ چکا۔ ۱۳) تو انہوں نے اس سے منہ موڑا اور کہا: یہ تو ایک سکھایا پڑھایا دیوانہ ہے۔ ۱۴) ہم ذرا عذاب ہٹائے دیتے ہیں، تم لوگ پھر وہی کچھ کرو گے جو پہلے کرتے رہے ہو۔ ۱۵) جس دن ہم پکڑیں گے بڑی پکڑ اس دن ہم انتقام لے کے رہیں گے۔ ۱۶) ہم نے ان سے پہلے قومِ فرعون کو آزمایا اور ان کے پاس ایک نہایت معزز رسول آیا۔ ۱۷) اس پیغام کے ساتھ کہ اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں۔ ۱۸) اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو، میں تمہارے سامنے ایک صریح حجت پیش کرتا ہوں۔ ۱۹) اور میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لے چکا ہوں اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو۔ ۲۰) اور اگر تم میری بات نہیں مانتے تو پھر مجھ سے الگ رہو۔ ۲۱) پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا کہ یہ لوگ

Marfat.com

مجرم ہیں۔ ۲۲) (اللہ کی طرف سے حکم آیا) کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ، بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ ۲۳) اور چھوڑ دو دریا کو تھما ہوا، بے شک وہ سارا لشکر غرق کر دیا جائے گا۔ ۲۴) انہوں نے کتنے ہی باغ اور چشمے۔ ۲۵) اور کھیت اور شاندار محل۔ ۲۶) اور سامانِ عیش جن میں وہ مزے لوٹ رہے تھے اپنے پیچھے چھوڑے۔ ۲۷) ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں اور ہم نے دوسروں کو ان چیزوں کا وارث بنا دیا۔ ۲۸) پس نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین نے آنسو بہائے، اور نہ انہیں ذرا سی مہلت دی گئی۔ ۲۹)

حٰمٓ ﴿۱﴾ (حٰ مٓ۔ ۱) یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور حروف مقطعات کے بارے میں ضروری گزارشات ہم سورۃ البقرۃ کے آغاز میں کر چکے ہیں۔ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ (قسم ہے کتابِ مبین کی۔ ۲)

قسم کا مفہوم

اس آیت میں واؤ قسم کیلئے ہے۔ اور الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ کی قسم کھائی گئی ہے۔ ہم متعدد مواقع پر یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ قرآنِ کریم میں بالعموم قسم دلیل ہوتی ہے اور اس کے بعد آنے والا جملہ جوابِ قسم کہلاتا ہے اور اس کی حیثیت دعویٰ کی ہوتی ہے۔ انسانی تحریر و خطاب میں بالعموم کسی بات کے اثبات کیلئے دعویٰ پہلے لایا جاتا ہے پھر اس کے ثبوت کیلئے دلیل پیش کی جاتی ہے۔ لیکن قرآنِ کریم کا اسلوب اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس میں قسم یعنی دلیل پہلے آتی ہے اور دعویٰ اس کے بعد آتا ہے جسے جوابِ قسم یا مقسم علیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک انسان اگر دوسرے انسان کی بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے تو اس سے کوئی بڑی خطرناک صورتحال پیدا نہیں ہوتی، زیادہ سے زیادہ اسے عقلِ عام کی مخالفت یا آزادیِ رائے کا بے محل استعمال کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی کسی بات کو تسلیم کرنے سے انکار درحقیقت ایمان و کفر کے سوال کو جنم دیتا ہے۔ اس لئے وحیِ الٰہی یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتابوں میں فطری طریقے کو استعمال کرتے ہوئے دلیل کو پہلے لایا جاتا ہے تاکہ دعویٰ کی قبولیت کیلئے دل و دماغ کی زمین کو ہموار کیا جا سکے۔ تفہیم کیلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان زمین سے اپنی روزی پیدا کرتا ہے۔ لیکن اس کیلئے جو فطری طریقہ اختیار کرتا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے وہ زمین کو تخم ریزی کیلئے ہموار کرتا ہے، کھائیوں کو پُر کرتا ہے، ٹیلوں کو اٹھاتا ہے، قدآور درختوں کو اکھاڑتا ہے اور جڑی بوٹیوں سے زمین کے سینے کو خالی کرتا ہے تاکہ جو تخم بھی بویا جائے اسے اپنی جگہ بنانے میں دشواری پیش نہ آئے۔ یہی فطری طریقہ قرآنِ کریم نے بھی استعمال کیا ہے۔ وہ دل و دماغ کو زمین سے تشبیہ دیتا ہے اور ایمان اور صالح افکار کو بیج کی حیثیت سے دلوں اور دماغوں میں کاشت کرتا ہے۔ اس کیلئے بہت ضروری ہے کہ زمین اس بیج کو قبول کرنے کے قابل ہو۔

سوال یہ ہے کہ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ تو قسم ہے لیکن کا جوابِ قسم مذکور نہیں بلکہ محذوف ہے اور قرائن اس پر دلالت کر رہے ہیں اور ان قرائن کی تفصیل اگلی آیات میں ہے۔

Marfat.com

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ﴿۳﴾

(بے شک ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے، بے شک ہم لوگوں کو متنبہ کر دینے والے تھے۔ ۳)

قرآنِ کریم کی جلالتِ قدر

اس کتاب کی عظمت اور جلالتِ قدر کا عالم یہ ہے کہ ہم نے اسے ایک خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے اور یہ خیر و برکت والی رات وہی ہے جسے سورۃ القدر میں لیلۃ القدر کہا گیا ہے اور جس کی فضیلت کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ اس رات کی عبادت کی فضیلت اور اس رات میں ہونے والے فیصلوں کی اثراندازی کی کیفیت یہ ہے کہ جو کام ہزار مہینے میں طے پاتا ہے اور اپنے بے پناہ اثرات رکھتا ہے اس رات میں ہونے والا کام ہزار مہینے سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا کہ جس رات میں قرآنِ کریم نازل کیا گیا وہ شہرِ رمضان کی رات تھی۔ اور شہرِ رمضان اپنے اندر کیا فضیلتیں، کیسی اثراندازیاں اور کیسی وسعتیں رکھتا ہے۔ اس کا اندازہ آنحضرت ﷺ کے صرف ایک ارشاد سے ہو جاتا ہے۔ لَوْیَعْلَمُ الْعِبَادُ مَا فِیْ رَمَضَانَ لَتَمَنَّتْ اُمَّتِیْ اَنْ تَكُوْنَ السَّنَةُ كُلُّهَا رَمَضَانَ ''اگر لوگ جان لیں کہ رمضان میں کیا ملتا ہے تو میری امت تمنا کرے کہ کاش سارا سال رمضان ہی رہے۔'' جو کتاب اس برکتوں سے بھرپور مہینے کی سعادت و فضیلت سے گراں بار رات میں نازل کی گئی ہے اس کیلئے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کتاب اپنے اندر کیسی جامعیت رکھتی ہے۔ چنانچہ اس جوابِ قسم کو محذوف کر دیا گیا اور اس پر دلیل یہ پیش کی گئی کہ تم اس کتاب کی جامعیت، اس کی وسعتِ فکر، اس کے استدلال کی قوت اور اس کی معجزانہ شان کو دیکھنا چاہو تو اس کتاب کو پڑھ کر دیکھو یہ آفتاب کی مانند خود اپنے وجود پر دلیل ہے۔ مزید فرمایا اس کتاب کا مقصدِ نزول یہ ہے کہ ہم اس کے ذریعے قیامت تک آنے والے انسانوں کو انذار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جس کتاب کا مقصدِ نزول اس قدر وسیع ہو کہ دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی اولادِ آدم اور ان کے احساسات کی رنگارنگی ان کی عقلوں میں بے پناہ تفاوت، ان کی ضرورتوں میں انتہا درجہ تنوع اور ان کیلئے ایک ایسے قانون کی تدوین جو قیامت تک کے انسانوں کی ضرورت کیلئے کافی ہو۔ اور ایسے دلائل کی فراہمی جو ان کے دل و دماغ کی تشفی کا کام دے سکے۔ جو کتاب ان تمام تقاضوں کو پورا کرتی ہو ایسی کتاب، کتابِ مبین کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت کو دیکھتے ہوئے اس کیلئے کم سے کم جو بات دلیل کے انداز میں کہی جا سکتی ہے وہ یہی ہے کہ اسے کتابِ مبین ہونا چاہئے۔

فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ﴿۴﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ﴿۵﴾
رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶﴾

(اس رات میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔ ۴) ہمارے حکم سے، بے شک ہم رسول بھیجنے والے تھے۔ ۵) خاص آپ کے رب کی رحمت سے، یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ ۶)

Marfat.com

لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ کی وضاحت

جس شب میں قرآن اتارا گیا ہے اس شب کی مزید خصوصیت یہ ہے کہ کائنات کے جتنے اہم امور ہیں بالخصوص جن کا تعلق انسانی بھلائی سے ہے ان کے حکیمانہ فیصلے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی رات میں کئے جاتے ہیں اور سورۃ القدر کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اسی رات میں وہ فیصلے متعلقہ فرشتوں کے سپرد کئے جاتے ہیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق وقتِ مقرر پر ان فیصلوں کو روبعمل لائیں اور ان کی تنفیذ کریں۔ معاملہ عطاو بخشش کا ہو یا امساک و محرومی کا اپنے اپنے وقتوں میں سب کو انجام دیا جائے۔ غور کیجئے کہ نزولِ قرآن کی جس رات میں معاملات کے حکیمانہ فیصلہ ہوتے ہیں، لوگوں کی قسمتیں بنتی یا بگڑتی ہیں اور قضاو قدر کے کارکنان کی ڈیوٹیاں لگتی ہیں اس رات میں جو کتاب نازل ہوگئی یا اس کے نزول کا آغاز ہوگا کیا اس کے نزول کے بعد اس کتاب سے ہٹ کر لوگوں کی عزت و ذلت اور رفعت و تنزل کے فیصلے ہوں گے؟ یقیناً ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے شاید ان ہی آیات سے کشید کر کے یہ بات فرمائی اِنَّ اللّٰہَ یَرۡفَعُ بِھٰذَا الۡکِتٰبِ اَقۡوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ آخَرِیۡنَ ''بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب سے قوموں کو اٹھائے گا اور دوسروں کو اسی کی وجہ سے گرائے گا۔'' یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب پر ایمان لائیں گے، اس کے مطابق عمل کریں گے، اپنی اجتماعی زندگی میں اس کے قانون کو نافذ کریں گے اور اس کی حکمتوں کو اپنا شعار بنائیں گے، اور اس کے مقاصد کو اپنی منزل ٹھہرائیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و عقبیٰ میں عزت و رفعت سے نوازے گا۔ اور جو لوگ اس کتاب پر ایمان لانے سے انکار کردیں گے یا اس پر عمل کرنے سے گریز کریں گے یا اسے ماننے کے باوجود اس کے قانون کو نافذ کرنے سے انکار کریں گے اور اسے شایانِ شان مقام دینے سے گریز کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی ذلیل کرے گا اور آخرت میں بھی رسوا کرے گا۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت رحمت ہے

مزید فرمایا کہ قریش اور دیگر مخالفین نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کو اپنے لئے زحمت سمجھ رکھا ہے اور وہ اپنی مادر پدر آزادی سے دستبرداری کو غلامی کے ہم معنی قرار دیتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہم نے اسی مبارک رات میں لوگوں کی ہدایت اور ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کیلئے آپ کی بعثت کا فیصلہ کیا تھا۔ جو لوگ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب کو ضابطۂ حیات کے طور پر قبول کریں گے آپ کی ذات اور یہ کتاب ان کیلئے رحمت ثابت ہوگی، آسمان کی برکتوں کے دروازے ان کیلئے کھول دیئے جائیں گے۔ ان کے قدموں کے نیچے سے رزق ابلے گا، ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی شائستگی، شستگی، حقوق و فرائض کی ادائیگی اور سکون و طمانیت کی تصویر ہوگی، ان کا لوہا ہر لوہے کو کاٹے گا، تمام عناصرِ قدرت ان کی ہم رکابی میں چلیں گے، وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ ہوں گے۔ اور یہ محض خیالی باتیں نہیں بلکہ ان کی زمامِ کار اور ان کی قسمتوں کے فیصلے اس کے پروردگار کے ہاتھ میں ہوں گے جو سمیع بھی ہے اور علیم بھی۔ وہ جس طرح اپنی مخلوق کو شترِ بے مہار بنا کر نہیں چھوڑنا چاہتا، اسی طرح وہ اپنے ماننے والوں کو کبھی دوسروں کے مقابلے میں کسی پہلو سے بھی فروتر نہیں چھوڑتا۔ تعمیل کرنے والے نوازے جائیں گے اور سرکشی کا رویہ اختیار کرنے والے تباہ ہوجائیں گے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَهُمَا ۘ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِیۡنَ ﴿۷﴾

(آسمانوں اور زمین کا رب اور ہر اس چیز کا رب جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے اگر تم لوگ واقعی یقین رکھنے والے ہو۔ ۷)

Marfat.com

ایک غلط فہمی کا ازالہ

گزشتہ آیتِ کریمہ میں فرمایا کہ ہم نے اس مبارک رات میں ایک رسول کی بعثت کا فیصلہ کیا جو قیامت تک کے انسانوں کیلئے سراسر رحمت بن کر آئے۔ اس کی وجہ سے دنیا کی قسمت بدلی اور صدیوں کی محرومیوں نے خوشیوں کا راستہ دیکھا انسان اپنے مقدر سے آشنا ہوا اور اسے انسانیت کے ادراک کی دولت ملی۔ اس اتنی بڑی رحمت کو یہ نہ سمجھا جائے کہ محض انسانوں کیلئے ایک بشارت ہے جس کے قبول اور عدمِ قبول پر کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے ارشاد فرمایا کہ یہ محض کوئی ہوائی بات نہیں بلکہ یہ اس ذات کی طرف سے انسانی ہدایت کا سامان کیا گیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان ہر چیز کا رب ہے۔ قسمتیں جس کے قبضے میں ہیں اور جو خالق و مالک ہی نہیں ربوبیت کا دستر خوان بھی اسی کی رحمت سے بچھا ہوا ہے۔ اگر تمہیں واقعی اس بات پر یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اور وہی سب کا رب بھی ہے تو پھر تمہارے لئے یہ انتہائی فکر کی بات ہے کہ ارض و سماء کے اس رب نے اس رسول کو مبعوث کیا اور اس پر کتاب اتاری۔ اور تم اس کا مذاق اڑاؤ یا ماننے سے انکار کرو تو سوچ لو کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ ٨

(کوئی معبود اس کے سوا نہیں، وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی مارتا ہے، تمہارا بھی رب اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی رب۔ ۸)

یہ گزشتہ مضمون کا تسلسل ہے کہ وہی ذات جو آسمانوں اور زمین کی رب ہے اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں جس کی بندگی یا جس کی سفارش تمہارے کام آسکے۔ زندگی اور موت سب اسی کے اختیار میں ہے، وہی تمہارا بھی رب ہے اور وہی تمہارے اگلے آباؤ اجداد کا بھی رب ہے۔ اگر تمہارے آباؤ اجداد نے اس کے علاوہ کسی اور کی پوجا کی، کسی اور کی بندگی بجالائے تو یہ ان کی غلطی تھی اس کا خمیازہ انہیں قیامت کے دن بھگتنا پڑے گا۔ ان کی غلطیوں کو اپنے لئے دلیل مت بناؤ، وہ اپنی غلطیوں کی پاداش میں پکڑے جائیں گے اور تم ان کے اتباع ناحق میں مارے جاؤ گے۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۞ ٩

(بلکہ وہ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں۔ ۹)

ایمان نہ لانے کا اصل سبب

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ قریش اور دیگر اہلِ مکہ کو آنحضرت ﷺ کی دعوت کی مخالفت کے باوجود اپنے طرزِ عمل کے برحق ہونے کا کامل یقین نہیں۔ کیونکہ وہ بار بار ایسے نازک لمحات سے دوچار ہوتے ہیں۔ جب وہ توحید سے انکار کے باوجود صرف ایک اللہ کو پکارتے ہیں۔ جب بحری سفر میں ان کی کشتیاں بھنور میں پھنس جاتی ہیں تو پھر ان کے دل سے آواز اٹھتی ہے کہ اس صورتحال سے بچانے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں، لیکن جیسے ہی کنارے پر پہنچتے ہیں ان کے پرانے خیالات ان پر حملہ آور ہو جاتے ہیں اور وہ ان کے سامنے سپر انداز ہو جاتے

Marfat.com

ہیں۔ درحقیقت وہ زندگی کے معاملے میں دین کے حوالے سے سنجیدگی کے حامل نہیں۔ وہ اپنے کاروبار اور عیش وعشرت کے اسباب پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ لیکن دین کے معاملات میں ایک سرسری نگاہ اور معمولی توجہ کے سوا ان سے کسی بات کی امید نہیں کی جاسکتی۔ تو جن لوگوں کی روش کا عالم یہ ہو کہ وہ اپنی خواہشات کی غلامی کے سوا زندگی کے کسی معاملے میں سنجیدہ نہ ہوں انہیں قائل کرنا اور انہیں ہدایت کے راستے پر ڈالنا یہ آپ کا کام نہیں۔ آپ کی ذمہ داری صرف تبلیغ ودعوت ہے انہیں منوانا آپ کی ذمہ داری نہیں۔ یہ اس وقت تک سنجیدہ نہیں ہوں گے جب تک عذاب کا تازیانہ نہ دیکھ لیں۔ اس لئے آپ دل گرفتہ ہونے کی بجائے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ۗ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾

(پس انتظار کرو اس دن کا جس دن آسمان صریح دھواں لئے ہوئے آئے گا۔ ۱۰)

اور وہ لوگوں پر چھا جائے گا، یہ ایک دردناک عذاب ہے۔ ۱۱)

مخالفین کو تہدید

انسانوں کی ہدایت کیلئے نبی کریم ﷺ جیسے عظیم رسول کی تشریف آوری اور قرآنِ کریم جیسی بلند مرتبت کتاب کا نزول اور وہ بھی ایک ایسی رات میں جس میں تمام ایسے امور کا فیصلہ ہوتا ہے جو کائنات کی قسمت بنانے اور بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں جس سے انسانوں کی قسمتیں بنتی اور بگڑتی ہیں، جس میں وہ امور طے پاتے ہیں جس سے قوموں کا عروج وزوال وابستہ ہے۔ اسی رات کے فیصلے کے مطابق آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور قرآنِ کریم کا نزول ہوا۔ اور پھر جس رسول اور کتاب کے لائے ہوئے دین کے حوالے سے یہ بات واضح کردی گئی کہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ جو شخص اس کی تعلیمات کو قبول نہیں کرے گا وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہے گا۔ اسی طرح اس بات کو تنبیہ کے انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی آخرالزماں اور قرآنِ پاک کی تعلیمات اس ذات کا پیغام ہے جو آسمان و زمین کی رب ہے اور جس کے سوا کائنات کا کوئی اور الٰہ نہیں، زندگی اور موت کا سررشتہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ تمہارا بھی وہی پروردگار ہے اور تمہارے آباؤاجداد کا بھی وہی پروردگار رہے۔ یہ سب کچھ کہنے اور نازل کرنے کے باوجود قریش اور دیگر اہلِ مکہ ہیں جو اس رسول اور اس قرآن کے بارے میں شک وارتیاب میں مبتلا ہیں۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر نبی آخرالزماں کی تشریف آوری اور قرآنِ کریم کے نزول کے بعد بھی ان لوگوں کا یہ حال ہے جن کی طرف براہِ راست آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی ہے تو پھر ان سے کسی خیر کی توقع کرنا اور ان کے بارے میں ہدایت کی امید رکھنا ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان دھواں لئے ہوئے آئے گا اور لوگوں کو ڈھانپ لے گا اور یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دردناک عذاب ہوگا۔ اسے قیامت کے دن وقوع پذیر ہونے والا واقعہ کہا جائے یا قربِ قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت قرار دیا جائے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ یہ دونوں وقت ہدایت کیلئے نہیں بلکہ سزا کیلئے یا زیادہ سے زیادہ اتمامِ حجت کیلئے ہوں گے۔ اور وہ لوگ اس میں یقیناً پکڑے جائیں گے جنہوں نے دنیا میں نبی آخرالزماں جیسے رسول اور ان کی تبلیغی کاوشوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ انہوں نے دنیا کو ہدایت کی روشنی سے بھر دیا لیکن قسمتوں کے اندھے، اندھے ہی رہے۔ ان کیلئے تو قیامت کے عذابِ الیم ہی کا انتظار کیا جانا چاہئے۔

Marfat.com

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

(اے ہمارے رب ہم سے عذاب دور کر دے ہم ایمان لانے والے بنیں گے۔ ۱۲)

دو آیتوں کے درمیان یہاں ایک خلاء ہے جو تحریر میں تو محسوس ہوتا ہے لیکن خطاب کے زیر و بم کے دوران اور مخالفین کے طرزِ عمل کے پیشِ نظر یہ خلاء محسوس نہیں ہوتا۔

آیت کا مفہوم

ان آیات کے نزول کے وقت قریش اور دیگر اہلِ مکہ کی طرف سے مخالفت شدت اختیار کر چکی تھی۔ وہ ایسا ہر حربہ آزمانے کی فکر میں تھے جس سے اس دین کی قبولیت کو ناممکن بنا دیا جائے۔ چنانچہ مخالفین کی نہایت برہنہ مخالفت کو دیکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی جیسا قحط مصر میں یوسف علیہ السلام کے زمانے میں آیا تھا، ویسے قحط سے میری مدد فرما۔ یہ بددعا آنحضرت ﷺ کی اپنی ذات کے حوالے سے نہ تھی بلکہ صرف اس حوالے سے تھی کہ اس قحط کی شدت سے قریش کے چھوٹے بڑے لوگ تنگ آ کر اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف مائل ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ ان کی اکڑی ہوئی گردنیں اس پر آشوب دور میں جھکنا شروع ہو جائیں اور اس طرح سے ایمان کی قبولیت کا راستہ کھل جائے۔ چنانچہ دعا قبول ہوئی اور ایک ایسی شدت کا قحط پڑا کہ لوگ بلبلا اٹھے۔ قحط کی شدت کی وجہ سے لوگ مردار تک کھا گئے اور اپنی عافیت کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے اور آنحضرت ﷺ سے التجا کرنے لگے کہ آپ اس عذاب کے دور ہونے کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں ان کی ہدایت سے مایوس ہونے کے بعد جس طرح آنحضرت ﷺ کو قیامت کے دُخانِ مبین کے انتظار کرنے کا حکم دیا ہے اس میں یہ وجہ بھی شامل ہے کہ ان کی ہدایت کیلئے قحط جیسے سنگین حادثے کو بھی آزمایا گیا اور اس کی شدت سے تنگ آ کر قریش اور دیگر لوگوں نے اس وعدے پر اس قحط کے ہٹائے جانے کی التجا کی کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔ لیکن پروردگارِ عالم نے اپنے علمِ محیط کی بنا پر ارشاد فرمایا:

اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾

(ان کیلئے نصیحت پکڑنے کا موقع کہاں، ان کے پاس ایک رسولِ مبین آ چکا۔ ۱۳)
تو انہوں نے اس سے منہ موڑا اور کہا: یہ تو ایک سکھایا پڑھایا دیوانہ ہے۔ ۱۴)

مخالفین کے رویئے کا نتیجہ

یعنی یہ لوگ اس قحط کی ہولناکی کو دیکھ کر ایمان لانے کی بات تو کرتے ہیں لیکن ان کے طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے اس کی توقع کرنا بہت مشکل ہے۔ اندازہ کیجئے کہ ان کی ہدایت کیلئے ایک ایسا رسول آ چکا ہے جو ہر لحاظ سے ایک رسولِ مبین ہے یعنی اس کی دعوت کی پشت پر چالیس سال کا بے عیب کردار ہے۔ اور نبوت کے اعلان سے پہلے جسے تسلیم کرنے سے قریش کے کسی فرد نے کبھی انکار نہ کیا تھا، جس کی شخصیت کی دلآویزی اس کی سچائی کی منہ بولتی تصویر تھی جس پر نازل ہونے والی کتاب اپنی فصاحت و بلاغت، اس میں پیش کیا جانے والا ضابطۂ حیات، اس

Marfat.com

کے علمی محاکے، اس کی تاریخی پیشگوئیاں، اس کی تعلیمات سے چند سالوں میں وجود میں آنے والا ایک صالح معاشرہ، اس کی دعوت کا ڈھیرے ڈھیرے مخالفین کے دماغوں اور دلوں میں نفوذ اور تمام تر خونخوار اور وحشیانہ مخالفت پر اس کی استقامت اور مشکل سے مشکل حالات میں اس کا اللہ تعالیٰ پر بے پناہ اعتماد، ان میں سے ایک ایک چیز اس کے رسول ہونے کی دلیل تھی۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود ان لوگوں کا یہ طرزِ عمل کہ انہوں نے اس کی ہر بات سے اعراض کیا، اس کی ہر نصیحت کا مذاق اڑایا، اس کی ہمدردی اور محبت میں ڈوبی ہوئی باتوں کو تمسخر میں اڑا دیا اور رسول کی تمام تر عظمت کے باوجود یہ تک کہنے سے دریغ نہ کیا کہ وہ تو ایک لکھایا پڑھایا، مجنون اور دیوانہ ہے، جب دیکھو اس کی زبان پر عذاب کی دھمکیاں ہیں، لوگوں کی ہزار مخالفتوں کے باوجود ان کے ایمان کیلئے مخلصانہ دعائیں اور کاوشیں ہیں۔ آنے والے دنوں کا ایسا نقشہ ہے جس میں ماننے والے شادکام ہوں گے اور انکار کرنے والے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوں گے۔ وہ جس کلام کو پیش کرتا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ہیں جو اسے تیار کر کے اور سکھا پڑھا کے لوگوں کے پاس بھیجتے ہیں اور وہ انہیں وحیِ الٰہی کا نام دے کر سنانا شروع کر دیتا ہے۔ اندازہ فرمائیے کہ جس شخص کی ذہانت و فطانت اور معاملہ فہمی پر کبھی دو رائے نہیں رہیں اور جس کی صدق بیانی پر پوری قوم نے ہمیشہ اعتماد کا اظہار کیا۔ لیکن نبوت کے اعلان کے بعد اس کے متعلق ایسی ایسی باتیں کہی جا رہی ہیں کہ جس کی گواہی کہنے والوں کے دل بھی نہیں دیتے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ یہ کہا جا رہا ہے کہ کچھ لوگ چند باتیں بنا سنوار کر اسے دیتے ہیں اور وہ اسے کلام اللہ کے نام سے پیش کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ لوگ کون ہیں؟ آخر جو لوگ شب و روز آپ کے قریب رہتے ہیں اور جنہوں نے ہر مرحلے پر انتہائی گرویدگی اور عقیدت کا اظہار کیا ہے اور جن کی قربانیاں تاریخ کا حصہ ہیں وہ لوگ انہیں کیوں نہیں جانتے۔ ان کی بیوی سب سے پہلے ایمان لاتی ہے، ان کا عزیز ترین دوست ذمہ دار لوگوں میں سب سے پہلے ایمان قبول کرتا ہے، ان کے گھر میں پلنے والا نوخیز لڑکا سب بچوں سے آگے بڑھ کر ایمانداروں میں شریک ہوتا ہے اور اس کا منہ بولا بیٹا اس کا سب سے پہلا فدا کار ہے۔ تو وہ کیسے لوگ تھے جو زندگی بھر کبھی ان کی نظروں میں نہ آسکے۔ اور اگر یہ لوگ جعل سازی کے اس کاروبار سے آگاہ ہوتے تو وہ ایسے مخلص، سرفروش اور فدا کار کیوں ہوتے۔

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

(ہم ذرا عذاب ہٹائے دیتے ہیں، تم لوگ پھر وہی کچھ کرو گے جو پہلے کرتے رہے ہو۔ ۱۵)

جس دن ہم پکڑیں گے بڑی پکڑ اس دن ہم انتقام لے کے رہیں گے۔ ۱۶)

اتمامِ حجت کے طور پر قبولیتِ دعا

یعنی اب یہ لوگ قحط کی شدت سے بچنے کیلئے ایمان لانے کا وعدہ اور التجا بھی کرتے ہیں کہ ہم یہ عذاب ان سے دور کر دیں۔ پروردگار ان سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اتمامِ حجت کرتے ہوئے ہم تم سے اس عذاب کو ہٹائے دیتے ہیں لیکن ہمیں خوب معلوم ہے کہ تم پھر وہی کچھ کرو گے جو اس سے پہلے کرتے رہے ہو۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تم صرف قحط سے نکلنے کیلئے ایک غلط وعدہ کر رہے ہو۔ لیکن جیسے ہی اس مصیبت سے تمہاری خلاصی ہوگی، تمہارے شب و روز کے وہی مشاغل شروع ہو جائیں گے اور تم اللہ تعالیٰ کے دین کا راستہ روکنے کیلئے وہ ساری حرکتیں کرو گے جو اس سے

Marfat.com

پہلے تمہارا معمول رہی ہیں لیکن ہم نے چونکہ ابھی تک تمہارے مہلتِ عمل ختم نہیں کی اس لئے ہم تمہارے غلط وعدوں پر بھی تمہارے عذاب میں کمی کریں گے۔ لیکن جب ہم مہلتِ عمل ختم کر دیں گے تو پھر ہماری سخت گرفت آئے گی اور پھر ہم ایسی شدت سے پکڑیں گے جس سے کوئی چھڑا نہ سکے گا اور یہ پکڑ درحقیقت ہمارا انتقام ہوگی جو تمہیں ہمیشہ کیلئے جہنم کا ایندھن بنا دے گی۔ بعض اہلِ علم نے اس بڑی پکڑ سے جنگِ بدر مراد لی ہے کیونکہ اس جنگ نے جس میں مسلمانوں کی کامیابی کا دور دور تک گمان نہ تھا اس طرح مخالفین کی کمر توڑی کہ ان کی قیادت کی پہلی صف تہ تیغ کر دی گئی اور دوسری صف گرفتار ہو کر فدیہ دے کر نجات پا سکی۔ اور پھر فتح مکہ نے تمام مخالفین کو اس حال میں دیکھا کہ سب ہاتھ باندھے آنحضرت ﷺ سے عفو ودرگزر کے طالب تھے۔ چنانچہ قطعی اکثریت مسلمان ہوگئی اور بڑی محدود تعداد یا تو جنگوں میں کام آگئی اور یا ملک چھوڑ کر بھاگ گئی۔

یہ ہے ان آیات کا ایک سادہ سا مفہوم جس سے ہمارے نزدیک کسی حد تک آیات کی وضاحت ہو جاتی ہے، لیکن جس طرح ہمارے قدیم مفسرین نے ان آیات کی وضاحت کی ہے وہ بہر حال ہمارے لئے اعتماد کی چیز بھی ہے اور علمی سرمایہ بھی۔ اس لئے ہم اسے معارف القرآن سے نقل کئے دیتے ہیں۔

آیت مذکورہ میں جس دُخان مبین کا ذکر بطور پیشگوئی کے آیا ہے کہ آپ انتظار کریں اس واضح دھویں کا جو آسمان پر ہوگا اور لوگوں پر چھا جائے گا، اس کے متعلق حضرات صحابہ وتابعین سے تین قول منقول ہیں۔ اول یہ کہ یہ علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت ہے جو قیامت کے بالکل قریب واقع ہوگی۔ یہ قول حضرت علی مرتضیٰؓ اور ابنِ عباسؓ، ابن عمرؓ، ابو ہریرہؓ اور زید بن علیؓ اور حسن بصریؒ، ابن ابی ملیکہ وغیرہ کا ہے اور حضرت ابو سعید خدریؓ اور حذیفہ بن اسید غفاریؓ سے یہ قول مرفوعاً بھی روایت کیا گیا ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پیشگوئی واقع ہو چکی ہے اور اس کا مصداق مکہ مکرمہ کا قحط ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بددعا سے ان پر مسلط ہوا تھا وہ بھوکوں مرنے لگے، مردار جانور تک کھانے لگے، آسمان پر بجائے بارش بادلوں کے ان کو دھواں نظر آتا تھا۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس دُخان سے مراد وہ گرد وغبار ہے جو فتح مکہ کے روز مکہ مکرمہ کے آسمان پر چھا گیا تھا، یہ قول عبدالرحمٰن اعرج وغیرہ کا ہے۔ (قرطبی) زیادہ معروف پہلے ہی دو قول ہیں، تیسرے قول کے متعلق ابن کثیر نے فرمایا، ہذا القول غریب جداً بل منکر۔ باقی دونوں کا ذکر احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔ روح المعانی نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے اور مذکور الصدر خلاصہ تفسیر بیان القرآن میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ ابنِ کثیر اور قرطبی سے پہلے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم، دونوں اقوال کی روایات حسب ذیل ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ بن اسیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بالاخانے سے ہم پر نظر فرمائی، ہم آپس میں علاماتِ قیامت کا تذکرہ کر رہے تھے، آپ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس علامتیں نہ دیکھ لو۔ آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا، دُخان، دابہ، یاجوج وماجوج کا خروج، عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور دجال کا خروج، تین خسف یعنی زمین میں دھنس جانا، ایک خسف مشرق میں دوسرا مغرب اور تیسرا جزیرۃ العرب میں اور آگ جو قعرِ عدن سے نکلے گی اور لوگوں کو ہکا کر لے چلے گی جہاں رات کو لوگ سونے کیلئے ٹھہریں گے رک جائے گی جہاں دوپہر کو آرام کیلئے رکیں گے یہ بھی رک جائے گی۔ (ابنِ کثیر)

Marfat.com

ابنِ جریر نے ابو مالک اشعریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں تین چیزوں سے ڈراتا ہوں۔ ایک دُخان (یعنی دھواں) جو مومن کیلئے صرف ایک طرح کا زکام پیدا کرے گا اور کافر کے تمام بدن میں بھر جائے گا یہاں تک کہ اس کے ہر مسمع اور مسام سے نکلنے لگے گا اور دوسری چیز دابہ (یعنی دابۃ الارض کوئی عجیب قسم کا جانور زمین سے نکلے گا) اور تیسرے دجال۔ اس روایت کو ابنِ کثیر نے نقل کر کے فرمایا (ہٰذا اسناد جید) اسی مضمون کی ایک روایت بحوالہ ابنِ ابی حاتم حضرت ابوسعید خدریؓ سے بھی ابنِ کثیر نے نقل کی ہے اور بحوالہ ابنِ ابی حاتم حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ دُخان کی پیشگوئی گزری نہیں (بلکہ قربِ قیامت میں) یہ دھواں مومن کیلئے ایک طرح کا زکام پیدا کردے گا اور کافر کے اندر بھر جائے گا یہاں تک کہ اس کے ہر منفذ سے نکلنے لگے گا۔ اسی طرح کا مضمون بحوالہ ابنِ جریر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی نقل کیا ہے، جس کو نقل کر کے ابنِ کثیر نے فرمایا:

ھذا اسناد صحیح الیٰ ابن عباسؓ حبر الامۃ و ترجمان القراٰن و ھٰذا قول من وافقہ من الصّحابۃ و التابعینؒ مع الاحادیث المرفوعہ من الصّحاح و الحسان و غیرھما الّتی اور دوھا ممافیہ مقنع و دلالۃ ظاھرۃ علی ان الدّخان من الاٰیات المنتظرہ مع انّہ ظاھر القراٰن (فارتقب یوم تأتی السّماء بدخانٍ مبین) و علیٰ مافسرہ ابن مسعود انمـا ھو خیال رأوہ فی اعینھم من شدّۃ الجوع و الجھد و ھٰکذا قولہ تعالیٰ (یغشی النـاس) ای یتغشـاھـم و یعـمھـم و لـو کان مراً خیالیایخص اھل مکہ المشرکین لماقیل فیہ یغشی الناس

(حضرت ابنِ عباس حبرِ اُمت اور ترجمان القرآن تک یہ اسناد صحیح ہے اور یہی قول دوسرے حضرات صحابہ و تابعین کا ہے جنہوں نے ابنِ عباسؓ کی موافقت فرمائی ہے اس کے ساتھ وہ احادیث مرفوعہ جن میں بعض صحیح بعض حسن ہیں وہ بھی یہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں کہ دُخان ان علاماتِ قیامت میں سے ہے جن کا انتظار ہے ابھی آئی نہیں، خصوصاً جبکہ ظاہر الفاظ قرآن بھی اس پر شاہد ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی تفسیر مشہور میں جس دھویں کا ذکر ہے وہ تو ایک خیالی دھواں تھا جو بھوک کی شدت سے ان کی آنکھوں کو محسوس ہوتا تھا اس کیلئے لفظ یغشی الناس بعید معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ خیالی دھواں تو اہلِ مکہ کیلئے مخصوص تھا اور یغشی الناس کے الفاظ یہ بتلاتے ہیں کہ وہ سب لوگوں پر عام طور پر چھا جائے گا)۔

اور پہلے یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول کی روایت صحیحین اور مسند احمد اور ترمذی، نسائی وغیرہ میں اس طرح آئی ہے کہ حضرت مسروق نے روایت کیا ہے کہ ایک روز ہم کوفہ کی مسجد میں داخل ہوئے جو ابواب کندہ کے قریب ہے وہاں دیکھا کہ ایک واعظ لوگوں کو وعظ سنا رہا ہے اور اس آیت یعنی **یوم تأتی السّما بدخان مبین** کے متعلق اس نے مخاطبین سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ دُخان سے کیا مراد ہے پھر فرمایا کہ یہ ایک دھواں ہوگا جو قیامت کے روز نکلے گا جو منافقین کے کانوں اور آنکھوں کو لے لے گا اور مومن کو اس سے صرف زکام کی سی کیفیت پیدا ہوگی۔

Marfat.com

مسروق کہتے ہیں کہ واعظ کی یہ بات سن کر ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے ان سے اس کا ذکر کیا وہ لیٹے ہوئے تھے گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ قل ما اسئلکم علیه من اجر وما انا من المتکلفین یعنی میں تم سے تمہاری خدمت تعلیم وتبلیغ کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا اور نہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو تکلف کوئی بات بنائیں اس لئے علم کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی جس چیز کو نہیں جانتا صاف کہہ دے کہ میں نہیں جانتا اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے (تکلف سے بات نہ بنادے) پھر فرمایا کہ اب تمہیں اس آیت کی تفسیر کا ایک واقعہ سناتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جب قریش نے رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ اسلام کو قبول کرنے سے انکار اور اپنے کفر پر اصرار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے بددعا فرمائی کہ یا اللہ ان پر ایسا قحط ڈال دے جیسا کہ آپ نے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ڈالا تھا۔ اس بددعا کا اثر یہ ہوا کہ یہ لوگ شدید قحط میں مبتلا ہو گئے تو دھویں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کا کوئی آدمی آسمان کی طرف نظر اٹھاتا تو بھوک کی شدت سے اس کو دھواں سا نظر آتا تھا۔ اس کے بعد عبداللہ ابن مسعودؓ نے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی فارتقب یوم تأتی السّمآء بدخان مّبین جب واقعہ پیش آیا تو لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ اپنے قبیلہ مضر کیلئے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کریں ورنہ وہ سب ہلاک ہو جائیں گے، رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے بارش دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی انّا کاشفوا العذاب قلیلاً انّکم عآئدون یعنی ہم تمہارے اس عذاب کو چند روز کیلئے ہٹائے لیتے ہیں (مگر جب تم مصیبت سے نکل جاؤ گے) تو پھر اپنے کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا پھر وہ اپنے پچھلے حال کی طرف لوٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یوم نبطش البطشة الکبریٰ انّا منتقمون یعنی جس دن ہم سخت پکڑ پکڑیں گے اس دن سے ڈرو، پھر ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ یہ بطشہ کبریٰ یعنی بڑی سخت پکڑ غزوہ بدر میں ہو چکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ پانچ چیزیں گزر چکی ہیں یعنی دُخان، روم، قمر، بطشہ، لزام۔ (از ابنِ کثیر) دُخان سے مراد اس تفسیر پر مکہ کا قحط ہے اور روم سے مراد وہ پیشگوئی ہے جو سورہ روم میں ان کے غلبہ کے متعلق آئی ہے۔ وھم من بعد غلبھم سیغلبون اور قمر سے انشقاقِ قمر مراد ہے جس کا ذکر اقتربت السّاعة وانشقّ القمر میں ہے، اور بطشہ تفسیر مذکور کے مطابق غزوہ بدر میں کفارِ قریش کا انجام ہے۔ اور لزام سے اشارہ اس آیت کی طرف ہے فسوف یکون لزاما۔

آیات مذکورہ میں غور کیجئے تو ان میں چند پیشگوئیاں ہیں۔ اول دھویں کا آسمان پر ظاہر ہونا اور سب لوگوں پر چھا جانا، دوسرے مشرکین کا اس عذاب سے عاجز آ کر ایمان کا وعدہ کر کے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنا، تیسرے ان کے وعدہ کا جھوٹا ہونا اور بعد میں مکر جانا، چوتھے اللہ تعالیٰ کا ان کے جھوٹے وعدہ پر بھی بطور اتمام حجت کے کچھ عرصہ کیلئے ان سے عذاب کا ہٹا دینا اور یہ جتلا دینا کہ تم اس وعدہ پر قائم نہ رہو گے، پانچویں پھر دوبارہ ان کو سخت پکڑ میں پکڑ لینا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیر کے مطابق یہ سب کی سب پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں، پہلی چار تو مکہ والوں پر قحط شدید مسلط

Marfat.com

ہونے اور پھر اس کے رفع ہونے کے دوران پوری ہوئیں اور پانچویں غزوہ بدر میں پوری ہوگئی، لیکن اس تفسیر پر ظاہر الفاظ قرآنی سے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ بھوک کی شدت کے سبب آسمان پر خیالی دھواں نظر آنے کو قرآن کریم نے تاتی السماء اور دخانِ مبین اور یغشی الناس کے الفاظ سے تعبیر کیا ہو کیونکہ بظاہر ان الفاظ سے عام آسمان پر کھلا ہوا دھواں چھا جانا اور سب لوگوں کا اس دھویں سے متاثر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ تفسیر مذکور میں نہ آسمان پر دھویں کا چھا جانا ثابت ہوتا ہے اور نہ لوگوں کا اس دھویں سے متاثر ہونا معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ دھواں تو خود ان کی اپنی شدتِ مصیبت کا اثر تھا اسی لئے حافظ ابنِ کثیر نے ظاہر قرآن کے مطابق اس کو ترجیح دی کہ یہ دخان مبین علامات قیامت میں سے ہے اور اس کو ترجیح اس لئے بھی ہے کہ وہ روایاتِ مرفوعہ سے ثابت ہے۔ یہ صرف حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا اپنا قول ہے مگر اس تفسیر پر بظاہر انّا کاشفوا العذاب قلیلا انکم عائدون سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ قیامت میں تو کفار سے کوئی عذاب نہیں ہٹایا جائے گا۔ یہاں چند روز کیلئے عذاب ہٹا دینے کا ذکر کیسے درست ہوگا۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مراد اس سے یہ ہو کہ اگر ہم تمہارے کہنے کے مطابق عذاب ہٹا دیں اور تمہیں پھر دنیا میں لوٹا دیں تو تم پھر وہی کفر و انکار کرنے لگو گے جیسا کہ دوسری ایک آیت میں یہی مضمون اس طرح آیا ہے ولو رحمنا هم و کشفنا مابهم من ضرّ للجّوافی طغیانهم یعمهون اور ایک اور آیت میں فرمایا ولو ردّوا العادوا لما نهوا عنه دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کاشفوا العذاب میں کشف عذاب سے مراد یہ ہو کہ اگرچہ عذاب آنے کے اسباب مکمل ہو چکے اور عذاب تمہارے قریب آچکا ہے مگر کچھ روز کیلئے ہم اس کو مؤخر کر دیتے ہیں جیسا کہ قوم یونس علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے۔ کشف عنهم العذاب حالانکہ قوم یونس علیہ السلام پر عذاب آ نہیں چکا تھا صرف آثارِ عذاب نظر آئے تھے اس کو کشف عذاب سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس پر بھی کوئی اشکال نہیں رہتا اور اس تفسیر پر یوم نبطش البطشة الکبریٰ سے مراد روز قیامت کی پکڑ ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیر میں جو غزوۂ بدر کی پکڑ کو فرمایا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے وہ بھی ایک پکڑ سخت ہی تھی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آگے قیامت میں اس سے بڑی پکڑ نہ ہو اور اس میں بھی کچھ بعد نہیں معلوم ہوتا کہ قرآن کریم نے کفار مکہ کو ایک آنے والے عذاب سے ان آیات میں ڈرایا ہے اس کے بعد جو بھی عذاب ان پر آیا اس کو کسی درجہ میں اس کا مصداق سمجھ کر صحابہ کرام نے ان آیات کا ذکر فرمایا ہو جس سے اس کے علاماتِ قیامت میں سے ہونے کی نفی ہوتی جیسا کہ روح المعانی میں علامہ سفارینی کی کتاب البحور الزاخرہ کے حوالہ سے خود حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت کیا ہے۔

هما دخانان مضى واحد والّذى بقى يملأمابين السّماء والارض ولا يصيب المؤمن الابالزكمه واما الكافر فيشق مسامعه فيبعث اللّٰه تعالىٰ عندذٰلک الرّيح الجنوب من اليمن فتقبض روح كل مؤمن ويبقىٰ شرار النّاس (روح)

Marfat.com

دُخـان دو ہیں، ایک گزر چکا (یعنی قحط مکہ کے وقت) اور دوسرا جو باقی ہے وہ آسمان اور زمین کی درمیانی فضا کو بھر دے گا اور مومن کو اس سے صرف زکام کی کیفیت پیدا ہوگی اور کافر کے تمام منافذ کو پھاڑ ڈالے گا اس وقت اللہ تعالیٰ یمن کی طرف سے جنوبی ہوا بھیج دیں گے جو ہر مومن کی روح قبض کر لے گی اور صرف کفار شرار الناس باقی رہ جائیں گے۔

اگرچہ صاحب روح المعانی نے اپنی مختار تفسیر کے مطابق اس روایت کی صحت کے متعلق اپنے شک کا اظہار کیا ہے مگر یہ روایت ثابت ہوجائے تو ظواہر قرآن اور روایت مرفوعہ کے ساتھ کوئی تعارض نہیں رہتا، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف القرآن)

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿١٧﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٩﴾

(ہم نے ان سے پہلے قومِ فرعون کو آزمایا اور ان کے پاس ایک نہایت معزز رسول آیا۔ ۱۷) اس پیغام کے ساتھ کہ اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں۔ ۱۸) اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو، میں تمہارے سامنے ایک صریح حجت پیش کرتا ہوں۔ ۱۹)

قریش اور قومِ فرعون میں مشابہت

قرآنِ کریم نے مختلف مواقع پر قومِ فرعون اور قریش کے حالات میں مشابہت کی طرف اشارے کیے ہیں اور اسی طرح نبی کریم ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات اور تبلیغی کاوشوں میں یکسانی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ اسی مشابہت کے حوالے سے سب سے پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ جس طرح ہم نے آج قریش کو ایک آزمائش میں ڈال رکھا ہے اسی طرح ہم نے قومِ فرعون کو بھی آزمایا تھا۔ یعنی وہ لوگ بھی قریش کی طرح اپنی دولت و رفاہیت پر نازاں تھے۔ اور قریش کی طرح انہیں بھی اپنے ملک بلکہ علاقے میں ایک عزت واحترام اور وقار حاصل تھا۔ اور اسی نے ان کی زندگی میں بگاڑ کے بہت سے اسباب پیدا کر دیئے تھے۔ فرعون اپنی حکومت کی وجہ سے غیر معمولی پندار اور گھمنڈ میں مبتلا تھا۔ اور اس کے عمائدینِ سلطنت اور پورا طبقۂ امراء ان تمام خرافات میں مبتلا تھے جو مطلق العنان حکمرانی اور غیر معمولی فارغ البالی سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کی اصلاح اور ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح آزمائش میں ڈالا کہ ایک رسولِ کریم کو ان میں مبعوث فرمایا۔ یہاں رسول کریم سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جو اپنی عرفی حیثیت اور نامساعد حالات کی وجہ سے بے بسی اور بے کسی کی تصویر تھے۔ لیکن جب انہیں اللہ تعالیٰ کا سفیر بننے کا اعزاز حاصل ہوا یعنی جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت عطا ہوئی تو وہ ایسی وجاہت و کرامت سے متصف ہوئے جو صرف رسولوں کا حصہ ہوتی ہے۔ جس طرح کسی بادشاہ کا سفیر ہونا ایک ایسا اعزاز ہے جس میں اس بات سے قطعی بحث نہیں ہوتی کہ ان کا تعلق طبقۂ امراء سے ہے یا طبقہ غرباء سے، وہ کس خاندان سے رشتہ رکھتے ہیں اور کیسے آبادی میں رہتے ہیں۔ ان کیلئے بادشاہ کا سفیر ہونا ہی عزت کے حوالے کے طور پر کافی ہے۔ بالکل اسی طرح پیغمبر چونکہ شہنشاہِ کائنات کے سفیر اور نمائندہ بن کر

Marfat.com

مبعوث ہوتے ہیں ان کے بارے میں یہ بحث چھیڑنا کہ انہیں مال و دولت سے حصہ وافر نہیں ملا یا وہ معاشرتی زندگی میں کوئی بڑا مقام نہیں رکھتے، بالکل غیر متعلق بحثیں ہیں جنہیں قریش نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں ناروا حد تک چھیڑ رکھا تھا اور فرعون بھی سرِ دربار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایسی باتیں کہہ چکا تھا۔ اس لئے رسولِ کریم کے لفظ سے ان تمام خرافات کی تردید فرما دی گئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں پہنچ کر مختلف وقتوں میں جس طرح اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کا پیغام پیش کیا اور اپنی حیثیت کے مطابق اس کی اصلاح کی کوشش فرمائی اس کی تفصیلات قرآنِ کریم میں جا بجا بکھری ہوئی ہیں جن میں مرکزی مضمون کی حیثیت خشیتِ الٰہی، آخرت کی یاددہانی، پیغمبر کے اسوہ کے اتباع کو حاصل ہے۔ لیکن دوسرا مطالبہ جو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون کے سامنے رکھا اس کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو۔ مراد اس سے بنی اسرائیل ہیں کہ تم اگر مجھ پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کی بجائے اپنی حاکمیت کا صور پھونکتے ہو اور اہلِ مصر کو میری دعوت کو قبول کرنے سے روکتے ہو تو تم خود اس کے انجام سے گزرو گے۔ لیکن بنی اسرائیل جو انبیائے کرام کی اولاد ہیں اور حالات کی ستم رانی نے انہیں اپنے دین سے بہت بیگانہ کر دیا ہے وہ ایسے بگڑے ہوئے مسلمان ہیں کہ جن کی اصلاح کی امید کی جا سکتی ہے۔ اس لئے انہیں میرے سپرد کرو میں انہیں تمہاری صحبت سے بچا کر ایک آزاد علاقے میں لے جانا چاہتا ہوں جہاں ان کی اسلامی تربیت ممکن ہو سکے۔ اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرنا چاہتا ہوں جس سے وہ اپنے بندوں سے راضی ہو جائے۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ میں یہ سب باتیں کسی جھوٹے مدعی اور مفتری کی طرح تمہارے سامنے پیش نہیں کر رہا بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں جس کے سپرد اللہ تعالیٰ نے ایک امانت کی ہے جس کے حق کی ادائیگی اس کے ذمہ ہے۔ اس لئے تمہیں تنبیہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے مجھے اس حق کے امانت کی ادائیگی سے روکنے کی کوشش کی تو تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں آ سکتے ہو۔ مزید فرمایا کہ تمہیں اس بات کا اندازہ ہونا چاہئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغامبر ہوں، مجھے اس نے جس ذمہ داری پر فائز کیا ہے اس کی ادائیگی کیلئے میں اسی کی طرف سے مامور ہوں۔ اگر تم نے اس سلسلے میں مجھ سے الجھنے کی کوشش کی تو یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی کے مترادف ہوگا۔ تمہیں اگر اس بارے میں شبہ ہو کہ میرا پیغامبری کا دعویٰ شاید ایک جھوٹا دعویٰ ہے تو تمہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ایک صریح حجت تمہارے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو فرعون کے دربار اور بعض دوسری جگہوں میں وقتاً فوقتاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئے۔ یہ درحقیقت وہ سندِ ماموریت ہے جسے دیکھ لینے کے بعد آپ کی نبوت و رسالت میں شک و شبہ کرنا ایک ایسی حرکت ہے جس کا کوئی جواز نہیں۔ فرعون نے عصائے موسیٰ کے اژدھا میں تبدیل ہونے کو سحر قرار دے کر سارے ملک کے جادوگروں کو اس کے مقابلے کیلئے اکٹھا کیا، لیکن جادوگروں کی شکست نے اس بات کو واضح کر دیا کہ یہ پیغمبری ہے، جادوگری نہیں۔

وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿٢٠﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿٢١﴾

(اور میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لے چکا ہوں اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو۔ ۲۰
اور اگر تم میری بات نہیں مانتے تو پھر مجھ سے الگ رہو۔ ۲۱)

Marfat.com

فرعون کی دھمکی کا جواب

سورۃ المومن میں ہم یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ فرعون اور سلطنت کے دیگر عمائدین حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کے اثرات کو دیکھتے ہوئے روز بروز پریشان ہوتے جارہے تھے اور زمین ان کے پاؤں سے نکلتی دکھائی دے رہی تھی۔ آپ کے اثرات کو روکنے کا فوری طریقہ یہ تھا کہ آپ کو ختم کر دیا جاتا۔ لیکن فرعون بعض مصالح کے پیش نظر اس کیلئے تیار نہ تھا۔ آخر اس نے بھرے دربار میں اس بات پر آمادگی ظاہر کی بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی دھمکی دی۔ اس پر آپ نے نہایت محکم انداز میں فرمایا اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ''میں نے پناہ لی اپنے رب اور تمہارے رب کی، ہر اس متکبر سے جو روزِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔'' پیش نظر آیتِ کریمہ میں آپ اسی حوالے سے فرعون اور اس کے عمائدین سے فرما رہے ہیں کہ میں پہلے ہی اللہ رب العالمین کی پناہ لے چکا ہوں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاتا ہے کوئی طاقت اس کا بال بیکا نہیں کرسکتی۔ اس لئے تم بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ فرعون کو اپنی طاقت پر جو غیر معمولی گھمنڈ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کام نہیں دے سکتا۔ اور اگر لوگ اس کی کسی سازش یا ہلاشیری کے تحت مجھے سنگسار کرنے کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجانے کے بعد مجھے اس کا کوئی اندیشہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو بے سہارا نہیں چھوڑا کرتا۔ لیکن اگر تمہیں میری باتوں کا یقین نہیں اور تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں محض ڈراوا دے رہا ہوں تو تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ تم مجھ سے الگ رہو۔ کیونکہ اگر تم نے تعدی سے کام لیا تو تم اپنی دنیا و عقبیٰ تباہ کرلو گے۔

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

(پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا کہ یہ لوگ مجرم ہیں۔ ۲۲)

حضرت موسیٰ ؑ کی اپنے رب سے فریاد

آپ کی چونکہ حالات پر گہری نظر تھی، آپ نے محسوس کیا کہ ان کی تنبیہ کا فرعون پر کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ وہ طاقت کے زور سے آپ کو ختم کر دینے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی سنت رہی ہے کہ جب وہ مخالفین کی طرف سے آخری اقدام کا خطرہ محسوس کرتے ہیں تو پھر وہ مخالفین کے خاتمہ کیلئے دعا مانگا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی خطرے کو بے لگام ہوتے ہوئے دیکھ کر اپنے رب کو پکارا کہ الٰہی! یہ لوگ مجرم ہیں، ان میں نہ انسانی شرافت ہے اور نہ اخلاق کی پاسداری۔ یہ میرے خاتمہ کیلئے آخری حد تک جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، پس میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ تو ان ظالموں کی دسترس سے مجھے نجات دے اور انہیں ان کے برے انجام کے حوالے کر دے۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾

(اللہ کی طرف سے حکم آیا) کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ، بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ ۲۳)

اور چھوڑ دو دریا کو تھما ہوا، بے شک وہ سارا لشکر غرق کر دیا جائے گا۔ ۲۴)

Marfat.com

فریاد کی قبولیت اور حضرت موسیٰ ؑ کو ہدایت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا فوراً قبول ہوئی۔ چنانچہ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ رات ہی رات میں میرے بندوں کو لے کر روانہ ہو جائیں۔ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون آپ کے معجزات سے مرعوب ہو کر آپ کو بنی اسرائیل کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے چکا تھا اور آپ آج یا کل میں روانہ ہونے والے تھے، لیکن فوری خطرہ کو بھانپتے ہوئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی رات کو نکلنے کا حکم دے دیا اور ساتھ ہی آگاہ بھی فرما دیا کہ فرعون اگرچہ آپ کو بنی اسرائیل کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے چکا ہے لیکن آپ کے نکلتے ہی اس کے ارادے میں تبدیلی آئے گی اور وہ آپ کا تعاقب کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سمیت روانہ ہوئے تو فرعون کی نیت بدل گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ اجازت دینے میں اس سے غلطی ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ فوراً اپنی اور علاقائی سرداروں کی فوجیں لے کر ان کے تعاقب میں روانہ ہوا تاکہ ان کو مجبور کر کے پھر واپس لائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام رات کی تاریکی میں راستہ غلط کر گئے، صبح کی روشنی میں جب آپ ساحل کے پاس پہنچے تو آپ کو اندازہ ہوا کہ بحرِ قلزم اپنی جولانیوں کے ساتھ بہہ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پانی میں اپنا عصا مارا تو پانی دونوں طرف پہاڑوں کی طرح رک گیا اور خشک راستہ بنی اسرائیل کیلئے کھول دیا گیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل اس راستے سے شاداں وفرحاں گزرتے ہوئے بحرِ قلزم کو پار کر گئے۔ اتنے میں فرعون بھی اپنے لشکر سمیت دریا پر پہنچ گیا۔ اس نے جب خشک راستہ دیکھا تو اس نے اسے مدوجزر کا نتیجہ سمجھ کر اپنے لشکر کو دریا میں اتارنا چاہا تاکہ وہ راستہ خشک ہونے سے پہلے دوسری طرف پہنچ جائے۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ عصا مار کر پانی کو ملا دیا جائے تاکہ فرعون کی فوجیں دریا میں اتر نہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ آپ دریا کو کھلا رہنے دیں، پانی کو ملانے کی کوشش نہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ فرعون اور اس کا لشکر بحرِ قلزم میں غرق کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾ وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَٰكِهِينَ ﴿٢٧﴾ كَذَٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَٰهَا قَوْمًا ءَاخَرِينَ ﴿٢٨﴾

(انہوں نے کتنے ہی باغ اور چشمے۔ ۲۵) اور کھیت اور شاندار محل۔ ۲۶) اور سامانِ عیش جن میں وہ مزے لوٹ رہے تھے اپنے پیچھے چھوڑے۔ ۲۷) ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں اور ہم نے دوسروں کو ان چیزوں کا وارث بنا دیا۔ ۲۸)

انکارِ حق کا نتیجہ

ان آیاتِ کریمہ میں جن نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہ اسبابِ عیش ہیں اور یہ وہ طاقت کا سامان ہے جس کی وجہ سے انسان ہمیشہ استکبار کا شکار ہوتا ہے۔ وہ انسانیت کو بھول کر خدائی کا ڈول ڈالنے لگتا ہے۔ وہ اپنی اصل حقیقت کو کھو کر خود فریبیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ فرعون اور آلِ فرعون بھی ایسی ہی صورتحال سے دوچار ہوئے۔ وہ یہ بات بالکل بھول گئے کہ عزت و ذلت کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔ اور طاقت اور

Marfat.com

قدرت کا سرچشمہ کہیں اور ہے۔انہوں نے جب تمام انسانی اقدار کو پامال کر دیا اور سچائی اور حق کی آواز کو ہمیشہ کیلئے خاموش کر دینا چاہا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت حرکت میں آئی اور انہوں نے طاقت وحکومت کے ان پرستاروں کو تاریخ میں عبرت بنا دیا۔اور مصر کی جس سرزمین پر انہیں بہت ناز تھا وہ اب دوسروں کے قبضے میں آئی اور قدرت نے انہیں اس سرزمین کا وارث بنا دیا۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾

(پس نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین نے آنسو بہائے، اور نہ انہیں ذرا سی مہلت دی گئی۔ ۲۹)

کسی کا یہ قول درست معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بے خبر انسان وقت کا حکمران ہوتا ہے۔اور سب سے بے حس وہ لوگ ہوتے ہیں جو حالات کی پیداوار اور حبِ دنیا کے اسیر ہوتے ہیں۔جب تک وہ برسر اقتدار رہتے ہیں تو وہ نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں اور خوشامدی ہمیشہ انہیں گھیرے رہتے ہیں اور ان کے دماغوں میں یہ بات ڈالتے رہتے ہیں کہ اس سرزمین پر اہلِ زمین کی قسمتوں کا مالک آپ کے سوا کوئی نہیں۔ آپ ایک عظیم تمدن کے بانی ہیں اور آپ نے انسانوں کو وہ کچھ دیا ہے جو آج تک کسی نے انہیں نہیں دیا۔دنیا آپ کے کمالات کی گرویدہ ہے اور آپ کے احسانات کی مرہون ہے۔جب تک وہ زندہ رہتے ہیں ان کے درباری ہمیشہ ان کی عظمت کا ڈنکا بجاتے رہتے ہیں،لیکن جیسے ہی وہ منظر سے ہٹتے ہیں کوئی ان کا نام لیوا بھی نہیں ہوتا۔فرعون اور آلِ فرعون بھی اسی قسم کی خود فریبیوں میں مبتلا تھے۔لیکن جب ہلاکت و بربادی نے انہیں آ پکڑا تو کوئی آنکھ ان پر رونے والی نہ تھی۔نہ زمین نے ان پر آنسو بہائے اور نہ آسمان ان پر رویا۔کیونکہ زمین ان کی وجہ سے فساد سے بھر گئی تھی اور ان کی بداعمالیوں کی نحوست سے آسمان کی برکتوں کے دروازے بند ہو چکے تھے۔بڑے سے بڑے مجرم کو بھی بعض دفعہ مہلت دے دی جاتی لیکن انہیں چند لمحوں کی مہلت بھی نہ دی گئی۔ان کی موت سے ہر ایک نے اطمینان کا سانس لیا کہ خس کم جہاں پاک۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ
الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿٣٠﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾
وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ
مَا فِيْهِ بَلٰۗـؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿٣٣﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿٣٤﴾ اِنْ هِىَ اِلَّا مَوْتَتُنَا
الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَاۗىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٦﴾
اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّــعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا

Marfat.com

مُجْرِمِیْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ مَا
خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ
مِیْقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۰﴾ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًی عَنْ مَّوْلًی شَیْـًٔا وَّلَا هُمْ
یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۲﴾

رکوع: ۲۔ (ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے نجات دی۔ ۳۰) یعنی فرعون سے، بے شک وہ حد سے گزر جانے والوں میں بڑا ہی سرکش تھا۔ ۳۱) ہم نے ان کو دنیا والوں پر سب کچھ جانتے ہوئے ترجیح دی۔ ۳۲) اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں کھلی آزمائش تھی۔ ۳۳) بے شک یہ لوگ کہتے ہیں۔ ۳۴) ہماری پہلی موت کے سوا اور کچھ نہیں اور ہم اس کے بعد زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ ۳۵) تو لاؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو۔ ۳۶) کیا یہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم، اور اس سے پہلے کے لوگ؟ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، بے شک وہ مجرم تھے۔ ۳۷) آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ہم نے کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ ۳۸) ہم نے ان کو پیدا نہیں کیا ہے مگر ایک غایت کے ساتھ، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔ ۳۹) ان سب کے اٹھائے جانے کیلئے طے شدہ وقت فیصلے کا دن ہے۔ ۴۰) جس دن کوئی رشتہ دار کسی رشتہ دار کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔ ۴۱) سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم کرے، بے شک وہی عزیز و رحیم ہے۔ ۴۲)

وَلَقَدْ نَجَّیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ﴿۳۰﴾
مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِیًا مِّنَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۳۱﴾

(ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے نجات دی۔ ۳۰) یعنی فرعون سے، بے شک وہ حد سے گزر جانے والوں میں بڑا ہی سرکش تھا۔ ۳۱)

سرکش حکمران عذابِ مھین ہے

بنی اسرائیل انبیائے کرام کی اولاد تھے لیکن ایمان و عمل میں کوتاہیوں اور مقاصدِ زندگی سے بے تعلقی کے باعث حالات کی ستم ظریفی کا نشانہ بن چکے تھے۔ فرعون اور آلِ فرعون کی حکومت میں مسلسل انہیں پُر مشقت زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا۔ چونکہ حکمران خاندان نے حکومت ان سے لی تھی اس لئے ان کی شعوری کوشش تھی کہ انہیں حالات کے نشیب و فراز میں اس قدر الجھا دیا جائے اور انہیں معاشرتی زندگی میں اس قدر پست حالت میں اتار دیا جائے کہ آہستہ آہستہ ان کے دل و دماغ سے حکمرانی کا تصور محو ہو کر رہ جائے اور وہ دوسرے درجے کی شہری زندگی پر قناعت

Marfat.com

کرلیں۔ انہیں اجتماعی زندگی کے ہر موقع سے اس طرح محروم کردیا گیا کہ ان کے اندر اجتماعیت کا تصور مفلوج ہو کر رہ گیا۔ ان کے صحت مند لوگوں سے بیگار لی جاتی تھی اور ان کی لڑکیوں اور عورتوں سے گھروں کا کام کاج کرایا جاتا تھا۔ پوری قوم زخموں سے زار و نزار تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد فرعون اور آلِ فرعون کیلئے بنی اسرائیل کا وجود مزید کھٹکنے لگا تھا۔ وہ جیسے جیسے بنی اسرائیل کو ساتھ لے جانے کی اجازت طلب کرتے تھے، ویسے ویسے ان پر مظالم کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن جب فرعون اور آلِ فرعون نے مسلسل معجزات کی صورت میں اپنے اوپر عذاب کا نزول دیکھا تو گھبرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجازت دے دی کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ گزشتہ آیات میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر نکلے تو فرعون نے محسوس کیا کہ ہم نے اجازت دے کر غلطی کی ہے۔ چنانچہ وہ فوجوں کو ساتھ لے کر تعاقب کیلئے نکلا۔ آخر اللہ تعالیٰ کا قانونِ عذاب حرکت میں آیا جس کے نتیجے میں اسے بحرِ قلزم میں ڈبو دیا گیا اور بنی اسرائیل کو نہایت آرام و راحت کے ساتھ بحرِ قلزم کے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا گیا۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس توہین آمیز اور رسوا کر دینے والے عذاب سے نجات دے دی جس میں وہ عرصۂ دراز سے مبتلا تھے۔ لیکن اصل عذاب ان کیلئے وہ تھا جو فرعون کی شکل میں ان پر مسلط ہو چکا تھا۔ اس لئے آیتِ کریمہ میں مِنْ فِرْعَوْنَ کو الْعَذَابِ الْمُهِينِ سے بدل بنایا گیا ہے۔ ایک طویل زمانے تک بنی اسرائیل جس کرب انگیز حالت میں مبتلا تھے اس کا سب سے نازک زمانہ وہ تھا جو انہوں نے فرعون کے ساتھ گزارا۔ کیونکہ یہ زمانہ ان کیلئے ذلیل کر دینے والا عذاب بن گیا تھا جس کا سبب صرف فرعون تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے جیسے ہی اسے بحرِ قلزم کی موجوں کے حوالے کیا تو یہ اصل عذاب اللہ تعالیٰ نے ان کے سر سے ٹال دیا۔ اور فرعون کے سب سے بڑے عذاب بن جانے کی وجہ یہ تھی کہ زمین اور اہلِ زمین کو جس چیز کی وجہ سے فساد کا نشانہ بننا پڑتا تھا وہ اللہ تعالیٰ کی حدود سے نکل جانا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بندگی اور آپس میں معاملات کی خوش اسلوبی کا علم دے کر دنیا کو اس کیلئے جنت نظیر بنایا۔ لیکن جب انسان اللہ تعالیٰ کی بندگی کی حدود سے نکل بھاگتا ہے اور انسانی رشتوں کو پامال کرتا ہے تو وہ زمین اور اہلِ زمین کیلئے ایک عذاب بن جاتا ہے۔ فرعون چونکہ انسانی رشتوں کی پامالی اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے نکل جانے والوں میں سب سے زیادہ سرکش تھا اس لئے اسے عذابِ مہین قرار دیا گیا ہے۔ اس سے بنی اسرائیل کو نجات مل جانا اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان تھا۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾

(ہم نے ان کو دنیا والوں پر سب کچھ جانتے ہوئے ترجیح دی۔ ۳۲)

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر دوسرا احسان یہ کیا کہ فرعون اور اس کی قوم کو تو بحرِ قلزم میں غرق کر دیا گیا لیکن بنی اسرائیل کو اس عظیم منصب کیلئے چن لیا گیا جس کی امامت کا شرف ان کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل رہا۔ یعنی توحید کی امانت ان کے سپرد کی گئی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم رسول کو مبعوث فرما کر قومی شیرازہ بندگی اور تبلیغ و دعوت کے سارے امکانات ان پر کھول دیئے گئے اور یہ اتنا بڑا فیصلہ پروردگار نے محض عنایتِ خسروانہ کے طور پر نہیں فرمایا بلکہ بنی اسرائیل کی تمام کمزوریاں اور تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اس بات کو کون جانتا تھا کہ جس طرح مصر میں انہیں غلام بنا کر رکھا گیا اور پھر مسلسل ذلت و اہانت کا ہر تیر ان پر آزمایا گیا۔ ان

Marfat.com

کی خاندانی خصوصیات کو ایک ایک کر کے کچلا گیا اور انہیں بنیادی ضرورتوں کا محتاج بنا کر اولوالعزمی اور خدا پرستی کے ہر تعلق سے بے نیاز کیا گیا۔ ان تمام کھوئی ہوئی اقدار کو دوبارہ حاصل کرنے کی ایک ہی صورت تھی کہ انہیں بگڑے ہوئے انسانوں کی صحبت اور تکلفات اور تعیشات کی دنیا سے نکال کر ایک ایسی صحرائی زندگی اور سنگلاخ وادیوں کی ہمنشینی سے بہرہ ور کیا جاتا تا کہ ان کے اندر سے وہ تمام بہیمانہ قباحتیں نکلیں اور اپنی ذات کے گنبد سے نکل کر وسیع تر آفاق سے ان کا رشتہ جڑے، تا کہ غلامی کی وہ زنجیریں جنہوں نے انہیں اپنی ذات میں محصور کر کے رکھ دیا اور وہ کھانے پینے کے علاوہ کسی اور جذبے سے یکسر بیگانہ ہو کر رہ گئے۔ کیونکہ:

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

یہی وجہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے من وسلویٰ کی غذا پر اکتفا کرنے سے انکار کر دیا اور ان نعمتوں کا مطالبہ کیا جنہیں زمین اگاتی ہے جن سے کام و دہن کی لذت کو تو سکون ملتا ہے لیکن زمین سے رشتہ جڑ جانے کے باعث بلندیوں کے سارے رشتے کٹ جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس مطالبے کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تم سے یہ صحرانوردی تمہاری کھوئی ہوئی عظمتوں کو زندہ کرنے کیلئے کروائی جارہی ہے، لیکن تم اب تک اپنا رزق خاکِ راہ میں تلاش کرنا چاہتے ہو۔ اور تمہارے لئے زندگی اسی رزق میں ہے اور اسی میں کھو جانا تمہارا مقصدِ زندگی ہے۔ لیکن جن جذبات کی زندگی سے تمہاری عظمتیں وابستہ ہیں اور جس سے تمہاری قومی سرفرازیوں کا سروسامان ہوتا ہے جس سے بہیمیت کم ہوتی اور رفعتوں کے رشتے توانا ہوتے ہیں ان سے تم رشتہ توڑ دینا چاہتے ہو۔ تو پھر اس صحرانوردی کا کیا حاصل؟

وَاٰتَیْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ﴿۳۳﴾

(اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں کھلی آزمائش تھی۔ ۳۳)

بَـلٰٓـؤٌا کا معنی تو آزمائش ہے اور مبین کھلا، واضح اور صریح کو کہتے ہیں۔ لیکن آزمائش چونکہ دو طرح سے ہوتی ہے کبھی نعمتیں دے کر اور کبھی تنگدستی کے ذریعے۔ نعمتوں سے شکر کا اندازہ کیا جاتا ہے کہ نعمتیں پانے والا کیا نعمتیں دینے والے کا شکر گزار بھی ہے یا نہیں۔ اور نعمتوں سے محروم کر دینے سے صبر اور رضا کی آزمائش ہوتی ہے۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے تنگدستی میں مبتلا کیا ہے کیا وہ اس پر صبر کرتا اور اسی میں اللہ تعالیٰ کی رضا ڈھونڈتا ہے یا اس پر زبانِ شکایت کو دراز کر دیتا ہے۔

بنی اسرائیل کیلئے انعامات اور آزمائشیں

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بحرِ قلزم سے پار اتار کر زندگی گزارنے کیلئے ایک ایسی پر سکون فضا عطا فرمائی جس میں نہ کسی ظلم کا سایہ تھا اور نہ کسی شخصیت پرستی کی پرچھائیں۔ جس میں نہ اسباب کی دنیا کی فراہمی کے جھمیلے اور نہ متنوع قسم کی انسانی مصروفیات۔ صرف ایک ہدف تھا کہ بندگیٔ رب کو ادا کرنا ہے اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر کرنی ہے۔ اور ضروریاتِ زندگی کی مصروفیات نے جس طرح انسان کی اولوالعزمی کو نقصان پہنچایا تھا، یہاں کی زندگی سے اس کی تلافی کرنے کیلئے اگر ایک طرف من و سلویٰ جیسی

Marfat.com

غیر معمولی نعمتیں عطا کی گئیں اور ایک چٹان سے پانی کے چشمے رواں کیئے گئے اور دھوپ کی شدت سے بچنے کیلئے ابر کا سایہ فراہم کیا گیا۔ اسی طرح ان محدود نعمتوں پر صبر اور شکر کی تلقین بھی کی گئی۔ اور ایک ایسی سخت زندگی کا خوگر بنانے پر زور دیا گیا جو ایک مجاہد قوم کیلئے ضروری ہے۔ اس طرح سے بیک وقت انہیں صبر اور شکر دونوں آزمائشوں میں ڈالا گیا تا کہ انسانیت کی کشتی غیر متوازن نہ ہونے پائے۔ چنانچہ جب مصر سے نکلے ہوئے بنی اسرائیل نے ان نعمتوں پر صبر کرنے میں کمزوری دکھائی تو انہیں صحرا کی وسعتوں میں زندگی گزار دینے پر مجبور کیا گیا اور انہیں کی اولاد میں سے بندۂ صحرائی اور مردِ کہستانی تیار ہوئے۔ تب جا کے یہ قوم اس قابل ہوئی کہ شرقِ اردن اور فلسطین کا علاقہ ان کی برکتوں سے مالا مال ہوا۔ لیکن یہ اس حکائیت دراز میں سے جو جستہ جستہ اشارے کیئے گئے وہ قریش اور دیگر اہلِ مکہ کو یہ بتانے کیلئے کافی ہیں کہ تختِ حکومت اور دولت کی فراوانی عظمتیں عطا کرنے کیلئے کافی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آزمائشیں ہیں کہ جن میں ناکامی، زندگی کی ناکامی بن جاتی ہے۔ زندگی کی کامیابی کیلئے بندگیِ رب کا رشتہ اور مقصدِ زندگی کا شعور یہ دو بنیادی قدریں ہیں کہ جب تک ان میں توانائی پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک نہ قومی شیرازہ بندی ہوتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اس لئے بنیادی چیز جو کسی قوم کو اٹھاتی ہے وہ ان بنیادی جذبات کا حصول ہے۔ غلامی ہمیشہ قوموں میں ان ہی دونوں چیزوں کو تباہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس لئے پروردگار نے بنی اسرائیل پر مسلسل احسانات کر کے اور مسلسل آزمائشیں ڈال کر ان ہی دونوں چیزوں میں انہیں طاق کرنے کی کوشش کی۔ اس میں اگر چہ ایک طویل عرصہ صرف ہو گیا اور قوم کا افرادی قوت کا بہت بڑا حصہ اس راستے میں کام آ گیا، لیکن جب تک یہ بنیادی جذبات پیدا نہیں کر دیئے گئے اس وقت تک بنی اسرائیل نے اپنا وہ فرض انجام نہیں دیا جو ان کے سپرد کیا گیا تھا۔

اس تناظر میں ہمیں ہمیشہ غور کرنا چاہیئے کہ پاکستان بھی اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم عطیہ ہے جو مسلمانوں کو ان کا فرضِ منصبی ادا کرنے کیلئے دیا گیا۔ مسلمان اس سے پہلے غلامی کی طویل رات گزار چکے تھے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ غلامی کی زنجیریں کاٹی جاتیں، قومی شعور کو جلا بخشی جاتی، بنیادی ضرورتوں کی محبت کو دلوں سے نکال کر مقاصد سے لگاؤ پیدا کیا جاتا اور نئی نسل کی تیاری کیلئے نصابِ تعلیم میں بنیادی تبدیلیاں کی جاتیں۔ لیکن ہم نے یہ قطعۂ زمین حاصل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے کیئے ہوئے وعدوں کو بھلا دیا اور بجائے فرضِ منصبی کی ادائیگی کے مال و دولت کی افزونی کی فکر میں لگ گئے۔ آج نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ جہاں سے ہم نے رختِ سفر باندھا تھا ہم اس سے بہت دور جا چکے ہیں۔ اور جس چیز کو ہم نے منزل ٹھہرایا تھا وہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو چکی ہے۔ اور جن ذلتوں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نجات دی تھی ہم نے انہیں ذلتوں کے حصول کا سامان کر لیا ہے۔ ہم نے اس میخانے کو مسجد بنانے کا تہیہ کیا تھا لیکن ہم نے صرف میخانے کا نام بدلا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم بیشتر مساجد کو بھی میخانوں میں تبدیل کر چکے ہیں۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾

(بے شک یہ لوگ کہتے ہیں۔ ۳۴) ہماری پہلی موت کے سوا اور کچھ نہیں اور ہم اس کے بعد زندہ نہیں کیئے جائیں گے۔ ۳۵)

Marfat.com

قریش کا عقیدہ

گزشتہ آیات میں جو کچھ فرمایا گیا ہے انہیں سن لینے یا پڑھ لینے کے بعد بجز اس آدمی کے جس نے اپنی محرومی کا فیصلہ کر رکھا ہو، کوئی دوسرا شخص ہدایت سے محروم نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اللہ تعالیٰ کے دین کی حقانیت اور وقوعِ قیامت پر ایسے عقلی اور واقعاتی دلائل دیئے گئے ہیں کہ جن کا جواب دینا آسان نہیں۔ لیکن قریش اور ان کے ہمنواؤں کا حال یہ ہے کہ وہ نہایت بلند آہنگی سے یہ بات کہتے نہیں تھکتے کہ یہاں ہر جینے والا جس موت کا شکار ہوتا ہے اس کے علاوہ اسے اور کوئی موت نہیں آتی۔ یہی پہلی موت ہے اور یہی آخری موت ہے۔ ہم کبھی بھی دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔ یہ جو ہمیں بار بار قیامت سے ڈرایا جا رہا ہے یہ محض ایک ہوّا ہے جس سے سننے والوں کو ڈرانا مقصود ہے تاکہ لوگ گھبرا کر محمد (ﷺ) کی دعوت کو قبول کر لیں۔

فَأْتُوا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٦﴾

(تو لاؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو۔ ۳۶)

انکارِ آخرت پر دلیل

قیامت کے انکار پر قریش اپنی بات کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ اگر موت کے بعد کوئی زندگی ہے اور ہمیں واقعی دوبارہ زندہ کیا جانا ہے تو اس پر یقین پیدا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد جو طبعی زندگی گزار کر موت کا شکار ہو چکے ہیں ان میں سے کسی کو زندہ کر کے دکھا دو۔ وہ اہلِ ایمان سے بار بار اس کا تقاضا کرتے تھے کہ تم اگر اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم اپنے دعوے کو بڑی آسانی سے ثابت کر سکتے ہو کہ کسی مرحوم کو زندگی سے آشنا کر دو۔ سورۃ الجاثیۃ میں قرآنِ کریم نے قریش کی اس دلیل کو ان کی واحد دلیل قرار دیا ہے جس پر انہیں بڑا ناز ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَائِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ''جب ان کو موت کے بعد کی زندگی کے حق میں ہماری روشن دلیلیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو واحد دلیل جو وہ اس کے مقابل میں پیش کرتے ہیں ان کا یہ قول ہوتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھاؤ۔'' قرآنِ کریم نے اس دلیل کو ذکر ضرور فرمایا، لیکن اس کا جواب نہیں دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دلیل کی لغویت اس قدر واضح ہے کہ اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ قرآنِ کریم نے جو دعویٰ بار بار کیا ہے اس میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ ایک دن آئے گا جب کائنات کی ہر چیز کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔ زمین بھی توڑ دی جائے گی اور آسمان بھی لپیٹ دیا جائے گا۔ پھر ایک دن آئے گا جب ہر چیز کو اللہ تعالیٰ از سرِ نو وجود میں لائے گا۔ نئی زمین وجود میں آئے گی اور نیا آسمان بنایا جائے گا۔ جو لوگ دنیا میں آئے اور موت کا شکار ہو گئے انہیں نئے سرے سے زندہ کر کے میدانِ حشر میں پہنچایا جائے گا وہاں وہ اپنے پروردگار کے حضور اپنے ایک ایک عمل کا جواب دیں گے۔ اسی جواب دہی کے نتیجہ میں جزاء و سزا کا ترتب ہوگا، اسے آخرت کہتے ہیں۔ اس میں دیکھ لیجئے انسانوں کو دوسری زندگی آخرت کے دن ملے گی۔ اور وہ از سرِ نو زندہ ہو کر آخرت کے دن میدانِ حشر میں پہنچیں

Marfat.com

گے۔ یہ دعویٰ قرآنِ کریم نے کبھی نہیں کیا اور نہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو دوسری زندگی ملے گی تو پھر وہ پلٹ کر دنیا میں آئیں گے۔ تو جس بات کا دعویٰ نہیں کیا گیا اس کا مطالبہ مہمل ہونے کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ اسی لئے اس کا جواب دینے کی کوشش نہیں کی گئی۔

اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

(کیا یہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم، اور اس سے پہلے کے لوگ؟ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، بے شک وہ مجرم تھے۔ ۳۷)

مجرمانہ ذہنیت ہلاکت کا باعث ہے

تبع قبیلہ حمیر کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ جس طرح حبشہ کا ہر حکمران نجاشی کہلاتا تھا اور رومی سلطنت کا ہر تاجدار قیصر کے نام سے پکارا جاتا تھا اور ایران کے حکمران کسریٰ کہلاتے تھے اور مصر کے حکمرانوں کو فرعون کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اسی طرح قبیلہ حمیر کے بادشاہوں کو تبع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ قومِ سبا کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۱۵ قبل مسیح میں ان کو سبا کے ملک پر غلبہ حاصل ہوا اور ۳۰۰ء تک یہ حکمران رہے۔ عرب میں ان کی مادی شوکت وعظمت اور ذہنی صلاحیتوں کا بڑا چرچا رہا۔ اور انصار چونکہ قحطانی قریش سے تعلق رکھتے تھے اور یمن سے آئے تھے اس لئے تبع بادشاہوں سے انہیں خاص لگاؤ تھا اور ہمیشہ ان کی عظمتوں کے گن گاتے رہتے تھے۔ اس لئے پروردگار نے ان سے سوال کیا کہ تم تبع حکمرانوں کو خوب جانتے ہو۔ مادی شان وشوکت اور ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے کیا وہ لوگ برتر تھے یا تم برتر ہو؟ اگر وہ واقعی ہر لحاظ سے تم سے برتر تھے تو آج وہ کہاں ہیں؟ کیا ان کی شان وشوکت ان کو موت سے بچا سکی اور کیا ان کا اقتدار زوال سے محفوظ رہا؟ یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اور ہلاکت کا سبب صرف ایک تھا کہ ان لوگوں نے مادی شان وشوکت میں تو ترقی کی لیکن اپنی روحانی زندگی اور اخلاقی حالت میں روز بروز گرتے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں دوام مادی شان وشوکت کو نہیں بلکہ اس زندگی کو ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اظہار ہوتا ہو، اس کے احکام کی فرماں برداری اور اس کی رضا کا حصول ان کے نزدیک سب سے اہم دولت ہو۔ جب یمن کے تبابعہ اس دولت سے محروم ہو گئے اور محض اپنی شان وشوکت پر اترانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گردن توڑ دی۔ اور اسی طرح ان سے پہلے کی قوموں نے بھی جب اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کو اپنا شعار بنا لیا اور وہ محض دنیوی زندگی کو اپنا مقصود سمجھنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی ہلاک کر دیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ وہ قومیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوتی رہی ہیں جنہوں نے دنیوی شان وشوکت کو اپنا ہدف بنایا اور اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تم بھی قریش کے لوگو! اسی ہدف کے پیچھے بھاگ رہے ہو اور تمہیں بھی اپنی دولت وصولت پر بڑا ناز ہے اور تم معمولی سی خوشحالی پر آپے سے باہر ہو رہے ہو۔ اگر یہ بڑی بڑی قومیں ہلاکت وتباہی سے نہ بچ سکیں تو آخر تم کیسے بچ جاؤ گے۔

جب بھی کوئی شخص ان حقائق پر نظر ڈالے گا کہ دنیا میں وہ قومیں جن کی عظمتوں کے پھریرے لہراتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئیں محض اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے کردار، اپنے اخلاق کی تعمیر کی کوئی فکر نہ کی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کو کبھی منزل نہ بنایا تو اس کا مطلب آخر اس کے سوا کیا ہے کہ جو قومیں بھی آخرت سے انکار کرتی ہیں اور وہ دنیا ہی کو اپنی منزل بنا کر اسی کی تعمیر میں لگی رہتی ہیں اور آخرت میں جواب دہی کی فکر انہیں کبھی پریشان نہیں کرتی، وہ یقیناً ہلاکت کا شکار ہوتی ہیں اور ان کی تباہی کا اصل سبب آخرت کا انکار ہوتا ہے جو ان کے اندر جرائم پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے۔

Marfat.com

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾

(آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ہم نے کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ ۳۸)
ہم نے ان کو پیدا نہیں کیا ہے مگر ایک غایت کے ساتھ، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔ ۳۹)

آخرت اللہ تعالیٰ کی صفات کا لازمی تقاضا

گزشتہ آیتِ کریمہ میں اثباتِ قیامت کی دلیل دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قیامت کا یقین انسان کے اندر صحیح عقیدے اور کردار کے پیدا ہونے کا ضامن ہے۔ اور اگر قیامت کا انکار کر دیا جائے تو انسان کو جرائم کے ارتکاب سے روکنے والی کوئی چیز کم ہی مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ انسان کا روز کا مشاہدہ اور تاریخی دلائل اس پر شاہد ہیں۔ پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ایک دوسری دلیل دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر قیامت کا انکار کر دیا جائے جو کہ اللہ تعالیٰ کے کامل عدل کے ظہور کا دن ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کا نہ صرف انکار لازم آتا ہے بلکہ کائنات کی تخلیق کی توجیہ مشکل ہو جاتی ہے۔ جب انسان یہ دیکھتا ہے کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان پیدا ہونے والی مخلوقات کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں، ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض تفریحِ طبع کے طور پر اس کائنات کو پیدا فرمایا۔ اور وہ مسلسل اس سے تفریح حاصل کر رہا ہے۔ جب اس تفریح سے اس کا دل بھر جائے گا تو وہ کائنات کو توڑ پھوڑ کے پھینک دے گا۔ اندازہ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ جیسی حکیم ذات کے بارے میں یہ کیسا گرا ہوا تصور ہے۔ اور مزید جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس نے کائنات کی ایک ایک چیز کو بامقصد بنایا ہے اور بالخصوص انسان جیسی غیر معمولی مخلوق تو بہت برتر مقاصد دے کر پیدا کی گئی ہے تو انسان کا مخلوقات سے متعلق تصور بگڑ کے رہ جاتا ہے۔ وہ حیران ہوتا ہے کہ یہاں کتنے لوگ ہیں جنہوں نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے تن من دھن قربان کر ڈالا۔ اگر یہ کائنات بے مقصد زندگی کے بعد خودرو پودے کی طرح مل دَل کر ختم ہونے والی ہے تو پھر ان قربانیوں کا کیا حاصل۔ اسی طرح جو لوگ زندگی بھر اس لئے محرومیوں پر حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے کہ قیامت کے نام سے ایک دن ایسا آنے والا ہے جب ہماری محرومیوں کو صحیح تعبیر ملے گی، ہمیں انصاف سے بہرہ ور کیا جائے گا اور جن لوگوں نے ہمارے ساتھ ظلم کیا ان کو قرار واقعی سزا ملے گی، تو انہیں محرومیوں کا بوجھ اٹھانا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر قیامت محض ایک تصور ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں تو پھر آخر ان محرومیوں کا ازالہ کہاں اور کب ہو گا؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی چند صفات ہیں مثلاً وہ رحیم و کریم ہے، وہ جبار و قہار ہے، وہ علیم اور عادل ہے۔ اگر قیامت کا وقوع محض ایک تصور ہے جو کبھی حقیقت آشنا نہیں ہو گا تو اس کے رحم و کرم کا ظہور کب ہو گا۔ اور اس کی صفتِ عدل کب دکھی انسانوں کے زخموں کی مرہم بن سکے گی۔ انسان چیختا رہے گا لیکن ظلم ڈھانے والے، دوسروں کے کھنڈرات پر اپنے محل اٹھانے والے اور طاقت کے بل بوتے پر گھروں کے چراغ بجھانے والے اس کی چیخ و پکار پر ہنستے رہیں گے۔ کیونکہ نہ وہ دن آئے جب یہ لوگ اپنے برے انجام کو پہنچیں۔ اور نہ وہ دن آئے جب اس کی خاطر اور انسانوں کی بھلائی کی خاطر قربانی و ایثار کی داستان رقم کرنے والے اپنے ایثار کی قیمت پا سکیں۔ اگر ان میں سے ہر تقاضا واقعی حقیقت کا متلاشی ہے تو پھر قیامت کے انکار سے بڑھ کر اور کسی نامناسب بات کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٠﴾

(ان سب کے اٹھائے جانے کیلئے طے شدہ وقت فیصلے کا دن ہے۔ ۴۰)

مشرکین کی دلیل کا جواب

قیامت کے منکرین نے سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی تھی کہ اگر واقعی قیامت برحق ہے تو پھر تم ہمارے مرحوم بزرگوں میں سے کسی کو زندہ کر کے اٹھالاؤ تو ہم مان لیں گے کہ اگر ایک شخص زندہ ہوسکتا ہے تو ساری نوعِ انسانی بھی زندہ ہوسکتی ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ زندگی بعد موت کوئی تماشا نہیں ہے کہ جہاں کوئی اس سے انکار کرے تو فوراً ایک مردہ قبرستان سے اٹھا کر اس کے سامنے لا کھڑا کیا جائے۔ وہ دن تو اللہ تعالیٰ کے عدل کے ظہور کا دن ہوگا۔ تمام لوگ اپنے اعمال کو نتائج سمیت وہاں لے کر آئیں گے اور ہر ایک کو جزاء وسزا کی صورت میں انصاف ملے گا۔ دنیا میں کسی شخص کو زندہ بھی کر دیا جائے تو یہ تو صرف زندگی بعد موت کا ثبوت ہوگا۔ رہے اس کے اعمال جو نہ جانے کب تک نتیجہ خیزی کی عمر سے گزرتے رہتے ہیں، انہیں تو دنیا میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح ایک جھیل میں پیدا ہونے والی لہر جھیل کے ساحل سے ٹکرائے بغیر نا تمام رہتی ہے، اسی طرح انسانی عمل بھی قیامت کے ساحل پر پہنچ کر مکمل ہوگا۔ اور مزید یہ بات بھی کہ افراد، افراد کے ساتھ اور نسلیں نسلوں کے ساتھ روابط کی صورت میں بہت سے اعمال میں شریک ہیں۔ اس لئے کسی ایک فرد کا زندہ کیا جانا قیامت کے مقاصد کو بروئے کار لانے کا ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے انسانوں کو صحیح اور مکمل انصاف صرف اس صورت میں ملے گا جب وہ ایک دن تمام نسلوں سمیت تمام زندگیوں کا اثاثہ لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہوں۔ چنانچہ ان کے تمام روابط اور اعمال کے تمام نتائج کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا کہ اس میں خیر کتنا ہے اور شر کتنا، اس میں حق رسی کتنی ہے اور حق تلفی کتنی ہے۔ اور اس طرح سے وہ مقاصد پورے ہوں گے جن کی خاطر قیامت کا دن رکھا گیا ہے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اپنے معنی ومفہوم کا صحیح محمل پائیں گی۔

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾

(جس دن کوئی رشتہ دار کسی رشتہ دار کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔ ۴۱)

مَوْلٰی ایسے شخص کیلئے بولا جاتا ہے جو کسی تعلق کی بنا پر دوسرے شخص کی حمایت کرے، چاہے وہ تعلق رشتے داری کا تعلق ہو یا دوستی کا یا کسی اور قسم کا۔

قیامت کا ہولناک دن

یعنی قیامت کا دن ایسا ہولناک اور ایسا انصاف پرور ہوگا کہ کوئی شخص کسی سے تعلق کی بنیاد پر اس کے کام نہیں آسکے گا۔ ایک نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ وہاں صرف ایمان وعمل کا سکہ چلے گا اور پروردگار کے حضور اسی کی قدر کی جائے گی۔ لوگوں نے جن قوتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے یا جن کے بارے میں ان کا تصور یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن ہماری مدد کریں گے، کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ ہر شخص اپنی فکر میں گرفتار ہوگا۔ کیونکہ کامل انصاف کو بروئے کار لانے کیلئے یہ ضروری ہے کہ کوئی عدالت کو متاثر نہ کر سکے، کوئی کسی بڑے سے بڑے مجرم کی رعایت کا سامان نہ کر سکے اور کوئی بے یار و مددگار اپنے لئے انصاف کو دور نہ جانے۔ اور قیامت کے روز ایسا ہی ہوگا۔

Marfat.com

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿42﴾

(سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم کرے، بے شک وہی عزیز ورحیم ہے۔ ۴۲)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قیامت کے روز ایمان وعمل ہی انسان کے کام آئیں گے۔ لیکن اس کیلئے بھی لازمی شرط یہ ہے کہ صاحبِ ایمان اور صاحبِ عمل کے اندر اپنے ایمان اور اپنے عمل کا پندار پیدا نہ ہو، وہ ایمان کے تقاضوں پر کان دھرے اور عمل کیلئے پوری کوشش بروئے کار لائے۔ لیکن ساتھ ہی اس بات پر یقین رکھے کہ کسی شخص کا عمل بھی اس وقت تک برومند نہیں ہوگا جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل اس کے شاملِ حال نہ ہو۔ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کیلئے ایمان وعمل ضروری ہے۔ لیکن عمل کے وجود اور اس کے نتیجہ خیز ہونے کیلئے بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ضروری ہے۔ اس لئے جسے اللہ تعالیٰ نے عمل کی توفیق عطا فرمائی ہے وہ ہمیشہ اپنے رب سے فضل وکرم کی دعا بھی کرتا ہے۔ حضورؐ نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر بخشا نہیں جائے گا۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ بھی اس کے فضل سے بخشے جائیں گے، فرمایا: ہاں، میں بھی۔ اسی طرح انسان اپنی بخشش کیلئے دوسروں کی صفات کو ذریعہ نہ سمجھے۔ لیکن ساتھ ہی اگر رفعِ درجات اور اعزاز بخشی کیلئے اللہ تعالیٰ کسی کو شفاعت کا حکم دے دے تو یہ بھی اس کا فضل اور اس کی عنایت ہے۔ وہ چونکہ عزیز ہے اس لئے کوئی شخص بھی اس کے فیصلے پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ رحیم بھی ہے اس لئے اس کی رحمت ہر کمی بیشی کو اپنے جلو میں لے لے گی اور بندوں کے ساتھ رحم وکرم کا ایسا سلوک فرمائے گی کہ انسان خشیتِ الٰہی کی وجہ سے اس دن اس کا تصور بھی نہیں کرسکیں گے۔

اِنَّ شَجَرَتَ

الزَّقُّوْمِ ﴿43﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿44﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿45﴾ كَغَلْيِ

الْحَمِيْمِ ﴿46﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَاۗءِ الْجَحِيْمِ ﴿47﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ

رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿48﴾ ذُقْ ښ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿49﴾ اِنَّ

هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿50﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿51﴾

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿52﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ

مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿53﴾ كَذٰلِكَ ۣ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿54﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا

بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿55﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ

Marfat.com

الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٥٧﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥٨﴾
فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿٥٩﴾ ع

رکوع: ۳۔ (بے شک زقوم کا درخت۔ ۴۳) گنہگار کا کھاجا ہوگا۔ ۴۴) تیل کی تلچھٹ کی مانند پیٹ میں جوش کھائے گا۔ ۴۵) جیسے کھولتا ہوا پانی جوش کھاتا ہے۔ ۴۶) اسے پکڑو اور گھسیٹتے ہوئے جہنم کے بیچ تک لے جاؤ۔ ۴۷) پھر انڈیلو ان کے سر کے اوپر کھولتے پانی کا عذاب۔ ۴۸) چکھ اس کا مزہ، بے شک تو تو بڑا زبردست اور عزت والا آدمی ہے۔ ۴۹) یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں تم شک رکھتے تھے۔ ۵۰) بے شک اللہ سے ڈرنے والے امن کی جگہ میں ہوں گے۔ ۵۱) باغوں اور چشموں میں۔ ۵۲) وہ سندس اور استبرق کا لباس پہنے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ۵۳) یہ ہوگی اللہ سے ڈرنے والوں کی شان، اور ہم ان سے بیاہ دیں گے آہو چشم حوریں۔ ۵۴) وہ اس میں طلب کریں گے ہر قسم کے میوے نہایت اطمینان سے۔ ۵۵) وہ اس میں پہلی موت کے بعد پھر موت کا مزہ نہیں چکھیں گے اور اللہ نے ان کو جہنم کے عذاب سے بچایا۔ ۵۶) آپ کے رب کے خاص فضل سے، یہی بڑی کامیابی ہے۔ ۵۷) پس ہم نے اس کتاب کو آپ کی زبان میں سہل بنا دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ ۵۸) تو آپ بھی انتظار کریں، یہ بھی منتظر ہیں۔ ۵۹)

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿٤٤﴾ ۛ كَالْمُهْلِ ۚ
يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٦﴾

(بے شک زقوم کا درخت۔ ۴۳) گنہگار کا کھاجا ہوگا۔ ۴۴) تیل کی تلچھٹ کی مانند پیٹ میں جوش کھائے گا۔ ۴۵) جیسے کھولتا ہوا پانی جوش کھاتا ہے۔ ۴۶)

مجرموں کا حشر

اوپر آیت ۴۰ میں یوم الفصل کا ذکر آیا ہے۔ پیشِ نظر آیات کریمہ میں اس یوم الفصل یعنی قیامت کے دن کی منظر کشی کی گئی ہے۔ یہ دن چونکہ فیصلے کا دن ہوگا، اس لئے پیشِ نظر آیات میں بتایا گیا ہے کہ فیصلہ کتنا بے لاگ ہوگا اور کس طرح انسانوں کے مختلف طبقات دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے جن میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں کا اور دوسرا حصہ نافرمانوں کا ہوگا۔ اور یہ چونکہ یوم الجزاء ہے اس لئے دونوں کے

Marfat.com

ساتھ وہ سلوک ہوگا جو عدل اور انصاف کا تقاضا ہے۔ سب سے پہلے نافرمانوں کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ان نافرمانوں اور گنہگاروں کے جہنم میں جھونکے جانے کے بعد جوان پر قیامت گزرے گی وہ تو الگ داستان ہے یہاں صرف ان کی غذا کی بات کی گئی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ لوگ انتہائی تیز آگ میں جلیں گے، لیکن جلنے کے باوجود انہیں موت نہیں آئے گی۔ ایسے شدید عذاب میں بھی انہیں بھوک لگے گی۔ جب کھانا مانگیں گے تو انہیں زقوم کے درخت کا کھانا دیا جائے گا۔ درخت سے مراد ظاہر ہے کہ اس کا پھل ہے۔ اس زقوم کا ترجمہ عام طور پر تھوہر سے کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے دنیا کے تھوہر کو آخرت کے تھوہر سے کوئی نسبت نہیں۔ ممکن ہے اس کی شکل اس سے ملتی ہو، لیکن بدذائقہ ہونے میں دونوں میں کوئی مشابہت نہیں۔ اسے اگر کسی چیز سے مشابہت ہے تو وہ ''مھل'' ہے۔ جس کے کئی معنی کئے جاتے ہیں۔ مثلاً پگھلی ہوئی دھات، پیپ لہو، پگھلا ہوا تارکول، لاوا، تیل کی تلچھٹ۔ لیکن اشتقاق کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تیل کی تلچھٹ کا معنی ترجیح کے قابل ہے۔ اور یہ صرف سادہ تیل کی تلچھٹ نہیں ہوگی بلکہ اس میں حیران کن بات یہ ہوگی کہ یہ گنہگاروں کے معدے میں جا کر اس طرح جوش کھائے گا جس طرح تیل گرم کرنے پر کھولتا ہے۔ لیکن تیل کا کھولنا اس کی حدت، شدت اور جلن کو نمایاں کرتا ہے۔ لیکن اس کا ابال اور اس کا جوش نظروں میں زیادہ نہیں جچتا۔ اس لحاظ سے ابلتا ہوا پانی جب جوش میں آتا ہے تو وہ جوش کی وجہ سے برتن سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اہلِ جہنم کو جس زقوم سے غذا بہم پہنچائی جائے گی اس کی شدت اور تلخی تو تیل کی طرح ہوگی، لیکن اس کا ابلنا اور جوش کھانا ابلتے ہوئے پانی کی طرح ہوگا۔

خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾

(اسے پکڑو اور گھسیٹتے ہوئے جہنم کے بیچ تک لے جاؤ۔ ۴۷) پھر انڈیلو اس کے سر کے اوپر کھولتے پانی کا عذاب۔ ۴۸)

مجرموں کے عذاب کی تفصیل

سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کے کارکنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جائے گا کہ ان میں سے ایک ایک گنہگار کو پکڑو اور کھینچتے ہوئے دھکیلتے ہوئے جہنم کے بیچ تک لے جاؤ تاکہ انہیں اندازہ ہو کہ جسم کی جن قوتوں اور رعنائیوں کو انہوں نے اسلام کیخلاف استعمال کیا ان کی ٹھیک جگہ جہنم کے بیچ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں انسان بنا کر اور جسم و جان کی نعمتیں عطا فرما کر ان پر احسان فرمایا اور انہوں نے انہیں صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کے خلاف استعمال کیا۔ اور پھر مزید حکم یہ ہوگا کہ اب ان میں سے ہر ایک کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیلو۔ یعنی اصل خرابی تو ان کے دماغ میں تھی۔ ان کا کبر اور غرور ان کو اپنے مالک کے سامنے جھکنے نہیں دیتا تھا اور ان کے خودساختہ تصورات حق کی کسی بات کو سننے کے روادار نہیں تھے۔ اس لئے ان کے سر پر ابلتا اور کھولتا ہوا عذاب انڈیلو تاکہ ان کے کبر و غرور کا انجام ان کے سامنے آسکے۔

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

(چکھ اس کا مزہ، بے شک تو تو بڑا زبردست اور عزت والا آدمی ہے۔ ۴۹)

یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں تم شک رکھتے تھے۔ ۵۰)

Marfat.com

جہنم کے کارکن اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہر اس شخص سے جس کے سر پر گرم پانی کا عذاب انڈیلیں گے، کہیں گے کہ تو تو دنیا میں اپنے آپ کو بہت بڑا آدمی سمجھتا تھا، تو کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا اور تجھے اپنی عزت وہیبت کا انتہا درجے کا گھمنڈ تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ تم آج کے دن کا ہمیشہ انکار کرتے رہے اور تمہیں اس کے بارے میں ہمیشہ شک وشبہ رہا۔ یہ وہی دن ہے، اب اپنے انکار کی پاداش میں تمہیں جس عذاب کا مستحق سمجھا گیا ہے اب اس کا مزہ چکھو، تاکہ تمہیں اپنی اصل حیثیت کا احساس ہو، اور اس بات کا بھی اندازہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے دین سے سرتابی اس کے احکام کی نافرمانی اور اپنی ذات کے بارے میں خودفریبی کتنا بڑا گناہ ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿٥١﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٥٢﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٥٣﴾

(بے شک اللہ سے ڈرنے والے امن کی جگہ میں ہوں گے۔ ۵۱) باغوں اور چشموں میں ۔ ۵۲)
وہ سندس اور استبرق کا لباس پہنے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ۵۳)

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں پر انعام

گنہگاروں اور نافرمانوں کے انجام کی تصویرکشی کے بعد، اب متقین کے انجام کی تصویرکشی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اللہ تعالیٰ کی عنایات اور اس کی رحمتوں کا مورد ہوں گے۔ اس کی سب سے پہلی عنایت یہ ہوگی کہ وہ ایسی امن کی جگہ میں ہوں گے جہاں کوئی کھٹکا اور اندیشہ ان کے قریب نہیں پھٹکے گا۔ نہ انہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ غم۔ وہ بہت بڑے مقام کے حامل ہوکر اس اندیشے سے آزاد ہوں گے کہ کبھی اس مقام کو زوال بھی آسکتا ہے۔ وہ باغوں اور چشموں میں مسرتوں کے جھولے جھولیں گے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہوگی کہ وہ تصور سے بڑھ کر عیش وآرام پاکر بھی جواب دہی کے احساس سے بالکل فارغ ہوں گے۔ انہیں خوبصورت رعنا جسم دیا جائے گا جس کیلئے کسی بیماری کا اندیشہ نہیں ہوگا۔ جنت میں لباس وہ پہننے کو ملے گا جس کی چمک دمک اور جس کی خوبصورتی اور رعنائی تصور سے بھی بالا ہوگی۔ کہنے کو وہ سندس اور استبرق پہنیں گے جو دو ریشمی کپڑے ہیں لیکن حقیقت میں دنیا کے ان کپڑوں کو آخرت کے کپڑوں سے کوئی نسبت نہ ہوگی۔ سندس عربی زبان میں باریک ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں اور استبرق فارسی لفظ ستبر کا معرب ہے۔ یہ دبیز ریشمی کپڑے کیلئے بولا جاتا ہے۔ سب سے حیران کن بات یہ ہوگی کہ اس قدر فارغ البالی اور عیش وآرام کی زندگی میں اہلِ جنت کی جب مجلسیں جمیں گی تو اس طرح خوشی اور مسرت سے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھیں گے کہ کسی کے دل میں کسی دوسرے کیلئے شکایت کی کوئی بات نہ ہوگی جبکہ ہم اہلِ منصب اور اہلِ دولت کو دیکھتے ہیں کہ وہ تمام تر فارغ البالی کے باوجود جب بھی ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو ہمیشہ حسد کی آگ ایک دوسرے کیخلاف بھڑکتی رہتی ہے۔ اور آمنے سامنے بیٹھ کر بھی دلوں کی دوریاں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔

كَذٰلِكَ ۗ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾

(یہ ہوگی اللہ سے ڈرنے والوں کی شان، اور ہم ان سے بیاہ دیں گے آہو چشم حوریں۔ ۵۴)
وہ اس میں طلب کریں گے ہر قسم کے میوے نہایت اطمینان سے۔ ۵۵)

Marfat.com

اہلِ جنت کی مسرتوں کی تکمیل

اہلِ جنت پر عنایات کی یہ بارش دیکھ کر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جس طرح ہر قسم کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بڑے بڑے مصائب کو استقامت کی ڈھال پر لینا پڑتا ہے انسانی ہمت دم توڑنے لگتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ایک مومن کی گردن کو خم نہیں ہونے دیتا۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک ایک تکلیف کو جنت کی نعمتوں میں تولے گا۔ انسان نے اپنی ہمت کے مطابق اس کی راہ کا حق ادا کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کے مطابق اس کا اجر اور صلہ عطا فرمائے گا۔ اس لئے ایک ہی لفظ کَذٰلِکَ میں ان تمام باتوں کو سمیٹتے ہوئے فرمایا کہ جو ہمارے ہو جاتے ہیں اور ہمارے لئے سب کچھ جھیلتے ہیں ہم ان کو اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔ اور پھر اپنی عنایات میں افزونی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم جانتے ہیں کہ مرد اور عورت میں صنفِ ثانی کیلئے جو خلاء رکھا گیا ہے جب تک اسے پُر نہ کیا جائے انسانی مسرت کی کبھی تکمیل نہیں ہوتی۔ اس لئے ہم اہلِ جنت کو دوسری نعمتوں کے ساتھ ساتھ اس مسرت سے بھی شادکام کریں گے اور ان کے نکاح میں آہو چشم حوریں دے دیں گے تاکہ ان کی مسرتوں اور خوشیوں کی تکمیل ہو سکے۔

حور جمع ہے حوراء کی۔ عربی زبان میں گوری عورت کو کہتے ہیں۔ اور عین جمع ہے عیناء کی۔ یہ لفظ بڑی بڑی آنکھوں والی عورت کیلئے بولا جاتا ہے۔ عربی ادب میں بڑی اور موٹی آنکھ کیلئے ہمیشہ آہو کی مثال دی جاتی ہے۔ اس لئے ہمارے اکثر اہلِ علم نے عین کا ترجمہ آہو چشم یا غزال چشم کیا ہے۔

جنت میں ہر قسم کے میووں کی اس حد تک بہتات ہو گی کہ اہلِ جنت کے دل میں جس میوے اور پھل کا تصور آئے گا وہ بے ساختہ اپنے خدام سے اسے طلب کریں گے۔ انہیں کبھی یہ خیال پریشان نہیں کرے گا کہ شاید جو میوہ یا پھل میں طلب کر رہا ہوں اس کی کمی ہو۔ وہ اس بات سے آگاہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ یہاں کے پھل نہ کسی موسم کے پابند ہیں اور نہ وہ قلت وکثرت سے آشنا ہیں۔ اور نہ اس عیش وآرام سے محرومی کا خدشہ ہو گا جو انہیں جنت میں حاصل ہے۔

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿۵۶﴾

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۵۷﴾

(وہ اس میں پہلی موت کے بعد پھر موت کا مزہ نہیں چکھیں گے اور اللہ نے ان کو جہنم کے عذاب سے بچایا۔ ۵۶)

آپ کے رب کے خاص فضل سے، یہی بڑی کامیابی ہے۔ ۵۷)

Marfat.com

اہلِ جنت کی زندگی ابدی ہے

جنت کی نعمتوں میں ایک بہت بڑی نعمت یہ ہے کہ وہاں کا عیش، عیشِ دوام ہے۔ وہاں کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے۔ دنیا میں جو ایک دفعہ موت آچکی، اب اہلِ جنت دوبارہ موت کا مزہ نہیں چکھیں گے۔ بڑی سے بڑی خوشی اگر اس اندیشے کا شکار ہو جائے کہ نہ جانے اس خوشی کا انجام کیا ہونے والا ہے تو یہ خوشی بھی انسان کو حقیقی خوشی نہیں دے سکتی۔ اہلِ جنت اس طرح کے ہر کھٹکے سے محفوظ اور مامون ہوں گے۔ البتہ انہیں اس بات کی ہمیشہ فکر رہی کہ ایمان وعمل کی ساری محنتوں کے باوجود کیا ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر پائیں گے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم جہنم کے عذاب سے بچ جائیں گے۔ چنانچہ آخرت میں جیسے ہی یہ اعلان ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں لوگوں کو جہنم کے عذاب سے بچا لیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا جائے گا کہ ان کے ایمان وعمل کی محنت اپنی جگہ، اللہ تعالیٰ اس کا نہایت قدردان ہے۔ لیکن جنت اتنی بڑی نعمت ہے کہ وہ اس کے فضل کے بغیر نہیں مل سکتی۔ اس لئے خاص طور پر فرمایا کہ اہلِ جنت موت کے کھٹکے سے تو بے نیاز ہو گئے لیکن جہنم سے انہیں ان کے رب نے بچایا۔ اور یہ اس کا خاص فضل ہے۔ جس کو یہ فضل نصیب ہو جاتا ہے اسے درحقیقت حقیقی کامیابی اور بڑی کامیابی ملتی ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ عمل کرو اور اپنی حدِ استطاعت تک زیادہ سے زیادہ ٹھیک کام کرنے کی کوشش کرو۔ مگر یہ جان لو کہ کسی شخص کو بھی اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے ڈھانپ لے۔ اس لئے ہر مومن کیلئے یہ بات ازبس ضروری ہے کہ وہ مقدور بھر اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرے اور آنحضرت ﷺ کی سنت کو حرزِ جان بنائے۔ لیکن ہمیشہ اس کیلئے اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتا رہے۔ اور جنت کیلئے اللہ تعالیٰ کے فضل کی دعا کرتا رہے۔ کیونکہ اس کا فضل ہی جنت کی ضمانت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا فضل اسے ہی شاملِ حال ہوگا جو ایمان وعمل کا سرمایہ لے کر آئے گا۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

(پس ہم نے اس کتاب کو آپ کی زبان میں سہل بنا دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ ۵۸)
تو آپ بھی انتظار کریں، یہ بھی منتظر ہیں۔ ۵۹)

قرآنِ کریم کا عربی زبان میں نزول اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے

قرآنِ کریم کا عام طور پر اسلوب یہ ہے کہ وہ جس مضمون سے سورۃ کا آغاز کرتا ہے، سورۃ کے اختتام پر اسی مضمون کو sum off کرتا ہے۔ یہاں بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس سورۃ کا آغاز قرآنِ کریم کی اہمیت وافادیت سے ہوا تھا۔ اور یہ بات واضح کی گئی تھی کہ انسانوں کی دنیوی اور اخروی کامیابی کا دارومدار اس قرآنِ کریم پر ایمان لانے میں ہے۔ یہی وہ ضابطۂ حیات ہے جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ٹھیک نہج پر چلنے کی ضمانت دیتا ہے۔ درمیان میں ضمنی مباحث چھڑتے رہے، اب آخر میں پھر اسی قرآنِ کریم کے حوالے سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہم نے قرآنِ کریم سے استفادہ کیلئے ان تمام چیزوں کا سامان کر دیا ہے اور تمام ضرورتیں بہم پہنچا دی ہیں جن سے قرآنِ کریم کی نصیحت

Marfat.com

سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔اگرچہ تیسیر کا معنی آسان اور سہل بنانا ہے،لیکن درحقیقت اس کا مفہوم صرف آسان کرنا نہیں بلکہ زندگی کی رہنمائی کیلئے آسان کرنا ہے۔اور وہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ قرآنِ کریم جس انقلاب کی دعوت بن کر آیا ہے اس کی تعلیم وتذکیر کے مقصد کیلئے تمام ضروری لوازم سے اسے آراستہ کیا جائے۔توحید کے ایک ایک پہلو کو واضح کردیا جائے۔اللہ تعالیٰ کی صفتِ حاکمیت کو اس طرح کھول دیا جائے کہ تحلیل وتحریم کی ہر مشکل آسان ہوجائے۔اللہ تعالیٰ کے رسول کی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے اس کی اطاعت، محبت اور عملی رہنمائی کی کسی جہت کو تشنہ نہ چھوڑا جائے۔آیاتِ قرآنی میں محکمات اور متشابہات کی مشکل ترین بحث کو بھی آسان کردیا جائے۔غرضیکہ کہ قرآنِ کریم کی تعلیم وتذکیر کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہے جس میں انسان الجھ کے رہ جائے۔لیکن ان سب چیزوں کی اولین ضرورت وہ زبان ہے جس زبان میں قرآنِ کریم نازل ہوا ہے۔قرآنِ کریم کے اولین مخاطبوں کیلئے اس کتاب کے قریب الفہم ہونے کا دارومدار اس زبان کے متداول ہونے پر ہے۔اس لئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کی تیسیر اس طرح کی ہے اسے آپ کی زبان میں نازل کیا ہے۔کیونکہ آپ قریش کی زبان کے سب سے اعلیٰ نمائندہ ہیں۔قریش نے اگر اسلام کو قبول کرلیا تو وہ قرآنِ کریم کی تعلیمات کے سب سے بڑے منادو مبلغ ہوں گے۔اس لئے ہم نے ان کی زبان میں اسے نازل کرکے اسے تذکر اور تذکیر کیلئے آسان کردیا ہے۔اب بھی اگر یہ لوگ اس پر ایمان نہ لائیں تو پھر انہیں اس انجام کیلئے تیار رہنا چاہئے جو اس طرح کے سرکش لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے۔آپ بھی انتظار کیجئے کہ ان کی اس روش اور آپ کی کاوشوں کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔اور وہ بھی انتظار کررہے ہیں، انہیں بھی اپنا انتظار جاری رکھنا چاہئے۔آخر حالات نے واضح کردیا ہے کہ وہ برخود غلط قسم کے لوگ جو اسلام کو قابلِ اعتناء نہیں سمجھتے تھے، انہیں ہاتھ باندھ کر آنحضرت ﷺ سے معافی طلب کرنا پڑی۔اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے عفو ودرگزر نے انہیں اسلام کی آغوش میں لے لیا اور سارا جزیرۂ عرب فتح مکہ کے بعد اسلام کے دامن میں آگیا۔

صدق اللہ العظیم

Marfat.com

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ
کیاایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں گڑگڑائیں؟ (الحدید)

هُدًى لِلنَّاسِ

جدید اسلوب میں تفسیری نکات پر مشتمل

سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ

(۴۵)

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:۔ اس سورۃ کا نام اَلْجَاثِیَۃِ ہے جو آیت ۲۸ سے ماخوذ ہے۔ مراد اس سے صرف یہ ہے کہ یہ وہ سورۃ ہے جس میں اَلْجَاثِیَۃِ کا لفظ آیا ہے۔

زمانۂ نزول:۔ کسی معتبر روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی۔ البتہ اس کے مضامین پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورۃ سابق سورۃ کا مثنیٰ ہے۔ کیونکہ اس کی تمہید اور بنیادی مطالب میں سابق سورۃ سے بہت مشابہت ہے۔ اس لئے یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں قریب قریب زمانے میں نازل ہوئی ہوں گی۔

سورۃ کے مطالب کا تجزیہ

سب سے پہلے قرآنِ کریم کے نہایت اہتمام سے اتارنے کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ کتاب لاوارث کتاب نہیں بلکہ اس ذاتِ والا تبار نے اسے نازل کیا ہے جو اپنی ذات وصفات میں بہت عظیم ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ حکیم بھی ہے اس لئے وہ اس کے انکار کرنے والوں پر جلدی ہاتھ نہیں ڈالتا، لیکن بے انتہا مہلت بھی نہیں دیتا۔ اس کے بعد قرآنِ کریم جس توحید کی دعوت دے رہا ہے اور جس روزِ جزاء وسزا سے ڈرا رہا ہے اس کے دلائل دیئے گئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں انسان کے اپنے وجود سے لے کر زمین وآسمان تک ہر طرف پھیلی ہوئی بے شمار نشانیوں کی طرف اشارہ کر کے بتایا گیا ہے کہ تم جدھر بھی نگاہ اٹھا کر دیکھو ہر چیز اسی کی توحید کی شہادت دے رہی ہے۔ یہ رات اور دن کی آمدوشد، بارش کے نزول، زمین میں اس کی برکات کا ظہور اور ہواؤں کی گردش، ان ساری چیزوں کو اگر کوئی شخص آنکھیں کھول کر دیکھے اور کسی تعصب کے بغیر ان پر غور کرے اور پھر ان کے نتائج کو تسلیم کرنے کا ارادہ بھی موجود ہو تو ان میں سے ہر چیز یہ بتانے کیلئے کافی ہے کہ یہ کائنات بے خدا نہیں ہے۔ نہ بہت سے خداؤں کی خدائی میں چل رہی ہے بلکہ ایک ہی خدا نے اسے بنایا ہے اور وہی اکیلا اس کا مدبر اور فرمانروا ہے۔ ان باتوں سے صرف وہ شخص انکار کرسکتا ہے جس نے نہ ماننے کی قسم کھا رکھی ہو، اور یا اس نے اپنی عقل پر تعصّبات کے پہرے بٹھا رکھے ہوں۔

مزید فرمایا گیا ہے کہ انسان زندگی کے معمولات انجام دیتے ہوئے جن اشیاء سے کام لے رہا ہے اور جو بے شمار قوتیں اس کے مفاد کی خدمت انجام دے رہی ہیں ان پر غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ یہ قوتیں خود بخود تو پیدا نہیں ہوگئیں اور نہ انہیں دیویوں اور دیوتاؤں نے فراہم کیا ہے۔ بلکہ وہ ایک ہی خالق ومالک ہے جس نے یہ سب کچھ اپنے پاس سے انسان کو عطا کیا اور اس کی خدمت میں لگا دیا ہے۔ وہی انسان کا محسن ہے، وہی اس کا پروردگار اور ضرورتیں پوری کرنے والا ہے۔ اس لئے انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس کا شکرگزار رہو۔

Marfat.com

شرک پر اصرار کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم نے اپنی طرف سے ایک دین گھڑ لیا ہے جس کی تمہارے پاس کوئی سند نہیں۔اور اب اس کی حمایت میں ایسے اندھے بہرے بن گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے روادار نہیں۔اور پھر ان کے طرزِ عمل کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ قرآنِ کریم کو سن کر اختیار کرتے ہیں۔کبھی وہ تکبر کا اظہار کرتے ہیں اور کبھی غیر سنجیدگی سے قرآنِ کریم کے دل میں اتر جانے والی آیات کو مذاق کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔انہیں وعید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہارا یہ استکبار تمہاری رسوائی کا باعث ہوگا۔اور جہنم میں تمہاری کوئی چیز کام نہیں آئے گی۔نہ تمہارے مزعومہ شرکاء کوئی مدد کر سکیں گے۔

مخالفین اور معاندین کو ملامت کرتے ہوئے خبردار کیا گیا کہ یہ قرآن وہی نعمت لے کر آیا ہے جو پہلے بنی اسرائیل کو عطا کی گئی تھی جس کی بدولت وہ تمام اقوامِ عالم پر فضیلت کے مستحق ہوئے تھے۔انہوں نے جب اس نعمت کی ناقدری کی اور دین میں اختلاف کر کے اسے کھو دیا تو اب یہ دولت تمہیں عطا کی گئی ہے۔اگر تم نے اپنی جہالت و حماقت سے اسے رد کر دیا تو تم خود اپنی تباہی کا سامان کرو گے۔اور جو لوگ اس قرآن سے وابستگی اختیار کریں گے اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں سرفراز فرمائے گا۔

آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے پرواہ اور اس کی گرفت کو ایک مذاق سمجھتے ہیں اور وہ آپ کے ساتھ بھی بے ہودگیاں کرتے ہیں، آپ ان کی پرواہ نہ کریں وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ خود ان سے نمٹے گا اور آپ کو صبر کا اجر عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد عقیدۂ آخرت کے باب میں منکرینِ قیامت کے بعض شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔بالخصوص ان کا یہ تصور کہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں۔انسان جب مرتا ہے تو وہ ہمیشہ کیلئے فنا ہو جاتا ہے اور دلیل کے طور پر وہ اپنے آباؤ اجداد کا حوالہ دیتے تھے کہ ہم نے آج تک کبھی کسی کو اس دنیا میں واپس آتے نہیں دیکھا۔پروردگار نے اخلاق اور عقل کے حوالے سے ان کے ان خیالات کا جواب ارشاد فرمایا اور انہیں صاف صاف یہ کہا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو نہ علم اس کی تائید کرتا ہے اور نہ عقل اسے وزن دیتی ہے، محض گمان ہے جس کو تم نے اپنا عقیدہ بنا لیا ہے۔اور گمان کی بنیاد پر تم اتنا بڑا دعویٰ کر رہے ہو۔

مزید یہ بھی فرمایا گیا کہ انکارِ آخرت کا عقیدہ اخلاق کیلئے سخت تباہ کن ہے۔اسے وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جن کی خواہش یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے بندے بنے رہیں اور انہیں بندگیِ نفس کی کھلی چھوٹ ملی رہے۔لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی یہ روش خود ان کیلئے ہی تباہ کن ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس ماحول کو بھی تباہ کر دیتی ہے جہاں وہ زندگی گزارتے ہیں۔

قیامت کے مکذبین کے ساتھ آخرت میں جو گزرے گی اس کی تصویر کھینچی گئی ہے اور اس طرح سے منکرین کو آئینہ دکھایا گیا ہے۔اور آخر میں زور دے کر یہ بات کہی گئی ہے کہ تمہاری اپنی زندگی اور موت اختیاری نہیں بلکہ ہماری قدرت کا اظہار ہے۔اسی طرح وہ قادرِ مطلق تمہیں از سرِ نو زندہ کرے گا اور ایک ہی وقت میں سب کو جواب طلبی کیلئے اکٹھا کرے گا۔اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ آخرت کے انکار نے کس انجام کو پیدا کیا ہے اور اس کا اقرار کرنے والے کن نعمتوں کے سزاوار ٹھہرے ہیں۔

Marfat.com

اٰيَاتُهَا ۳۷	سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ (۴۵)	رُكُوْعَاتُهَا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِى السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ؕ ﴿۳﴾ وَفِىْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ
اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۙ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ
الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ
فَبِاَىِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۙ ﴿۷﴾
يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ
فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۸﴾ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا ۨ اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ؕ ﴿۹﴾ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ مَّا
كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ؕ ﴿۱۰﴾
هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ ع

Marfat.com

رکوع: ۱۔ (ح۔ م۔ ۱) اس کتاب کی تنزیل اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست اور حکیم ہے۔ ۲) بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان لانے والوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ ۳) اور تمہاری اپنی پیدائش میں اور ان حیوانات میں جو اس نے زمین میں پھیلا رکھے ہیں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو یقین کرنا چاہیں۔ ۴) اور رات اور دن کے آنے جانے میں، اور اس رزق میں جسے اللہ آسمان سے اتارتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے زمین کو زندہ کردیتا ہے اس کے مرجانے کے بعد، اور ہواؤں کی گردش میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ۵) یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کے سنا رہے ہیں، تو اللہ اور اس کی آیات کے بعد اور کون سی بات ہے جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔ ۶) تباہی ہے ہر اس جھوٹے بداعمال شخص کیلئے۔ ۷) جو اللہ کی آیتیں سنتا ہے جو اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، پھر وہ اپنے کفر پر اصرار کرتا ہے استکبار کے ساتھ، گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں، آپ اس کو ایک دردناک عذاب کا مژدہ سنادیں۔ ۸) اور جب وہ جان لیتا ہے ہماری آیات میں سے کوئی بات، تو اس کو مذاق بنالیتا ہے، یہی لوگ ہیں جن کیلئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ ۹) ان کے آگے جہنم ہے، اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کمایا اس میں سے کوئی چیز ان کے کسی کام نہ آئے گی، اور نہ وہ ان کے کام آئیں گے جنہیں اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے اپنا ولی بنا رکھا ہے اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔ ۱۰) (یہ قرآن) سراسر ہدایت ہے، اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا ان کیلئے کپکپی پیدا کردینے والا دردناک عذاب ہے۔ ۱۱)

حٰمٓ ① تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ②

(ح۔ م۔ ۱) اس کتاب کی تنزیل اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست اور حکیم ہے۔ ۲)

سورۃ کی تمہید

قریش اور دیگر اہلِ مکہ کی تنقید کا اصل ہدف نبی کریم ﷺ کی نبوت، آپ پر نازل ہونے والی کتاب اور آپ کی دعوت اور پیغام تھا۔ وہ آپ کی نبوت کا انکار تو کرتے تھے لیکن ان کیلئے آپ ﷺ کو دروغ گو کہنا بہت مشکل تھا۔ کیونکہ آپ کی گزشتہ زندگی آپ کی صدق بیانی اور سچائی کی عملی شہادت تھی۔ اور آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ اہلِ مکہ کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھا۔ البتہ جو بات ان کیلئے اَن دیکھی اور نئی تھی اور جس کا انکار کرنا ان کیلئے چنداں مشکل نہ تھا وہ آپ پر نازل ہونے والی وحی اور کتاب تھی۔ وہ بار بار وحی کے بارے میں اشتباہات کا اظہار کرتے اور قرآنِ کریم کی معجز بیانی سے عاجز آکر اسے کبھی شعر سے تعبیر کرتے اور کبھی یہ الزام دھرتے کہ اسے آپ نے چند لوگوں کی مدد سے خود مرتب کیا ہے اور لوگوں کو مرعوب کرنے کیلئے وحیِ الٰہی کے حوالے سے اسے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس لئے مختلف طریقوں سے قرآنِ کریم کے حوالے سے وہ ہرزہ سرائی کرتے تھے۔ اور یہ بات بالکل عیاں تھی کہ اگر قرآنِ کریم کے بارے میں لوگوں کو اعتماد پیدا نہیں

Marfat.com

ہوتا کہ وہ واقعی وحی الٰہی ہے تو آنحضرت ﷺ کی نبوت اور آپ کی طرف سے پیش کیا جانے والا اللہ تعالیٰ کا پیغام بے معنی ہو کر رہ جاتا تھا۔ اس لئے قرآنِ کریم نے بالعموم سورتوں کے آغاز میں قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب کی صورت میں پیش کیا۔ اور بار بار اس کی عظمت اور رفعت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور اس کے انکار کی صورت میں تنبیہ اور ترہیب سے بھی کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ پیشِ نظر سورۃ کا آغاز بھی اسی بات سے کیا جا رہا ہے کہ تمہیں سب سے پہلے اپنے ذہن سے قرآنِ کریم کے بارے میں باطل خیالات کو نکالنا چاہیئے۔ اسے جس اہتمام اور احتیاط کے ساتھ آنحضرت ﷺ پر نازل کیا جا رہا ہے وہ اس کی اہمیت وعظمت ظاہر کرنے کیلئے کافی ہے۔ اور مزید برآں یہ کہ تمہیں اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ یعنی اس کی نازل کردہ کتاب کوئی لاوارث کتاب نہیں کہ اسے اگر قبول نہ کیا جائے اور اس کے بارے میں بے سروپا باتیں کہی جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ اور یا تمہاری شان وشوکت اور دولت وثروت اور تمہاری جرأت اور ہمت اللہ تعالیٰ کی گرفت سے تمہیں بچا لے گی۔ اور تم اس کتاب میں پیش کئے جانے والے خیالات کے نفوذ کو اپنی طاقت سے روک دو گے۔ کیونکہ اس کتاب کے واسطے سے تمہیں جس خالقِ کائنات سے واسطہ پڑا ہے اس کی طاقت اور گرفت اتنی بے پناہ ہے کہ کوئی اس کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتا۔ اس نے اپنے آخری رسول پر آخری کتاب اس لئے نہیں اتاری کہ وہ لوگوں کے مذاق وتمسخر اور انکار وتکذیب کا نشانہ بن جائے۔ بلکہ اسے اس دنیا کا چلن اور قانون بننا ہے۔ انسانی زندگی کی کامیابیاں اسی کے دم سے وابستہ کردی گئی اور اسی قوم کے سپرد اس دھرتی کی قسمت کی جائے گی جو اس کتاب کی حامل بن کر اٹھے گی۔ اور کوئی چھوٹی بڑی قوت اس دعوت کا راستہ روکنے میں کامیاب نہیں ہوگی۔ کیونکہ جس ذات کا یہ پیغام ہے وہ عزیز بھی ہے اور غالب بھی ہے۔ مزید فرمایا کہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ حکیم بھی ہے۔ حکیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہر قول وفعل حکمت پر مبنی ہے۔ اس کی طرف سے نازل کی جانے والی کتاب کا حرف حرف اس کی حکمت ودانش کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس لحاظ سے جو لوگ اس کتاب میں غور وفکر کریں گے بالآخر وہ نہایت اعتماد کے ساتھ اسے نہ صرف قبول کر سکیں گے بلکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں وہی ان کی اول وآخر رہنما کتاب ہوگی۔ اور دوسرا مطلب حکیم ہونے کا یہ ہے کہ قریش اور دیگر اہلِ مکہ نے آج تک اس کتاب کے بارے میں جیسی کچھ ہرزہ سرائی کی ہے اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ان پر اس ذات کا غضب نازل ہوتا جو اپنی ذات میں عزیز بھی ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کا اس کے غضب سے آج تک بچے رہنا اور ان کی رسی کا دراز ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنی ذات میں حکیم بھی ہے۔ یعنی کبھی پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کا اقتدار اپنی کچھ نزاکتیں بھی رکھتا ہے۔ وہ مہلت پر مہلت دیئے جاتا ہے تاکہ جن کے اندر کچھ بھی صلاحیت ہے وہ اپنی اصلاح کر کے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بنالیں۔ اور جو اپنے رویئے کے باعث قبولیت کی استعداد سے محروم ہو چکے ہیں ان پر اتمامِ حجت ہو جائے گا تاکہ قیامت کو وہ کوئی عذر پیش نہ کر سکیں۔

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳﴾

(بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان لانے والوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ ۳)

Marfat.com

قرآن کریم کی دعوت کے اثبات میں آفاق وانفس کے دلائل

(اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی جانے والی یہ آخری کتاب نوعِ انسانی کو جس ہدایت کی طرف بلا رہی ہے اور آنحضرت ﷺ شب وروز جن حقائق کی تبلیغ فرما رہے ہیں قرآنِ کریم کی حقانیت کو واضح کرنے کے بعد اب ان حقائق پر دلائل کا آغاز کیا جارہا ہے اور اس کیلئے کسی ایک نشانی کا ذکر کرنے کی بجائے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت وتبلیغ اور قرآنِ کریم کے دعوت کے حق میں بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔ بلکہ انسان جس طرف بھی نگاہ اٹھاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کے وجود، کائنات میں اس کے متصرف ہونے، اس کی وحدانیت اور قیامت کے روز انسان کے اعمال کی جواب دہی پر ایسی نشانیاں اور ایسے دلائل موجود ہیں کہ جس کا انکار کرنا انسان کے بس میں نہیں) اس کے پاؤں میں زمین کا بچھا ہوا بچھونا ہونا اور سر پر تنی ہوئی آسمان کی چھت اور زمین پر نباتات کی شکل میں بچھا ہوا خوانِ نعمت اور انسان کی زندگی کی ضرورت کیلئے زمین کی قوتِ روئیدگی، سورج کی چمکتی ہوئی دھوپ، چاند کا دمکتا ہوا اجالا، ہر طرف پھیلے ہوئے پانی کے ذخیرے، جگہ جگہ ابلتے ہوئے چشمے، ہر جگہ ہوا کا بے کراں سمندر، ہر روز صبحِ خنداں کا طلوع اور شام کو دن کے اجالے کا پردۂ محجوب میں چھپ جانا، اور دن کی روشنی میں انسان کیلئے حصولِ معیشت کا پیغام، اور رات کی تاریکی میں انسان کے آرام وراحت کیلئے سکون، ایسی بے شمار نشانیاں ہیں جنہیں ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھتا، اپنے کانوں سے سنتا اور اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ لیکن یہ ساری نشانیاں اس شخص کیلئے کارآمد ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور جن کے اندر ایمان کا ارادہ موجود نہیں ان کیلئے ان میں سے ہر نشانی بیکار ہے۔ کیونکہ کسی بھی چیز کے جاننے پہچاننے اور ماننے کیلئے یہ ضروری ہے کہ انسان کے اندر اس کا ارادہ پایا جاتا ہو اور اس کے اندر حقیقت کی جستجو اور منزل کی طلب ہو تو پھر وہ جدھر بھی دیکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے سوا کچھ اور دکھائی نہیں دیتا۔)

ہر کہ بینم در جہاں غیرے تو نیست
یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۴

(اور تمہاری اپنی پیدائش میں اور ان حیوانات میں جو اس نے زمین میں پھیلا رکھے ہیں
بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو یقین کرنا چاہیں۔ ۴)

گزشتہ مضمون کے حق میں انسان کی خلقت اور ربوبیت سے استدلال

گزشتہ مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت اور اس کی قدرت وحکمت اور اس کے پیغام کی صداقت اور حقانیت پر زمین وآسمان میں جابجا نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں اسی طرح خود انسان کی تخلیق میں اور انسان کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے اس نے زمین میں جو حیوانات پیدا کر رکھے ہیں ان میں بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اگر وہ اپنے وجود پر غور کرے کہ اس کے جدِ امجد کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا اور پھر نوعِ انسانی کے ہر

Marfat.com

فرد کی تخلیق کیلئے گندے پانی کی ایک بوند کو ذریعہ بنایا۔ میاں بیوی کے اختلاط سے جو مادہ منویہ بچے کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے اس میں بے شمار بیضے ہوتے ہیں جن میں سے کوئی ایک بیضہ ماں کے رحم میں داخل ہو کر بچے کے وجود کا سبب بنتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ حیرت انگیز نظام پھر ان بے شمار بیضوں میں سے ایک بیضے کا انتخاب اور پھر ماں کے رحم میں اس بیضے کا دخول یہ کون کرتا ہے؟ پھر استقرارِ حمل کے بعد پانی خون کی شکل اختیار کرتا ہے، پھر اس سے ایک لوتھڑا بنتا ہے، پھر اس میں انسانی جسم اور اس کے اعضاء کی تشکیل ہوتی ہے، پھر اس میں زندگی پیدا کی جاتی ہے، اور اب اسے زندہ رکھنے کیلئے گندے خون سے غذا مہیا کی جاتی ہے، اور پھر اس کی عمر، اس کی جنس، اس کی سعادت وشقاوت کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ پھر اس کو تین جھلیوں میں نہایت احتیاط کے ساتھ نو مہینے تک مختلف مراحل سے گزارا جاتا ہے اور آخر وہ خوبصورت بچہ پیدائش کے عمل سے گزر کر ماں کی آغوش میں آتا ہے۔ پھر اس کے بچپن اور لڑکپن کی ضروریات کی فراہمی، پھر اس میں حواس خمسہ کا یکے بعد دیگرے عمل، پھر اسے جوہر عقل جیسی نعمت کی عنایت وبخشش، ان میں سے ایک ایک بات انسان کیلئے سوالیہ نشان ہے کہ آخر یہ سب کچھ کون کرتا ہے۔ کیا جن قوتوں کو قریش نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے کیا وہ اس تخلیقی عمل میں کہیں بھی اپنا رول ادا کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہیں۔ اسی طرح انسانی ضروریات کیلئے وہ مختلف قسم کے حیوانات کو زمین پر پھیلا دیتا ہے۔ ان میں سے کوئی اس کے گوشت کھانے کی ضرورت کو پورا کرتا ہے، کسی کو باربرداری کیلئے پیدا کیا گیا ہے، کسی کو انسان کی سواری کیلئے بنایا گیا ہے۔ کیا ان میں سے ایک ایک نشانی اس قابل نہیں کہ آدمی اسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کی رہنمائی کا یقین پیدا کرے۔ اور یہ سوچے کہ جس پروردگار نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا اور پھر بے شمار نعمتوں کو اس کی خدمت میں لگا دیا اور ایسی ایسی صلاحیتوں سے نوازا جو کسی اور مخلوق کو عطا نہیں کی گئی۔ کیا یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ وہ خودرو پودے کی طرح زمین پر پیدا ہو اور رُل دل کر ختم ہو جائے۔ اور یا اس لئے ہے کہ وہ شتر بے مہار کی طرح زندگی گزارے، نہ اس پر شریعت کی پابندی ہو اور نہ کوئی ایسا دن آئے جب اس سے اس کے افکار واعمال کا جواب طلب کیا جائے اور اس کی زندگی کے ہر مرحلے کا حساب لیا جائے۔ کیا اللہ تعالیٰ جیسی حکیم ذات سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر ان نشانیوں کو دیکھتے ہوئے اگر یقین کی دولت حاصل نہ ہو تو پھر قصور ان نشانیوں کا نہیں بلکہ اس شخص کا ہے جو ان نشانیوں کو دیکھتا ہے لیکن اس پر غور وفکر کی کبھی زحمت نہیں کرتا۔ جس کی ساری زندگی خواہشاتِ نفس کی پیروی میں گزر جاتی ہے اور وہ کبھی اپنی ذات کے گنبد سے باہر دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا۔

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾

(اور رات اور دن کے آنے جانے میں، اور اس رزق میں جسے اللہ آسمان سے اتارتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے زمین کو زندہ کر دیتا ہے اس کے مرجانے کے بعد، اور ہواؤں کی گردش میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ۵)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قیامت کے اثبات کیلئے چند نشانیوں کا ذکر

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت، اس کی حاکمیت اور انسانوں کے اعمال کی جزاء وسزا کیلئے قیامت کے وقوع کے اثبات کیلئے مزید چند نشانیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ ہر نشانی ہر شخص کیلئے مفید نہیں ہوتی۔ اس کیلئے لازمی شرط یہ ہے کہ انسان ان نشانیوں کو غور وفکر کی نگاہ سے دیکھے اور اس کے پیچھے جو حقیقی تصرف کرنے والی ذات ہے اسے جاننے کی کوشش کرے۔ ورنہ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ جو ان نشانیوں کو دیکھتے ہیں لیکن ان سے فائدہ اٹھانے کیلئے عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور جو لوگ ان سے کام لیتے ہیں ان کی منزل مادی ضروریات کی تکمیل کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ عقل رکھتے ہوئے بھی ان نشانیوں کی حقیقت سے بے بہرہ رہتے ہیں۔

آیت میں مذکور نشانیوں میں سے پہلی نشانی لیل ونہار کا اختلاف ہے۔ اختلاف سے مراد رات اور دن کی آمد وشد بھی ہے اور دن اور رات کے اختلافِ مزاج کی طرف بھی اشارہ ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ ان دونوں کے درمیان نسبت ضدین کی ہے۔ ایک خشک ہے اور دوسرا گرم ایک پرسکون ہے اور دوسرا پرشور۔ ایک تاریک ہے اور دوسرا روشن۔ لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ ان تمام اختلافات کے باوجود دونوں میں انتہا درجہ کی سازگاری اور موافقت پائی جاتی ہے۔ انہیں انسان کی جس خدمت پر لگایا گیا ہے دونوں میں سے کوئی اس سے تخلف نہیں کرتا۔ اگر ان میں یہ گہری سازگاری نہ ہوتی تو زمین پر زندگی ناممکن ہو جاتی اور اسی میں دوسری نشانی یہ ہے کہ دونوں پوری باقاعدگی کے ساتھ ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔ کبھی دن نے رات سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی اور کبھی رات نے دن سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اپنے مالک وحاکم کے حکم کے مطابق ایک متعین رفتار کے ساتھ گردش کرتے ہیں۔ نہ زمین کی گردش میں کبھی فرق آیا اور نہ آفتاب کی رفتار میں کبھی تبدیلی آئی۔ ایک پرہیبت حکمران کا مسلط کیا ہوا قانون ہے جس کے تحت ان کا سفر جاری ہے۔ متعین وقت میں دن بڑا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور رات کم ہونے لگتی ہے۔ پھر متعین موسم میں دونوں ایک دوسرے کے برابر ہو جاتے ہیں۔ پھر دن چھوٹا ہونا شروع ہوتا ہے اور رات بڑھتی جاتی ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی رفتار اور گردش کے ساتھ جو حکمتیں وابستہ ہیں۔ وہ اس بات کی صحیح علامت ہیں کہ اگر یہاں مختلف دیوتاؤں کی حکومت ہوتی، آسمان کسی ایک کے تابع ہوتا اور زمین کسی اور کے زیرفرمان ہوتی۔ تو نہ ان کے ذوق میں ہم رنگی رہتی، اور نہ وہ انسان کی جس خدمت پر مقرر کیے گئے ہیں اس کے بجالانے پر قادر ہوتے۔

دوسری جس نشانی کا اس آیتِ کریمہ میں ذکر فرمایا گیا ہے وہ آسمان سے رزق کا نزول ہے۔ اس رزق سے مراد پانی ہے۔ جو رزق کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس طرح سے مسبب کو سبب کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور الفاظ کا یہ استعمال کوئی اجنبی چیز نہیں بلکہ کم وبیش ہر زبان میں پایا جاتا ہے۔ زمین مسلسل خشک سالی کی وجہ سے مردہ ہو جاتی ہے۔ ہر طرف دھول اڑتی دکھائی دیتی ہے، پانی کے جوہڑ سوکھ جاتے ہیں، چشمے خشک ہو جاتے ہیں، اہلِ زمین کی زندگی مشکل ہو جاتی ہے، لوگ موت کا انتظار کرنے لگتے ہیں کہ اچانک گھٹا اٹھتی ہے بارش برستی ہے تو مردہ زمین میں زندگی کے آثار ابھرنے لگتے ہیں، جوہڑ پانی سے بھر جاتے ہیں، درختوں میں نئی نئی کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں، رگِ سنگ میں بھی خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے۔ اگر آسمان میں کسی اور ارادے کی حکومت ہوتی اور زمین میں کسی اور کا ارادہ کارفرما ہوتا اور دونوں کے دیوتا الگ الگ ہوتے تو آسمان کو کیا پڑی تھی کہ وہ زمین والوں کیلئے پانی برسائے اور ان کی زندگی کا سروسامان

Marfat.com

کرے۔لیکن مردہ زمین پر آسمان کا پانی برسانا،اور پھر زمین کا اس سے سیراب ہونا۔اور ہر طرف زندگی کی بہار کا لہلہا اٹھنا، یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا زمین اور آسمان میں کسی اور کا ارادہ کارفرما نہیں۔اور اسی طرح اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جس ذاتِ والاتبار کی نازل کردہ بارش سے مردہ زمین میں زندگی آجاتی ہے اسی ذات کے حکم سے انسانوں کو دوسری زندگی کیوں نہیں ملے گی۔اور انسانوں کے اعمال کا حساب کتاب اس کیلئے کیوں مشکل ہو جائے گا۔

(آیتِ کریمہ میں تیسری نشانی جو بیان کی گئی ہے وہ ہواؤں کی گردش ہے۔ہواؤں کی گردش اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے اختیار میں ہوتی تو زمین پر انسانی زندگی پُرخطر ہوتی) اگر اس پر تصرف کرنے والی ایک ذات کے سوا کوئی اور بھی ہوتی تو ہواؤں کے چلنے کا جو لگا بندھا نظام ہم دیکھتے ہیں یہ کبھی وجود میں نہ آتا۔سانس جو انسان کی زندگی کی کلید ہے اگر ہوا کو روک دیا جائے تو زمین پر بسنے والی ہر مخلوق سانس نہ آنے کی وجہ سے مردہ ہو جائے۔اسی طرح موسموں کی تبدیلیوں کا حیرت انگیز نظام ان ہی ہواؤں سے وابستہ ہے۔اس لئے پروردگار نے ہواؤں کا ایک غیر معمولی ذخیرہ کُرّۂ ہوائی کی شکل میں فضا میں معلق کر دیا ہے۔اس میں وہ تمام عناصر پیدا کر دیئے گئے ہیں جو زندہ مخلوقات کو سانس لینے کیلئے درکار ہیں۔اور پھر اسی کُرّۂ ہوائی نے زمین کو بہت ساری آفاتِ سماوی سے محفوظ کر رکھا ہے۔ان ہی ہواؤں سے موسم کی حدت و برودت کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔یہی ہوائیں کبھی بارش کی خوشخبریاں لے کر آتی ہے اور کبھی ان ہی ہواؤں کے ذریعے سے قوموں پر عذاب نازل کیا جاتا ہے۔یہ ایسی نشانیاں ہیں جو ہر عقل رکھنے والے شخص کو سوچنے اور صحیح منزل تک پہنچنے کی دعوت دیتی ہیں۔انسان سائنس کی ترقی سے اگرچہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا ہے کہ اس نے قدرت کے ان عناصر کو بڑی حد تک اپنے قابو میں کر لیا ہے لیکن سمندروں اور دریاؤں میں اٹھنے والے طوفان، اوپر سے بے تحاشا برسنے والی بارشیں بعض دفعہ انسان کو جھنجھوڑتی ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتنی بڑی قوتیں ہیں جو قادرِ مطلق کے احکام کی پابند ہیں اور وہ جب چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے۔لیکن ان باتوں سے صحیح استفادہ کیلئے وہ عقلِ سلیم درکار ہے جو غور و فکر کے راستے کی بھول بھلیوں میں الجھنے کی بجائے منزل تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۢ بَعْدَ اللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

(یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کے سنا رہے ہیں، تو اللہ اور اس کی آیات کے بعد اور کون سی بات ہے جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔ ۶)

آنحضرت ﷺ کو تسلی

(اس آیتِ کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور مخالفین کو ملامت کرتے ہوئے انہیں آئینہ دکھایا گیا ہے۔ تِلْکَ سے اشارہ ان تمام آفاق و انفس کی نشانیوں کی طرف ہے جنہیں دلائل کے طور پر گزشتہ آیات میں پروردگار نے بیان فرمایا۔جس میں ایک ایک دلیل اور ایک ایک نشانی اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی قدرت و حکمت اور اس کے روزِ جزاء و سزا کو ثابت کرتی ہے۔ جو شخص ان آیات پر غور و فکر کے بعد بھی ایمان نہیں لاتا تو اسے آخر اور کس دلیل کی حاجت ہے)۔جو شخص آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد روشنی کیلئے شور مچاتا اور رات کو چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھ کر بھی وہ کسی اور چیز سے دل کی تسکین چاہتا ہو، جو مرغن غذائیں کھانے کے بعد بھی غذا کا طلبگار رہو اور آبِ حیات پینے کے بعد بھی

Marfat.com

پیاس کی شکایت کرتا ہو، تو ایسے شخص کیلئے اختلالِ دماغ کے سوا کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ اس سے بھی بڑھ کر حال اس شخص کا ہے جو پروردگار کے بیان کردہ دلائلِ انفس و آفاق کو سنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی ہدایت کیلئے بے چینی اور بے کلی کو دیکھتا ہے اور پھر بھی راہِ ہدایت پر چلنے کیلئے آمادہ نہیں ہوتا تو یہ ایک ایسا شخص ہے جو قبولیتِ حق کی استعداد سے محروم کردیا گیا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿٧﴾ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ

ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٨﴾

(تباہی ہے ہر اس جھوٹے بداعمال شخص کیلئے۔ ۷) جو اللہ کی آیتیں سنتا ہے جو اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، پھر وہ اپنے کفر پر اصرار کرتا ہے استکبار کے ساتھ، گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں، آپ اس کو ایک دردناک عذاب کا مژدہ سنادیں۔ ۸)

ہدایت سے محروم لوگوں کے اوصاف

اس آیتِ کریمہ میں اس شخص کا تعارف کرایا گیا ہے جس پر قرآنِ کریم کے معجزانہ دلائل بھی اثر انداز نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کی اولین صفت یہ ہے کہ وہ پرلے درجے کے جھوٹے لوگ ہوتے ہیں۔ جھوٹ کے رسیا ہونے کی وجہ سے سچائی سے انہیں کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ سچائی نہ صرف ان کیلئے اجنبی بن جاتی ہے بلکہ وہ اسے ایک کڑوی چیز سمجھ کر اس سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف صفت ان کی یہ ہے کہ وہ خواہشاتِ نفس کے اسیر ہو کر ایسی زندگی کے خوگر بن جاتے ہیں جس میں انہیں ہر اچھا کام کرنے سے ضد ہو جاتی ہے۔ وہ برائی کی طرف لپکتے ہوئے جاتے ہیں اور نیکی کو اپنے لئے مصیبت سمجھتے ہیں۔ اور تیسری صفت ان میں یہ ہوتی ہے کہ وہ بظاہر اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنتے ہیں لیکن ان کے اندر کا تکبر اور گھمنڈ انہیں اپنی روش سے ہٹنے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ اپنے زعم میں اپنے آپ کو اتنا بلند مرتبہ سمجھتے ہیں کہ نیکی کرنا یا اچھے لوگوں کی بات سننا ان کیلئے اپنے مرتبے اور مقام کو گرانے کے مترادف ہے۔ اور اگر ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ اس طرح کا رویہ اختیار کرتے ہیں کہ گویا کہ انہوں نے اسے سنا ہی نہیں ہے اور ان کے کانوں میں ایسی گرانی ہے کہ جو ایسی باتیں کانوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ دراصل تصویر ہے تمام اشرافِ قریش کی۔ ان میں سے ایک ایک شخص اپنی حق سے بیزاری اور باطل سے محبت کی وجہ سے اس حد تک بگاڑ کا شکار ہو چکا ہے کہ ان میں سے ہر ایک شخص میں یہ خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ اس لئے پروردگار نے سب سے پہلے انہیں ہلاکت اور بربادی کی خبر دی۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کو عذابِ الیم کا مژدہ سنا دیجئے۔

وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئًا ۨ اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩﴾

(اور جب وہ جان لیتا ہے ہماری آیات میں سے کوئی بات، تو اس کو مذاق بنا لیتا ہے، یہی لوگ ہیں جن کیلئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ ۹)

Marfat.com

حق کو بے اثر کرنے کا حربہ

(اوپر کی آیت میں اشرارِ قریش کا یہ رویہ بیان ہوا ہے کہ جب ان کے سامنے آنحضرت ﷺ یا کوئی مسلمان قرآنِ کریم کی آیات پڑھ کر سناتا ہے تو وہ ایسا متکبرانہ رویہ اختیار کرتے ہیں جیسے انہوں نے اس قرآن کو سنا ہی نہیں، بلکہ وہ اپنے آپ کو قرآنِ کریم سننے سے بہت بالا بلند سمجھتے ہیں۔ اور قرآنِ کریم کو ایسی کتاب سمجھتے ہیں جسے محمد ﷺ جیسے غریب اور نادار آدمی نے خود لکھ لیا ہے۔ اور اس میں جو باتیں کہیں گئی ہیں وہ ان لوگوں کے کام کی ہیں جو دنیوی اعتبار سے بڑی محدود اور فروتر زندگی گزارتے ہیں اور جن کی زندگی کے غریبانہ اسلوب کی وجہ سے ان کی سوچ بھی نہایت چھوٹی اور محدود ہوتی ہے۔ اور ہم جیسے لوگ جو وسیع تر کاروبار کے مالک اور ملکوں ملکوں گھومنے والے ہیں اور جن کا ذہنی افق بہت روشن اور بہت بلند ہے ان کا ایسی باتوں سے کیا مطلب (پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب کسی واسطے سے قرآنِ کریم کی کوئی آیت ان تک پہنچ جاتی ہے یا قرآنِ کریم میں بیان کردہ احکام میں سے کسی حکم سے انہیں آگاہی ہوتی ہے، یا قرآنِ کریم کی پُر از حکمت نصیحتوں میں سے کوئی نصیحت ان کے سامنے ذکر کی جاتی ہے تو وہ اسے مذاق کا موضوع بنا لیتے ہیں اور اس طرح سے اسے باتوں میں اڑانے کی کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ اس سے اثر قبول نہ کریں۔ لیکن ان کی چونکہ بنیادی بیماری غرور اور تکبر ہے اس لئے فرمایا کہ قیامت کے دن ان لوگوں کو رسوا کر دینے والا عذاب دیا جائے گا۔ اس کی نوعیت کیا ہوگی کہ لوگ بھی انہیں ذلیل سمجھیں اور یہ خود اپنی آنکھوں میں بھی ذلیل ہو کر رہ جائیں۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس عذاب میں ایسی کیا بات ہوگی جس سے رسوائی ٹپک رہی ہوگی۔

مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٠

(ان کے آگے جہنم ہے، اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کمایا اس میں سے کوئی چیز ان کے کسی کام نہ آئے گی، اور نہ وہ ان کے کام آئیں گے جنہیں اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے اپنا ولی بنا رکھا ہے اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔ ۱۰)

قرآنِ کریم کے مقابلے میں تکبر کا انجام

قرآنِ کریم کے بارے میں جن لوگوں نے وہ متکبرانہ رویہ اختیار کر رکھا ہے جس کا ذکر اوپر کی آیات میں ہوا ہے، ان کیلئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آج تو یہ کبر و غرور کی وجہ سے قرآن کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے، لیکن قیامت کے روز ان کے آگے جہنم ان کی منتظر ہوگی۔ وَرَآءِ کا لفظ آگے اور پیچھے دونوں کیلئے بولا جاتا ہے، جس طرح اردو میں ورے اور پرے کہا جاتا ہے۔ لیکن اس بات کا تعین کہ کس جگہ کون سا معنی مراد ہے، موقع و محل سے ہوتا ہے۔ اس لئے ہم اس آیت کا ترجمہ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ ان کے پیچھے جہنم ہے۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے آگے جہنم ہے۔ اور ان کے رویے کو دیکھتے ہوئے دونوں معنی بھی بیک وقت لئے جا سکتے ہیں۔ یعنی جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی ہر بات کو نظر انداز کرتے ہوئے منہ اٹھائے شیطان کے پیچھے بھاگے چلے جا رہے ہیں اور انہیں حساس ہی نہیں کہ

Marfat.com

ان کے سامنے جہنم ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ آخرت سے بے پرواہ ہو کر جس طرح زندگی گزار رہے ہیں اور قرآنِ کریم کی رہنمائی کو قبول کرنے کی بجائے جس طرح اس کا راستہ روکنے کیلئے شب و روز کوشاں ہیں انہیں اندازہ ہی نہیں کہ جہنم ان کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ اور پھر جہنم ایسی جگہ ہے جس میں کوئی عمل کسی کے کام نہیں آئے گا۔ نہ ان کا اندوختہ ان کی مشکل میں معاون ہو سکے گا۔ اور جنہیں انہوں نے بڑی قوتوں کا مالک سمجھ کر اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے اور ہر حال میں ان کی مدد پر بھروسہ ہے۔ اور اسی طرح وہ دنیوی رہنما جن کی رہنمائی اور اطاعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے دین کو نظر انداز کر رکھا ہے اور آنکھیں بند کر کے ان کی پیروی کی جارہی ہے، وہ بھی اپنے پیچھے چلنے والوں اور اپنے ماننے والوں کے کام نہیں آسکیں گے۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے لیکن ان کی فریاد رسی نہیں جائے گی۔ اس کی بجائے انہیں ایسا عذاب دیا جائے گا جس کی ہولناکی کا آج اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اولاً تو عذاب ہی ناقابلِ برداشت چیز ہے۔ اور پھر جسے اللہ تعالیٰ عظیم قرار دے وہ کیسا ہوگا، اس کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾

(یہ قرآن) سراسر ہدایت ہے، اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا
ان کیلئے کپکپی پیدا کر دینے والا دردناک عذاب ہے۔ ۱۱)

قرآنِ کریم سے متعلق قولِ فیصل اور مخالفین کا انجام

رِجْز اس سزا یا عذاب کو کہتے ہیں جو کپکپی پیدا کر دے۔ رکوع کے آخر میں قرآنِ کریم کے حوالے سے مخالفین کو تنبیہ کرتے ہوئے ایک ایسی بات ارشاد فرمائی گئی ہے جسے فیصلہ کن اور آخری بات کہنا چاہئے۔ فرمایا گیا ہے کہ یہ کتاب، کتابِ ہدایت ہے۔ انسان زندگی گزارنے کیلئے رہنمائی کا محتاج ہے۔ اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے حواس دیئے ہیں اور عقل عطا فرمائی ہے۔ یہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہونے کے باوجود نہ غلطیوں سے مبرا ہیں اور نہ نارسائی سے۔ اس لئے وہ اصولی باتیں جو انسانی زندگی پر بہر صورت اثر انداز ہوتی ہیں اور وہ اجتماعی معاملات جن کے بارے میں قولِ فیصل تلاش کر لینا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اسی طرح وہ نظریات اور اعتقادات جن کا تعلق مغیبات یا عالمِ غیب سے ہے، ان میں اگر کوئی ایسی رہنمائی ہو سکتی ہے جو ہر طرح کی غلطی اور نارسائی سے پاک ہو، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رہنمائی ہے جسے اس نے تکمیلی شان کے ساتھ نوعِ انسانی کیلئے قرآنِ کریم کی شکل میں فرمایا۔ یہ وہ ہدایت اور رہنمائی ہے جو انسان کی بھلائی اور کامیابی کیلئے قولِ فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور جو انسان کیلئے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ جو لوگ اس رہنمائی کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں یا اس کا راستہ روکنے کیلئے اندھی مخالفت شروع کر دیتے، یا اتباعِ ہویٰ کے باعث اس کی طرف سے لاپرواہی اور بے نیازی کا رویہ اختیار کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی آیات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا یہ رویہ ان کی دنیا بھی تباہ کر دے گا اور آخرت میں ایسے عذاب کا باعث بنے گا جو کپکپا دینے والا نہایت دردناک عذاب ہوگا۔

Marfat.com

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا
مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی
الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا
یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ؗ ثُمَّ
اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ
وَ النُّبُوَّةَ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ ۚ
وَ اٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
الْعِلْمُ ۙ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا
كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا
وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ
اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹﴾
هٰذَا بَصَآىِٕرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ
الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ
سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

Marfat.com

رکوع: ۲۔ (اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر گزار رہو۔ ۱۲) اور اسی نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اپنی طرف سے، بے شک اس کے اندر نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔ ۱۳) اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دیجئے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ درگزر کریں ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کے دنوں کے ظہور کی توقع نہیں رکھتے تا کہ اللہ ایک قوم کو اس کا پورا پورا بدلہ دے جو وہ کرتی رہی ہے۔ ۱۴) جو کوئی نیک عمل کرے گا تو اس کا فائدہ اسی کیلئے ہے، اور جو برائی کرے گا اس کا وبال اسی پر پڑے گا، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ۱۵) اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی، اور ہم نے انہیں پاکیزہ رزق سے نوازا اور دنیا والوں پر انہیں فضیلت عطا کی۔ ۱۶) اور ہم نے انہیں دین کے معاملے میں واضح ہدایات دیں پھر انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آچکا تھا، آپس کی ضد سے، بے شک تیرا رب ان کے درمیان فیصلہ کرے گا قیامت کے دن ان تمام چیزوں کے بارے میں جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔ ۱۷) پھر ہم نے اے نبی! آپ کو ایک واضح شریعت پر قائم کیا ہے، پس آپ اسی کی پیروی کریں اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کریں جو علم نہیں رکھتے۔ ۱۸) بے شک یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے کچھ بھی کام نہیں آسکتے، بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے مددگار ہیں، اور اللہ اپنے ڈرنے والے بندوں کا کارساز ہے۔ ۱۹) یہ لوگوں کیلئے سوجھ کی باتیں ہیں، اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو یقین کریں۔ ۲۰) کیا وہ لوگ جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے، یہ گمان رکھتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مانند کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، برابر ہوگا ان کا جینا اور ان کا مرنا، برا ہے جو وہ فیصلہ کر رہے ہیں۔ ۲۱)

اَللّٰهُ الَّذِىْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِىَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

(اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر گزار رہو۔ ۱۲)

جملہ ہائے معترضہ کے بعد اصل مضمون کا اجرا

گزشتہ چار آیتوں سے پہلے توحید اور معاد پر دلائل دیئے جا رہے تھے کہ قریش کے لیڈروں کو تنبیہ کیلئے جملہ معترضہ کے طور پر چار آیتیں نازل کی گئیں۔ اس طرح انہیں ہوشیار کر کے پھر اسی سلسلہ بیان کو شروع کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لئے دریا اور سمندر کو مسخر کر دیا۔ تم اگر اپنے طور سے سمندر یا دریاؤں کی موجوں پر قابو پانا چاہو تو تمہارے بس کی بات نہیں۔ جب اس میں طغیانی آتی ہے اور اس کی موجیں بھرتی ہیں تو انسان کی تمام حفاظتی تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں، بلکہ انسان تو اس کے سامنے اتنا بے بس ہے کہ وہ معمولی لوہے کی چیزیں بھی پانی کی سطح پر رکھتا ہے تو فوراً ڈوب جاتی ہیں۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے کہ کشتیاں اور بحری جہاز

Marfat.com

تمہیں لے کررواں دواں رہتے ہیں۔ نہ کشتی ڈوبتی ہے نہ تم ڈوبتے ہو نہ تمہارا تجارتی سامان ڈوبتا ہے۔ اگر پانی کو اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو وہ کبھی اس طرح سے تمہاری خدمت انجام نہ دیتا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہوتا اور اس کے قادرِ مطلق ہونے کا تصور ابھرتا ہے اور اسی سے یہ بات ذہن میں اترتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خالق ہوتا اور پانی جیسے عناصر کی باگ اس کے ہاتھ میں ہوتی تو یقیناً کبھی نہ کبھی توافق کے اس قانون کو ضرور توڑتا جو اللہ تعالیٰ نے ان عناصر میں انسان کی خدمت کیلئے پیدا کر رکھا ہے۔ اور اسی سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جس اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عالم یہ ہے کہ سمندر اپنی تمام تر قوت کے باوجود اس کے حکم میں بندھا ہوا ہے اس کیلئے کیا مشکل ہے کہ کبھی وہ انسان کو ازسرِنو زندہ کرے اور اپنے عدل کے ظہور کیلئے محشر بپا کرے۔

انسانوں پر اپنی نعمتوں کے اظہار کیلئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پانی کو اس لئے مسخر کر رکھا ہے اور تمہاری کشتیاں اس لئے اس میں تیرتی پھرتی ہیں تاکہ تم اس کے ذریعے اپنا رزق تلاش کرو۔ یعنی تجارتی مال کشتیوں پر لاد کر دوسرے ملکوں میں جاؤ اور نفع کماؤ۔ یا تم براہ راست ماہی گیری اور غواصی کے ذریعے مال کماؤ۔ یا جہاز رانی کے دوسرے ذرائع سے رزقِ حلال حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور آخر میں فرمایا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اس لئے کیا ہے کہ تمہارے دلوں میں اس کی نعمتوں کا احساس پیدا ہو۔ اور اس طرح سے تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس کے شکر گزار بندے بن کر رہو۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

(اور اسی نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اپنی طرف سے، بے شک اس کے اندر نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ ۱۳)

خاص کے بعد عام کا ذکر

اوپر کی آیت میں سمندر کی تسخیر کا ذکر فرمایا گیا ہے جو اپنی طاقت اور وسعت میں سب سے زیادہ زوردار اور بظاہر بالکل ناقابلِ تسخیر بھی ہے۔ اب یہ خاص کے بعد عام چیزوں کا حوالہ دیا گیا ہے جو انسان کی خدمت میں براہِ راست لگی ہوئی ہیں یا بالواسطہ انجام دے رہی ہیں اور مِنْهُ کہہ کر انسان کی اس غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے کہ ان تمام چیزوں کی خدمت گزاری تمہارے کسی استحقاق کی وجہ سے نہیں اور نہ تم اس قابل ہو کہ اگر یہ خدمت انجام دینے سے انکار کر دیں تو تم زبردستی ان سے خدمت لے سکتے ہو۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ہر چیز اس کے حکم سے انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہے۔ اس کے بعد انسان کی تفکر و تدبر کی صلاحیتوں کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ ان تمام چیزوں میں غور و فکر کر کے دیکھیں کہ کیا ان میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے آزاد بھی ہے۔ بظاہر ان میں سورج جیسے بڑے کُرّے بھی شامل ہیں۔ اور بجلی جیسی خطرناک چیزیں بھی۔ لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے آزاد نہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کی نکیل ایک بالاتر قوت کے ہاتھ میں ہے جو ہر چیز کو اپنی مشیت اور حکمت کے تحت استعمال کر رہی ہے۔ اگر حقیقت یہی ہے تو پھر تم ان میں سے بعض قوتوں کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک کیونکر قرار دے دیتے ہو۔

Marfat.com

مزید حیران کن چیز جو ہر غور وفکر کرنے والے کو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان میں بیشتر عناصر میں تضاد و تخالف کی نسبت پائی جاتی ہے۔ لیکن انسان کی خدمت گزاری میں ان تمام میں گہری موافقت اور سازگاری پائی جاتی ہے۔اور ہر ایک ان میں سے اس طرح اپنا فرض انجام دے رہا ہے۔جس سے صاف نظر آتا ہے کہ وہ کسی بالاتر قوت کے قبضے میں ہے اور اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے۔اور اس بالاتر قوت کا ارادہ ان تمام اشیاء پر حاوی ہے اور وہ ارادہ ایسا قوی ہے جس میں کسی اور کو دخل دینے کی جرأت نہیں ہوتی۔

غور وفکر سے مزید ایک حقیقت کیلئے راستہ کھلتا ہے وہ یہ کہ جس انسان کیلئے کائنات کا گوشہ گوشہ خدمت انجام دے رہا ہے اور کسی میں بھی یہ مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کر سکے۔اور جس انسان پر بے پایاں رحمتوں کا نزول اور بے پایاں حکمتوں کا فیضان نچھاور ہو رہا ہے کیا اسے کبھی ان رحمتوں اور حکمتوں کے حوالے سے پوچھا نہیں جائے گا۔کیا اس کیلئے کبھی ایسا دن نہیں آئے گا جب وہ اپنے ان اعمال کا حساب دے جو اس نے اپنی زندگی میں انجام دیئے۔اور ان اثرات کا بھی حساب دے جو صدیوں تک اس کے اعمال کی وجہ سے پیدا ہوتے اور پھیلتے رہے ہیں۔اور اس حساب کتاب کے نتیجے میں انہیں سزا دے جنھوں نے اس کی نعمتوں کا حق نہیں پہچانا اور اس کی نعمتوں کی ناقدری کی۔ اور انہیں جزاء اور انعام سے سرافراز فرمائے جنھوں نے اس روزِ جزاء پر یقین کر کے اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربان کر دیا۔اگر یہ سب کچھ واقعی ایک حقیقت ہے تو پھر اس کے انکار کی انسان کے پاس آخر کیا گنجائش ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾

(اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دیجئے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ درگزر کریں ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کے دنوں کے ظہور کی توقع نہیں رکھتے تاکہ اللہ ایک قوم کو اس کا پورا پورا بدلہ دے جو وہ کرتی رہی ہے۔ ۱۴)

مسلمانوں کو تسلی

ایام اللہ سے مراد وہ تاریخی دن ہیں جن میں کوئی بڑا معرکہ وقوع پذیر ہوا ہے اور اس نے قوم کی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا ہے یا جس میں کسی قوم پر رسول کی تکذیب یا اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی وجہ سے کبھی اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ہے (اس آیتِ کریمہ میں ایام اللہ سے دوسرا معنی مراد معلوم ہوتا ہے۔کیونکہ یہی وہ عذاب ہے جس سے مخالفین کو آنحضرت ﷺ بار بار ڈراتے تھے۔اور اس کے ساتھ ساتھ آپ قیامت کے دن کی بازپرس سے بھی آگاہ کرتے تھے،کیونکہ اس کے نتیجے میں مخالفین جس عذاب اور سزا سے دوچار ہونے والے تھے،اصل بڑا عذاب تو وہی تھا۔لیکن یہ لوگ قیامت کے منکر ہونے کی وجہ سے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کر دینے کے باعث ایسے کسی بھی اندیشے کو قبول کرنے کو تیار نہ تھے) اور اسی وجہ سے وہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو بے پناہ اذیتوں کا نشانہ بنا رہے تھے۔انہیں کبھی بھول کر بھی یہ گمان نہیں ہوتا تھا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں کبھی ہمیں اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔چنانچہ ان کے اسی مکروہ رویئے کے حوالے سے اس سے پہلے (آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے،اب آنحضرت ﷺ کی زبان سے مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار آپ کے ساتھ جو کچھ کر رہے ہیں،آپ اس سے درگزر کریں۔جس سے دونوں معنی مراد لئے جا سکتے ہیں کہ آپ اسے نظر انداز

Marfat.com

کریں اور یا اس سے درگزر کا معاملہ کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں ان کی جسارتیں ناقابل فہم نہیں۔ یہ چونکہ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ رسول کی تکذیب اور اس پر ایمان لانے والوں کی اذیت رسانی کتنا بڑا جرم ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی نازل ہوسکتا ہے۔ اور اس سے پہلے ایک سے زیادہ مرتبہ اس طرح کا عذاب نازل ہو چکا ہے۔ اور کئی قومیں اس عذاب کی وجہ سے تباہ کی جا چکی ہیں۔ وہ شاید ان کی تباہی اور بربادی کو زمانے کے بگاڑ کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ اور یا ان کا گمان یہ تھا کہ ایسے حوادث دنیا میں پیش آتے ہی رہتے ہیں، یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں۔ لیکن وہ یہ بات ماننے کو تیار نہ تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا جو محض ان کے کرتوتوں کے باعث ان پر نازل ہوا۔ مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ان کے رویئے سے درگزر کریں تاکہ آپ کے اس درگزر کے نتیجے میں ان کے مواخذے میں اور شدت پیدا ہو جائے اور آخر یہ اس انجام کے مستحق ہو جائیں جو ایسے لوگوں کا ہمیشہ مقدر رہا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٥﴾

(جو کوئی نیک عمل کرے گا تو اس کا فائدہ اسی کیلئے ہے، اور جو برائی کرے گا اس کا وبال اسی پر پڑے گا، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ۱۵)

ایک اصولی بات

مضمون کو سمیٹتے ہوئے آخر میں ایک اصولی بات ارشاد فرمائی گئی ہے اور یہ بات ایسی ہے کہ جو آدمی دنیا میں اخلاق کی حقیقت پر غور کرتا ہے وہ کبھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ قطع نظر اس سے کہ وہ آخرت کو تسلیم کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ وہ اصولی بات یہ ہے کہ دنیا میں ہر شخص دو ہی طرح کے کام کرتا ہے بھلائی یا برائی، خیر یا شر۔ اور ظاہر ہے کہ دونوں طرح کے اعمال کے نتائج ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ جو شخص کسی کو دعا دیتا ہے وہ جواب میں بھی دعا سنتا ہے۔ اور جو شخص کسی کو گالی دیتا ہے وہ جواب میں دعا کی توقع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ گالی کا نتیجہ گالی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ عمل اور ردِ عمل اور نتیجہ خیزی کے اصول کو دیکھتے ہوئے یہ بات انتہائی قرینِ عقل ہے کہ جو شخص بھی نیک کام کرے گا یا کسی کے ساتھ بھلائی کرے گا تو اس کا صلہ بھی اسے ہی ملے گا اور وہ اس کا پھل بھی خود ہی کھائے گا۔ اسی طرح جو شخص برائی کرتا ہے وہ بالآخر اس برائی کا پھل بھی خود ہی کاٹے گا، اور اس کا نتیجہ بھی خود ہی بھگتے گا۔ البتہ اس اصولی بات پر ایک اور بات کا اضافہ فرمایا گیا ہے جو بالعموم انسانوں کی فکری رسائی سے باہر سمجھا جاتا ہے حالانکہ اگر وہ عمل اور ردِ عمل کے نتیجے میں عدل کی حقیقت پر غور کرتے تو یہ بات عین قرینِ قیاس معلوم ہوتی۔ وہ اضافہ یہ فرمایا گیا ہے کہ تم اسے تسلیم کرو یا نہ کرو لیکن یہ حقیقت ہے کہ تم سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جس طرح ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے اس کائنات کی اصل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسی کے کلمۂ کن سے اس کو وجود ملا ہے، اسی کی ذات کے فیضان سے اس کی زندگی کے امکانات وجود میں آئے ہیں۔ اس لئے اس بات سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ ایک دن تم سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہاں اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہے۔ جس شخص نے نیکی اور بھلائی کا عمل کیا ہو گا اس دن اس کا حقیقی ثمرہ اس کو ملے گا۔ اور جس نے برائی کی ہوگی وہ اس کا حقیقی عذاب اپنے سامنے پائے گا اور کسی طرح بھی اس سے بچ نہیں سکے گا۔

Marfat.com

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾

(اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی، اور ہم نے انہیں پاکیزہ رزق سے نوازا اور دنیا والوں پر انہیں فضیلت عطا کی۔ ۱۶)

بنی اسرائیل کا ذکر اور اس کا سبب

اس سے پہلے کی آیات میں خطاب مشرکینِ عرب سے تھا اور تنقید زیادہ تر قریش اور اہلِ مکہ پر تھی لیکن اب اچانک بنی اسرائیل کا ذکر شروع ہوگیا ہے۔ یہ بظاہر ایک بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اولین مخاطب عرب تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کی دعوت میں انہیں کے عقائد اور انہیں کے معروفات کو سامنے رکھ کر بات کی جارہی تھی۔ لیکن یہ اچانک اس دعوت کے ضمن میں بنی اسرائیل کا ذکر کیسے شروع ہوگیا۔ اگر یہ کتاب کسی انسان کی تصنیف ہوتی تو ہم اس بے ترتیبی کو مصنف کی کوتاہیِ فکر کا نتیجہ قرار دیتے اور یا حالات کے دباؤ کا شاخسانہ سمجھتے۔ لیکن یہ کتاب تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس میں کوئی لفظ بھی بے سبب استعمال نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ ایک ایسی قوم کا ذکر شروع ہوجائے جس کا پیغمبر کی اولین دعوت سے کوئی براہِ راست تعلق نہ ہو۔ اس لئے جب ہم اس پر غور کرتے اور تدبر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بے ترتیبی کلام کے اندر نہیں بلکہ ہماری فکر میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب یہ آیات نازل ہورہی تھیں اس وقت تک یہود کا طرزِ عمل بہت حد تک سامنے آچکا تھا۔ وہ اسلام دشمنی کے جوش میں ایک وقت تک تو خفیہ طریقے سے مشرکین کو اکساتے اور سوالات کی صورت میں ان کی مدد کرتے رہے تھے۔ لیکن اب انہوں نے بہت حد تک یہ نقاب اتار دیا تھا۔ اور کھلم کھلا انہوں نے مشرکین کی پیٹھ ٹھونکنی شروع کردی تھی۔ چونکہ یہود کی شہرت ایک حاملِ کتاب امت کی تھی اور اس لحاظ سے یہ پڑھے لکھے اور صاحبِ علم لوگ معروف تھے۔ اسی وجہ سے اہلِ عرب پر ان کا ایک علمی رعب تھا۔ وہ جو بات بھی کہتے عرب کے اُمی اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اب جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار پورے زور و شور سے شروع کیا اور آپ کی دعوت میں طریقے طریقے سے کیڑے نکالنے شروع کئے تو اس سے مشرکین کو بہت حوصلہ ملا۔ اور ان کے یقین کو اس سے تقویت ملی کہ محمد (ﷺ) واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں، بلکہ یہ محض ایک دعویٰ ہے جس کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں۔ بنابریں یہ بات ضروری ہوگئی کہ دعوت کے نقطۂ نگاہ سے بھی یہود کا پول کھول دیا جائے اور مشرکین کو ان کی اصل شکل دکھائی جائے تاکہ وہ اسلام کے بارے میں جو بھی رائے قائم کریں وہ ان کی اپنی رائے ہو۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے احسانات

یہود کا اصل چہرہ دکھانے کیلئے ان کی تاریخ کا آغاز پروردگار نے اپنے احسانات سے کیا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو اندازہ ہو کہ جس قوم نے بگاڑ اور نافرمانی کا راستہ اختیار کیا اور آج وہ عقیدہ و عمل کی ہر خرابی کا شکار ہے اس کا سبب حالات کا دباؤ نہیں بلکہ ان کی اپنی بگڑی ہوئی سرشت ہے جس نے انہیں اللہ تعالیٰ کے احسانات کی ناشکری پر آمادہ کیا۔ اور پھر اس کے بعد ان کا بگاڑ بڑھتا چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان

Marfat.com

پر جو عظیم احسانات کئے ہیں ان میں پہلا احسان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتاب عطا فرمائی (اس سے مراد تورات ہے) یعنی ان کو زندگی گزارنے کا وہ ضابطہ عطا فرمایا جو ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کیلئے مکمل رہنما تھا (اور ساتھ ہی ساتھ انہیں اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی رہنمائی بھی حاصل تھی۔ اور دوسرا احسان ان پر یہ کیا کہ انہیں حکم عطا فرمایا۔ بعض اہلِ علم نے اس سے تین چیزیں مراد لی ہیں (۱) کتاب کا علم وفہم، (۲) کتاب کے منشاء کے مطابق کام کرنے کی حکمت، اور (۳) معاملات میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت) بلاشبہ یہ تینوں باتیں اس لفظ سے مراد لی جاسکتی ہیں اور قرآنِ کریم نے بعض جگہ اس لفظ کو ان ہی معانی کیلئے استعمال کیا ہے۔ لیکن یہاں سیاقِ کلام کو دیکھتے ہوئے یہ بات زیادہ قرینِ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ یہاں حکم سے مراد حکومت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو صرف کتاب ہی عطا نہیں کی بلکہ اس کے عملی نفاذ کیلئے افراد کی ایک بڑی تعداد بھی بخشی جسے صحیح معنیٰ میں امت کہا جاسکتا ہے اور قطعۂ زمین بھی دیا جس میں باقاعدہ ان احکام کا نفاذ ہوسکتا تھا۔ بحرِ قلزم سے پار اترنے کے بعد بنی اسرائیل کسی خوشحال اور مہذب ومرتب ملک میں نہیں بسائے گئے بلکہ غلامی کی آلائشوں سے پاک کرنے کیلئے انہیں صحرائے سینا میں بسایا گیا۔ یہاں اگرچہ خیموں کی بستیوں کے سوا کچھ نہ تھا لیکن احکام کا اجراء چونکہ افراد پر ہوتا ہے اور احکام کے فیصلے افراد کے معاملات پر ہوتے ہیں اس لئے احکام کو بروئے کار لانے کیلئے یہاں افراد بھی موجود تھے اور ان کے معاملات کی باہمی الجھنیں بھی موجود تھیں۔ اور ان کی رہنمائی کیلئے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بھی تھے جن کی حیثیت پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ حکمران کی بھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں جن لوگوں نے عجل پرستی اختیار کی تھی آپ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا اور اس پر عمل بھی کیا گیا۔ اور پھر مختلف اوقات میں صحرائے سینا میں طویل قیام کے دوران آپ اللہ تعالیٰ نے احکام ان پر نافذ فرماتے رہے۔ اور جب یوشع علیہ السلام کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اردن اور فلسطین کے شہروں پر حکومت قائم کرنے کا موقع دیا تو باقاعدہ متمدن ریاست کے قیام کے بعد تورات کا قانون نافذ کیا گیا۔ اور ویسے بھی اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو کتاب عطا فرماتا ہے تو کتاب چونکہ احکام وقوانین کا مجموعہ ہوتی ہے تو اس کا وہ حصہ نفاذ سے محروم رہتا ہے جن میں اجتماعی قوانین اور احکام کا ذکر ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کتاب کے نزول کے ساتھ کسی قطعۂ زمین پر حکومت بھی عطا کرتا ہے تاکہ وہ قوم احکام کے نفاذ سے بیگانہ نہ رہے۔ پھر یہی حکومت ہے جو مختلف شکلیں اختیار کرتی ہوئی حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانے میں اپنی معراج کو پہنچی کہ جس کی نظیر اس زمانے میں تو خیر کیا ہوگی بعد کے ادوار میں بھی ویسی مکمل حکومت کبھی قائم نہ ہوسکی۔

(بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا تیسرا احسان یہ تھا کہ اس نے انہیں نبوت سے نوازا) یہاں نبوت سے مراد صرف کسی کا منصبِ نبوت پر فائز ہوجانا نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری تک جب بھی اللہ تعالیٰ نے مشرقِ وسطیٰ کی ہدایت کیلئے کسی کو نبوت عطا فرمائی تو اس کا تعلق بنی اسرائیل سے رہا ہے۔ اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل نے وہ رویہ اختیار نہ کیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی اور حکومت ونبوت دونوں سے محروم کردیا۔

(اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر چوتھا احسان یہ فرمایا کہ انہیں فراوانی سے ایسے اسبابِ معیشت فراہم کئے جو نہایت طیب اور پاکیزہ تھے) جن کا آغاز ارضِ فلسطین پر ان کے قبضہ سے ہوا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں یہ اپنے دورِ عروج کو پہنچ گیا۔

Marfat.com

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا پانچواں احسان یہ ہے کہ انہیں اس وقت کی تمام دنیا پر فضیلت عطا فرمائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت اور کتاب دے کر اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا کہ تمہیں اس ہدایت سے دوسرے لوگوں کو باخبر کرنا ہے اور کتاب کی صورت میں جو تمہیں روشنی عطا کی گئی ہے اس روشنی کو باقی لوگوں کیلئے عام کرنا ہے۔ اور یہ بات بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جب بھی وہ کسی قوم کو کتاب ونبوت دے کر اپنی خلق کی رہنمائی کیلئے چن لیتا ہے تو یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو اسے باقی تمام اقوام سے افضل بنا دیتی ہے۔ لیکن یہ فضیلت اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ اپنا فرض ادا کرتی ہے۔ لیکن جب وہ قوم خلق کی رہنمائی کا یہ فریضہ انجام نہیں دیتی تو وہ اس فضیلت سے محروم کر دی جاتی ہے۔

وَاٰتَیْنٰھُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ ۭ
اِنَّ رَبَّکَ یَقْضِیْ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾

(اور ہم نے انہیں دین کے معاملے میں واضح ہدایات دیں پھر انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آچکا تھا، آپس کی ضد سے، بے شک تیرا رب ان کے درمیان فیصلہ کرے گا قیامت کے دن ان تمام چیزوں کے بارے میں جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔ ۱۷)

مزید ایک احسان کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر چھٹا احسان یہ کیا کہ انہیں دین کے معاملے میں واضح احکام دیئے۔ ''امر'' سے مراد دین اور شریعت ہے۔ بعض اہلِ علم نے اس سے صرف شریعت مراد لی ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مفہوم صرف یہ ہے کہ ہم نے جوان کو دین کے اصولی احکام دیئے یعنی بنیادی عقائد ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہ تھی۔ اور جوان کو زندگی گزارنے کے احکام دیئے یعنی شریعت، جوان کیلئے قوانین کا درجہ رکھتے تھے ان میں بھی کوئی اینچ پینچ نہیں تھا، ہر حکم بالکل واضح تھا۔ اور پھر اگر کہیں عملی دشواری پیش آئی تو اللہ تعالیٰ کے دو رسولوں کی سنت ان کی رہنمائی کیلئے موجود تھی۔ اور ممکن ہے اس سے مراد معجزات بھی ہوں۔ کیونکہ بعض دفعہ امتوں کیلئے کسی اقدام میں جب دشواری محسوس ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے رسول کا معجزہ ان کیلئے راستہ کھول دیتا ہے۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ ایسی واضح شریعت اور ایسے آسان احکام کی موجودگی میں بنی اسرائیل نے آپس میں ہزاروں اختلافات پیدا کر لئے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ایک امت مختلف گروہوں میں تقسیم ہوگئی اور ہر گروہ اپنی معلومات اور اپنی تعبیرات پر اس طرح جم گیا کہ اپنی بات میں ترمیم اور دوسرے کی بات کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھا۔ ہر گروہ کو اصرار تھا کہ شریعت کے اس حکم کو جس طرح میں سمجھا ہوں وہی دراصل اس کی مراد ہے۔ اور دوسرے لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سراسر گمراہی اور بے دینی ہے۔ یہ آپس کی گروہ بندی اور گروہی تعصبات اور یہ آپس کی ضد اس نے دین کو میدانِ جنگ میں تبدیل کر دیا۔ اپنی ہر اُپچ کے حق میں دور از کار تاویلیں تلاش کی گئیں اور اپنی ہر بات کے اثبات میں عجیب وغریب دلائل ڈھونڈے گئے۔ اس طرح سے انہوں نے نہ صرف اپنی آنکھوں پر پٹی باندھی بلکہ اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی گمراہ کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہودی جو قوم اپنے پاس کتاب رکھتے ہوئے محض اس لئے کتاب کی روح اور حقیقت سے بیگانہ ہوگئی کہ انہوں نے کتاب کی حقیقت پر نہیں بلکہ اپنے خیالات پر اصرار کے نتیجے میں کتاب کو غارت کر دیا۔ اور طریقے

Marfat.com

طریقے سے اپنے گروہی مسلکوں کو اس میں داخل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس طرح سے اپنے آپ کو حق سے محروم کر دیا۔ تو کیا ایسی قوم سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ دوسروں کو صحیح رہنمائی دے سکتی ہے۔ قریش نے ایسے اندھوں سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی جنہوں نے صدیوں سے بصارت و بصیرت سے اپنی محرومی کو اپنی بصیرت سمجھ رکھا ہے۔ اور اپنی ان ہی گمراہیوں کے باعث ایک دوسرے کو گمراہ قرار دے رہے ہیں۔ آخر میں ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اپنے اختلافات ہی کو دین سمجھ کر حق سے اس حد تک دور چلے گئے ہیں کہ ان کیلئے حق کو قبول کرنا ممکن نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ان کے ان ہی اختلافات کو دور کرنے اور صراطِ مستقیم واضح کرنے کیلئے تشریف لائے۔ لیکن انہوں نے ان کی ہدایت کو قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے ان اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا جن کی بنا پر یہ دنیا میں آپس میں لڑتے بھڑتے رہے۔ اور وہ ان پر یہ بات واضح کر دے گا کہ یہ لوگ کس حد تک حق بجانب تھے اور کس حد تک محض ان کی ضد، ہٹ دھرمی، بات کی پچ اور حریف کو شکست دینے کی خواہش ان کے دین پر غالب آتی رہی۔

ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾

(پھر ہم نے اے نبی! آپ کو ایک واضح شریعت پر قائم کیا ہے، پس آپ اسی کی پیروی کریں اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کریں جو علم نہیں رکھتے۔ ۱۸)

آنحضرت ﷺ کی بعثت کا سبب اور آپ کو ہدایات

یہود نے جب اللہ تعالیٰ کے دین کو اپنی خواہشات کے تابع کر کے گروہ بندیوں کی نذر کر دیا اور دین کی پیدا کردہ وحدت میں اس حد تک اختلافات کے دروازے کھول دیئے کہ لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے دین کی شناخت مشکل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت کی صورت میں جو انہیں صراطِ مستقیم دکھائی تھی اسے انہوں نے اس طرح گم کر دیا کہ کوئی اس کا جاننے پہچاننے والا نہ رہا۔ ہر صحیح الفکر اور سلیم الفطرت آدمی دین کے راستے پر چلنا چاہتا تھا لیکن کوئی اسے راستہ دکھانے والا نہ رہا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اے پیغمبر! آپ کو ایک واضح شریعت دے کر بھیجا تاکہ آپ دنیا کو وہ صراطِ مستقیم دکھا سکیں جسے بنی اسرائیل نے گم کر دیا ہے۔ اب آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو شریعت نازل کی ہے اور دین کا جو واضح راستہ کھولا ہے آپ نہایت ثابت قدمی سے نہ صرف اس پر چلتے رہیں بلکہ دنیا کو بھی اس پر چلانے کی کوشش کریں۔ آپ کوئی نئی دعوت لے کر دنیا میں نہیں آئے بلکہ وہی دعوت پیش کر رہے ہیں جسے ہر دور میں اولوالعزم رسولوں نے پیش کیا ہے۔ بنی اسرائیل کا یہ پراپیگنڈا کہ ہم اپنے پاس ایک کتاب رکھتے ہیں، ہمارے اس ایک شریعت موجود ہے، اور ایک عظیم رسول کے پیروکار ہیں، انفرادی اور اجتماعی زندگی کی دینی ضرورتوں کے حوالے سے ہم ہر چیز میں خودکفیل ہیں۔ بنابریں ہمارے لئے یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ ان حالات میں ایک نئے رسول کی بعثت کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ یہ درحقیقت ان کا پراپیگنڈا اور اپنے جرائم چھپانے کی ایک کوشش تھا۔ انہوں نے جس طرح اللہ تعالیٰ کی شریعت کو بگاڑا اور جس طرح اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہوئے بدعات و خرافات کو شریعت کا حصہ بنایا اور ہوائے نفس کو مختلف لبادے پہنا کر جس طرح دین بنانے کی کوشش کی، ان میں سے کوئی ایسی بات نہیں جس سے وہ خود واقف نہ ہوں۔ اگر ان کے اندر گروہی عصبیت کی بجائے انصاف کی رتی بھی ہوتی تو وہ آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے آخری نبی پر ایمان لاتے اور

Marfat.com

ان کے لائے ہوئے دین کو متاعِ گم گشتہ سمجھ کر قبول کرتے۔لیکن جس طرح اہلِ عرب ملتِ ابراہیمی کے دعویدار ہونے کے باوجود ملتِ ابراہیمی کی ہر بات کو گم کر چکے ہیں اور آج ان کے پاس اپنی پیدا کردہ بدعات وخرافات اور خواہشاتِ نفس کے سوا کچھ نہیں۔یہی حال بنی اسرائیل کا بھی ہے۔یہ دونوں گروہ اصل حقیقت کو گم کر چکے ہیں۔اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ آپ پر جو شریعت نازل کی گئی ہے آپ نہایت استقامت کے ساتھ اس کی پیروی کرتے رہیں۔اور یہ لوگ جو علم شریعت سے تہی دامن ہیں کبھی بھی ان کی کسی بات کو اہمیت نہ دیں۔

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾

(بے شک یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے کچھ بھی کام نہیں آ سکتے ، بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے مددگار ہیں،اور اللہ اپنے ڈرنے والے بندوں کا کارساز ہے۔ ۱۹)

یہود سے بے نیازی کی ہدایت

مخالفین یہود ہوں یا مشرکین وہ مخالفت میں مختلف اسالیب اختیار کریں گے۔کبھی مرعوب کرنے کی کوشش کریں گے اور کبھی ہموار کرنے کی۔آپ کسی حال میں بھی ان پر اعتماد نہ کیجئے۔یہ اپنے تئیں کچھ بھی سمجھتے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے معاملے میں یہ آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ایک تو اس لئے کہ اس کی طاقت کے مقابلے میں کسی کی طاقت کام نہیں دیتی۔اور دوسرا اس لئے کہ یہ ہر رنگ میں آپ کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ ان کا اگر کوئی مخلصانہ رشتہ ہے تو وہ آپس میں ہے یہ ظالم اور مشرک لوگ یہود ہوں یا عرب سب ایک دوسرے کے ہمدرد وغمگسار ہیں۔لیکن مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں۔لیکن آپ کو اور مسلمانوں کو اس کی پرواہ کی ضرورت نہیں کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اسی کی رضا اور خوشنودی کیلئے زندگی گزارتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا کارساز اور دمساز ہے۔تو جس کا کارساز اللہ تعالیٰ ہوا سے کسی اور کی مدد کی کیا ضرورت ہے۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

(یہ لوگوں کیلئے سوجھ کی باتیں ہیں،اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو یقین کریں۔ ۲۰)

قرآنِ کریم کی اہمیت

یہ قرآنِ کریم کسی گروہ کی میراث نہیں۔یہ ایک ایسا سرمایۂ علم ودانش ہے جس کی ایک ایک بات اپنے اندر حکمت کے نایاب موتی رکھتی ہے۔اس کے پیشِ نظر نہ کسی خاص قوم کو اٹھانا ہے، نہ کسی خاص قوم کو گرانا۔یہ اللہ وحدہ لاشریک کی نازل کردہ وہ کتاب ہے جو وحدتِ رب اور وحدتِ اَب کی تعلیم دیتی ہے۔اس کے پیشِ نظر پوری نوعِ انسانی کے اہداف اور مصالح ہیں۔لوگوں کیلئے اس میں غور وفکر کا سامان ہے۔جو شخص غور وفکر کے بعد اس کے منزل من اللہ ہونے، پھر اس کی افادیت اور اہمیت، پھر اس کی ہمہ گیری اور وسعت پذیری کو تسلیم کر لیتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس کے دیئے ہوئے اخبار اور اس کی دی ہوئی بصیرت پر یقین پیدا کر لیتا ہے،اس کیلئے یہی کتاب ہدایت بھی ہے اور رحمت کا سامان بھی۔ہدایت سے زندگی کے تمام امکانات درست ہو جاتے ہیں اور رحمت سے دنیا اور آخرت سنور جاتی ہے۔

Marfat.com

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾

(کیا وہ لوگ جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے، یہ گمان رکھتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مانند کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، برابر ہوگا ان کا جینا اور ان کا مرنا، برا ہے جو وہ فیصلہ کر رہے ہیں۔ ۲۱)

آخرت کے اثبات پر ایک دلیل

دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں خواہشِ نفس کی پیروی کے سوا اور کسی بات کا ہوش نہیں۔ ان کی زندگی کا مقصد ہر طریقے سے اپنے لئے آسانیاں پیدا کرنا، اپنے سر پر کلغی سجانا، دولت کی فراوانی کیلئے نئے نئے امکانات پیدا کرنا، عزت اور لذت کے حصول کو زندگی کا مطمحِ نظر بنانا اور عقل کو خواہشِ نفس کو بروئے کار لانے کیلئے استعمال کرنا اور اخلاق کی پابندیوں کو اور اچھائی اور برائی کے تصورات کو ذہنی افلاس اور رجعت پسندی کا نتیجہ سمجھنا جیسے امور ہیں جنہیں وہ زندگی کا اثاثہ سمجھتے ہیں۔ انسانوں کی یہ قسم اکثریت میں ہو تو انسانیت مر جاتی ہے۔ اقلیت میں ہو تو انسانیت بیمار رہتی ہے۔

انسانوں کی دوسری قسم وہ ہے جو زندگی کے کچھ مقاصد رکھتی ہے۔ انسانی ضروریات کو مقاصد کا نہیں ضروریات کا درجہ دیتی ہے۔ ان کے حصول کو زندگی کی آسانی کیلئے ضروری سمجھتی ہے لیکن کبھی ان پر مقاصد کو قربان نہیں کرتی۔ ان کے نزدیک انسان اور حیوان میں جہاں فرق مقصد کے شعور سے پیدا ہوتا ہے وہیں اخلاقی توانائی بھی انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ لوگ زندگی پیٹ کی غلامی میں بسر نہیں کرتے بلکہ مقصد کی سربلندی کیلئے قربان کرتے ہیں۔ ان میں اچھائی اور بھلائی انسانیت کا حُسن ہے۔ اور بداخلاقی اور برائی انسانیت کیلئے بدنما داغ ہے۔ یہ زندگی کے دو رنگ ہیں جن سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص زندگی کے پہلے رنگ کو حقیقت سمجھتا ہے اس کے نزدیک زندگی محض شب و روز کی آمد و شد کا نام ہے۔ اور وہ اسی زندگی کی خوشیوں کو آخری خوشیاں اور اسی کے غموں کو آخری غم سمجھتا ہے۔ اس کی ہر کوشش اسی زندگی کو سجانے کیلئے صرف ہوتی ہے۔ وہ موت کو زندگی کا اختتام سمجھتا ہے اس لئے اس کی سوچ اور اس کی قوتِ پرواز اور اس کی اقدامی قوت اور اس کی اولوالعزمی اسی دنیا کی ہمہ ہمی میں گم ہو جاتی ہے۔ لیکن جو شخص زندگی کے دوسرے رخ کو حقیقی زندگی سمجھتا ہے وہ یقیناً اس بات سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا کہ اگر خیر و شر کے تصور کو باقی رکھنا ہے، برائی کو کچلنا اور نیکی کو فروغ دینا ہے، خیر خواہی کو آگے بڑھانا اور بدخواہی کا خاتمہ کرنا ہے، انسان اور حیوان کی اقدار کو الگ الگ کرنا ہے اور انسان کی انسانیت کو اجاگر کرنے کی کوششوں کو بروئے کار لانا ہے تو پھر اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ اس بات کا یقین پیدا کیا جائے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب زندگی کے ہر عمل کا حساب ہوگا۔ نیکیاں بھی دیکھی جائیں گی اور برائیاں بھی شمار ہوں گی۔ ایثار و قربانی کو انعامات سے نوازا جائے گا اور خود غرضی اور ظلم کو سزاؤں کی زنجیریں پہنائی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل کا ظہور ہوگا جہاں ہر نیک عمل اجر کا مستحق ٹھہرے گا۔ اور ہر برا عمل برائی کی پاداش میں پکڑا جائے گا۔ یہی وہ دلیل ہے جس کا اس آیتِ کریمہ میں ذکر فرمایا گیا کہ اگر خیر اور شر برابر نہیں۔ زندگی اور موت یکساں نہیں، خیر خواہی اور بدخواہی کے نتائج ایک جیسے نہیں۔ تو پھر یہ کس قدر برا فیصلہ ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ زندگی موت کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ یہاں جس نے اچھائیاں کیں وہ اس کے صلے سے محروم رہے گا اور جس نے برائیاں کیں وہ اس زندگی میں عیش کرے گا اور جس نے نیکیاں کیں اور زندگی کے برے تقاضوں سے اپنے آپ کو بچایا وہ ہمیشہ محرومیوں کے زخم چاٹتا رہے گا۔ کیا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے تھوڑی سے بھی عقل دے رکھی ہے وہ کبھی اس صورتحال کو قبول کرنے کیلئے تیار ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾
اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى
سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ
اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا
وَمَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا
يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ
قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ
ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع

رکوع: ۳۔ (اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تا کہ بدلہ دیا جائے ہر جان کو اس کے کئے کا، اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ۲۲) کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے اور اس کو اللہ نے علم کے باوجود گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کانوں اور اس کے دل پر مہر کر دی ہے، اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے، اللہ کے بعد اور کون ہے جو اسے ہدایت دے، کیا تم لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ ۲۳) اور وہ کہتے ہیں کہ زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے یہیں ہم مرتے اور جیتے ہیں، اور ہم کو بس گردشِ روزگار ہلاک کرتی ہے اور ان کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہیں، یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں۔ ۲۴) اور جب ہماری واضح آیات انہیں سنائی جاتی ہیں تو ان کے پاس کوئی حجت اس کے سوا نہیں ہوتی کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے ہمارے پاس لاؤ۔ ۲۵) اے پیغمبر، کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے، پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے، پھر وہی تم کو قیامت کے دن تک جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں جمع کرے گا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ۲۶)

Marfat.com

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ
بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

(اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تا کہ بدلہ دیا جائے ہر جان کو اس کے کیے کا، اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ۲۲)

تخلیقِ ارض وسما کا نتیجہ جزاءِ اعمال ہے

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے تمام اعمال اس کے بنیادی تصورات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ نیکی اسی سے ظہور میں آتی ہے جس کے دل میں نیکی کا جذبہ ہوتا ہے۔ اور برائی اسی سے سرزد ہوتی ہے جس کے دل میں برائی جڑ پکڑ چکی ہوتی ہے۔ اسی حقیقت کے پیشِ نظر قرآنِ کریم ہمیشہ بنیادی تصورات یعنی عقائد پر زور دیتا ہے۔ تا کہ ان تصورات کے دل میں رسوخ پیدا کر لینے کے بعد اخلاق و کردار کا وہ شجرِ سایہ دار ضرور پیدا ہو گا جو ان تصورات کا لازمی نتیجہ ہے۔ چنانچہ ان ہی تصورات میں سے سب سے اہم تصور جس نے انسانی زندگی کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو فضول، عبث اور محض کھیل اور تفریح کیلئے پیدا نہیں کیا بلکہ ہر چیز کی ایک غایت اور ایک مقصد ہے۔ اور اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے انسان کو اس مقصد کا علم دے دیا گیا۔ چنانچہ جس شخص نے اس زمین کے اوپر اور آسمان کی چھت کے نیچے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات اور ذرائع اور وسائل کو اس طرح استعمال کیا جس طرح اسے استعمال کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ تو وہ یقیناً اس بات کا مستحق ہے کہ اس کیلئے ایک ایسا دن لایا جائے جس میں اس کے اس کارنامے کا بجا طور پر صلہ دیا جائے۔ اور جس نے اس مقصدِ حق سے انحراف کیا اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے منہ موڑ کر محض خواہشِ نفس کے اتباع میں زندگی گزاری اور جس حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا تھا اسے بگاڑ کر رکھ دیا۔ تو وہ یقیناً بھی اس بات کا مستحق ہے کہ ایک دن ایسا آئے جب اس کی جسارتوں کی اسے سزا دی جائے۔ اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ زمین و آسمان کا یہ نظام کوئی با مقصد حکیمانہ نظام نہیں بلکہ محض تفریحِ طبع کا سامان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی دل لگی کیلئے پیدا کیا تھا۔ اندازہ کیجئے کہ یہ تصور اللہ تعالیٰ جیسے حکیم کے بارے میں کس قدر غیر منصفانہ ہے۔ اور اس سے وہ مقصدِ حق بالکل الٹ کے رہ جاتا ہے جس کیلئے اس کائنات کو پیدا کیا گیا ہے۔ اور آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جس طرح اس حکیم عادل کے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں ہر متنفس کو اس کے اعمال کی جزاء ملے۔ اسی طرح اس کے عدل کا یہ بھی تقاضا ہے کہ یہاں کسی پر ظلم نہ کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ برائی اور نیکی کو یکساں کر دیا جائے۔ یا نیکی کی سزا دی جائے اور برائی کو چھوٹ دے دی جائے۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ
عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

(کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو معبود بنا رکھا ہے اور اس کو اللہ نے علم کے باوجود گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کانوں اور اس کے دل پر مہر کر دی ہے، اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے، اللہ کے بعد اور کون ہے جو اسے ہدایت دے، کیا تم لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ ۲۳)

Marfat.com

ہوائے نفس کے اتباع کا نتیجہ

آیتِ کریمہ کے پہلے لفظ سے تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے جس میں افسوس بھی شامل ہے مقصود اس سے اس بات پر توجہ دلانا ہے کہ آخرت سے انکار یا دین سے گمراہی صرف جہالت کی وجہ سے نہیں آتی بلکہ بعض دفعہ وہ لوگ بھی اس مرض کا شکار ہوتے ہیں جو بظاہر دنیا کے بیشتر علوم وفنون پر حاوی ہوتے ہیں یا انہیں علم و دانش کا بہت دعویٰ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص اسلام کے بنیادی تصورات کو قبول کرنے کی بجائے خواہشِ نفس کی پیروی کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے اور اسی میں اس کو زندگی کی خوشیاں ملتی ہیں اور اسی میں وہ زندگی کی کامیابیوں کو دیکھتا ہے۔ تو ایسا شخص اپنے علم و دانش کے ہوتے ہوئے بھی ضلالت و گمراہی سے محفوظ نہیں رہتا۔ بلکہ اس کا علم اس کی اس آگ کیلئے ایندھن ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس کی گمراہی اور بے راہ روی کیلئے نئے سے نئے دلائل ڈھونڈتا ہے۔ خواہشِ نفس کو اعتدال کی زنجیر پہنانے والی چیز اللہ تعالیٰ کی خشیت کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کے تقویٰ سے بے نیاز ہو جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہی اس کیلئے ایک بے معنی چیز بن جاتی ہے اور وہ اس کی عائد کردہ حلال وحرام کی پابندیوں کو اپنی نام نہاد خوشیوں کے راستے کی رکاوٹ سمجھنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا قانون حرکت میں آتا ہے اور اس کے علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا جاتا ہے۔ بات کو سمجھنے، حق کو جاننے اور نصیحت کو سننے کے جتنے ذرائع ہیں سب ماؤف کر دیئے جاتے ہیں۔ قوتِ سماعت کام کرنے کے باوجود صحیح بات کو سننے سے محروم ہو جاتی ہے۔ دل میں نیکی کے خیالات پیدا ہونے کی بجائے برے خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں بلکہ دل برائیوں کا مسکن بن جاتا ہے۔ آنکھیں جو حق کو دیکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں ان پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ یہی وہ ذرائع ہیں جن سے انسان میں تبدیلی کی خواہش کی جا سکتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انسان کو ان سے محروم کر دے تو پھر کون ہے جو اس کو راہِ ہدایت دکھا سکے۔ آخر میں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تمہیں اس پر حیرت ہے کہ یہود جیسے اہلِ کتاب اور اہلِ دانش لوگ قرآن کے دشمن کیوں ہیں؟ اور کتاب و شریعت کا مزاج سمجھتے ہوئے بھی یہ قرآنِ کریم کے کتاب اللہ ہونے سے انکاری کیوں ہیں؟ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کو ہدایت بخشتا ہے جو اس کی ہدایت کی قدر کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اس کی قدر نہیں کرتے ان کا علم، ان کی دانش اور ان کی ہدایت کے دعوے ان کیلئے ضلالت کا پھندا ثابت ہوتے ہیں۔

وَقَالُوْا مَاهِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ
وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

(اور وہ کہتے ہیں کہ زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے یہیں ہم مرتے اور جیتے ہیں، اور ہم کو بس گردشِ روزگار ہلاک کرتی ہے اور ان کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہیں، یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں۔ ۲۴)

منکرینِ قیامت کے دلائل اور ان کی بے وقعتی

گزشتہ آیتِ کریمہ میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ جو شخص خواہشِ نفس کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت بنا لیتا ہے اور اسی کے اتباع میں زندگی کے ہر معاملے کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی اس روش کی یہ سزا دیتا ہے کہ وہ صاحبِ علم بھی ہو تو اس کا علم اسے رہنمائی دینے کی بجائے خواہشِ نفس کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور اسے اپنے خواہشات کی تکمیل کے سوا دنیا کی کسی اور بات کی اہمیت محسوس نہیں

Marfat.com

ہوتی۔اس کی قوتِ مشاہدہ اور اس کی قوتِ سماعت اس طرح مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے کہ نہ وہ نصیحت کی بات کو سن سکتا ہے اور نہ وہ سامنے کی بات کو دیکھ سکتا ہے۔بالآخر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو دنیا کی ہمہ ہمی تک محدود سمجھتا ہے۔جس طرح صحرا کا مسافر صحرائی ریگِ رواں کو بہتا ہوا دریا سمجھتا ہے اور شدید پیاس میں اس کی طرف جتنا تیز دوڑتا ہے اتنا ہی وہ موہوم دریا اس سے دور ہوتا جاتا ہے۔حتیٰ کہ اس کی طلب میں وہ جان دے دیتا ہے۔یہ لوگ بھی دنیا کی نیرنگیوں کو اپنی زندگی کے اہداف بنا لیتے ہیں۔اور یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی زندگی ہی اصل زندگی ہے،یہیں کی خوشیاں حقیقی خوشیاں ہیں اور یہیں کے غم اصل غم ہیں۔جس نے یہاں خوشیوں کا سامان کر لیا اسے فلاح و کامرانی مل گئی۔اور جس نے محرومیاں پال لیں اس کی زندگی خسران کا شکار ہوگئی۔زندگی کے بعد دوسری زندگی کا تصور جو انسانی تصورات کو بے کراں کر دیتا ہے وہ ان کیلئے ناقابلِ قبول ہے۔اور انہوں نے نہ جانے کس حوالے سے یہ یقین کر لیا ہے کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں۔اسی طرح انہیں اس بات کا بھی یقین ہے کہ ہمیں گردشِ ایام کے سوا کوئی چیز ہلاک کرنے والی نہیں۔یہ بات کہ اللہ تعالیٰ روحیں قبض کرتا ہے یا قوموں کی زندگی اور ان کی سرافرازیوں کا دارومدار ان کی ایمانی اور اخلاقی حالت سے متعلق ہے سراسر بے عقلی کی باتیں ہیں۔جن قوموں پر بظاہر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور وہ تباہ کر دی گئیں ان کی تباہی اخلاقی مفاسد کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ گردشِ روزگار کا نتیجہ تھی۔اسی طرح لوگوں میں جو مختلف قسم کی وبائیں اور مصیبتیں آتی ہیں تو یہ اعمال یا عقائد کے فساد کا نتیجہ نہیں بلکہ حوادثِ روزگار ہیں جن سے قوموں کو واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ان کے اس طرح کے فلسفے جن کے پس منظر میں جہالت کے سوا اور کچھ نہیں ان کی یقینی زندگی کے وہ اسباب ہیں جن پر ان کے خیالات اور تصورات کا دارومدار ہے۔لیکن یہ سب باتیں محض ان کا ظن و گمان ہیں جس کے پیچھے علم کا کوئی حوالہ نہیں۔نہ عقل اور فطرت اس کی تائید میں ہیں اور نہ آفاق و انفس کی نشانیاں ان کی باتوں کی تصدیق کرتی ہیں۔زندگی کے بنیادی تصورات کو اگر ظن و گمان کی بنیاد پر طے کیا جانے لگے تو دنیا سے یقین کی دولت اٹھ جائے،عقل کی دنیا ویران ہو جائے اور علم کے آنگن میں خاک اڑنے لگے جبکہ حقائق کا دارومدار فطرت،عقل اور علم کے سوا کسی اور چیز پر نہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا
بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

(اور جب ہماری واضح آیات انہیں سنائی جاتی ہیں تو ان کے پاس کوئی حجت اس کے سوا نہیں ہوتی کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے ہمارے پاس لاؤ۔ ۲۵)

قرآنِ کریم کے مقابل میں ان کی واحد دلیل

یہ نام نہاد دانشور جو علم کے باوجود ضلالت و گمراہی کا شکار ہوئے ان کی علمی بے مائیگی کا عالم یہ ہے کہ وہ علم کی بنیادوں کو کھو چکے اور ظن و گمان کو زندگی کا سرمایہ جان کر یہ رویہ اپنا چکے ہیں کہ قرآنِ کریم کے واضح دلائل کے مقابلے میں ایسی حجت پیش کرتے ہیں جسے حجت کہنا بھی علم کی توہین ہے۔قرآنِ کریم ان کے سامنے آفاق و انفس کی نشانیاں کھولتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کا یقین پیدا ہوتا ہے۔اور پھر ان مختلف نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو نمایاں کرتا ہے جس سے کائنات کی ایک ایک چیز میں اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے۔پھر وہ انسان کی اخلاقی زندگی سے آخرت کی ضرورت کو اجاگر کرتا ہے اور پھر اس کی تائید میں فطرت کے تقاضوں کو مبرہن کرتا ہے۔لیکن

Marfat.com

ان سب باتوں کے جواب میں یہ نام نہاد دانشور صرف ایک حجت پیش کرتے ہیں کہ اگر تم واقعی اس بات میں سچے ہو کہ انسان از سر نو زندہ ہوں گے اور اس موت کے بعد دوسری زندگی آئے گی، ایک محشر بپا ہوگا اور ہر شخص کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔ تو پھر اس کے ثبوت کیلئے ہمارے آباؤ اجداد میں سے کسی ایک کو زندہ کر کے ہمارے پاس لاؤ، ہم اسے دیکھیں، اس سے باتیں کریں تب ہمیں یقین آجائے گا کہ واقعی دوبارہ زندگی کا بھی امکان ہے۔ لیکن اس جاہلانہ حجت کو دیکھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کا سرے سے قرآنِ کریم نے ذکر تک نہیں کیا۔ قرآنِ کریم میں کہیں یہ بات نہیں فرمائی گئی کہ دنیا میں متفرق طور پر وقتاً فوقتاً مردوں کو زندہ کیا جاتا رہے گا۔ بلکہ جو کچھ کہا گیا وہ یہ ہے کہ قیامت کے بعد اللہ تعالیٰ بیک وقت تمام انسانوں کو از سر نو زندہ کرے گا۔ اور ان سب کے اعمال کا محاسبہ کر کے جزاء و سزا کا فیصلہ فرمائے گا۔ اندازہ کیجئے کہ قرآنِ کریم کا دعویٰ کچھ اور ہے اور اس کے دلائل آفتاب سے زیادہ روشن ہیں۔ اور جو کچھ اس کے معارضے میں کہا جا رہا ہے وہ ایک ایسی بات ہے جس کا اسلامی عقائد سے کوئی تعلق نہیں، اور جس کا اثباتِ قیامت میں کوئی دخل نہیں۔

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَارَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

(اے پیغمبر، کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے، پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے، پھر وہی تم کو قیامت کے دن تک جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں جمع کرے گا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ۲۶)

بعض غلط فہمیوں کا ازالہ

گزشتہ آیت میں مشرکینِ مکہ نے جو سوالات اٹھائے تھے پیشِ نظر آیتِ کریمہ میں ان کا جواب دیا گیا ہے۔ انہوں نے پہلی بات یہ کہی تھی کہ موت قبضِ روح سے نہیں ہوتی بلکہ وہ تو گردشِ ایام کا نتیجہ ہے۔ جس طرح ایک بیج اگتا ہے، پودا بنتا ہے، پھر مضبوط قد آور درخت کی شکل اختیار کر جاتا ہے، سایہ دیتا ہے یا اسے پھل لگتے ہیں، پھر وقت کے ساتھ ساتھ وہ کمزور ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ ایک دن آتا ہے جب وہ مرجھا کے گر جاتا ہے۔ کسی نے اس کی روح نہیں نکالی اور کسی نے اس کی زندگی کو ختم نہیں کیا، حوادثِ روزگار اور گردشِ ایام نے اس کے سفر کا خاتمہ کر دیا ہے۔ یہی حال انسان کا بھی ہے۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تمہیں غلط فہمی ہے کہ تم خودرو پودوں کی طرح وجود میں آئے ہو، تمہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور وہی تمہیں موت دیتا ہے، زندگی اور موت کے فیصلے اسی کے ہاتھ میں ہیں، اس کے اسباب بھی وہی فراہم کرتا ہے، اور اس کے نتائج کو بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ رہی تمہاری دوسری بات کہ یہی دنیا کی زندگی حقیقی زندگی ہے اس کے بعد کوئی زندگی نہیں، یہ بھی سراسر غلط ہے۔ اور اس پر تمہاری یہ دلیل کہ اگر دوسری زندگی ہوتی تو ہمارے آباؤ اجداد میں سے کسی کو تو زندہ کیا جاتا، یہ اس سے بھی زیادہ غلط ہے۔ تم میں سے ہر ایک کو موت اس کے وقت پر آتی ہے۔ ہر شخص اپنی ایک متعین عمر لے کے آتا ہے اور اس کے بعد اس کی روح قبض کر لی جاتی ہے۔ لیکن اسے بالکل فنا نہیں کیا جاتا، اسے عالمِ برزخ میں رکھا جاتا ہے۔ اس کے جسم اور اس کی روح کا ایک خفیف سا تعلق رہتا ہے۔ تمام لوگ اپنی اپنی باری پر موت سے ہمکنار ہو کر عالمِ برزخ میں جمع کیے جا رہے ہیں۔ اور یہ اس وقت تک جمع کیے جاتے رہیں گے جب تک دوسری دنیا کی صبح طلوع نہیں ہوگی۔ کیونکہ آخرت محض دوسری زندگی کا نام نہیں بلکہ تمام لوگوں کو ان کے اعمال سمیت میدانِ حشر میں جمع کرنے کا نام ہے تاکہ ان کے اعمال کا حساب لیا جا سکے۔ اور بہت

Marfat.com

سے لوگ ہیں جن کے اعمال کی مدت چند سالوں میں ختم نہیں ہوتی بلکہ کبھی صدیوں تک اور کبھی صدیوں سے بھی زیادہ طویل وقت تک دراز ہوتی جاتی ہے۔ جن لوگوں نے ایسے اجتماعی کام کیے جن کے اثرات بہت سے دماغوں تک پہنچے اور دلوں میں اتر گئے۔ انہوں نے پھر اپنی باقی زندگی ان خیالات اور اثرات کے تحت گزاری، پھر ان کے اعمال کے نتیجے میں اور بہت سے ذہن تیار ہوئے۔ اس طرح سے ایک لامتناہی سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ لیکن ان کے اعمال کا کچھ نہ کچھ حصہ ان لوگوں کے نامہ عمل میں جمع ہوتا رہتا ہے جو اس کا سبب بنے ہیں۔ کارل مارکس ایک شخص تھا جس نے کمیونزم پر کتاب لکھی۔ اس کے اثرات نے لینن، اینجلز اور سٹالن جیسے لوگ پیدا کیے۔ چین میں ماوزے تنگ نے جنم لیا۔ اسی طرح بعض دیگر ممالک میں بھی اس نظام کو نافذ ہونے کا موقع ملا۔ اس سے جو خیالات پیدا ہوئے، جو اثرات وجود میں آئے، دل و دماغ کے جو سانچے بنے، جن کے مطابق اخلاق ڈھلے، ان کی عمر کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ آئندہ کب تک یہ اثرات پھیلتے جائیں گے۔ لیکن ان اعمال و اثرات کا کچھ نہ کچھ حصہ کارل مارکس کے نامہ عمل میں ضرور شامل ہوتا رہے گا۔ ایسے ہی اور بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے تعلیمی ادارے کھولے، ہسپتال بنائے، اکیڈمیاں قائم کیں، ان کے اثرات ان کی زندگیوں تک محدود نہیں بلکہ اس وقت تک دراز ہوتے جائیں گے جب تک قیامت کا ساحل طلوع نہیں ہوتا۔ جس طرح ہم جھیل میں ایک کنکر پھینکتے ہیں تو اس سے لہریں اٹھتی ہیں اور وہ پھیلتی چلی جاتی ہیں، ان کا سلسلہ دراز ہوتا جاتا ہے اور یہ اس وقت اختتام پذیر ہوتی ہیں جب ساحل سے جا ٹکراتی ہیں۔ یہی حال انسانی اعمال کا بھی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ انسانوں کو متفرق طور پر مختلف اوقات میں زندہ نہیں کرے گا بلکہ قیامت کے دن تک انہیں جمع کرتا رہے گا۔ پھر سب کو ایک دن میدانِ حشر میں جمع کر کے حساب لے گا۔ لیکن اکثر لوگ ان حقائق سے واقف نہیں۔ وہ قیامت کا ایک ادھورا تصور رکھتے ہیں۔ اس لئے بے سوچے سمجھے اس پر اعتراضات شروع کر دیتے ہیں اور اس پر بدنصیبی یہ ہے کہ اس کی حقیقت کو سمجھنے اور جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ تو ایسی بے خبری جس میں انسان کا اپنا ارادہ شامل ہو وہ بے خبری نہیں بلکہ جرم ہے جو ان کے اعمالِ بد کا حصہ بن جائے گا۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ
يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ
تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا
يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَمَّا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٠﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ
تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذَا قِيْلَ

Marfat.com

إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا
السَّاعَةُ ۙ إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ
سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ
الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ
مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾
فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ
الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

رکوع: ۴۔ (آسمانوں اور زمین کی پادشاہی اللہ ہی کی ہے، اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن باطل پرست خسارے میں پڑ جائیں گے۔ ۲۷) اس دن آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو سر جھکائے دوزانو بیٹھے ہوئے، ہر گروہ کو پکارا جائے گا اس کے دفترِ اعمال کی طرف آج تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ ۲۸) یہ ہمارا تیار کرایا ہوا دفترِ اعمال ہے جو تمہارے اوپر ٹھیک ٹھیک گواہی دے گا، ہم لکھواتے رہے ہیں جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ ۲۹) پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا، یہی وہ کھلی ہوئی کامیابی ہے۔ ۳۰) اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تو ان سے کہا جائے گا کہ کیا میری آیات تم کو پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں، لیکن تم نے تکبر کیا، اور تم مجرم لوگ تھے۔ ۳۱) اور جب کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے، ہم تو بس ایک گمان سا رکھتے ہیں، اور ہم اس کا یقین کرنے والے نہیں۔ ۳۲) اور ظاہر ہو جائیں گی ان پر برائیاں ان اعمال کی جن کو وہ کرتے رہے، اور وہ چیز ان کو گھیر لے گی جس کا وہ مذاق اڑاتے رہے۔ ۳۳) اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ آج ہم بھی تمہیں اسی طرح طاقِ نسیان میں رکھ دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا، اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور کوئی تمہاری مدد کرنے والا نہیں۔ ۳۴) یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق بنا لیا تھا، اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈال دیا

Marfat.com

تھا، پس آج نہ تو وہ اس دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کو معذرت پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ ۳۵) پس اللہ ہی کیلئے ہیں تمام تعریفیں، جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا، اور سارے جہان والوں کا پروردگار۔ ۳۶) اور اسی کیلئے بڑائی آسمانوں اور زمین میں، اور وہی زبردست اور دانا ہے۔ ۳۷)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾

(آسمانوں اور زمین کی پادشاہی اللہ ہی کی ہے، اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن باطل پرست خسارے میں پڑجائیں گے۔ ۲۷)

گزشتہ مضمون کا تسلسل

گزشتہ مضمون ہی کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ صرف زندگی اور موت ہی اللہ تعالیٰ کے قبضے میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تو آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے۔ وہی اس کائنات پر فرمانروائی کررہا ہے اور کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ ہر چیز کا وجود اس کی قدرت سے ہے اور ہر چیز کی بقاء اسی کی قدرت کی مرہونِ منت ہے۔ جو ذات اس حد تک قادرِ مطلق ہو اس کے بارے میں یہ بدگمانی کہ وہ ایک دفعہ تو انسان کو پیدا کرنے پر قادر تھا، دوبارہ پیدا نہیں کرسکے گا۔ یا اس کی قدرت سے یہ بات بہت بعید ہے کہ بے شمار مخلوقات جو لامحدود زمانے میں موت کا شکار ہوئیں اور پھر مرورِ ایام کے ساتھ ان کی خاک بھی ہوا میں اڑ گئی، اب ان کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں دفن ہوئے اور کہاں انہیں موت آئی، اور زندگی میں انہوں نے کیسے اعمال کیے۔ نیکیاں کیں تو ان کی تعداد کیا تھی، برائیاں کیں تو ان کا شمار کیا تھا۔ اور ان دونوں کے اثرات سے جو حالات پیدا ہوئے وہ کیا تھے۔ ان سب چیزوں کا جاننا اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت سے بعید ہے۔ ان تمام باتوں کے ابطال کیلئے یہ بات فرمائی گئی ہے کہ جو ذات زمین و آسمان کی مالک، فرمانروا، متصرف اور ذرے ذرے پر گرفت رکھنے والی ہے اس سے یہ کیسے بعید ہوسکتا ہے کہ وہ قیامت برپا نہ کرسکے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت برپا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا، لیکن انکار کرنے والے یا اس میں شک کا اظہار کرنے والے اس روز صحیح معنی میں خسارے کا شکار ہوجائیں گے۔ نہ انہیں اپنے انکار پر پچھتاوا کام دے گا، نہ انہیں غلط تصورات سہارا دیں گے، نہ ان کے وہ مزعومہ شرکاء ان کے کام آئیں گے جن پر انہوں نے زندگی بھر بھروسہ کیا۔ ایسے خسارے کی شدت کو آج کون محسوس کرسکتا ہے؟

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

(اس دن آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو سر جھکائے دوزانو بیٹھے ہوئے، ہر گروہ کو پکارا جائے گا اس کے دفترِ اعمال کی طرف آج تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ ۲۸)

اُمَّةٍ جَاثِيَةً اسمِ فاعل ہے۔ سر جھکائے دوزانو بیٹھنے والے گروہ کو کہتے ہیں۔

Marfat.com

قیامت کے منکرین کا عبرتناک انجام

قیامت کا انکار کرنے والوں کو ان کے عبرتناک انجام کا ایک منظر دکھایا گیا ہے کہ آج جو لوگ تکبر اور غرور کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی دعوت کو سننے کے روادار نہیں اور ان کی گردنیں ایسی اکڑی ہوئی ہیں جیسے ان میں سریا دیا ہوا ہو۔ لیکن قیامت کے دن ان کی گردنیں خم اور ان کے سر ان کے گھٹنوں پر جھکے ہوں گے اور نہایت عاجزی کے ساتھ غلاموں کی طرح بیٹھے اپنے بارے میں فیصلہ سننے کے منتظر ہوں گے۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں پکارا جائے گا کہ آج کا دن جزاء وسزا اور عدل کا دن ہے۔ آج کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوگی۔ رہی یہ بات کہ تم سے کیا سلوک ہونے والا ہے تو اس کیلئے تم خود اپنے دفترِ عمل کو دیکھو۔ آج تمہارے ساتھ وہی سلوک ہوگا جیسے تم اپنے ساتھ اعمال لے کر آئے ہو۔ اور یہ سلوک کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر امت کے ساتھ ایک ہی ضابطے کے تحت سلوک کیا جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ جن کے اعمال انصاف کے ترازو میں تلنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل کے داعی ہوں گے انہیں اللہ تعالیٰ کا فضل بھی نصیب ہوگا۔ لیکن جزاء وسزا کے جو بنیادی تقاضے ہیں ان میں کسی کے ساتھ کوئی رورعایت نہیں ہوگی۔ یہاں نامۂ اعمال کیلئے کتاب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کا صحیح ترجمہ نامہ سے نہیں بلکہ دفتر سے کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ کتاب مکتوب کے معنی میں ہے اور دفتر بھی نوشتے کو کہتے ہیں۔ اقبال نے اسی معنی میں استعمال کرتے ہوئے کہا ہے:

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

دفترِ اعمال کی طرف توجہ دلانے کے بعد انہیں بتایا جائے گا کہ آج درحقیقت تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس لئے تم خود اپنے دفترِ اعمال کو دیکھو۔ وہ ایک ایسا آئینہ ہے جسے دیکھتے ہی تمہیں اپنے انجام کی صحیح تصویر نظر آئے گی۔

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

(یہ ہمارا تیار کرایا ہوا دفترِ اعمال ہے جو تمہارے اوپر ٹھیک ٹھیک گواہی دے گا، ہم لکھواتے رہے ہیں جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ ۲۹)

دفترِ اعمال کی وضاحت

یہ دفترِ اعمال کی وضاحت ہے جس کی طرف قیامت کے دن ہر امت اور ہر گروہ کو توجہ دلائی جائے گی تاکہ انہیں اپنا دفترِ اعمال دیکھتے ہوئے یہ گمان نہ گزرے کہ نہ جانے اس میں ہمارے اعمال صحیح درج ہوئے بھی ہیں یا نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ لکھنے والوں سے کوئی کوتاہی ہوگئی ہو۔ یہ صرف واہمہ نہیں بلکہ ہمارا ذہین شاعر اس کا ذکر بھی کرچکا ہے جس پر افسوس کا اظہار ہی کیا جاسکتا ہے۔

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی اپنا کوئی دمِ تحریر بھی تھا

Marfat.com

اس واہمہ کو رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم میں سے ہر شخص اور ہر گروہ کا دفترِ اعمال ہمارا تیار کرایا ہوا ہے اور ہمارا لکھوایا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس دفترِ عمل کو فرشتے مرتب کریں اور اللہ تعالیٰ کا علم اس کی نگرانی کرے اس میں غلطی کا کیا امکان ہوسکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کے لکھوانے سے کیا مراد ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے متشابہات میں شمار کیا جانا چاہیے، ہم اس کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ ویسے بھی انسانی علم کے ارتقاء کو دیکھتے ہوئے لکھوانے کا صرف یہ تصور صحیح نہیں کہ کاغذ پر قلم سے جو لکھوایا جاتا ہے اسے لکھوانا کہتے ہیں، بلکہ لکھنے اور لکھوانے کی بہت سی دوسری صورتیں انسان نے دریافت کرلی ہیں۔ بعض دفعہ لکھا ہوا نظر نہیں آتا لیکن کسی کیمیکل کے استعمال سے اس کی تحریر ابھر آتی ہے یا اس کو حرارت دینے سے لکھا ہوا نمایاں ہوجاتا ہے۔ اور فیکس کی ایجاد نے تو تحریر کے تصور کو اور بھی وسعت دے دی ہے۔ آگے چل کر اور کیا کیا ظہور میں آنے والا ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم تو ان سب چیزوں پر حاوی ہے۔ اس لئے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ انسانوں کے دفترِ اعمال کی حقیقت و ماہیت اور ہیئت و صورت کیا ہوگی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٠﴾

(پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا، یہی وہ کھلی ہوئی کامیابی ہے۔ ۳۰)

اہلِ ایمان کا انجام

دفترِ اعمال کی گواہی کے مطابق ہر گروہ اور ہر شخص اپنے انجام کو پہنچے گا۔ ان میں سب سے پہلے اہلِ ایمان کے انجام کو بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ جن لوگوں نے نامساعد حالات کے باوجود ایمان قبول کیا اور پھر شریعت کے مطابق عملِ صالح کی زندگی گزاری۔ انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یعنی صرف یہی نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب سے نجات دے دے بلکہ ان کے ایمان و عمل کے نتیجے میں انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی میسر آئے گی۔ یعنی ان کو صرف ان کے اعمال ہی کا بدلہ نہیں ملے گا بلکہ اس کے ساتھ ان کے رب کا بے پایاں فضل بھی شامل ہوگا۔ اور یہی وہ حقیقی اور کھلی ہوئی کامیابی ہے۔ جن لوگوں نے دنیا کے چند روزہ عیش کو کامیابی سمجھ رکھا ہے وہ نہایت کوتاہ فکر کا شکار ہیں۔ وہ ایک نادان بچے کی طرح کھلونے کو دنیا کی سب سے بڑی نعمت سمجھتے ہیں حالانکہ کھلونے کی کوئی حقیقت عقلمند آدمی کے سامنے نہیں ہوتی۔ وہ جانتا ہے کہ کھلونا کسی بچے کو تو بہلا سکتا ہے لیکن زندگی کے حقائق کا سامنا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ جس آنے والی زندگی سے ہمیں واسطہ پڑنے والا ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں اگر اس کا عیش نصیب ہوگیا اور وہاں کی نعمتیں میسر آگئیں تو تب تو واقعی کامیابی نصیب ہوئی۔ لیکن اگر وہاں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو دنیا میں کیسی بھی عیش و عشرت کی زندگی گزاری ہوگی وہ ابدی زندگی کی ناکامیوں کی تلافی نہیں کرسکتی۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣١﴾

(اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تو ان سے کہا جائے گا کہ کیا میری آیات تم کو پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں، لیکن تم نے تکبر کیا، اور تم مجرم لوگ تھے۔ ۳۱)

Marfat.com

کفار کا انجام

صاحبِ ایمان لوگوں کے انجام کے بعد کفار کا انجام بیان فرمایا گیا ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں اصل بحث کفار ہی کے حوالے سے کی جارہی ہے اور بار بار ان کے اصل مرض کی نشان دہی کی جارہی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کو نا قابلِ اعتنا سمجھا اور اللہ تعالیٰ کے دین کو اپنی آزاد زندگی کیلئے زنجیرِ پا خیال کیا۔ کیونکہ ان کا تکبر اور غرور ہی وہ اصل مرض تھا جو انہیں آنحضرت ﷺ کی دعوت کے قریب نہیں آنے دیتا تھا۔ اس لئے اس پیشِ نظر آیت کریمہ میں خاص طور پر کفار کے انجام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور ان کے اصل مرض پر بھی توجہ دلائی گئی۔ چنانچہ ان کے اسی کبر و غرور کے حوالے سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن بھی ان سے کہا جائے گا کہ کیا یہ امرِ واقعہ نہیں کہ تمہیں اس دن کے حوالے سے جب ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم نے ہمیشہ تکبر کا اظہار کرتے ہوئے ان آیتوں کو سننا گوارا نہ کیا۔ اور ہماری تذکیر و تنبیہ کے باوجود تم بدستور اپنے جرم پر اصرار کرتے رہے۔ لیکن ان سے سوال کا جواب مطلوب نہیں ہوگا کیونکہ اس سوال کا جواب تو خود ان کے دفترِ اعمال سے ظاہر تھا۔ سوال کرنے سے مقصد صرف انہیں ملامت کرنا تھا تاکہ انہیں اندازہ ہوسکے کہ وہ جس انجام کو پہنچے ہیں اس کا سامان انہوں نے خود کیا تھا۔

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِىْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾

(اور جب کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے، ہم تو بس ایک گمان سا رکھتے ہیں، اور ہم اس کا یقین کرنے والے نہیں۔ ۳۲)

مخالفین کے استکبار کی تفصیل

گزشتہ آیتِ کریمہ میں مخالفین کے جس استکبار کا ذکر ہوا ہے یہ اسی کی تفصیل ہے۔ ان کے تکبر کا حال یہ تھا کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے اور اس نے ہر رسول کے ذریعے اس کی امت کے سامنے اس وعدے کو دہرایا ہے کہ قیامت بہرحال آنے والی ہے کیونکہ اگر قیامت کے وجود سے انکار کردیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی پوری سکیم الٹ جاتی ہے جو انسان کی تخلیق کا باعث بنی اور جس کی وجہ سے انسان کو تکلیفِ شرعی کا مکلّف بنایا گیا۔ اس لئے بلاخوفِ تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قیامت آنے والی ہے تو تم نہایت رعونت اور تکبر سے یہ جواب دیتے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے۔ البتہ مسلسل سننے کی وجہ سے ہم اس کا ایک گمان سا رکھتے ہیں جس کا گزر کبھی کبھی ہمارے دل میں ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں اس بات کا یقین نہیں ہے کیونکہ ہم یقین ان باتوں کا رکھتے ہیں جو ہمارے مشاہدات میں آتی ہیں یا جن سے ہمیں سابقہ پڑتا ہے۔ اگر ہمارے آباؤ اجداد میں سے کسی کو زندہ کیا گیا ہوتا اور ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو ہم دوسری زندگی کا یقین کرلیتے اور اس کے بعد قیامت کے باقی امور کا بھی ہمیں یقین آجاتا۔ لیکن جو بات آج تک

Marfat.com

ہمارے مشاہدے میں نہیں آئی تو اس کا محض گمان ہی ہو سکتا ہے، یقین تو نہیں ہو سکتا۔ اور یقین وہ قوت ہے جو انسان کے افکار و اعمال میں تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔ محض گمان پر تو اپنی خواہشات کو قربان نہیں کیا جا سکتا اور اپنے مفادات کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جو مطلقاً قیامت کا انکار نہیں کرتے تھے، البتہ اس کے وقوع پذیر ہونے کا یقین بھی نہیں رکھتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اس کے امکان کو تسلیم کرتے تھے۔ لیکن یقین نہ ہونے کے باعث جواب دہی کے تصور کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ یہ اگرچہ کہنے کو ایک الگ گروہ کہا جا سکتا ہے لیکن زندگی کے افکار و اعمال کے اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ آدمی جس بات کا یقین نہیں رکھتا نہ وہ بات اس کے افکار میں داخل ہوتی ہے اور نہ اس کی عملی زندگی میں تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔

مشرکین کی فکری بے مائیگی

قرآنِ کریم نے مشرکین کی اس بات کو جہاں ان کے تکبر کے طور پر ذکر کیا ہے وہیں ان کی فکری بے مائیگی کو نمایاں بھی کیا ہے۔ کیونکہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ انسان کو صرف اس چیز کو ماننا چاہئے جو اس کے مشاہدے میں آتی ہے۔ اس کے علاوہ اسے کسی بات پر یقین نہیں کرنا چاہئے، خواہ اس پر کیسے ہی عقلی اور اخلاقی دلائل موجود ہوں۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ پھر انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ انسان کے پاس علوم کا جو سرمایہ ہے جس کے پیچھے صدیوں کی کاوشیں ہیں اس کا بیشتر حصہ عقلی اور اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے۔ اس بات کو تسلیم کر لینے کے بعد ان تمام علوم کا انکار کرنے کے سوا چارۂ کار نہیں ہوگا۔ اور انسان کی صدیوں کی کاوشیں محض قصے کہانیاں بن کر رہ جائیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ علوم کا معاملہ تو الگ رہا انسان کے بیشتر اعمال ظن و گمان پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور اگر اس کا انکار کر دیا جائے تو انسان کو بہت سے نقصانات سے نہیں بچایا جا سکتا۔ دریاؤں پر حفاظتی بند صرف اس گمان پر باندھے جاتے ہیں کہ دریاؤں کی طغیانی کسی وقت بھی انسانی آبادیوں کیلئے نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔ مضبوط گھر اسی لئے بنائے جاتے ہیں تاکہ آفاتِ ارضی و سماوی جو سراسر ظن و گمان پر مبنی ہیں ان سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اور جو شخص ہر کام کرنے سے پہلے یقین کو ضروری سمجھتا ہے وہ کسی خطرے کیلئے بھی پیش بندی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ دشمن کی ترقی پذیر قوتیں چند سالوں میں اسے روند کے گزر جائیں گی، اسے محض یہ یقین سہارا نہیں دے سکتا کہ مجھے ان کے اس حد تک طاقتور ہو جانے کا یقین نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے بیشتر امور گمانِ غالب پر قائم ہیں۔ تو کس قدر تعجب کی بات ہے کہ صرف آخرت ہی کا اس لئے انکار کر دیا جائے کہ اس کی ہمارے پاس کوئی یقینی اطلاع نہیں۔ حالانکہ آخرت ہی کا عقیدہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا صدیوں سے ہر اس زبان سے اعلان ہوتا چلا آیا ہے جس کے صدق و دیانت پر کبھی کسی نے انگشت نمائی نہیں کی۔ دشمن نے بھی اعتراف کیا کہ ہم اس مدعیِ نبوت کو چاہے نہ مانیں لیکن اس کے صدق و امانت کا ہم انکار نہیں کر سکتے۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾

(اور ظاہر ہو جائیں گی ان پر برائیاں ان اعمال کی جن کو وہ کرتے رہے، اور وہ چیز ان کو گھیر لے گی جس کا وہ مذاق اڑاتے رہے۔ ۳۳)

Marfat.com

قیامت کے روز اعمال کے حقیقی نتائج سے پردہ اٹھا دیا جائے گا

دنیا میں آدمی جو کچھ بھی کرتا ہے اس کے برے نتائج فوراً اس کے سامنے نہیں آتے اور اسی باعث وہ بہت سارے جرائم پر دلیر ہوتا جاتا ہے۔اور جو لوگ ان برائیوں کے نتائج سے اسے آگاہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کا وہ مذاق اڑاتا ہے۔لیکن قیامت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس دن اعمال کے حقیقی نتائج سے پردہ اٹھا دیا جائے گا۔آج جن چیزوں کو آدمی بے ضرر سمجھتا ہے اس دن ان کا ضرر وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔اور اخلاقی جرائم سے وہ محظوظ ہوتا ہے اس دن اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ ان کے نتائج کس قدر ہولناک ہیں۔ان ہی میں سے وہ عذاب بھی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے نبی قوموں کو ڈراتے ہیں۔اور وہ ان کا مذاق اڑاتا ہے۔لیکن قیامت کے دن جب یہ باتیں اور یہ نتائج اسے گھیر لیں گے تو تب اسے اندازہ ہوگا کہ آج میرے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا
وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

(اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ آج ہم بھی تمہیں اسی طرح طاقِ نسیان میں رکھ دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا، اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور کوئی تمہاری مدد کرنے والا نہیں۔ ۳۴)

قیامت یوم الجزا ہے

اللہ تعالیٰ کے رسول دعوت و نصیحت کے جتنے سالیب ممکن ہیں سب کو نہایت جانفشانی اور ہمدردی کے ساتھ بروئے کار لا کر اپنی امتِ دعوت کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ تمہیں بہر حال ایک دن اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔اور اس حقیقت سے کسی کو بھی مفر نہیں۔آج اگر تم نے ہماری اس نصیحت پر کان نہ دھرا تو قیامت کا پچھتاوا تمہارے کسی کام نہیں آئے گا۔لیکن رسولوں کے مخاطب ہمیشہ ان کی نصیحتوں کا مذاق اڑاتے رہے اور قیامت کو انہوں نے ایک افسانے سے زیادہ کبھی اہمیت نہ دی۔اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی ہر بات کے ساتھ یوں معاملہ کیا جیسے اس نے سنا ہی نہیں۔اور قیامت کی ملاقات کو اس طرح طاقِ نسیان کی زینت بنایا جیسے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب یہ لوگ حاضر ہوں گے تو ان سے کہہ دیا جائے گا کہ قیامت کا دن چونکہ جزاء کا دن ہے، آج ہر عمل کا بدلہ ملے گا۔تم نے دنیا میں جس طرح قیامت جیسی حقیقت کو بھلائے رکھا اور کبھی اسے سنجیدہ بات کی حیثیت نہ دی، ہم بھی آج تمہیں اسی طرح بھلا دیں گے۔یعنی تمہارے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو ایسے لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جنہیں حافظے نے کبھی قبول نہ کیا ہو۔تم چیخو گے، شور مچاؤ گے، واویلا کرو گے، لیکن تمہاری سنی نہیں جائے گی۔کیونکہ یہ تمہارے اسی عمل کا ردِعمل ہوگا جو تم نے قیامت کے عقیدے کے ساتھ کیا۔اب تمہارا ٹھکانہ ہمیشہ کیلئے جہنم ہے۔اور جن کے بھروسے پر تم نے اپنی آخرت تباہ کی اور زندگی میں کبھی سنجیدگی اختیار نہ کی، ان میں سے کوئی تمہاری مدد کو نہیں پہنچے گا۔

Marfat.com

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾

(یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق بنالیا تھا، اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈال دیا تھا، پس آج نہ تو وہ اس دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کو معذرت پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ ۳۵)

یہ انجام ان کے اپنے کرتوتوں کی سزا ہے

قیامت کے دن کفار جس انجام سے دوچار ہوں گے اس کا حوالہ دے کر ان سے کہا جائے گا کہ یہ مصیبت اچانک تمہارے سروں پر نازل نہیں ہوئی بلکہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ تمہیں آج کے دن سے آگاہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی تھیں، لیکن تم بجائے غور سے سننے اور ان میں تدبر کرنے کے ان کا مذاق اڑاتے رہے۔ اور اس طرح تمسخر کرتے ہوئے وہاں سے چل پڑتے، گویا تم نے ایک ایسی بات سنی ہے جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اور دوسری تمہاری سب سے بری خصلت یہ تھی کہ تمہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ تم اپنی دولت و رفاہیت کو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کی سند سمجھتے تھے اور بدحال مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ اگر تمہارا رویہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قابلِ قدر ہوتا تو یہ دولت و رفاہیت تمہیں ملتی۔ لیکن آج جبکہ یہ سب کچھ ہمیں میسر ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں تم سے بدرجہا بہتر ہیں اور ہمارے عقائد و اعمال اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ تمہارے اس رویئے کا نتیجہ وہ انجام ہے جس سے تم آج دوچار ہو۔ تم اپنے آپ کو مقبولِ بارگاہِ خداوندی سمجھتے تھے۔ لیکن اس کی پاداش میں آج تمہیں جہنم سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ اور نہ تمہیں اس کا موقع دیا جائے گا کہ تم اپنے رب سے معافی مانگ کر اسے راضی کرلو۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ یہ آخری بات انہیں حاضر کے صیغے کی بجائے غائب کے صیغوں میں کہی جائے گی۔ گویا اللہ تعالیٰ اس روز ان سے اس حد تک بیزار ہوگا کہ انہیں خطاب کرنا بھی پسند نہیں فرمائے گا۔ اس لئے جو بات دنیا میں انہیں بتانا مقصود ہے اسے منہ پھیر کر غائب کے صیغے سے کہا گیا ہے۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾
وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

(پس اللہ ہی کیلئے ہیں تمام تعریفیں، جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا، اور سارے جہان والوں کا پروردگار۔ ۳۶)
اور اسی کیلئے بڑائی آسمانوں اور زمین میں، اور وہی زبردست اور دانا ہے۔ ۳۷)

(اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی صفاتِ کاملہ، اس کے بے مثال اور بینظیر ہونے کو دلائلِ انفس و آفاق سے ثابت کرنے کے بعد نتیجے کے طور پر یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہی ذات ہے جو سب تعریفوں کی مستحق ہے، ہر طرح کے شکر و سپاس کا وہی حقدار ہے۔ اسی کی ربوبیت کا فیضان زمین و آسمان کی تمام مخلوقات کو پال رہا ہے۔ اور وہی ہے جس کے قانونِ تکوین و تشریع میں تمام مکلّف اور غیر مکلّف مخلوقات سربسجود ہیں۔ زمین و آسمان میں کبریائی اسی کو زیب دیتی ہے۔ ایک ایسی کائنات جس کے اور چھور کا آج تک اندازہ نہیں ہوسکا، اسی کی حکمت و دانش اسے سنبھالے ہوئے ہے اور اسی کی ہیبت و حاکمیت ساری کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔)

Marfat.com

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ

کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وقت نہیں

تفسیر

سورۃ

سورۃ

Marfat.com